بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

آجکل کا زمانہ بھی عجیب زمانہ ہے کہنے کو تو کونسی شے ہے جس میں موجودہ زمانہ میں ترقی نہیں ہوئی جو باتیں متقدمین کے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ گذری ہوں گی وہ آجکل آنکھوں سے نظر آتی ہیں علم کائنات کی جو شاخ لیجیے اس کی تحقیقات کا پایہ بہت ہی بلند نظر آئے گا صنعت میں وہ وہ ایجادیں ہوئیں کہ جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے صناعان چین کی صناعیاں جو کسی زمانہ میں ضرب المثل تھیں اب گرد نظر آتی ہیں علم الافلاک کو دیکھئے تو بہت سے نئے سیاروں وستاروں کا ذخیرہ نظر سے گذریگا جو قدما کے خزانہ میں موجود نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ ہر شے ترقی کا دم بھرتی ہے لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو جسقدر اور علوم وفنون میں ترقی ہوئی ہے اسی قدر اخلاقی اور مذہبی پہلو انحطاط کی جانب گرتا چلا گیا ہے۔ سائنٹیفک دنیا میں یورپ کے لوگ سب سے زیادہ مہذب مانے جاتے ہیں لیکن اخلاقی جرائم کا جس قدر یورپ کے لوگ حصہ لیتے ہیں شاید دوسرے ممالک میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ یورپ کے بچوں کی تعداد کے پورا کرنے میں ایسے بہت سے بچے شامل ہوتے ہیں جنکے باپ کا پتہ نہیں اس کو بھی جانے دیجیے شراب خواری کیا کم ہے جس کو تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ کہنا کچھ مبالغہ نہیں چنانچہ اسی واسطے اس کو ام الخبائث کا

کا لقب دیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ نئی تہذیب کا جسقدر زیادہ حصہ کسی ملک نے لیا ہے اُسی قدر اُس
میں اخلاقی برائیاں زیادہ شائع ہیں۔ یہی حالت کیا اسلام اور کیا دیگر مذاہب جنھوں نے تہذیب
اخلاق کا ذمہ لیا ہے سب پر قریب قریب صادق آتی ہے کوئی مذہب والا یہ نہیں کہہ سکتا
کہ ہمارے مذہب کی آب و تاب کا پایہ بلند ہے۔ بظاہر اگر آپ کوئی ایسا مذہب انتخاب
کریں گے تو شاید عیسائیت کا نام لیں گے لیکن اگر آپ عیسائیوں کے خیالات ٹٹولیں گے
تو جن کو عہد عتیق و عہد جدید کے موافق عیسائی کہا جا سکے ایسے لوگوں کی بہت ہی کم تعداد
ملے گی جدید سائنس کی بدولت بہت کچھ دہریت کا حصہ آپ اُن کے خیالات میں شامل
پائیں گے سائنس کے مقابلہ میں موجودہ مذاہب میں سے بہتیرے تو ٹھیر ہی نہیں سکتے اور
اگر کوئی مذہب ٹھیر سکتا ہے تو وہ یا تو اسلام ہوگا یا وہ مذہب جس میں اسی کے قریب قریب
باتیں مانی جاتی ہیں بلکہ یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ دنیا بھر میں ایک مذہب اسلام ہی ایسا
مذہب ہے جو سائنس کے ہم پہلو ہو کر چل سکتا ہے چنانچہ دہریت کا خراب اثر جتنا کہ دیگر
مذاہب پر پڑا اُس قدر شاید اسلام پر نہیں پڑا اور جس قدر کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اُس کی
وجہ یہ نہیں کہ اسلام میں محقق سائنٹیفک اصول کے خلاف کوئی بات مانی جاتی ہے
بلکہ اُس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے علوم کائنات اور فلسفۂ جدیدہ
کو حاصل کیا ان میں اکثر ایسے اشخاص شامل ہوئے جو اپنے مذہب سے بالکل ناواقف تھے
یا وہ اس قدر واقفیت نہ رکھتے تھے جو اسلام اور سائنس کو پہلو بہ پہلو لے چلنے کے لئے کافی
ہوتی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر تعلیم یافتہ اشخاص اس بلا میں پھنس کر عجب مخمصہ میں گرفتار ہو گئے
بعضوں نے تو یہ کہہ کر اپنا جی سمجھا لیا کہ مذہب کو سائنس سے کوئی علاقہ نہیں اور بعضوں نے
اپنے سچے مذہب کے مقابلہ میں سائنس کی اس قدر حد سے زیادہ وقعت کی کہ انھوں نے

اسلام کے وہ مسلم الثبوت مسائل جو بانی اسلام کے زمانہ سے لیکر آج تک اسلامی دنیا میں برابر مانے گئے تھے اور عقلاً و نقلاً مدلل ہو چکے اُن کا انکار کر دیا اور اس کا باعث صرف یہ ہوا کہ جدید فلسفہ کی مزاولت کی وجہ سے اسلامی صحیح مسئلہ کو اسلامی لباس میں نہ پہچان سکے اور اسی بنا پر انھیں سائنٹیفک اصول کے وہ خلاف معلوم ہوا ورنہ اگر کوئی جامع شخص وہ مسئلہ اُن کو سائنٹیفک لباس پہنا کر دکھاتا تو بیدھڑک اس پر ایمان لے آتے پس اسی وقت کے رفع کرنے کے لئے بہت سخت ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ہمارے تعلیم یافتہ بھائیوں کو اسلامی مسائل سائنٹیفک لباس میں دکھا سکے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کا غیب سے سامان کر دیا اور مولانا حسین آفندی الجسر طرابلسی کو ایک ایسی عربی کتاب جس کا نام "حمیدیہ" ہے لکھنے کی توفیق دی جو فلسفۂ جدیدہ کے موافق بالکل سائنٹیفک اصول پر تالیف کی گئی ہے اور جو جو شبہات ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ اشخاص کو اسلامی مسائل میں پیدا ہوتے تھے قریب قریب ان سب کا علوم جدیدہ کے موافق شافی جواب دیا ہے۔

وہ کتاب ہمارے بزرگ حضرت اقدس مقتدانا و مولانا جناب حاجی حافظ قاری شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی کے ملاحظہ سے گذری چونکہ مولانا صاحب موصوف کو اپنے دینی بھائیوں کی اصلاح دل سے مدنظر تھی آپ نے اس عاجز کو اس کے ترجمہ کرنے کا ارشاد کیا۔ یہ ہیچمدان اگرچہ اس قابل نہ تھا لیکن بمقتضائے "الامر فوق الادب" خدا پر بھروسہ کر کے اس پر آمادہ ہو گیا اور جناب موصوف ترجمہ کو من اولہ الی آخرہ بنظر تصحیح ملاحظہ فرماتے رہے اور جو مقام کتب سابقہ سے نقل بشارات کا اس کتاب میں تھا اس کو غایت اہتمام کے لئے مولوی رحم الٰہی صاحب کو بھی عاجز نے سنا دیا اور ان کی رائے سے ان کی کتاب براہین رحمیہ سے بعض حواشی مفیدہ بھی چڑھا دئے مولوی صاحب کو اس

بحث خاص میں کامل دستگاہ حاصل ہے اور بشارات کتب سابقہ کے باب میں مولوی صاحب کی کتاب براہین رحمیہ بھی اپنی آپ نظیر ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ وہ ترجمہ اختتام کو پہنچ گیا ترجمہ کرنے کی جن صاحبوں نے کبھی دقت اٹھائی ہوگی وہ اندازہ کرسکیں گے کہ عاجز کو کس قدر تکلیفیں برداشت کرنا پڑی ہونگی خصوصًا جبکہ اس کا بھی لحاظ کیا گیا ہو کہ عبارت حتی المقدور با محاورہ رہے اور مصنف کا اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے عاجز نے اپنے مقدور بھر کوشش کرتے ہیں اگرچہ کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن بمقتضائے "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" غلطیوں کا واقع ہونا خصوصًا مجھ ایسے کم استعداد طالب علم سے کچھ مستبعد نہیں مگر تاہم ناظرین سے امید ہے کہ یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں میں سے ایک ادنی درجہ کے طالب علم نے اپنے دینی بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے کوشش کی ہے تسامحات سے قطع نظر کرکے اس ناچیز ترجمہ کو محبت کی نظر سے دیکھیں گے اور اصلی مقصود کا لحاظ رکھیں گے اور باوجود اس کے جو بزرگوار ملت اُس کی بابت کوئی نیک مشورہ دینگے نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور انشاء اللہ آئندہ اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

میں اہل اسلام سے عمومًا اور تعلیم یافتہ پارٹی سے خصوصًا اس بات کا ملتجی ہوں کہ اصل کتاب کو یا کم سے کم اس کے ترجمہ کو من اولہ الی آخرہ ضرور ملاحظہ فرمائیں علاوہ تحقیقات مسائل اسلامیہ کے اس میں بہتیری فلسفۂ جدیدہ کی دلچسپ بحثیں نظر سے گذریں گی جو فائدہ سے خالی نہیں۔ کاش اس کتاب کا ترجمہ کوئی بھی خواہ قوم انگریزی زبان میں کرتا تو زیادہ مفید ثابت ہوتا مجھ میں تو اس قدر قابلیت نہیں کہ میں اس کا ترجمہ ایسی انگریزی میں کرسکوں جو آپ لوگوں کے دیکھنے کے قابل ہوسکے۔ ورنہ میں اردو کی طرح اس سے بھی ہرگز باز نہ رہتا لیکن

امید ہے کہ ہمارے گریجویٹ بھائیوں میں سے کوئی صاحب اس بات پر کمر ہمت باندھیں گے اور موجودہ اور آئندہ اسلامی نسلوں کو اس بلا سے بے درمان سے بچائیں گے، اور ہمدردی قوم کا عملی ثبوت دیں گے ۔ فقط والسلام خیر ختام ۔

سید اسحاق علی عفی عنہ
مدرسہ جامع العلوم کانپور

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد رسول اللہ وعلی

آلہ وصحبہ اجمعین

بعد حمد و صلوۃ کے واضح ہو کہ جامع علوم عقلی و نقلی حسین بن محمد الجسر طرابلسی مؤلف رسالہ حمیدیہ نے اپنے دیباچہ میں وجہ تالیف[1] اور وجہ تسمیہ تحریر کی تھی لیکن چونکہ یہ دونوں امر چنداں مفید اور باعث دلچسپی نہ تھے اس لئے اس کو چھوڑ کر اصل مقصود سے ترجمہ کیا گیا ناظرین معاف فرمادیں وہو ہذا

ایک شہر کے سارے لوگوں میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اوس کی حالت یہ ہے کہ اپنی ابتدائے پیدائش سے تمام لوگوں میں سچائی اور امانت داری کے ساتھ معروف و مشہور ہے۔

---

[1] وجہ تالیف کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انگریز نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد میں تطبیق دینی چاہی تھی اور اسلامی مسائل کی تحقیق کا ارادہ کیا تھا لیکن چونکہ اس کی تحقیقات ناکافی تھی اور اسی وجہ سے اطمینان بخش بھی نہ ہوسکتی تھی۔ اس لئے یہ رسالہ تالیف کیا گیا اور وجہ تسمیہ تو خود رسالہ حمیدیہ کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ سلطان معظم سلطان عبد الحمید خاں لازالت ایام دولتہ الباہرۃ وسلطنتہ القاہرہ کے اسم مبارک کیطرف منسوب ہے ۱۲ مترجم

نہ کبھی اُس نے کوئی جعلسازی کی نہ کبھی ناحق حیلہ بازی اس سے دیکھی گئی اسی طرح لوگوں کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ وہ ناخواندۂ محض ہے کچھ لکھا پڑھا نہیں تو پھر بھلا دوسرے کے خط کی نقل کرنا تو درکنار اور نہ کبھی اس نے شاہی قوانین اور قاعدے ہی بنانے کی مشقت اٹھائی جن میں عام رعایا کی مصلحتوں کی رعایت ہوتی ہے پس کھڑے ہو کر اُس شخص نے باآواز بلند سارے لوگوں میں ایک آواز دی اور اُن سے کہا کہ اے لوگو سُن لو کہ میں تمہارے پاس تمہارے بادشاہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں بادشاہ کا مجھے حکم ہے کہ اُس کا پیغام تمہیں پہنچا دوں اور اُس کے اُن قوانین کی جنھیں اُس نے تمہارے لئے حال ہی میں جاری کیا ہے بخوبی تشریح کردوں۔ اس کا حکم ہے کہ تم لوگ ان قوانین کے مقتضیٰ پر چلو اور ان کے مضمون کے موافق عملدرآمد کرو۔ اور یہ کوئی نئی بات تو ہے ہی نہیں اُس نے تو زمانہ گذشتہ میں بھی میرے علاوہ تمہارے پاس متعدد سفیر بھیجے تھے اور انہوں نے اس زمانہ کے مناسب جو قوانین تھے تمہیں بادشاہ کی جانب سے پہنچائے بھی تھے لیکن اب بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ان پرانے قوانین میں سے بہت سے منسوخ ہو گئے ہیں اُنہیں چھوڑ دو کیونکہ جو زمانہ اُن کے مناسب تھا وہ گذر گیا اب تمہارے ذمہ یہ ضروری ہے کہ ان نئے قوانین کی پیروی کرو جو اس نے میری ساتھ کر دیئے ہیں۔ اسی طرح اُس کا یہ بھی حکم ہے کہ اُن رسموں کو ترک کردو جو تم نے اپنے آباؤ اجداد سے سیکھی ہیں یا اپنی خواہش سے اختراع کر لی ہیں کیونکہ اُس نے اُن کا کسی وقت میں حکم نہیں کیا اور سچ پوچھو تو وہ ہیں ہی بُری رسمیں اور قبیح عادتیں جن سے عقل انکار و طبیعت نفرت کرتی ہے اور ان میں تمہارا سراسر ضرر ہی ضرر ہے اور ان میں سے بہتیری رسمیں تو ایسی ہیں جن سے بادشاہ کی بیشمار نعمتوں کی ناشکری ہوتی ہے اور اس کی ضعیف رعیت پر ظلم پس بادشاہ کا حکم سمجھ کر میری تصدیق کرو اور میری راہ چلنا اپنے اوپر لازم کرو تاکہ تمہیں

بتا دوں کہ بادشاہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس سے ناراض ہوتا ہے۔ یہ سُن کر سب
لوگوں نے اُسے جواب دیا اور اُس سے کہنے لگے کہ اے مقامِ عظیم اور منصبِ عالی کے دعویدار۔
ذرا ٹھیر! تو نے تم اپنے امر، دعوے سے ہمیں ایسی راہ چلنے کی تکلیف دی ہے جس پر چلنا ہمیں
سخت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ہمارے نفوس اس سے نفرت کرتے ہیں عقلیں منقبض ہوتی
ہیں اور ہماری فکریں اس کے تحمل کے خیال سے مضطرب ہوئی جاتی ہیں۔ ہاں جب ہمارے
نزدیک یہ بات متحقق ہوجائے کہ ہمارا بادشاہ جس کے ہم پر بکثرت احسانات ہیں اور جو ہماری جانوں
کو اپنی بخشش سے غلام بناتے ہوتے ہے وہی امر، کا حکم کرتا ہے اور اسی نے ہمارے لئے
یہ ساری باتیں پسند کی ہیں تو اس وقت تو سوائے اطاعت کرنے کے ہمیں کوئی گنجائش نہ رہیگی
اور تیری بات ماننا تیری سفارت کی تصدیق کرنا اور تیری پیروی کرنے پر متوجہ ہوجانا ہمیں
ضروری ہوجائے گا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ہمارے بادشاہ کو ہم پر احکام نافذ کرنے کا استحقاق
حاصل ہے اور اس کی ہم پر زوردار حکومت بھی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ ہمیں خوب معلوم
ہے کہ وہ ہمارے لئے ایسی ہی چیز پسند کرتا ہے جس میں ہماری سراسر ظاہری و باطنی مصلحت ہی
مصلحت ہو۔ لیکن یہ تو بتا کہ تیرے دعوے کے صحیح ہونے کی کوئی برہان کوئی دلیل بھی ہے؟ جو
ہمیں تیرے سامنے پست ہوجانے اور تیری بات کے یقین کرنے پر مجبور کر دے تو اس شخص
نے کہا کہ ہاں اے عقلمندو! ہے اور بھلا عقلمند کو کیا یہ زیبا ہے کہ بلا کسی حق تک پہنچانے والی
دلیل کے کسی کے دعوے کی تصدیق کرلے؟ لو دیکھو! بادشاہ کے خط کا۔ بادشاہ کی مہر کا۔ بادشاہ
کی طرزِ تحریر کا جسے تم بھی پہچانتے ہو میرے پاس ایک فرمان ہے اُس میں وہ کہتا ہے کہ فلاں
شخص یعنی میرے اس فرمان کا حامل فلاں فلاں صفات سے آراستہ ہے جو معائنہ کرنے کے
وقت اُس میں ظاہر ہیں جو کچھ میری طرف سے تمہیں پہنچائے سب میں سچا ہے اور میں نے تمہارے

پاس اسے سفیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ان قوانین کی تمہارے لئے تشریح کرے جنھیں میں نے تمہارے نفع کیلئے مقرر کیا ہے پس اس کے حکموں کی تعمیل کرو اور اس کے منہیات سے بچتے رہو۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تو پھر وہ فرمان جس کا تو دعوے کرتا ہے۔ ہمارے روبرو پیش کر ہم دیکھیں تاکہ تیرا جھوٹ سچ کھل جائے اور ہمارا شبہ مٹ جائے پس اس وقت اس نے وہ فرمان نکالا اور ان کے سامنے ڈال دیا اور سر ادنیٰ اور اعلیٰ اس میں غور کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور سب کے سب نے اسمیں غور کیا اس کو پڑھا اس کے معانی سمجھے تو بادشاہ کی طرف سے اس کے کہنے کے موافق لوگوں کے لئے صاف یہی فرمان نکلا کہ یہ شخص میرے اس فرمان کا حامل فلاں فلاں علامات سے آراستہ جو اس میں ظاہر ہیں تمہارے پاس میرا سفیر بن کر آتا ہے اور جو چھوٹی بڑی بات میری طرف سے تمہیں پہنچائے سب میں سچا ہے اس کے حکموں کو مانو اور اس کی منہیات سے بچو اور جو قوانین میں نے تمہارے لئے جاری کئے ہیں اس سے سیکھو اسی طرح جس جس بات کا وہ دعویٰ کرتا تھا کہ بادشاہ نے فلاں فلاں کام میرے سپرد کئے ہیں اس میں اول سے آخر تک سب کے سب نکلے اور چونکہ وہ سب لوگ قوت ادراک اور طریق استدلال کی شناخت میں متفاوت تھے اس لئے کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ سارا علم شخص واحد کے پاس نہیں مل سکتا البتہ پوری جماعت کے پاس مل سکتا ہے۔

پہلا فرقہ | چنانچہ ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ شاہی خط کو کماحقہ پہچانتے تھے اور اس میں دھوکا نہ کھا سکتے تھے اور اس کا بھی انہیں یقین تھا کہ وہ شخص نقل نہیں کر سکتا پس جب انھوں نے یہ فرمان دیکھا تو کہنے لگے یہ تو ہمارے بادشاہ ہی کا خط ہے اسلئے ہو نہ ہو بلاشبہ یہ اسی کا بھیجا ہوا فرمان ہے تو ہم نے تو جو کچھ اس میں ہے پورے طور سے اس کا یقین کر لیا اور اس شخص کے دعوے میں اس کی تصدیق کر لی۔

دوسرا فرقہ اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ شاہی مہر کو پورے طور سے پہچانتے تھے اور یہ بھی انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ شخص نقل نہیں کر سکتا بس جونہیں انھوں نے اُس فرمان کو دیکھا تو وہ بول اُٹھے کہ بیشک یہ ہمارے بادشاہ ہی کی مہر ہے اس میں کسی طرح کا جعل نہیں ہو سکتا پس ہم نے بھی اس شخص کی بلا چون و چرا تصدیق کر لی۔

تیسرا فرقہ اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ بادشاہ کی انشا پردازی اس کے شاہی طرز تحریر اور سلطانی خطابات سے بخوبی واقف تھے جس کی بلاغت سے اور لوگ عاجز محض ہیں پس وہ لوگ کہنے لگے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس فرمان کا طرز تحریر ہمارے بادشاہ ہی کا طرز تحریر ہے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ طرز اسی کے ساتھ خاص ہے اور یہ خطاب بھی اسی کا سا خطاب ہے جس کو ہم نے اسے اپنی رعایا کی مخاطبات میں استعمال کرتے ہوئے بارہا دیکھا ہے اسی لئے ہم نے بھی اس شخص کی اس کے دعوے میں تصدیق کر لی۔

چوتھا فرقہ اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ امور مذکورہ بالا میں سے تو کچھ بھی نہ جانتے تھے لیکن انھیں یہ معلوم تھا کہ ہمارے بادشاہ کے پاس قسم قسم کی نایاب چیزوں کے ذخیرے ہیں کہ اس کے سوا بڑے بڑے مالداروں اور بادشاہوں کے پاس بھی نہیں مل سکتے تو وہ لوگ اس شخص سے کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو تیرے سچے ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اُس کے خزانہ خاص کی فلاں فلاں نادر اشیا بادشاہ کے پاس سے لاکر حاضر کر دے تو اُس نے انہیں جواب دیا کہ میں انشاء اللہ یہ بھی کروں گا اور پھر تھوڑی مدت کے بعد جو کچھ انہوں نے مانگا تھا اُس نے لاکر حاضر کر دیا اور لوگوں نے اُسے دیکھا اور پہچان لیا اور اُنھیں یہ بھی خوب معلوم تھا کہ بادشاہ کی اجازت اور ارادہ کے بغیر اُن نادر اشیاء کا حاضر کر دینا بالکل

ناممکن ہے کیونکہ وہ سب انتہا درجہ کی حفاظت کے ساتھ اس کے خزانوں میں محفوظ ہیں پس اس وقت اس فرقہ نے اس شخص کے دعوے کی کامل طور پر تصدیق کر لی۔

پانچواں فرقہ | اور ان میں سے ایک فرقہ بولا کہ ہمارے بادشاہ نے گذشتہ زمانہ میں کچھ سفیر بھیجے تھے اور اس زمانہ کے مناسب قوانین ان کے ساتھ کر دئے تھے جو اس زمانہ کی ضرورت کے لئے بالکل کافی تھے اور انہوں نے اپنے دعوے کے ثابت کرنے والے دلائل قائم کر کے یہ امر مدلل کر دیا تھا کہ انہیں بادشاہ ہی نے بھیجا ہے اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بادشاہ اس بات کو ٹھان چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے بعد وہ ایک اور سفیر بھیجے گا اور ایسے قوانین اس کے ساتھ کر دے گا جو تمہارے حالات کی اصلاح کے پورے کفیل ہوں گے اور جس زمانہ میں اُسے بھیجے گا اس کے مناسب اور اس کی ضرورتوں کے کافی طور پر ذمہ دار ہوں گے۔ اور اس سفیر میں فلاں فلاں علامتیں موجود ہوں گی چنانچہ وہ ہمیں بہت سی علامتیں بتلا بھی گئے تھے کہ جن سب کا اجتماعی طور پر دو شخصوں میں بھی پایا جانا عقل نہیں مان سکتی پس اب ہم جو کچھ یہ شخص لایا ہے اور جس کی نسبت اس کا دعویٰ ہے کہ ہمارے بادشاہ کے پاس سے اُسے ملا ہے اُس میں غور کرتے ہیں اگر یہ سفیران گذشتہ کے قول کے موافق نکلا اور اس شخص میں ان سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں پائی گئیں تو ہم جان لیں گے کہ یہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور اگر معاملہ بالعکس ہوا تو بے کھٹکے اس کے دعوے کو الگ کریں گے۔ پس یہ کہہ کر جب انہوں نے اُن قوانین میں تامل کیا جن کی نسبت اس کا دعوے تھا کہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں تو اُسے سفیران گذشتہ کی خبر کے سراسر موافق پایا اور جب اُن سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتوں کی تفتیش کی تو بلا کسی بناوٹ کے کھلم کھلا اس میں نظر آئیں پس جب انہوں نے ہر

طرح سے اپنا اطمینان کر لیا تو اُس وقت وہ بھی اُس کے دعوے کے مصدّق بن گئے
اور انھوں نے بھی کامل طور پر اُس کی پیروی اختیار کر لی۔

چھٹا فرقہ | اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ کہنے لگے کہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ اس
شخص کے اوامر و نواہی میں ہم غور کریں اور اُن قوانین کو سوچیں جن کے بادشاہ کے پاس
سے ہونے کا یہ مدعی ہے اگر ایسی چیزوں کا حکم کرے جن کو ہم بادشاہ کی مرضی کے موافق سمجھتے
ہیں اور ایسی ہی چیزوں سے منع کرے جس کو اُس کی مرضی کے خلاف جانتے ہیں اور اس کے
لائے ہوئے قوانین کو بھی ہم اُنہیں قوانین کی طرح جن کو ہم شاہی قوانین سمجھتے ہیں اصلاح کا
متکفل اور لوگوں سے مشقت کی خرابیوں کا دفع کرنے والا دیکھیں خصوصاً جبکہ ہم یہ بات
دیکھ لیں کہ کسی ایسی شے کا حکم نہیں کرتا جس کا نفع اُسی کی ذات کے ساتھ خاص ہو بلکہ اس
کے مقاصد کا مآل کار تمام فرقوں کے لئے عام طور پر نفع پہنچانا ہو تو ہم جان لیں گے کہ اپنے
دعوے میں سچا ہے اور اگر معاملہ بالعکس ہوا تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا
ہے پس جب یہ کہہ کر انہوں نے اس کے احکام میں نظر کی تو انہیں ان احکام کے بالکل موافق
پایا جنھیں وہ اپنے بادشاہ کی مرضی کے موافق سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح اس کے قوانین کو بھی
ممالک کی اصلاح اور لوگوں کی کامیابی اور رفع فساد کا پورا متکفل دیکھا اور اس کے تمام
اوامر و نواہی میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جس کا نفع اُسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوتا
بلکہ اس کی ساری باتیں ایسی ہی دیکھنے میں آئیں کہ جن سے عام نفع حاصل ہو اور ضرر دفع
ہو اور اس میں یہ تعلیم بھی تھی کہ وہ اپنے بادشاہ کے انعامات کا شکر ادا کیا کریں اور حقیقت
میں اُس شکر کا نفع آخر کار انہیں کو ملنے والا ہے پس اس وقت تو ان لوگوں نے اُس شخص
کے صادق ہونے کا یقین کر لیا اور اس کے سامنے پورے طور سے فروتنی اختیار کر لی۔

ساتواں فرقہ | اور ان میں سے ایک فرقہ کے لوگ کہنے لگے کہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم لوگوں
میں جن جن باتوں کا یہ دعویٰ کرتا ہے اور جو جو قوانین یہ شائع کر رہا ہے اور آئندہ شاہی رعایا
کے لیئے جو کچھ جاری کرنے کا یہ ارادہ کرتا ہے ہمارے بادشاہ کو ضرور اس کی خبر پہنچیگی اور یہ ناممکن
ہے کہ اس بات کی اسے اطلاع نہ ہو کیونکہ یہ بات تو کیا عام اور کیا خاص سب میں شائع
ہو چکی ہے اور ایسی بات تو دور دراز مقامات کے لوگوں سے بھی نہیں چھپ سکتی سو اگر
اس کا دعویٰ صحیح ہوگا تو بادشاہ اس کو اس کے کاموں پر بحال رکھے گا اور کسی ایسے کو نہ
بھیجیگا جو اسکی غلط بیانی ظاہر کرکے اس کی تکذیب کرے اور اس کو مع اس کے ساتھیوں
کے گرفتار کرے اور ان سب کو سخت سزا دے اور اگر یہ جھوٹا ہوگا اور بادشاہ پر اُس
کے خط کا۔ اُسکی مہر کا جعل باندھا ہوگا اور اس کی رعیت کو اپنی خواہشوں کا کھیل بنا رکھا ہوگا
تو اس میں کچھ شک نہیں کہ بادشاہ خبر پاتے ہی بہت جلد کسی ایسے کو بھیجے گا جو اس کی
تکذیب کرے اور اُس کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کرے اور ان سب کو بڑی
عبرتناک سزا دے اس لیئے کہ ایسا جعل اور ایسی افترا پردازی ہمارے دانا اور عاقل
بادشاہ کے نزدیک کوئی چھوٹی بات نہیں ہے بلکہ وہ بڑی ہی سخت بات ہے ممکن نہیں کہ
ایسی بات کو وہ معاف کرے یا تساہل اور چشم پوشی سے کام لے پس یہ سوچ کر یہ لوگ ایک
کافی زمانہ تک توقف کیئے رہے تاکہ بادشاہ کو اُس کی خبر معلوم ہو جائے اور اتنا زمانہ گذر گیا کہ
کسی طرح اتنے زمانہ تک بادشاہ سے اُس خبر کا مخفی رہنا عقل میں نہیں آسکتا اور باوجود اس کے
بادشاہ کی جانب سے کوئی نہ آیا جو اُس شخص کی تکذیب کرتا اور اُس کو اُس کے ساتھیوں
سمیت گرفتار کر لیتا اور ان کو سزا دیتا اور لوگوں کو اس کے شائع کردہ قوانین پر عمل کرنے سے
باز رکھتا بلکہ روز بروز اس کے ساتھی بڑھتے ہی گئے اور وقتاً فوقتاً اس کی حالت میں ترقی

ہوتی رہی جب ان لوگوں کا سب طرح سے اطمینان ہو گیا تو انہوں نے بھی اس شخص کی تصدیق کر لی اور اس کے پورے پورے پیرو بن گئے۔

آٹھواں فرقہ | اور ان میں سے ایک فرقہ کی سمجھ میں ساری دلیلیں تو آئی نہیں لیکن انہوں نے اس شخص کی اور اس کے ساتھیوں کی حالت میں غور کرنا شروع کیا اور اُن دلیلوں کو سوچنے لگے جن کی وجہ سے یہ سارے فرقے اُس شخص کی اطاعت پر کمر بستہ ہو گئے تھے پس وہ کہنے لگے یہ سب لوگ تو بڑے دانشمند ہیں نہ معلوم انہوں نے محض اس شخص کی تصدیق کے پیچھے اپنی آبائی رسمیں اور قدیم شاہی قوانین کیوں چھوڑ دیے بیشک یہ بڑا مشکل امر ہے کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگلے پہلے بادشاہ کے قانون کا چھوڑنا اس کی مرضی کے خلاف پڑا تو اُن پر بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی ہو نہ ہو یہی بات ہے کہ اس شخص کی راستی کی دلیلیں انھیں خاطر خواہ معلوم ہو گئی ہیں جن پر بھروسا کر بیٹھے ہیں ورنہ انہیں کیا ہُوا تھا جو اپنی عادتوں کو چھوڑتے اور ایسی جرأت کر کے ناحق خطرہ میں پڑتے اور ان کی عقلیں انہیں اس کی اجازت دیتیں پس بیشک اس شخص کی راستی پر ان سب کا اتفاق کر لینا اس کی سچائی کی کافی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ ساری دلیلوں کا جمع ہو جانا اور ان سب کا اتفاق کر لینا اتفاقی بات ہے عقل میں کسی طرح نہیں آتا اور اس کا کوئی سمجھ دار قائل نہیں ہو سکتا اس لیے ہمارے نزدیک تو اس شخص کی راست بازی پورے طور سے ثابت ہو گئی اور ہم نے اس کی تصدیق کر لی اور بلا تردد اس کی سفارت کا اقرار کر کے اس کے مطیع بن گئے۔

نواں فرقہ | اور ان میں سے ایک فرقہ اپنے دنیاوی کاروبار میں پھنسا ہُوا تھا اور لڑنوں میں ایسا مستغرق تھا کہ اُنھیں اس کی خبر ہی نہ تھی کہ لوگوں کا کوئی بادشاہ بھی ہے

اور اس کو پورا غلبہ حاصل ہے اور انصاف کو مدنظر رکھ کر ان کے ساتھ جو معاملہ چاہے کر سکتا ہے اور چونکہ اس کے لوگ دل و جان سے مطیع ہوتے ہیں اس لئے اگر وہ چاہے تو بہت کچھ مال بھی جمع کر سکتا ہے اور ان کی قوتوں کو یکجائی طور پر کام میں لا سکتا ہے پس اس وجہ سے اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا اور اپنی غفلت سے وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ لوگوں کے کاروبار یونہی چل رہے ہیں اور سارے قانون اور قاعدے اُن کے ہاتھوں میں ہیں کسی بادشاہ یا حاکم کا کوئی انتظام نہیں ہے بلکہ ان کا یہاں تک گمان تھا کہ یہ سب معاملات بطور عادت کے زمانہ کی گردش کے موافق جاری ہیں گویا کہ یہ ایک قدرتی قانون بن گیا ہے جس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا پس وہ اسی قابل تھے کہ انہیں شاہی سفیروں اور سلطانی قوانین و اختیارات کی اطلاع نہ ہو لیکن جب انہوں نے اس شخص کا علی الاعلان دعوے سُنا اور لوگوں کو دیکھا کہ پہلے تو اُسے جھٹلاتے تھے پھر اُس سے گفتگو کرکے اس کے پیرو بن گئے تب تو یہ لوگ چونکے اور اُن کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اس بات کا تحقیق کرنا نہایت ضروری ہے اگر فی الواقع لوگوں کا کوئی بادشاہ ہوا جو ان پر حاکم ہے اور اُسی نے اس شخص کو بھیجا ہے تاکہ ہم اس کا کہا مانیں اور پھر بھی ہم غفلت میں پڑے رہیں اور اُس کی بات نہ سُنیں تو بے شک ہمارا برا انجام ہوگا کیونکہ یہ شخص ضرور ہماری بے پروائی کی خبر پہنچا دیگا اور پھر وہ بادشاہ ہماری ایک نہ سُنے گا اور بڑی سخت سزا دیگا اس لئے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کے دعوے اور اُن لوگوں کی حالتوں میں غور کریں جو پہلے اس کے مخالف تھے اور پھر اس کے ساتھی بن گئے کیا عجب کہ ہمیں حقیقت حال کا پتہ چل جاوے پھر اگر وہ سچا ہوگا تو مان لیں گے ورنہ کھلم کھلا اس کی تکذیب کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ سوچنے لگے اور بڑی غور و فکر کے بعد انہوں نے نتیجہ

نکالا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم بادشاہ کو نہیں جانتے اور نہ ہم کو اس کے خط یا مہر یا اس
کی طرز تحریر کی خبر ہے اور نہ اس کے قانون سے ہم آگاہ ہیں جن سے اس شخص کے قانون کا
مقابلہ کریں اور نہ پہلے ہی سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں ہی ہمیں معلوم ہیں تو کیا ہم اس سے
بھی گذر گئے کہ ان تمام لوگوں کی شہادت پر اعتبار کر لیں جنھوں نے کہ ان سب باتوں کی تحقیق
کر کے اس کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے اس شخص کی راستی پر اتنے دانشمندوں
کا اتفاق کر لینا اور با تردد تمام دلیلوں کا یقین کر لینا اور اپنی آبائی رسموں کو چھوڑ بیٹھنا کافی
دلیل ہے کیونکہ یہ سب باتیں اتفاقی نہیں ہو سکتیں اور نہ یہ کالی یا اور کسی غرض سے ظہور
میں آسکتی ہیں اور اچھا اگر ہم یہ سب دلیلیں اور اتنے لوگوں کی شہادت بھی جانے دیں
تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کے لائے ہوئے شاہی تحفوں کا بھی جو بغیر اس کی اجازت کے
نہیں مل سکتے تھے کچھ خیال نہ کریں کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ اس کے پاس تو ایسے تحفے
نہیں پائے جا سکتے تھے ہاں کوئی ایسا ہی ذی اختیار ہو جو لوگوں کے جان و مال میں جیسے چاہے
تصرف کر سکے اس کے پاس ہو سکتے ہیں پس اس شخص کے یہ تمام تحفے حاضر کر دینے سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص ضرور ہے جس میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں جس کا نام
یہ "بادشاہ" بتلاتا ہے اور ہو نہ ہو اسی نے اس کو یہ تحفے دیکر ہمارے پاس بھیجا ہے پس
ان سب باتوں پر اعتماد کر کے ہم نے تو یقین کر لیا کہ لوگوں کا ضرور کوئی بادشاہ ہے جس
نے اس شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے اور وہ بھی اس کے پورے پورے پیرو بن گئے۔

ایک اور فرقہ اب اور سنئے ان سب فرقوں میں چند متکبر اور اپنی آبائی رسموں پر
جان دینے والے لوگ بھی تھے اور بعض اپنی قوم کے سردار تھے انہوں نے خیال کیا کہ
اگر ہم نے اس شخص کے دعوے کو مان لیا تو اس سے دبکر رہنا پڑے گا اور یہ ہم پر حکومت

کرے گا یہ سوچ کر بظاہر تکذیب ہی کرتے رہے اگرچہ ان کے دل اس کی تصدیق کئے ہوئے تھے
پڑھتے تھے اور ان کی خواہش دل نے ان کی عقل سے بازی جیت لی اور ان کو شاہی تو تمام
آسان معلوم ہونے لگا اور کیوں نہ ہو ایسے بہتیرے احمق ملیں گے جو تکبر یا تعصب کی وجہ سے
یا غصہ اور غیرت کے مارے حق سے آنکھیں بند کر کے ناحق باتوں کی حمایت کرنے لگ
جاتے ہیں پھر آخر کار انہیں پشیمان ہونا پڑتا ہے جس سے پھر کوئی نفع نہیں ہوتا خلاصہ
یہ کہ ان لوگوں نے عناد کے مارے ان دلیلوں کی طرح طرح کی تاویلیں شروع کیں اور کبھی
مہمل اور سراسر ناقابل اعتبار باتوں سے کامیابی حاصل کرنی چاہی کبھی دھوکے بازیوں سے
کام نکالنا چاہا اور وہ ایسی ایسی ظاہر باتوں سے انکار کرنے لگے جن کو ہر عامی آدمی بھی
سمجھ سکتا ہے اسی کو دیکھیے کہ اگر تمام دلیلوں کی علیحدہ علیحدہ تاویل ان کی خاطر سے مان
بھی لی جائے تو عقل سلیم اور آزاد طبیعت رکھنے کیوں ماننے لگی کہ ساری دلیلیں اتفاق
سے جمع ہو گئیں اور یہ شخص تمام غلط دلیلوں کو کیسے صحیح دلائل کا جامہ پہنا سکا اور اتنے
لوگوں کو دھوکا دے کر اپنی راستبازی اور حقانیت کا کیونکر یقین دلا سکا اور طرہ تو یہ
ہے کہ بہتیری دلیلیں اس کے اختیار سے باہر تھیں نہ اس نے انہیں قائم کیا نہ ان کے
جمع کرنے کی کوشش کی بلکہ لوگوں کو غور فکر کرنے سے خود ہی معلوم ہو گئیں انہیں علامتوں
کو دیکھیے جو پہلے سفیر بیان کر گئے تھے بھلا یہ ساری علامتیں وہ اپنے میں کیونکر پیدا کر
لیتا اور پھر امتحان کرتے وقت سب کی سب ٹھیک اترتیں خوبی تو یہ ہے کہ ان لوگوں
کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ چند چیزیں جب مجتمع ہو جاتی ہیں تو ان کا کچھ اور ہی اثر ہو جاتا ہے
اور علیحدہ علیحدہ یہ بات نہیں ہوتی اجتماعی قوت کی کچھ بات ہی اور ہے اور یہ قاعدہ تو
محسوسات اور معقولات دونوں میں مسلم ہے کہ جماعت کثیر کی شہادت سے جو بات ہوتی

ہے وہ ایک شخص سے نہیں اگر کسی دعوے پر بہت سی دلیلیں قائم ہو جائیں تو ان میں ذرا
بھی شبہ نہیں رہتا اور ایک دو دلیلوں سے یہ بات پیدا نہیں ہوتی ہیں جیسا ہم
ان میں بھی [illegible] اس شخص نے شاہی خطوط نقل کر لیے ہوں گے تو عقل میں یہ سب باتیں
کیسے آ سکتی ہیں کہ سلطانی مہر کی نقل بھی تیار [illegible] آسانی ہو گیا شاہی طرز تحریر بھی اس نے
سیکھ لی اس کے قوانین بھی شاہی قوانین کے موافق رکھے اور وہ تحفے بھی مل گئے جو بے
سلطانی اجازت کے دستیاب نہیں ہو سکتے اور پہلے سفیروں کی بتلائی ہوئی علامتیں بھی اس
میں سب آپ سے آپ جمع ہو گئیں اور اس کا حال گزشتہ تاریخوں میں شائع ہو گیا تھا لیکن بادشاہ
کو اتنی کافی مدت گزرنے پر بھی نہ معلوم ہوا اور نہ بادشاہ نے اس کو سزا دی اور اس کی تکذیب
کرنے کے لیے کسی کو بھیجا اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان واہی تباہی تاویلوں کا وہی قائل ہو گا جو اپنی
بڑائی مارنے پر تلا بیٹھا ہو اور ان سب باتوں کے اتفاقی طور پر جمع ہونے کا وہی اعتقاد کرے گا
جسے تعصب نے اندھا بنا دیا ہو ایسا آدمی گفتگو کے لائق نہیں اور نہ ایسے کو جواب دینا مناسب۔

ایک متعصب فرقہ | اور ان لوگوں میں ایک ایسا بے فکر گروہ بھی تھا جس نے اس شخص کے
صدق و کذب کے بارے میں اپنی عقل سے کام ہی نہیں لیا۔ بڑی بات انہوں نے یہ کی کہ
وہ اپنی آبائی رسموں پر اندھوں کی طرح جمے رہے اور یہی کہتے رہے کہ ہم تو ان رسموں کو
نہ چھوڑیں گے۔ اور جب اُن سے کوئی یہ کہتا تھا کہ اگر یہ آدمی اپنے دعوے میں سچا نکلا تو اس
کی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہ کہیں تم سے انتقام نہ لے۔ ذرا اس سے تو ڈرو تو ان کا یہی
جواب ہوتا تھا کہ ابھی وہ تو جھوٹا ہے ہم اس کی بات نہیں مانتے ایسا جواب دینا سراسر ان
کی بدبختی اور ناسمجھی نہیں تھی تو اور کیا تھا اب یہ تو بتلاؤ کہ ایسے لوگوں سے انتقام لینے پر
کیا بادشاہ ظالم قرار دیا جا سکتا ہے؟ تم جو چاہو کہو ہم تو قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ جب

بادشاہ انہیں سزا دینے لگے اور اس سے کوئی یہ کہے کہ یہ بیچارے تو اس سفیر کے نہ ملنے میں معذور ہیں کیا کریں ان کو اس کی راستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ملی تو وہ بے شک یہ جواب دے سکتا ہے کہ اگر یہ اپنی معاش کے بارہ میں بے شعور ہوتے اور ٹسے نہ سمجھ سکتے تو البتہ میں انہیں معذور سمجھتا اور اُن کی خطا سے درگذر کرتا لیکن میں تو انہیں صاف دیکھتا ہوں کہ اپنے کاروبار میں نفع و نقصان کے سمجھنے میں بڑے ہوشیار اور دانشمند ہیں انہیں اپنی حاجتوں اور ارادوں میں کامیاب ہونے کے لئے بڑی کافی عقل ہے پھر انہوں نے اپنی انہیں قوتوں کو جن سے اپنے معاملات میں کام لیتے ہیں اس شخص کے صدق اور کذب دریافت کرنے کیلئے کیوں نہیں استعمال کیا اور جیسے کہ وہ جھگڑے کے وقت اپنے معاملہ والوں کے سامنے اپنے اغراض ثابت کرنے کیلئے استدلال پیش کرتے تھے ویسے ہی ان قوتوں کو اس شخص کے بارہ میں برتا ہوتا میرے نزدیک تو وہ اب معذور نہیں ٹھیر سکتے بلکہ انہوں نے میرے سفیر کی بات سننے میں کاہلی کی اور اسی وجہ سے اُن کی آنکھوں پر پردے پڑگئے اور انہوں نے اسکی تکذیب کی لہذا بیشک وہ سزا کے مستحق ہیں اور انصاف کے موافق میں اُن سے ضرور انتقام لونگا۔

پھر اس سفیر کے اتنے آدمی مطیع ہوگئے تب بھی وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگا رہا اور سعی بلیغ کرتا رہا کہ کسی طرح ان فسادی متکبر واہی تباہی باتیں بکنے والے اور حیلہ باز منکر فرقوں کا بھی اطمینان کردیا جائے اور خیر خواہی کے مارے طرح طرح کی دلیلیں اُن کے سامنے پیش کرتا رہا اُنکی بھلائی کی باتیں انہیں سمجھا کر متنبہ کرتا رہا اور وہ تھے کہ اُن کی ضد اور نفرت دن بدن بڑھتی گئی آخر کو یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سفیر ان کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا اور اس کو ان کے اصلاح پذیر ہونے سے مایوسی ہوگئی اور یہ یقین ہوگیا کہ اب سمجھانے سے کام نہ چلیگا اور وہ لوگ اُس کی اور اُس کے ساتھیوں کی عداوت پر کمر باندھ چکے اور ان کی ایذارسانی

کے لئے موقع ومحل کے منتظر ہیں۔

مثال مشروعیت جہاد | آخر ناچار اپنے بادشاہ کی اجازت سے وہ بھی لڑائی پر آمادہ ہوگیا اور اُس نے بھی تلوار کھینچ لی کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آدمی کو نصیحت کارگر نہیں ہوتی اور وہ باز نہیں آتا تو اس کے روکنے کیلئے مار پیٹ سے کام لینا پڑتا ہے پس اُس شخص نے اپنے ساتھیوں سے مدد لیکر دشمنوں کا مقابلہ کیا اور آپس میں بڑی گرما گرمی سے لڑائی ہونے لگی۔ پھر کچھ دنوں یونہی ہوتا رہا کہ کبھی میدان ان کے ہاتھ رہا اور کبھی اُن کے ہاتھ رہا جیسا کہ خدا کے یہاں کا قاعدہ ہے۔ آخر کو اسی سفیر کی فتح ہوئی اور کیوں نہ ہو پرہیزگاروں کا انجام اچھا ہی ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ جب اُس نے سوائے قتل کے اُن کی ایذا رسانی مسدود کرنیکا کوئی چارہ نہ دیکھا تو اُس نے بعضوں کو قتل کیا کیونکہ عقل کا یہی فتوٰی ہے کہ مفسد اور موذی قتل کئے جائیں تاکہ ملک کے اور لوگ ہلاکت سے نجات پائیں اس لئے کہ بیمار عضو کا کاٹ ڈالنا نہایت ضروری ہے اگر اُس سے آدمی کی جان بچتی ہو اور اُس نے بعضوں کو گرفتار کرکے غلام بنا لیا کہ پھر سر نہ اٹھا سکیں اور بادشاہ سے بغاوت کرنے کی اچھی طرح سزا پائیں۔

مثال اہل ذمہ وجزیہ | اور بعضوں کو اپنا مطیع بنا لیا تاکہ اسی طرح اُس کی اور اسکے ساتھیوں کی ایذا رسانی سے باز رہیں اور اس خیال سے کہ کہیں اس کے ساتھی دیکھا دیکھی گڑبڑ نہ مچائیں اور اُس کی شان وشوکت میں فرق نہ آنے پائے اُس نے کھلم کھلا تکذیب کرنے سے منع کردیا اور یہ حکم دیدیا کہ وہ اپنی کمائی کا بہت تھوڑا حصّہ دیتے رہیں تاکہ اُس سے کچھ مدد ملتی رہے اور ملک کے انتظام میں خلل نہ پڑنے پائے اور بادشاہ کی روبکاری تک اُس نے ان کی یہی سزا مقرر کی اور بعض اُس ملک سے نکل کر قلعوں اور پہاڑوں میں جاکر پناہ گزیں ہوئے وہ ان سے اس امید پر کہ کہیں اب بھی اس کی تصدیق کرنے لگیں اور اس خیال سے کہ

مبادا وہ موقع پاکر اُس پر چڑھائی نہ کر بیٹھیں، لڑتا رہا اور ڈراتا رہا کہ سمجھ لو کہ اگر تم اب قعر میں نہ ہونے کی وجہ سے مجھ سے محفوظ بھی رہے لیکن بادشاہ جب آموجود ہوگا اور چڑھائی کرے گا تو اُس سے ہرگز نہیں بچ سکتے وہ عدل اور حکمت کے موافق بغیر سزا دیے نہیں رہے گا۔

مثال منافقین | اور ان میں سے بعض خوف یا لالچ کے مارے محض اوپر کے دل سے تصدیق کرنے لگے اور جی میں اُسے چھوٹا سمجھتے تھے اس نے انہیں بھی اپنے ساتھیوں کے زمرہ میں داخل کرلیا اور وہی برتاؤ اُن کے ساتھ بھی برتا کیونکہ اُس کا تو یہ قول تھا کہ جو تم ہی نظاہر اطاعت کرلے بادشاہ کا حکم ہے کہ اُسے بھی اپنے ساتھیوں میں داخل کرلو اس لئے کہ تفتیش کرنے سے بہتیرے سچے لوگ بھی کھٹک جائیں گے اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اُسے اپنے ساتھیوں پر اطمینان نہیں اُن کی نسبت شک کیا کرتا ہے اور بادشاہ پر جب حال کھلے گا کہ یہ لوگ محض خوف یا طمع کی وجہ سے بظاہر مطیع بنے ہوئے تھے اور ان کا دلی ارادہ یہ تھا کہ موقع پاکر اس کو اور اس کے ساتھیوں کو خوب ایذا دیں تو وہ خود ان کو ذرا سزا دے لیگا اور ان کو ان کے بغض و عداوت کا مزہ اچھی طرح چکھا دیگا کیونکہ یہ لوگ اوروں سے عداوت میں بڑھے چڑھے ہوئے اور گھر کے بھیدی تھے اور ہر وقت اُن سے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اور بعض لوگ گو دل میں چھوٹا سمجھتے تھے لیکن اس مال کی طمع سے جو وہ شخص ملک کی اصلاح کے لئے جمع کرتا تھا بظاہر اس کے مطیع بن گئے اور اس طرح انہیں اس کی جانچ کا موقع ملا اور جب اُس کے معاملات اور قوانین کو راستی پر مبنی پایا اور دیکھا کہ وہ بھلی باتیں بتلاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے تو ان کے جی کو یہ سب باتیں لگ گئیں اور دل کھول کر ظاہر و باطن سے اُس کی تصدیق کرنے لگے اور اس طرح اس کے خیر خواہ اور مددگار بن گئے۔ پھر جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ طرفداری اور تعصب کی پابندیوں سے چھوٹی ہوئی اور آزاد عقل ایسے شخص کی سفارت میں ذرا بھی شک نہ کرے گی

اور اس کے سفیر ہونے کا بلا تردد یقین کریگی کیونکہ دانا اور بیدار مغز کے نزدیک یہ سب دلیلیں اتفاقی طور پر جمع نہیں ہو سکتیں۔

مثال سابق کو اصل پر منطبق کرنا تو آپ سنیئے کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ہم کو تواتر سے معلوم ہوئی تواتر تو ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی سمجھ لیجئے یعنی آپ کی خبر اتنے زیادہ آدمیوں کے نقل کرنے سے ہم تک پہنچی کہ اُن سب کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عقل میں نہیں آتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تشریف نہ لائے ہوں اور سب آدمی جھوٹے ہوں یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر مکہ یا لندن موجود نہ ہوتا تو اتنے بہت سے آدمی اس کے موجود ہونے کی خبر بالاتفاق نہ دیتے چلے آتے پس اسی طرح اس کو بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کے احوال کے بھی بیشمار لوگ ہر زمانہ میں یہ اُن سے اور وہ اُن سے حتیٰ کہ آخر میں ان لوگوں سے خبر دیتے چلے آئے جنھوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے آپ کو دیکھا تھا اور آپ کے جملہ حالات کی ان کو خبر تھی اور جو کچھ آپ کو مختلف فرقوں کے ساتھ اپنی زندگی بھر پیش آیا تھا اس سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔

دعوائے رسالت کے وقت آپ کی حالت بہر حال ہم کو یقینی طور پر یہ خبر پہنچی کہ آپ اُن لوگوں میں چالیس برس کے ہو گئے تھے اور برابر راستبازی اور امانت داری کے ساتھ شہرۂ آفاق رہے یہاں تک کہ امانت داری کی وجہ سے لوگ آپ کو محمد امین کہا کرتے تھے اور اس مدت میں آپ کو کبھی کسی سے لکھنے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی نہ کبھی لکھے پڑھے لوگوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا کہ آپ اُن سے لکھ پڑھ لیتے یا مختلف اقوام کے احوال دریافت کر لیتے یا گذشتہ امتوں کی شریعت پر مطلع ہوتے یا مختلف ملکوں کے قوانین سیکھتے باوجود ان سب باتوں کے آپ سارے عرب اور

سمجھتے لوگوں میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور حالت یہ تھی کہ نہ آپ کو کچھ ذاتی ثروت حاصل تھی
اور نہ کچھ بہت لوگ آپ کے مددگار تھے اور نہ آپ کے خاندان سے سلطنت زائل ہوگئی
تھی ورنہ شاید لوگ شبہ کرتے کہ اسی حیلہ سے آپ کو اپنی آبائی سلطنت کا پھیر اپنے قبضہ
میں لانا مقصود ہے اس حالت سے کھڑے ہو کر آپ نے یہ دعوے ظاہر کیا کہ سارے
عالم کے معبود برحق نے مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے کہ میں ان کو خدا کی ایسی شریعت
پہنچاؤں جو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کی ذمہ دار ہے اور یہ شریعت وہ قانون ہے کہ
اس زمانہ سے قیامت تک کے لئے بخوبی مناسب اور موزوں ہے اور ہمارے واقعات
کے لئے کفایت کرے گا اور پہلے رسولوں کی شریعت کے بہتیرے احکام کو منسوخ کردیگا
کیونکہ جس زمانہ کی مناسبت کا لحاظ کرکے وہ اتارے گئے تھے اب وہ زمانہ نہیں
رہا اور ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ بری رسموں اور عادتوں سے بھی منع فرماتے تھے جو لوگوں
نے اپنے آباؤ اجداد سے سیکھی تھیں یا شیطان نے اُن کی خواہش ان کے ذہن نشین کردی تھی
سب سے پہلے تو آپ نے یہ بات قرار دی تھی کہ بتوں کی پرستش کی جائے یا آگ و پتھر یا
اور درختوں کو معبود بنایا جائے اور آپ کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کو ایک سمجھو۔ اس کو تمام صفات
کمالیہ کے ساتھ موصوف مانو سارے عیوب اور نقائص سے پاک اور مبرا جانو اور علاوہ
بریں اُن کا جو پیدا کرنیوالے کی نعمتوں کے شکر کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا تھا گو حقیقت میں
اس شکر کا نفع انھیں کو ملنے والا تھا اس کے سوا بہت سی ایسی باتیں بتائی تھیں جو
بالکل سراسر ان کا نفع اور نقصان سے بچاؤ تھا پس جب وہاں کے رہنے اور اعلیٰ لوگوں
نے آپ کا اتنا بڑا دعویٰ سنا تو آپ کی بات ماننے سے نفرت ظاہر کرنے لگے اور سب کے
سب درپئے عداوت ہوگئے یہاں تک کہ آپ کے بھائی بندوں نے بھی آپ کا ساتھ

نہ دیا اور سارے دوست دشمن نظر آنے لگے اور آپ کی تکذیب کے لئے ہر شیخ و شاب نے زبان درازی کی اور آپ سے منازعت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ہر ایک آپ سے طالب دلیل ہوا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح آپ کو عاجز کر دے اور آپ کا یہ حال تھا کہ اُن کے لئے دلیل پر دلیل بیان کرتے تھے اور ہر سوال کا معقول جواب دیتے تھے اور ہر طرح سے ان کو اطمینان دلانے کیلئے سعی بلیغ فرماتے تھے اور آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں سب سے بڑی نہایت مستند اور قابل اعتماد جو دلیل پیش کی وہ عربی کلام کا مجموعہ تھا جس کو آپ قرآن شریف کے مبارک لقب سے یاد فرماتے تھے اس کی نسبت آپ کا یہ قول تھا کہ یہ کلام خدا نے مجھے بطور سند کے دیکر بھیجا ہے اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ تمام لوگوں کی جانب بھیجے گئے ہیں اور سب کے رسول ہیں اور جن باتوں کی آپ خبر دیں وہ سب سچ ہیں اور قرآن میں اُن قوانین کا بیان ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کئے ہیں۔ قرآن شریف کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کو جسے آپ سورت کہتے تھے مقابلہ کیلئے پیش کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کلام کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ تم لوگ اگرچہ عربی زبان کے بڑے ماہر اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار ہو لیکن کوئی ایسا کلام ہرگز نہیں لا سکتے جو قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے ساتھ بھی فصاحت و بلاغت میں لگا کھا سکے چنانچہ ایسا ہی ہوا گو عربی زبان کے ایسے کاملین موجود تھے کہ فصاحت و بلاغت جن کے قبضۂ اقتدار میں تھی اور وہ اس کے مالک کہلانے کے مستحق تھے بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی ملتے تھے جن کو اس فن میں دستگاہ کامل حاصل تھی اور تمام لوگ اُن کے مقابلہ سے عاجز تھے اور انسانی قوت کے لئے اُس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ حاصل کرنا ممکن نہ تھا تاہم کسی

کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ قرآن کی بہت چھوٹی سورت کی مثل بھی بنا لیتا ۔

لوگوں کا مختلف گروہ میں بٹ جانا | پھر اس حیص بیص کے بعد تمام لوگ حضرت محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہونے لگے اور آپ کے مطیع ہو کر انھوں نے آپ کا دین اختیار کرنا شروع کیا اور گروہ کے گروہ آپ کے پیرو بن کر آپ کو خدا کا رسول ماننے لگے ۔ ہاں وہی لوگ اس سے محروم رہے جنھیں خدا نے نہ چاہا جن قوموں کا معاملہ آپ کے سامنے پڑا چونکہ ہم کو ان کے حالات کی جہاں تک کہ اخبار صحیحہ سے معلوم ہو سکا بحث نے تجویز کیا تکمیل دینا مقصود تھی اس لئے ہم نے آپ کے ساتھ ان لوگوں کے معاملات غور کئے تو وہ لوگ اپنی عقلوں کی بنا پر وادی اور کم فہمی کے اعتبار اور استعداد کے اختلاف سے مختلف فرقے نظر آئے ان میں سے بعض عربی فصاحت و بلاغت میں طاق نکلے جس کا اس زمانہ میں ملک عرب میں بہت کچھ رواج تھا اور جس کو وہ اپنے علوم میں سب سے زیادہ قدر کی چیز سمجھتے تھے اور جس کو انہوں نے اپنا مایہ ناز بنا رکھا تھا اور وہ لوگ فصاحت و بلاغت کے جملہ اسالیب سے بخوبی واقف تھے اور اس کے اسرار کو خوب جانتے تھے یہاں تک کہ اسکے ان سارے مرتبوں پر پورے طور سے حاوی تھے جس قدر کہ انسانی طاقت میں آ سکتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان کے بڑے زور شور کے خطبے اور قصیدے بھی ہوتے تھے ۔

پہلا گروہ | بہر حال یہ سب کچھ تھا لیکن اس وقت ان سے کچھ بھی نہ بن پڑا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کر کے ان کے عجز کا بڑے شد و مد سے دعوے کیا اور عام طور سے خصوصاً ان کے جلسوں میں اس کی تشہیر شروع کی کہ تم سب مل کر چاہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو لیکن اس کلام کی مثل لانے سے ہمیشہ عاجز اور قاصر رہو گے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی بری رسموں کی قباحت

دیکھا کہ انہیں یہ ثبوت بنایا اُن کے باطل خداؤں کی خوب ہجو کی ان کی پرستش میں طرح طرح
کے نقص ثابت کئے اور ہر طرح سے انہیں غیرت دلائی کہ کسی طرح قرآن کے مثل لانے کی سعی
کریں لیکن ہونا کیا تھا آخر کو قرآن میں غور کرنے کے لئے جھک پڑے اور زبان دانی کے اصول
کے موافق اس کی خوب جانچ پڑتال کی اور اسے خوب الٹ پھیر کے دیکھا اور بڑی غور و فکر
سے پرکھا یہاں تک کہ اُس کے امتحان میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے پایا بالآخر
انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ قرآن شریف فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایسے اعلیٰ مرتبہ
پر پہنچ گیا ہے کہ وہاں تک انسانی قدرت کی کسی طرح رسائی نہیں اور جس کسی نے اپنی بڑائی کے
زعم میں کچھ لکھا بھی تو وہ قرآن کے سامنے بالکل پھیکا کلام ثابت ہوا اور خود انہیں لوگوں نے
اس کی جزئیات سے زیادہ قدر نہیں کی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ کوئی چیز فی نفسہ کیسی ہی اعلیٰ کیوں
نہ ہو لیکن جب اُس کا کسی ایسی چیز سے مقابلہ کیا جائے گا جو اس سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر اعلیٰ
ہو اور شرف و فضل میں اُس کا پایہ بلند ہو تو خواہ مخواہ وہ نظروں سے گر جائے گی اور لوگ
اُسے ادنیٰ اور خسیس سمجھنے لگیں گے پس یہ معاملہ قرآن شریف کے سامنے اُن کے بڑے بڑوں سے
زیادہ فصیح و بلیغ کلام کا ہوا اور اچھی طرح سے ثابت ہو گیا کہ وہ فصاحت و بلاغت میں فرد ہے
اور سارے کلام اس کے مقابل میں گرد نظر آتے ہیں اور اُس کی چھوٹی سی سورت کی مثل بھی لوگ
نہیں بنا سکتے اور اُن لوگوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ہم کیا بلکہ سارے آدمی بھی ایسا کلام ہرگز نہیں
بنا سکتے اور یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ قرآن خدا کے پاس سے آیا ہے پھر ان سب نے
محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور آپ کا حکم ماننے کے لئے گردن
جھکا دی۔

دوسرا گروہ | اور اُن میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو بات کو خوب پرکھتا تھا اور کلام کے

برے اور بھلے مضمون کی اُسے خوب شناخت تھی اور اُس کے عجیب اور عمدہ اسلوب سے
خوب واقفیت تھی پس جب اُن لوگوں نے قرآن میں انصاف کی نظر سے تامل شروع کیا تو
انہیں معلوم ہُوا کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی خصوصیتیں موجود ہیں جو عقل کے نزدیک کسی کلام
میں ہرگز نہیں پائی جاسکتیں۔ گو اُس کا بنانے والا نہایت کامل اور بڑا ماہر تاریخ دان اور تمام
علوم وفنون کا پورا ماہر اور حکیم اور سیاسیات پر پورے طور سے حاوی ہی کیوں نہ ہو اور اس
نے اس بات کا اہتمام بھی کیا ہو کہ اس کے مضامین میں کہیں مخالفت اور مناقضت نہ ہونے
پائے اور عرب کے سارے اسلوب سے اس کا طرز نرالا اور انوکھا ہو ہاں البتہ جب اس
کا قائل خدا کو مانا جاوے جو ان سب باتوں کو جس کلام میں چاہے جمع کرنے پر بخوبی قادر
ہے تو سب کچھ ہوسکتا ہے اور ان کے اس خیال کی یہ وجہ ہوئی کہ انہوں نے دیکھا کہ قرآن
آئندہ کے واقعات کی من وعن خبر دیتا ہے جیسا کہ اس میں یہ خبر دی گئی کہ کسی نہ کسی دن محمد
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی مکہ میں باامن وامان آئیں گے چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور وہ
پہلے لوگوں کے حالات اور متقدمین کے واقعات اس طرح بیان کرتا ہے گویا کوئی اس موقع
پر موجود تھا اور آنکھوں دیکھی باتیں سنا رہا ہے اور وہ لوگوں کے دل کی بات صاف
صاف بتا دیتا ہے جیسا کہ اُن واقعات سے ظاہر ہے جو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
ساتھیوں اور آپ کے دشمنوں کو پیش آئے (چنانچہ ان کا حال حدیث وتفسیر کی کتابوں
میں مشرح طور پر موجود ہے) اور وہ اتنے بیشمار مضامین پر مشتمل ہے کہ اس کی نسبت
یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ اس نے متقدمین اور متاخرین کے علوم میں سے کسی کو نہیں چھوڑا
کہیں نہ کہیں یا تو صراحتاً اس کا ذکر آگیا یا کسی عجیب وغریب اسلوب سے جو بالکل
بےلوث ہو اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے اس کے مضامین کی بہت مختصر فہرست یہ ہے

کہ کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

مضامین قرآن کی مختصر فہرست | لیجئے سُنئے اُس[1] میں گذشتہ اور آئندہ لوگوں کی خبریں ہیں طرح طرح کے احکام ہیں نصیحتیں ہیں لوگوں کے سمجھانے کے لئے مثلیں بیان کی گئی ہیں اخلاق[5] اور آداب کا ذکر کیا گیا ہے نیک کاموں کی ترغیب دلائی گئی ہے بری باتوں سے خوف دلایا ہے نیکوں کی تعریف کی ہے نافرمانوں[9] کی مذمت بیان کی ہے بری خصلتوں اور کمینگی سے بچایا گیا ہے انتظام[11] ملکی کی تدبیر سکھائی ہے دوستوں کی رعایات کرنے اور دشمنوں کو دفع کرنے اور اُن سے گفتگو کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور سرکشوں[15] کی سرکوبی کی ہدایت کی ہے خدا کا وجود اُس کی وحدانیت[17] اور حشر[18] و نشر کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور سارے[19] شکوک اور شبہات کا معقول جواب دیا ہے اور جنت[20] اور اس کے ساکنین کا حال کہہ سنایا ہے جہنم[21] اور اُس کی ہولوں سے مطلع کر دیا ہے اُس[22] میں عالم سمٰوات اور اس کے سوا جو کچھ عالم علوی میں آثار قدرت اور عجائبات مثل ستاروں۔ بارش۔ بادل۔ رعد اور برق وغیرہ کے پائے جاتے ہیں اُس کا تذکرہ ہے اسی[23] طرح زمین اور عالم سفلی کی چیزیں خواہ وہ میدان۔ پہاڑ۔ دریا۔ چشموں اور نہروں کے قبیل سے ہوں یا نباتات۔ حیوانات پھل پھول۔ درخت۔ چرند۔ پرند۔ تاریکی اور روشنی ہیں ان کا شمار ہو اُس میں مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اُس میں سبھی کچھ ہے اور پھر اس کا طرز بیان ایسا انوکھا ہے کہ کوئی شبہ کر ہی نہیں سکتا کہ کسی دوسرے کی پیروی کی گئی ہے کیونکہ نہ اُس میں عربی قصیدوں کا خاکہ اتارنے کی کوشش کی ہے نہ اُن کے بلیغ خطبوں کا طرز اختیار کیا ہے اور اُس پر بھی عقلوں کے نزدیک پسندیدہ۔ دلکش۔ شیریں اور پیارا کلام ہے اور کانوں کو تو اُس کے ساتھ کچھ ایسی الفت معلوم ہوتی ہے کہ جوں جوں سنئے تذکرر کا مزہ آتا ہے اور اسے کوئی گفتہ

کیوں نہ پڑھے لیکن اس کی قدر و قیمت میں کیا مجال کہ ذرا فرق آجاوے اور ہاں اگر
غور سمجھئے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب باتیں اتفاق سے جمع ہوگئی ہوں گی
کیونکہ صحیح اور آزاد عقل میں ان سب باتوں کا اتفاقیہ جمع ہو جانا ہرگز نہیں آتا پس
جب اُن لوگوں نے قرآن کے یہ اوصاف دیکھے تو بول اُٹھے کہ سارے آدمی مل
کیوں نہ جائیں لیکن ایسا کلام بنانا اُن کی قوت سے باہر ہے اور یہ بات عادۃً
محال ہے کہ ایسا کلام کوئی بڑا بھاری عالم نہایت ہی ماہر فلسفی بڑا تاریخ دان اور
امور مملکت میں اعلیٰ درجہ کا مدبر بھی بنا سکے اور جب یہ ٹھہری تو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ایسے بے پڑھے لکھے شخص کا اسے لے آنا اس بات کی کھلی کھلی دلیل ہے کہ خدا
نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ کلام آپ کا معجزہ قرار دیا ہے پس ہم نے آپ کی
رسالت کی تصدیق کی اور آپ جو کچھ فرمائیں بجا اور درست ہے اس طرح یہ لوگ بھی
آپ کے مطیع بن گئے ۔

تیسرا گروہ | اور ان میں سے ایک فرقہ کا یہ حال تھا کہ نہ وہ فصاحت و بلاغت سے
واقف تھا اور نہ اُس میں اتنی قوت تھی کہ قرآن شریف کے مضمون میں غور و فکر کرکے
سمجھتا کہ اتنی صفات آدمی کے کرنے سے نہیں جمع ہو سکتیں اس لئے یہ خدا کے پاس سے
آیا ہے لیکن اُن لوگوں نے یہ سارا قصہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ محمد علیہ السلام
نے اپنے رسول ہونے کا دعوےٰ کیا اور قرآن شریف کو خدا کے پاس سے بتلایا اور
اُس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کرکے کھلے خزانہ یہ ظاہر کر دیا کہ اس کی مثل
کوئی نہیں لا سکتا اور عام لوگوں میں اہل فصاحت و بلاغت کو ایسے کلام کے مثل
لانے سے عاجز اور قاصر ثابت کرکے اُن کے برسر بازار لتے لئے اور بعضوں نے دیکھا

کہ کہنے کو تو فصاحت و بلاغت میں اُن کا نمبر بہت بڑھا ہوا تھا لیکن اُس کے مقابلہ
سے انہوں نے منصفانہ اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور اپنے آبائی مذہب اور قدیم رسموں کو
چھوڑ بیٹھے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی پیروی کے پیچھے ایسی راہ اختیار
کر لی کہ اگر انہیں آپ کی رسالت کا یقین کامل نہ ہوتا تو انہیں یہ طریق نہایت ہی دشوار
گذار نظر آتا اور نیز انہوں نے بعضوں کو دیکھا جنہیں کھوٹے کھرے کی اچھی پرکھ تھی اور
کلام کی عمدہ صفات کو خوب پہچانتے تھے کہ انہوں نے اس بات کی کافی شہادت دی
کہ اگر یہ قرآن خدا کے پاس سے نہ ہوتا تو اتنی کامل اور عمدہ صفات پر اس کا حاوی ہونا
ناممکن تھا اور اس بنا پر انہوں نے محمد صلعم کی تصدیق کی اور اپنا طریق چھوڑ کر آپ کے
پیرو ہو گئے اور بعضوں کی یہ حالت دیکھی کہ گو وہ فصحاء و بلغاء کے نزدیک فصاحت و
بلاغت کے اعتبار سے مسلم الثبوت تھے لیکن قرآن کے سامنے اُن کی ہمت پست
ہو گئی اور اس کے مقابلہ سے انہیں جان چراتے ہی بن پڑا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت پیش کر کے اُن کا عجز ثابت کرتے رہے اور
کیا جلسۂ خاص کیا مجمع عام دونوں میں پکار پکار کر غیرت دلاتے رہے کہ کسی طرح ایسا کلام
لے آؤ اُن سے یہ تو ہو نہ سکا ضد کے مارے لڑنے پر آخر مجبور ہو گئے اور یہ گوارا کر لیا کہ
اُن کی خونریزی کی جائے اُن کا مال لوٹ لیا جائے اُن کے بال بچے قید کر لئے جائیں اُن
کے گھر بار اُجاڑے جائیں اور اپنا وطن چھوڑ کر مارے مارے پھریں بھلا سمجھو تو سہی کہ اگر
اُن کی وسعت میں یہ ہوتا کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی بنا سکتے تو بنا
نہ لاتے اور اس سے کیوں باز رہتے اور بیٹھے بٹھلاتے اپنے کو مصیبت میں پھنساتے
یہ تو بڑی آسان بات تھی کہ قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی برابر کوئی فصیح

وبلیغ کلام بنا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیتے کہ لیجئے صاحب ہم نے آپ کے قرآن کا
مقابلہ کر لیا اور آپ کی دلیل باطل کر دی بہت کہا کرتے تھے کہ قرآن کا ایسا کلام تم نہیں
بنا سکتے۔ دیکھو کیسے بنا لائے اور یہ بات کھل گئی کہ قرآن کی طرح آدمی بھی بنا سکتا ہے اور نہ
تو بہت تو ان سے یہ بھی نہ سکتا کیونکہ اگر اس کا ایسا تو کیا اسکے قریب قریب بھی اگر
کوئی کلام کبھی بنا لائے ہوتے تو بھلا یہ بات ممکن تھی کہ اتنے طرفداروں کے ہونے پر بھی ہم
تک خبر نہ پہنچتی لوگ اسے ضرور نقل کرتے جس طرح اور سب باتیں نقل کی ہیں مثلاً
انہوں نے آپ کی ہجو کی آپ پر اتہام باندھا آپ کے ساتھ سخت بہت اور درشتی سے
پیش آئے آپ کے تابع شاعروں اور خطیبوں سے مقابلہ کیا۔ وہ کیا کریں اس بات میں
مجبور تھے ورنہ اتنی بڑی مصیبت میں کیوں گرفتار ہوتے اور اپنے کو خطرۂ عظیم میں ڈالتے
کچھ نا سمجھ تو تھے ہی نہیں عقلمند تھے پھر بھلا ان کی عقلیں ایسے آسان رستہ کو چھوڑ کر
نہایت مشکل اور خطرناک راہ کو اختیار کرنے کی کیوں اجازت دیتیں۔ علاوہ بریں دنیا میں کون
عاقل ایسا کرے گا کہ بلا کسی ضرورت شدیدہ کے جس سے کہ اس کا بس چل ہی نہ سکے
اور خواہ مخواہ مصیبت اٹھانا ہی پڑے اپنی جان و مال اور بال بچوں کو ہلاکت میں
ڈالیگا اور اپنے گھر بار کی تباہی اور ترک وطن کو پسند کریگا ہاں جب اور کچھ بن ہی نہ پڑے
تو بیشک ایسا ہی کریگا بقول شخصے ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز — دست بگیرد سر شمشیر تیز

پس یہاں بھی اگر وہ مجبور نہ تھے تو اپنے کو آفت میں ڈالنے پر کیوں آمادہ ہوگئے
پس یہی ہے کہ انہوں نے اپنے کو قرآن کے مقابلہ کرنے سے عاجز پایا اور ان کی
ہٹ دھرمی نے جس سے وہ بدبخت بدمست تھے [illegible] اس بات کی ان کو اجازت نہ دی کہ

اپنے عجز کا اقرار کر لیتے۔

پس جب ان لوگوں نے تینوں فرقوں کے حالات میں غور کیا تو خوب سوچ سمجھ کر یہ
کہنے لگے کہ ایک فرقہ جو بڑا فصیح و بلیغ تھا جس کی نسبت بے پرواہی اور کاہلی کا گمان ہو
ہی نہیں سکتا قرآن کے مقابلہ سے آخر اپنے عجز کا اقرار کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق
کر ہی چکا اور دوسرے فرقہ نے بھی جو مضمون شناسی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اس بات
کو مان لیا کہ قرآن میں ایسی صفات کمالیہ موجود ہیں جو سوائے خدا کے اور کسی کے جمع کئے
نہیں جمع ہو سکتیں اور یہ کہہ کر سوائے اطاعت کرنے کے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اب رہا تیسرا
فرقہ جس کی فصاحت و بلاغت میں تو کچھ بھی کلام نہ تھا اس نے اپنے کو عاجز پا کر قرآن
کے معارضہ سے تو کنارہ کشی کی اور تعصب نے اقرار عجز کی اجازت نہ دی آخر کو مجبور ہو کر
اپنے کو مصیبت میں ڈالنا گوارا کیا۔ پس یہ کہنے لگے ہو نہ ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور
سچے رسول ہیں اور ان تینوں فرقوں کا تصدیق کر لینا ہمارے لئے کافی دلیل ہے۔

قرآن کی حقانیت پر جاحظ کا استدلال

اب میں کچھ کہتا ہوں اسے بھی سن لیجئے اہل عرب
کے قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہونے سے جاحظ رح نے جس طرح استدلال اپنی کسی کتاب
میں بیان کیا ہے اسی طرز پر اس فرقہ نے بھی اپنا مطلب حاصل کیا چونکہ ان کا کلام جی کو
لگتا ہوا ہے اور اس سے سارے شبہ دفع ہو جاتے ہیں تو اس موقع پر اس کا ذکر کرنا فائدہ
سے خالی نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بھیجا جبکہ عرب
کی شاعری اور خطبہ گوئی نہایت عروج پر تھی ان کے لغت کو بہت کچھ استحکام حاصل ہو
چکا تھا سارے ساز و سامان سے درست تھے پس آپ نے تشریف لا کر انکے ادنیٰ اور اعلیٰ
کو خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی تصدیق کی طرف متوجہ کیا اور دلیلیں قائم کر کے

اپنا دعویٰ ثابت کردیا اور سارے شبہے دفع کردیے اور اُن کے لیے تاویل کے عذر کرنے
کا کوئی موقع نہ چھوڑا اب اُن کا اعتراض کرنا محض ہوائے نفس یا ناحق طرفداری کی وجہ سے رہ گیا
اور پھر آپس میں لڑائی ٹھن گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے عالم اور
فاضل اور کہنے والوں کو قتل کیا اور آپ اُن سے رات دن یہی کہا کرتے تھے کہ اگر
میں جھوٹا ہوں تو تم اس قرآن کی سی ایک سورت یا چند آیتوں ہی کی مثل کیوں نہیں
لاتے اور آپ جب کبھی اس طرح انھیں عاجز کرتے تھے تو کوئی دلیل تو اُن سے بیان نہیں کی
جاتی تھی یہ حیلہ کیا کرتے تھے کہ صاحب آپ کو تو امتوں کے حالات معلوم ہیں اور ہم جانتے
نہیں پھر اگر آپ نے ایسا کلام بنا لیا اور ہم نہ بنا سکے تو کمال کیا ہوا تو آپ نے فرمایا اچھا
اپنے جی سے کچھ بنا کرلے آؤ اس پر بھی نہ کسی خطیب نے ارادہ کیا نہ کسی شاعر نے ہمت
باندھی اگر کوئی ہمت کرتا تو کچھ تو دکھائی دیتا اور پھر اس کی طرفداری کرنے والے بہتیرے
کھڑے ہو جاتے اور ضرور شور مچ جاتا کہ لیجیے قرآن کا مقابلہ کرلیا اور ویسا کلام بن گیا
پس اس دانشمند نے ان سب باتوں سے قوم عرب کا عجز سمجھ لیا اور یہی اُن کے عاجز
ہونے کی دلیل ٹھیرائی کیونکہ جب ان میں سے بہتیرے آپ کے ساتھیوں کی ہجو کرتے تھے
مسلمان شاعروں اور خطیبوں سے مقابلہ کرتے تھے اور انھیں ذرا بھی دقت نہیں معلوم
ہوتی تھی تو پھر یہ کیا مشکل امر تھا کہ قرآن کے مقابلہ میں کچھ لکھ ڈالتے ایک چھوٹی سی
سورت یا چند آیتوں میں تو قصہ پاک ہوتا تھا اتنے ہی میں تو آپ کا دعویٰ باطل ہوتا
تھا اور سارا بنا بنایا کھیل بگڑتا تھا۔ آپ کی جمعیت منتشر کرنے کیلئے اس سے سریع الاثر
تو کوئی نسخہ ہی نہ تھا اس کی کیا ضرورت تھی کہ اپنی جان و مال کو معرض ہلاکت میں ڈالیں
اور گھر بار چھوڑ کر مارے مارے پھریں قریش تو قریش وہ تو بڑے فصیح و بلیغ تھے اُن سے

چھوٹے چھوٹے قبیلوں پر بھی یہ امر دشوار نہ تھا اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ کونسی بڑی بات تھی آخر بڑے عجیب وغریب قصیدے نہایت طویل وعریض خطبے خلاصہ یہ کہ اُن کا سرطرح کا نظم ونثر کلام مشہور ہی تھا پھر یہ کب ہوسکتا ہے کہ ایسی ظاہر بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی اور قرآن کے مقابلہ سے اُن کا عجز بیان کر کے لعن وطعن کرنے پر بھی انہیں غیرت نہ معلوم ہوتی اور وہ چپ چاپ بیٹھے سُنا کرتے اور پھر ان کا حال یہ کہ اپنی آن بان میں بڑے کڑے تھے اور دنیا بھر سے زیادہ فخر کرتے تھے خصوصًا کلام کی فصاحت وبلاغت پہ تو اُن کو ناز تھا اور بجا تھا پس جس طرح کہ یہ بات محال ہے کہ تیئیس۲۳ برس تک انہیں ایسے ظاہر اور کثیر المنفعت امر کی خبر نہ ہوئی اور غلطی میں پڑے رہے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ جان بوجھ کر اس سے پہلو تہی کرتے اور قرآن کے مثل بنانے پر قادر ہونے کی صورت میں بھی کچھ نہ بنا لاتے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوشش کیا کرتے تھے۔

<u>چوتھا گروہ</u>| اور اُن میں سے ایک اور گروہ تھا جس میں اکثر ایسے ہی لوگ تھے جو نہ فصاحت وبلاغت میں بصیرت رکھتے تھے اور نہ قرآن کے عمدہ صفات کو سمجھ سکتے تھے کہ یہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جمع کر سکتا اور نہ انہوں نے اس کا خیال کیا تھا کہ یہ دونوں فرقے قرآن کے مقابلہ سے اپنے عجز کا اقرار کر چکے ہیں اور بعضے عجز کی وجہ سے لڑائی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اُن کی بڑی توجہ عالم طبعیات اور قوانین قدرت کی جانب مصروف تھی جن کے موافق عالم کا کارخانہ چل رہا ہے اور وہ جانتے تھے کہ اُن قوانین کے خلاف عمل درآمد کرنے پر کوئی آدمی قادر نہیں ہے پس وہ کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم ایسی باتیں طلب کریں جن سے قوانین قدرت

اُلٹ باتیں یعنی اس عالم میں جو خدا کی عام طور پر عادت جاری ہے اُس کے خلاف لازم آئے
پس یہ اگر ایسا کریں گے تو بیشک سچے ہوں گے کیونکہ جب ہماری طلب کے موافق کوئی امر
خارق عادت اُن سے ظاہر ہوگا تو ہم سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکے دعوائے رسالت
کی تصدیق کیلئے عادت کے خلاف کر دیا اور یہ امر خدا کے اس قول کے قائم مقام ہو جائیگا
کہ یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں اُسمیں اُنہیں سچا سمجھو۔ آپ اسے اس طرح سمجھئے کہ
اگر کوئی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر حاضرین سے یہ کہنے لگے کہ یہ بادشاہ تمہیں میری اطاعت
کا حکم دیتا ہے اور لوگ کہیں کہ ہم تو جب جانیں کہ بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فلاں جگہ جا بیٹھے
یہ فرض کیجیئے کہ بادشاہ یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس جگہ جا بیٹھے پھر اسی طرح انہوں نے
کسی دوسری بات کی اس شخص کی تصدیق کیلئے درخواست کی مثلاً وہ یہ کہ بادشاہ اپنے سر کا تاج
ذرا دیر کیلئے کسی دوسرے شخص کو پہنا دے یا چھ سات قدم چل کر پھر اپنی جگہ بیٹھ جائے اور
بادشاہ نے یہ بھی کر دیا اب اس صورت میں کچھ شک نہیں رہ سکتا کہ ان لوگوں کے کلام
کو سنتے ہی بادشاہ کا ایسے افعال کر دکھانا ہرگز اتفاقی نہیں ہے بلکہ اُس کے اس قول کے
قائم مقام ہے کہ میں تم سب کو اس شخص کی اطاعت کا حکم کرتا ہوں اور جو کوئی اس بات
کے اتفاقی ہونے کا قائل ہوگا تو لوگ ضرور اسے احمق خیال کریں گے پس وہ لوگ یہ منصوبہ
باندھ کر کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طلب کے موافق خلاف عادت باتیں
ظاہر نہ کریں گے تو یہ ان کے کذب کی دلیل ہوگی اور ہم سمجھیں گے کہ خدا نے انہیں جھوٹا
کر دیا پس وہ ایسی باتیں آپ سے طلب کرنے لگے جو اس عالم میں عادت مستمرہ کے خلاف تھیں
معجزہ شق القمر | پس بعضوں نے آپ سے چاہا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں چنانچہ آپ نے
ان کے کہنے کے موافق اسے بھی کر دکھایا اور فقط حاضرین ہی نے نہیں بلکہ اُن سب

لوگوں نے بھی جو کہیں دور سے آرہے تھے اور اُن کا افق وہاں کے لوگوں کے موافق تھا اپنی کھلی آنکھوں سے اُسے دیکھ لیا اور آکر اس بات کی خبر دی کہ تم لوگوں کی طرح ہم نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ایسا ہی سمجھیے جس طرح زلزلہ کے وقت اکثر بڑے بڑے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور وہ خطہ کا خطہ تہ و بالا ہو جاتا ہے یا جس طرح بعض حال کے سائنس جاننے والوں کا خیال ہے کہ زمین اور اسی طرح اور ستارے آفتاب سے جدا ہوئے ہیں اور پھر ایک نہ ایک دن آفتاب سے جا ملیں گے اور یہ سب کچھ عقل کے نزدیک خواہ اُسکے لیے کوئی ظاہری سبب ٹھیرائے یا نہ ٹھیرائے ممکن اور خدا کی قدرت میں داخل ہے اگرچہ ہوتا نہیں ہے اور عادت کے خلاف ہے اور طرح طرح کے کام کرنے کیلئے جو طول زمانہ کو زیادتی قوت کے عوض بننے کیلئے لازم قرار دیا ہے وہ صرف قوت ناقصہ یعنی مخلوقات کی قوت کیلئے شرط ہے خدا کی کامل قوت کیواسطے شرط نہیں اور خدا نے اپنے عجیب و غریب کاموں میں یہ زمانہ اور اسباب اِس لئے مقرر کیے ہیں کہ ذرا عقلمندوں کی آزمائش ہو اور بہکنے والے بہک جائیں اور دوسروں کی امر واقعی تک رسائی ہو جاوے

دوسرا معجزہ | اور بعضوں نے یہ طلب کیا کہ آپ کی طرف درخت دوڑنے لگے آپ سے باتیں کرے اور آپ کی رسالت کی شہادت دے آپنے اُسے بھی کر دیا۔ اور بعضوں نے سوسمار کے بولنے کی درخواست کی اور کہا کہ یہ بھی آپ کی رسالت کی شہادت دے تو ہم جانیں آپنے اُن کی یہ درخواست بھی پوری کر دی ان چیزوں کا بول اُٹھنا محال نہ سمجھیے کیونکہ اگر حیات۔ ادراک اور آلات نطق وغیرہ کو بولنے کے لئے شروط عادیہ میں سے شمار کیا جائے یعنی بغیر ان کے بھی[۵] بولنا ممکن ہے تب تو ظاہر ہے کہ خدا نے کلام

---

۵ چنانچہ آلہ فونوگراف میں سے بعینہٖ انسان کی آواز نکلتی ہے حالانکہ ادراک۔ زبان اسمیں نہیں ہیں ۱۲ مترجم

پیدا کر دیا ہو اور اُن سے صادر ہو گیا ہو اور اگر ان چیزوں کو بالفرض لازمی شرط بھی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض کا گمان ہے تب بھی کچھ مشکل نہیں اس لئے کہ خدا اُن شرطوں کو بھی پیدا کر سکتا ہے اور اس کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔

آپ کی انگلیوں سے پانی کا جوشش مارنا

اور بعضوں نے یہ دیکھا کہ جب آپ کے ساتھیوں کے پاس پانی ختم ہو گیا اور انہوں نے آپ سے پانی کی درخواست کی تو آپ نے تھوڑے سے پانی میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے یعنی گھائیوں سے کثیر پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہوا یہاں تک کہ جماعت کثیر اس سے سیراب ہو گئی اور اُن سب کے لیے پانی کافی ہو گیا۔ اور یہ بات بھی کچھ ممتنع نہیں اس طرح ہو سکتی ہے کہ خدا نے پانی کی ایک مقدار پیدا کر دی ہو جو اس تھوڑے سے پانی سے مل گئی ہو اور لوگوں کو نظر آتا ہو کہ انگلیوں کے بیچ سے پانی نکل رہا ہے اس لئے کہ خدا نے وہیں اتنا پانی پیدا کر دیا ہو اور پیدا کرنیوالا تو خدا ہے وہی سب کچھ پیدا کرتا ہے اس میں تعجب کی کونسی بات ہے اور علاوہ اس کے جب ہوا کو پانی سے منقلب کر دینا علم کیمیا یعنی کیمسٹری کا جاننے والوں کے اختیار میں ہے تو پھر خدا کا کیا پوچھنا ہے وہ تو کیا عناصر اور کیا علم کیمیا اور کیمیا داں سبھی کا پیدا کرنیوالا ہے اور اسی طرح بہت سی خارق عادت باتیں لوگوں کے درخواست کرنے پر آپ سے صادر ہوئیں جن کی ہم کو معتبر ذریعہ سے خبر پہنچی ہے اگرچہ ان میں ایسی خبریں بھی ہیں کہ تنہا حد تواتر کو نہیں پہنچیں لیکن اس میں تو ذرا بھی شک نہیں رہا کہ یہ سب مل ملا کر تواتر کے مرتبہ سے کسی طرح کم نہیں ہیں بلکہ ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے درخواست کرنے پر خوارق عادات کا صادر ہونا اجمالاً متواتر ہی ہے اور ایسے تواتر کو تواتر معنوی کہتے ہیں جس کے معتبر ہونے پر محققین عقلاء کا اتفاق ہے اور اس کا

انکار وہی کرسکتا جس کو بدیہی باتوں کے انکار سے بھی شرم نہ معلوم ہوتی ہو اور لوگوں میں اپنی
وقعت ثابت کرنیکی غرض سے بیدھڑک بدیہیات کا انکار کر بیٹھتا ہو۔ پس اس گروہ نے جب
یہ دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارق عادات اور اُن قوانین کے خلاف کر دکھایا
جن کے خلاف کرنے پر سوائے خدا کے کوئی قادر نہیں ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ سو نہ ہو
درخواست کرنے پر خدا ہی نے آپ کی تصدیق کیلئے ایسی باتیں آپ سے کرادی ہیں اور پھر آپ
کی تصدیق کرلی اور آپ کی رسالت کے معتقد ہو گئے۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے کہ ایسے معجزات
صرف انھیں لوگوں کی عقلوں کے سمجھانے کیلئے ہیں جن کے افہام معجزات ادبیہ کے سمجھنے سے
قاصر ہیں اور اس کی قابلیت نہیں رکھتے ورنہ سمجھ داروں کیلئے تو معجزات ادبیہ ہی موزوں
ہیں جیسا کہ قرآن کے احوال میں اُن کا کچھ تذکرہ ہو بھی چکا ہے اور آیندہ بھی اُن کا بیان
آئے گا جہاں کہ شریعت محمدیہ کے حسن انتظام کی شان دکھائی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ
خدا کے پاس سے ہونے کی اس میں فلاں فلاں دلیلیں موجود ہیں اور جہاں کہ محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم پر متقدمین کی کتابوں میں جو علامتیں مذکور ہیں منطبق کر دکھائی ہیں اور ہمیں
ان لوگوں سے جو اپنے ادراک کو معجزات ادبیہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں یہ امید ہے اس
خیال سے کہ یہ اُن کے اُن علوم کے مخالف ہیں جن کو اُنہوں نے اپنے اسکولوں میں حاصل
کیا ہے اور اُن کی عقلیں انہیں قبول نہیں کرتیں دھوکے میں نہ پڑیں گے اور معجزات حسیہ
کو اپنے ایمان کے طریق میں سدِّ راہ نہ بنائیں گے بلکہ اُن کی شان کے لحاظ سے حق اور اُن
کی عزم و احتیاط کے مناسب تو یہ امر ہے کہ ان خوارق کو انہیں لوگوں کے سمجھانے کے لیئے
خیال کریں جنھیں معجزات ادبیہ کے ادراک کا سلیقہ نہیں اور خود ایسی اشیاء اختیار کریں
جنھیں ان کی عقلیں قبول کرتی ہوں اور پھر اگر کوئی ایسی چیز پیش آئے جو اُن کی عقلوں میں

نہیں آتی اور یقینی دلیل عقلی کے خلاف ہو تو ایسا طرز اختیار کریں جو نقل اور عقل کا جامع ہو اور
تاویل کر کے دونوں کو موافق بنائیں جیسا کہ آیندہ ذکر ہوگا کہ شریعت محمدیہ کا یہ عام قاعدہ ہے
کہ اگر کوئی چیز اُن کے یہاں منقول ہو اور بظاہر یقینی دلیل کے خلاف ہو تو اس میں تاویل
کر دیتے ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو اُن کی حالت اُس شخص کی مثل ہو جائیگی جو دن دوپہر
آفتاب کو دیکھ رہا ہے اور گمان کرے کہ اسوقت رات موجود ہے۔ یوں سمجھے کہ اس کو یہ
خیال بندھ گیا ہے کہ کسی نکلے ہوئے ستارے کو وہ دیکھ رہا ہے پس وہ دن کے موجود ہونے کی
واضح دلیل کو یعنی آفتاب جو صاف نظر آرہا ہے چھوڑ دے اور اس خیالی ستارہ کو جس کا کہیں
پتہ بھی نہیں مے بیٹھے ایسا آدمی غلطی کے اسباب میں سے کسی نہ کسی سبب سے ستارہ کے
دیکھنے اور اس کو موجود سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کر سکتا ہے ایسی حالت میں چاہیے یہ
تھا کہ اگر ستارہ کے ہونے کا اُس کو یقین بھی ہوتا تاہم اپنے دیکھنے کی کوئی تاویل ضرور کرے
اور اس آفتاب درخشاں کو جو دن کے وجود کی کھلی دلیل ہے مہمل نہ جانے دے اصل یہ
ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے۔

<u>پانچواں گروہ</u> اور ان میں سے ایک فرقہ یہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ زمانہ میں بھی
رسولوں کو بھیجا تھا اور اُن کی شریعت ان کے زمانہ کے مناسب اور ہمارا اصلاح کی
پوری پوری ذمہ دار تھی وہ خود بھی کہتے تھے اور ان کی باتوں سے بھی کچھ ایسا ہی معلوم
ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کچھ زمانہ کے بعد تمام لوگوں کی طرف ایک رسول بھیجے گا اس کی
شریعت بھی اُس کے زمانہ کے مناسب اور مضامین اصلاح پر کافی طور سے حاوی ہوگی
اور اس رسول میں فلاں فلاں علامتیں موجود ہونگی جن میں سے بہت سی علامتیں
اب تک بھی اُن کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو اُن رسولوں کی جانب منسوب ہیں پس آد

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور کریں اگر اُن کی شریعت اُن رسولوں کے کہنے کے موافق ہوگی اور آپ میں اُن کی بتلائی ہوئی علامتیں بھی موجود ہوں گی تو ہم یقیناً سمجھ لیں گے کہ یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور اگر یہ بات نہ نکلی تو اُن کے دعوے کو الگ کریں گے اور اُن کی بات بھی نہ سنیں گے۔ اس کے بعد جب اُن لوگوں نے آپ کے سارے احوال میں غور کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ آپ کی شریعت جیسا کہ چاہیئے اُسی طرح لوگوں کی اصلاح کی کفیل ہے (جیسا کہ آپ کو اس کے بعد والے فرقہ کے بیان میں معلوم ہوگا۔ اور اُن لوگوں نے آپ میں ان رسولوں کی بتلائی ہوئی علامتیں بالکل صاف طور پر دیکھیں جن کے پائے جانے میں اُس شخص کو ذرا بھی شک نہیں رہ سکتا جو اپنے تعصب کو چھوڑ دے اور واہی تباہی تاویلوں کے درپے نہ ہو اور وہ چاہتا ہو کہ حق بات واضح ہو جائے اور انجام بد سے اُسے نجات ملے اور اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اس مقصد میں اپنی قوم کی ملامت اور لعن و طعن کی ذرا بھی پروا نہ رکھتا ہو اور یہ علامتیں اُن کتابوں میں آج تک برابر ملتی چلی آتی ہیں اب لیجئے اُن کی تفصیل سُنئے اوّل تو یہ کہ اشعیا علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کنایہ کیا تھا آپ پر منطبق ہو گیا اشعیاؑ کا قول یہ ہے (۱) بیشک رب فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوا اور ہزاروں پاک لوگ اُس کے ہمراہ ہیں اور اُس کی آنکھ میں آتشی طرز ہے اور یہ کنایہ ایسا ہی ہے جس طرح اشعیا کے کلام میں سیناؑ (طور سینین) سے رب کی آمد موسیٰ علیہ السلام سے کنایہ ہے اور رب کا ساعیر میں روشن ہونا عیسےٰ علیہ السلام سے کنایہ ہے۔ اب آپ کے اوپر اشعیاؑ کے قول کا انطباق دیکھئے کیسا صاف ہے کیونکہ فاران کے پہاڑ سے مراد مکہ ہے جیسا کہ سفر تکوین میں حالات اسمٰعیل علیہ السلام میں منقول ہے کہ وہ فاران میں رہتے تھے (۲) اور اُن کا (اشعیا کا) یہ قول کہ ہزاروں پاک لوگ اُس کے

ساتھ ہیں' آپ کے ساتھ والوں سے کنایہ ہے جو تمام عیبوں سے پاک تھے جیسا کہ لوگوں نے
انہیں مشاہدہ کیا ہے (۳)، اور اُن کا یہ قول کہ "اس کی آنکھ میں آتشی طرز ہے" آپ کی شریعت
میں جہاد کے مشروع ہونے سے کنایہ ہے اور آپ پر جو کچھ تشبیہ میں ہے وہ کلی صادق آتا
ہے یعنی (۴) اور "اُس کو ان کے (یعنی بنی اسرائیل) بھائیوں میں سے نبی بنا کر اٹھا کھڑا
کرونگا" اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہی ہیں (۵) اور یہ کہ آپ مرضی

---

(۵) یہاں یہ شبہ نہ کرنا چاہیئے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل کے مثل بنی عیص اور بنی ابنائے آخر
ابراہیم بھی ٹھہر سکتے ہیں پس اس نبی کی بالتخصیص بنی اسمٰعیل ہی میں پیدا ہونے کی کیا دلیل ہے کیونکہ
یہ تخصیص دوسری آیات سے ہوگئی ہے بنو عیص اس عموم سے بوجہ مغضوبیت اور تنافی نص وحی کے
خارج ہوئے اور سند مغضوبیت کی پولس کا قول ہے رومیوں کا نواں خط درس ۱۳ جیسا لکھا ہے کہ
میں نے یعقوب سے محبت رکھی اور عیص سے عداوت اور نیز اسوجہ سے کہ عیص نے اپنے منصب نبوت
کو بعوض بڑائی کے اُن کو حاصل تھا یعقوب کے ہاتھ بیچ ڈالا سند اس کی کتاب پیدائش باب ۲۵
درس ۳۱ تب یعقوب نے کہا آج ہی اپنے پہلوٹھے ہونے کا حق میرے ہاتھ بیچ درس ۳۲ عیسو (عیص) نے
کہا دیکھ میں تو مرنے جاتا ہوں پہلوٹھا ہونا میرے کس کام آئے گا۔ درس ۳۳ تب یعقوب نے کہا آج ہی مجھ
پاس قسم کھا اُس نے اُس پاس قسم کھائی اور اُس نے اپنے پہلوٹھے ہونے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچا اور نیز اس
لیئے کہ یعقوب علیہ السلام نے عیص علیہ السلام کا مانگی حق بھی اسحٰق علیہ السلام سے لے لیا اور سند
اس کی وہ قصہ ہے جو کتاب پیدائش باب ۲۷ میں پہلے درس سے لیکر ۴۵ درس تک مذکور ہے،
خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے عیص علیہ السلام سے کہا کہ تو میرے لئے
شکار کر لا اور مجھے لذیذ کھانے کھلا تاکہ میں تجھے برکت بخشوں یعقوب کی ماں ربقہ نے یہ خبر پا کر اپنے
بیٹے یعقوب کے ہاتھ اُن کو عیص کا بھیس بدلوا کر اسحاق علیہ السلام کے پاس کھانے لیکر بھیجا چونکہ

علیہ السلام کے مشابہ ہیں یعنی شریعت اور مشروعیت احکام اور جہاد کے اعتبار سے اُن کی طرح ہیں (۶) اور یہ کہ خدا کا کلام اُن کے منہ میں رکھا گیا ہے اور وہ یہی باکمال قرآن ہے جس کو آپ لائے ہیں اس کے سوا جو یوحنا میں ہے وہ بھی آپ پر صادق آتا ہے یعنی (۷) آپ فارقلیط اور معزی ہوں گے جو تمام چیزوں کو سکھلائیں گے مطلب یہ ہے کہ تمام حقائق اور معارف کو سکھلائیں گے جیسا کہ آپ کے متبعین کے حالات سے ظاہر ہے (۸) اور یہ کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کی کہی ہوئی باتیں یاد دلائیں گے" اور وہ باتیں توحید اور ایمان یاد اور دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم اور آخرت کی ترغیب دینا ہے (۹) اور یہ کہ آپ

بقیہ نوٹ (۵) نابینا تھے پہچان نہ سکے اور عیص سمجھ کر یعقوب علیہ السلام کو ساری برکت بخشی جب عیص علیہ السلام آئے اور انھوں نے بھی برکت مانگی تو بجائے برکت دینے کے انہیں یعقوبؑ کی اطاعت کا حکم دیا اور برکت نہیں دی جس کی وجہ سے وہ یعقوبؑ کے دشمن ہوگئے اور آمادۂ قتل ہوئے رلقہ نے یہ بات معلوم کر کے یعقوب کو بیٹے بھائی لابن کے پاس حاران جانیکا حکم کیا پس حضرت عیصؑ تو اپنے حق کے یعقوبؑ کے ہاتھ بیچنے اور نیز یعقوبؑ کے اسحٰقؑ سے حق عیص لے لینے کے باعث اس عموم سے خارج ہو گئے۔ رہی ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد وہ ابراہیم علیہ السلام کے خارج کر دینے کی وجہ سے پہلے ہی سے خارج ہے سند اس کی کتاب پیدائش باب ۲۵ درس (۵) اور ابراہام نے اپنا سب کچھ اضحاق کو دیا (۶) لیکن حرموں کے بیٹوں کو جو ابراہام سے ہوئے ابراہام نے کچھ انعام دیکے اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اضحاق کے پاس سے پورب کے رخ پورب کی سرزمین میں بھیجدیا (۷) اور ابراہام کی حیات کے برسوں کے دن جن میں وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس تھے تب ابراہام جان بحق ہوا اور اچھی عمر درازی میں بوڑھا اور آسودہ ہوکے مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا اور اس کے بیٹے اضحاق اور اسمٰعیل نے مکفیلہ کے مغارہ میں حتی صحرا کو بیٹی عفرون کے کھیت میں جو ممرے کے آگے ہے گاڑا ۱۲ براہین رحیمیہ مع اختصار

عیسٰی علیہ السلام کیلئے شہادت دیں گے، یعنی اُن کی نبوت و رسالت اور لوگوں کے افتراء سے
اُن کی برأت کے شاہد بنیں گے (۱۰) اور یہ کہ آپ جب تک کہ عیسٰی علیہ سلام تشریف نہ
لے جائیں گے تشریف فرما ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا (۱۱) اور یہ کہ گنہگاروں پر لوگوں کو
سرزنش کریں گے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہر خطاکار اور گناہ کرنے والے کو سرزنش کرتے
ہیں اور جو کچھ سزا میں ہے وہ بھی آپ پر منطبق ہے (۱۲) اور یہ کہ آپ خوبرو ہوں گے چنانچہ
آپ اعلٰی درجہ کا حُسن رکھتے تھے (۱۳) اور یہ کہ حکمت آپ کے لبوں سے ٹپکتی ہوگی، اور
یہ بات آپکے قرآن جس کی آپ تلاوت فرماتے تھے اور آپ کے معارف و حِکَم کے دیکھنے
سے صاف ظاہر ہے (۱۴) اور یہ کہ آپ تلوار لٹکائے ہوں گے، چنانچہ آپ اعدائے دین
کے ساتھ لڑائی میں برابر لگے رہے (۱۵) اور یہ کہ آپ قوی ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ آپ
قوت دلیل انتظام ملکی اور قوت جسمانی ہر اعتبار سے قوی تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنی
جسمی قوت سے بڑے بڑے پہلوانانِ عرب کو گرا دیا اور یہ کہ آپ (۱۶) حق کے پیرو (۱۷)
طبیعت کو قابو میں رکھنے والے (۱۸) اور راستباز ہوں گے چنانچہ یہ تینوں باتیں آپ میں
واضح طور پر موجود تھیں (۱۹) اور یہ کہ تیر اندازی آپ کا طریق ہوگا چنانچہ دشمنوں کے
لئے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا سامان تیر اندازی سے طیار رہنا مشہور روایات ہے
اور آپ کی شریعت میں لوگوں کو حکم ہے کہ تیر اندازی سیکھیں اور اگر کوئی سیکھ کر بھول جائے
تو وہ گنہگار سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ (۲۰) زمین کا بہت بڑا حصہ آپکے تحت تصرف میں ہوگا،
چنانچہ آپ قریب قریب تمام ملک عرب پر قابض تھے (۲۱) اور یہ کہ آپ خیر دوست
(۲۲) اور گناہ سے بیزار ہونے والے ہوں گے چنانچہ یہ دونوں باتیں بھی آپ میں ایسے
کھلے طور پر ثابت ہیں جن کا آپ کے دشمن بھی اقرار کرتے ہیں (۲۳) اور یہ کہ شہزادیاں آپ

کی خدمت کر گئی پس یہ بھی ہو لیا کیونکہ مراد ان عرب کی بادشاہیاں ہیں جو آپ کے پاس مقید کر کے
لائی جاتی تھیں شہزادیوں سے کچھ کم نہ تھیں علاوہ بریں صفیہؓ بنت اخطب جو ایک یہودی
بادشاہ کی صاحبزادی تھیں آپ کی زوجہ بنی تھیں (۲۴) اور یہ کہ بادشاہوں کے یہاں سے
آپ کے پاس ہدیے آئیں گے، چنانچہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور مقوقس شاہ مصر وغیرہ نے آپ کے
پاس ہدیے بھیجے (۲۵) اور یہ کہ مالدار بھی آپ کی اطاعت کریں گے اور اس کے مصداق
امت کے وہ مالدار ہیں جو آپ کے ارشاد کے موافق اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں، علاوہ بریں
(۲۶) اشعیاہ میں یہ جو واقع ہوا ہے کہ آپ کی نماز ایک نئی طرز کی عبادت ہوگی" شریعت
محمدیہ کی نماز پر پورے طور سے صادق ہے کیونکہ اس نماز کے مشابہ شرائع سابقہ میں کوئی
عبادت نہ تھی اور یہ کہ (۲۷) آپ اس نماز کو علی العموم بڑی بڑی دور کے رہنے والوں پر
بھی واجب کریں گے حتی کہ جزائر اور بیابانوں میں بسنے والے بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوں گے"
پس ظاہر ہے کہ بعد ایمان کے سب سے اول درجہ نماز ہی کا ہے کہ جس سے کوئی عاقل بالغ
مستثنیٰ نہیں (۲۸) اور یہ کہ بیابان یعنی وہ مقامات جس میں قیدار سکونت پذیر تھے آپ کے
ذکر سے گونج اٹھے گا" اور قیدار اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور آپ کے یعنی
محمد صلعم کے اجداد کا انہیں کے ذریعہ سے سلسلۂ نسب اسماعیل علیہ السلام سے جا ملتا ہے
اور وہ مقامات یہی عرب کے شہر ہیں جن کے ہر ہر کوچہ میں جہاں دیکھو آپ کا ذکر ہے (۲۹)
اور یہ کہ سلع[1] کے بسنے والے آپ کا گیت گائیں گے پس یہ لوگ آپ کے امتی ہیں جو پہاڑوں

---

[1] سلع مدینہ میں ایک پہاڑ ہے اور اسی پہاڑ کی جانب غزوۂ خندق میں جس کا ذکر بشارات جبل سے
بیان غزوات میں انشاء اللہ آئے گا خندق کھدی تھی اور یہ پہاڑ مدینہ میں مشہور ہے مگر تکمیل خصم
کے لیے سند بھی ضرور ہے قاموس کے باب العین فصل السین میں ہے وسلع جبل فی المدینۃ یعنی سلع

کی چوٹیوں اور بلند مقامات میں ہر وقت بآواز بلند نماز یا اذان میں آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں (۲) اور یہ کہ کوہ سلع کے بسنے والے آپ کی ثناخوانی کریں گے (اور یہ رات دن میں پانچ وقت کی اذان ہے جس میں آپ کا نام مبارک لیا جاتا ہے اور آپ کی رسالت کی شہادت دیجاتی ہے۔ (۳) اور یہ کہ رب بہادر کی طرح نکلے گا اور یہ جہاد سے کنایہ ہے جو آپ کی شریعت میں مشروع ہے اور چونکہ جہاد میں نیت کے خالص رکھنے کی بڑی سخت تاکید ہے یہاں تک کہ جہاد کی تعریف میں بھی اس کا اعتبار کیا گیا ہے چنانچہ کہا ہے کہ جہاد محض

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ایک پہاڑ ہے مدینہ منورہ میں اور بخاری شریف کے باب الاستسقاء میں یہ حدیث منقول ہے "عن انس بن مالک ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعة من باب کان نحو دار القضاء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم یخطب فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائما ثم قال یا رسول اللہ ہلکت الاموال وانقطع السبل فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثم قال اللہم اغثنا اللہم اغثنا اللہم اغثنا قال انس لا واللہ ما نری فی السماء من سحاب ولا قزعة وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار" مجمع البحار میں اس جملہ ما بیننا وبین سلع پر لکھا ہے بفتح السین وسکون اللام جبل بالمدینة ۱۲ براہین رحمیہ

علہ جناب مولوی رحم الٰہی صاحب شاگرد جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب براہین رحمیہ میں لکھا ہے کہ گیت سے مراد کلام الٰہی ہے اور یہاں کا محاورہ ہے کہ کلام الٰہی کو گیت کہتے ہیں چنانچہ اب بھی زبور کے ترجمہ کو بیبل میں گیت لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی کلام الٰہی آپ پر نازل ہوگا اور وہاں آپ ہجرت کرکے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کا تفصیلی بیان براہین رحمیہ میں دیکھیے ۱۲ مترجم

عہ براہین رحمیہ میں یہ بشارت اس طرح ہے "سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثناخوانی کریں گے ۱۲ مترجم

اعزاز دین کیلئے دشمن سے لڑنے کا نام ہے تو اب اگر رب کے بہادر کی طرح نکلنے سے جہاد سے
کنایہ کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے (۳۲) اور یہ کہ اندھوں کو آپ ایسی راہ میں لے چلیں گے
جس سے وہ محض ناواقف ہوں گے اور یہ دین کے بارے میں زمانے بھر سے جاہل تر عرب
کی قوم تھی جس کو آپ دین کی ایسی راہ پر لے چلے ہیں جس کی اسے خبر بھی نہ تھی (۳۳) اور
یہ کہ آپ بتوں اور تراشی ہوئی ہیکلوں کے پوجنے والوں کی بےعزتی کریں گے چنانچہ ظاہر ہے
کہ ایسوں پر آپ خدا کی ساری مخلوق سے زیادہ سخت ہیں اور آپ کا سارا قرآن ان
کی عقلوں کی سست ہمت کے اظہار اور ان کے بتوں کی طعن و تشنیع سے بھرا ہوا ہے اور اس
قسم کے بےشمار مضامین اس میں موجود ہیں (۳۴) اور یہ کہ آپ بڑے لڑنے والے ہوں گے
جو مشرکوں کے ہلاک کرنے کے لئے پیدا کئے گئے۔ ورآپ پر وہ مضمون بھی صادق آتا ہے
جو متی میں ہے (۳۵) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے جسے معماروں نے رد کیا اور
وہ کونے کا سرا ہو گیا یعنی[1] آپ محافظ قصر نبوت ہوئے اگرچہ اُن کو بنی کی اولاد میں آپ
ہیں بنی اسرائیل حقیر سمجھتے تھے اس لئے کہ آپ ہاجرہ کی نسل سے ہیں اور ان کی اولاد بنی
اسماعیل کو بنی اسرائیل حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ کنیزک
زادے ہیں۔ اور خدا نے انہیں میں سے آپ کو نبی بنا دیا اور جو کچھ متی باب ۲۱ انجیل میں ہے

[1] اس کے تفصیلی بیان کا اگر شوق ہو تو براہین رحمیہ کو دیکھئے وہ بشارات کتب سابقہ کے
باب میں نہایت عمدہ اور کافی کتاب ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ شاید ایسی کتاب اس مبحث
خاص میں اس سے پیشتر اردو میں نہیں لکھی گئی مولوی صاحب[2] موصوف نے خوب حق ادا کیا
اور حجت ختم کر دی ۱۲ مترجم

[2] جناب مولوی رحم الٰہی صاحب ساکن قصبہ منگلور ضلع سہارنپور ایسی پتہ ہے۔

وہ بھی آپ پر بخوبی صادق آتا ہے (۳۶) اور یہ کہ آپ کی حکومت بڑے بڑے فرقوں پر ہوگی
اور آپ لوہے کی چھڑی سے اُن کی نگہبانی کریں گے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ آپ کی ایسی
حکومت ہو چکی ہے بڑی سے بڑی متکبر قومیں آپ کے سامنے گردن جھکاتی تھیں اور لوہے
کی چھڑی بھی آپ کی تلوار ہے جس سے آپ بے حکمی کرنے والوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے تھے (۳۷)
اور جب ہم آپ کے لائے ہوئے قرآن میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہیں
بتلاتا ہے اس سے اس کو بھی صبح کا ستارہ سمجھنا چاہیے جو آپ کو ملنے والا تھا (۳۸) اور
مزامیر میں یہ جو ہے کہ حبشہ آپ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑے گا وہ بھی آپ پر صادق ہے
کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی آپ پر ایمان لے آیا تھا (۳۹) اور سلاطین بھی آپ کی خدمت
میں قربانیاں لے کر حاضر ہوتے تھے (۴۰) اور تمام قومیں آپ کی اطاعت اختیار کرتی تھیں
(۴۱) اور یہ کہ آپ مظلوم بیچاروں کو قوی لوگوں سے چھڑا دینے والے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے
نزدیک زبردستوں کا کمزوروں پر ظلم کرنا گناہ ہے اور آپ اس سے بہت سختی سے منع فرماتے
تھے اور ظالم کو ظلم کرنے سے ہر طرح سے باز رکھتے تھے (۴۲) اور یہ کہ آپ ایسے کمزوروں کو
جن کا کوئی یار و یاور نہ ہو ظلم وغیرہ سے چھڑائیں گے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ آپ ایسے
ہی تھے (۴۳) اور یہ کہ آپ ضعیفوں اور مسکینوں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے
ہوں گے جیسا کہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے اور آپ کو ان سے نہایت محبت تھی یہاں تک کہ اپنے
آپ کو مسکینوں ہی میں شمار کرتے تھے اور اپنے رب سے یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ مجھے
زندگی میں بھی مسکین ہی بنائے رکھ اور مرتے دم بھی مجھے مسکین ہی رکھیو اور قیامت میں بھی
مجھے مسکینوں ہی کے زمرہ میں اٹھائیو (۴۴) اور یہ کہ آپ لوگوں سے سود لینا چھڑا دیں گے
چنانچہ آپ سود سے نہایت سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور اس کا باعث حاجتمندو

کے حال پر شفقت فرماتا تھا جن کو قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور دولتمندوں کو اس
بات پر برانگیختہ کرنا مقصود تھا کہ یہ اہل حاجت کو قرض دے دلا کر اُن کے ساتھ سلوک
کیا کریں اور آپ نے اپنے بعض خطبوں میں یہاں تک فرمایا کہ تمام سود میرے قدموں کے تلے
پامال ہیں (۴۵) اور یہ کہ آپ شہر سبا کا سونا جو یمن کے اطراف میں کسی طرف واقع ہے
لوگوں کو دینگے اور یہ اس طرح صادق ہوا کہ آپ کے پاس اس کا خراج آیا کرتا تھا (۴۶) اور یہ
کہ آپ کے لیے روزمرہ برکت کی دعا کی جاتی گی جیسا کہ یہ آپ کے متبعین کی عبادت میں
داخل ہے چنانچہ وہ روزانہ اپنی نمازوں میں بیس مرتبے سے بھی کچھ زیادہ یہ پڑھا کرتے
ہیں السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ یعنی اے نبی آپ کو ہمارا اسلام پہنچے اور
آپ پر خدا کی نوازش اور برکتیں نازل ہوں اور ہر روز دس بار سے بھی زیادہ خدا سے
یہ دعا کرتے ہیں کہ بارک علی محمد و علی آل محمد یعنی اے خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن
کے کنبے والوں پر برکت نازل کر (۴۷) اور یہ بات ہم صاف طور پر مشاہدہ کر رہے ہیں
کہ جس دن سے آپ نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے اُس دن سے لیکر آج تک برابر آپ
کے متبعین سبزہ کی طرح روئے زمین پر بڑھتے چلے جاتے ہیں جو مضمون اشعیا میں آپ کی
نسبت واقع ہے وہ بھی بخوبی آپ پر صادق آتا ہے (۴۸) کہ آپ مؤید اور پسندیدہ
ہوں گے اور اس کا پتہ اس طرح لگتا ہے کہ دن بدن آپ کا عروج ہوتا چلا جاتا ہے (۴۹)
اور یہ کہ جس دین کو آپ خدا کا دین کہیں گے اُس کے اظہار میں نہ گھبرائیں گے نہ اکتائیں
گے اور اشعیا میں جو آپ کی نسبت جسمانی علامتیں مذکور تھیں وہ بھی آپ میں بخوبی ظاہر
تھیں (۵۰) یعنی کبوتر کے بیضہ کے برابر آپ کے شانہ پر شاہی مہر ہوگی اور آپ اس
کو مہر نبوت سے تعبیر فرماتے تھے (۵۱) اور یہ کہ آپ نئے نام سے پکارے جائیں گے

کہ آپ نے اس وقت کیا جبکہ مکہ فتح ہوا اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے پس آپ بتوں کو کعبہ پر سے گراتے جاتے تھے اور بت شکست ہو رہے تھے اور جو کچھ یوحنا کے خواب کے بیان میں ہے وہ بھی آپ پر صادق آتا ہے (۵۹) کہ آپ امین کے لقب سے مشہور ہوں گے چنانچہ آپ اس نام سے دعوئے رسالت کے قبل ہی مشہور ہو چکے تھے اور آپ کو لوگ محمدؐ امین کہا کرتے تھے (۶۰) اور یہ کہ آپ کا حکم کرنا اور جنگ کرنا عدل پر مبنی ہوگا چنانچہ آپ کو ہم نے ایسا ہی پایا حتیٰ کہ آپ نے اپنی امت پر یہ بات فرض کر دی کہ اپنے پر یا اپنی اولاد ہی پر کیوں نہ حکم کرنا ہو لیکن کسی طرح اس کے ہاتھ سے عدل نہ جانے پاوے علیٰ ہذا القیاس آپ کا جنگ کرنا بھی محض عدل کے موافق تھا کیونکہ عہد کرنے کے بعد بدعہدی جانتے ہی نہ تھے اور نہ جہاد میں کسی عورت اور لڑکے کو قتل کرتے تھے اور نہ کسی ایسے کو مارتے تھے جو لڑائی لڑنے اور تدبیر بتانے سے عاجز ہو اور نہ اس شخص کو مارتے تھے جو اپنے زعم کے موافق گوشہ عبادت میں بیٹھا ہو (۶۱) اور یہ کہ آپ کے لشکر کا لباس سفید اور پاکیزہ ہوگا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو سفید لباس اور سب لباسوں سے زیادہ پسند تھا اور آپ کی امت نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور جمعہ کے روز جو گویا مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے آپ کی شریعت میں سفید لباس پہننا بہت مناسب خیال کیا گیا ہے (۶۲) اور یہ کہ آپ کے منہ سے ایک تیغ رواں نکلے گی تا کہ آپ لوگوں کو اس سے ماریں یہ آپ کے لائے ہوئے قرآن پر پورے طور سے منطبق ہے کیونکہ آپ نے عرب کے لوگوں کو اس کے مقابلہ کرنے سے عاجز کیا بلکہ سچ مچ اس سے انہیں تو مار ہی دیا (۶۳) اور یہ کہ پرندے اُن بادشاہوں کا گوشت کھائیں گے جو آپ سے لڑ کر مقتول ہوں گے یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ آپ نے کتنے ہی میدانوں

کو بادشاہوں کی لاشوں سے بھر دیا اور اُنہیں پرندوں کی خوراک بنا دیا (۶۴) اور یہ کہ
شاہانِ روئے زمین مع اپنے خدم و حشم کے اتفاق کر کے آپ سے جنگ کریں گے
پس شاہانِ خیبر اور عرب کی دیگر قوموں کا متفق ہو کر آپ سے مقابلہ کرنا اس کی کافی
شہادت ہے اور آپ کے مطیعین پر وہ مضمون بھی جو مزامیر میں ہے صادق آتا ہے
(۶۵) کہ اُن کے پاس دو دھاری تلوار ہوگی اور بڑے بڑے جابروں سے انتقام لیں
گے (۶۶) اور یہ کہ بادشاہوں کو طوق اور زنجیروں میں کھینچیں گے۔ پس بلاشک یہ
دونوں باتیں بھی وہ لوگ کر چکے ہیں (۶۷) اور یہ کہ وہ لوگ اپنی خوابگاہوں میں خوش
خوش آرام کریں گے چنانچہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ سوتے وقت یادِ خدا سے اپنا جی خوش
کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ سو جاتے ہیں (۶۸) اور یہ کہ ہر وقت خدا کی عظمت بیان کریں گے
پس اس کی مصداق ان کی نماز ہے کہ اس سے پہلے بھی اذان میں تکبیر کہتے ہیں اور بغیر
تکبیر کے تو اُن کی نماز شروع ہی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی
طرف منتقل ہوتے وقت بھی وہ تکبیر کہتے ہیں اور عیدالضحےٰ کی تکبیرات تو مشہور ہی ہیں
بہرحال اُن کی نماز کے ہر ہر فعل سے خدا کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور اُن پر وہ مضمون بھی
صادق آتا ہے جو تثنیہ میں ہے (۶۹) کہ خدا بنی اسرائیل کو اُن سے غیرت دلائیگا اور ایک
جاہل فرقہ سے اُن کو غیرت دلا کر غضبناک کریگا اسلئے کہ قوم عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
رہنمائی سے پہلے نہایت ہی جاہل تھی سوائے بت پرستی کے اُسے کسی دین کی خبر ہی نہ تھی اور
اس وقت کے یہود کا حسد مسلمانوں کے ساتھ مشہور ہے (۷۰) اور یہ کہ وہی لوگ ایسے ہونگے
جنھیں بے مانگے مراد ملے گی اس لئے کہ انہوں نے کسی شریعت کی درخواست نہیں کی
تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مکہ پر وہ مضمون جو اشعیا میں ہے صادق آتا ہے

(۱) کہ وہ بانجھ ہوگا کیونکہ بعد اسمٰعیل علیہ السلام کے اس میں کوئی نبی نہیں ظاہر ہوا تھا (۲)
اور وہ وحشی یعنی بیابانی ہوگا (۳) عورت کے بیٹے یعنی عرب کے لوگ ہیں کیونکہ وہ ہاجرہ علیہا
السلام کی اولاد ہیں جو کنیز سارہ مطلقہ کے ہوتی تھیں اور دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے
کہ اسمٰعیل کے حق میں یہ وارد ہوا ہے کہ وہ وحشی[عف] آدمی ہوں گے جیسا کہ سفر تکوین میں
مذکور ہے اور شوہر والی عورت کے بیٹوں سے سارہ علیہا السلام کی اولاد مراد ہے پس مکہ کو
جو بانجھ عورت کے لقب سے پکارا گیا ہے اس خطاب کرنے کا راز ظاہر ہوگیا کہ وہاں کی باقی اور

عـہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل جو اس کو قریب ہے انجیل میں لفظ وحشی پایا جاتا ہے وہ تحریف ہے بجائے اس کے
شاید کوئی اور لفظ ہوگا ۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب نے ایک دوسری بشارت کے ذیل میں براہین دمیہ میں
اسکی تصریح کردی ہے ہم ان کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے ایک اور بشارت بھی معلوم ہو جائیگی
صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۸ ۔ درس ۱۱ ۔ ہاں وہ وحشی کے سے ہونٹوں اور اجنبی زبان سے اس
گروہ کے ساتھ باتیں کریگا اور پیدائش کے سولہویں باب کے درس ۱۲ میں نسبت اسمٰعیل علیہ السلام کی مذکور
ہے وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اسکے برخلاف ہونگے" اور وہ وحشی نعوذ باللہ
من التحریف یعنی اسماعیل علیہ السلام عربی اللسان تھے اور کلام اللہ اور کلام محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عربی ہے نہ انجیل مسیح اور نہ زبان مسیح علیہ السلام انتہی ۔ مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے
کہ درس ۱۲ میں وحشی تحریف ہے لیکن خیر ہمارا اصل مطلب اب بھی ثابت ہو جائے گا ۔ کیونکہ
جب وحشی اسمٰعیل علیہ السلام کا وصف ٹھیرا تو درس ۱۱ میں وحشی کے سے ہونٹوں اور اجنبی
زبان الخ سے مراد اسمٰعیلؑ کی زبان ہوگی اور ان کی زبان عربی تھی ۔ پس اس کے بولنے والے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اس زبان میں جو کتاب الٰہی نازل ہوئی وہ
قرآن شریف ہے نہ کہ انجیل کیونکہ وہ عبری تھی ۱۲ مترجم

آتا اور کوئی منصف ان سب کے اتفاقی طور پر مجتمع ہونے کا ہرگز قائل نہیں ہو سکتا ہاں
کوئی اپنی وقعت ثابت کرنے کیلئے یا عداوت کی راہ سے کہہ دے تو بات ہی دوسری ہے
پھر بعد اس کے کہ اتنی زیادہ علامتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہو جائیں اور اس
بات کا کوئی عقلی یا عرفی مانع بھی نہ پایا جاوے اور نہ عادت یا شرع کی مخالفت لازم
آتے کہ جن کی نسبت یہ علامتیں بتائی گئی تھیں وہ آپ ہی ہیں تو اب بھی اگر کوئی یہ
کہے کہ شاید وہ کوئی دوسرے شخص ہوں گے جو ابھی آئے نہیں آئندہ آئیں گے تو یہ بات
ناعاقبت اندیشی اور عداوت پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے اور ایسا کہنا محض لغو اور سراسر
بے سود ہے اور یہ کہہ کر ایسے شخص کی اطاعت سے جس میں کہ ساری علامتیں متحقق ہو گئیں
روگردانی کرنا اور کسی دوسرے کا انتظار کرنا جس کی آمد مشکوک اور محض ایک گمان ہی
گمان ہو نہایت بے عقلی کی بات ہے۔ بھلا غور تو کیجیے کہ اگر کوئی شخص اپنے نوکر کو ایک
خط دیکر اس سے یہ کہہ دے کہ اس شخص کو دے دینا جو تھوڑے عرصہ میں تیرے پاس آئیگا
اور کہے گا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جسے کہ تیرے مالک نے خط دلوایا ہے، اور اس کو
اس شخص کی چند علامتیں بھی بتلا دے جن کا دو آدمیوں میں بھی مجتمع ہو جانا عقل کے
نزدیک مستبعد خیال کیا جاتا ہو اور پھر وہ شخص نوکر کے پاس آکر اس کے مالک کے بتلانے
کے موافق وہ خط طلب کرے اور نوکر اس میں اپنے مالک کی بتلائی ہوئی علامتیں دیکھنے
پر بھی اسے خط نہ دے اور اس نہ دینے کی وجہ یوں بیان کرے کہ شاید میرے مالک
کا بتلایا ہوا شخص تو نہیں ہے کوئی اور ہوگا۔ اب بتلائیے کہ کونسا ایسا عاقل ہوگا جسے
اس بات میں ذرا بھی شبہ ہو کہ اس نوکر نے اپنے مالک کے کہنے پر عمل نہیں کیا
اور سزا کا مستحق ٹھہرا اور محقق بات کو چھوڑ کر ایک امر موہوم کا منتظر ہو بیٹھا جس کی وجہ

سوائے اس کے وسوسہ یا ایسی ہی کوئی دوسری شے کے اور کیا ہو سکتی ہے پس ہم لوگ
بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ساری علامتیں منطبق ہونے کے بعد بھی اگر آپ کا اتباع نہ کریں
اور کسی دوسرے کا انتظار کرتے رہیں (خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب سینکڑوں برس
کا زمانہ گذر بھی گیا ہو اور کوئی دوسرا نہ آیا ہو) تو بیشک عقل سلیم ہم کو بھی ان لوگوں کی طرح
راہِ راست سے منحرف ہونے والا ٹھیراتے ہیں تاں نہ بری لگیں گے بعد اس بات کے
بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ٹھیر چکے اور ان پر ساری علامتیں بھی ہم لوگوں نے
دیکھ لیں ہم آپ کی تصدیق نہ کریں اور کسی دوسرے کے انتظار میں رہیں تب تو بتایئے کہ
اپنے رب کو ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ کیا اس سمیع نہ کے سامنے جس سے ایک
ذرہ بھی مخفی نہیں یہ کہہ دیں گے کہ آپ کی بتلائی ہوئی علامتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق
نہیں ہوئیں اور اس طرح جھوٹ بول کر نجات پا جائیں گے؟ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم
نے تو ان کی تصدیق اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ ہمیں انتظار تھا کہ ان کے بعد کوئی دوسرا
شخص آئے گا اور پھر اگر خدا ہم سے پوچھنے لگے کہ ایسا تم نے کیوں کیا اور کس دلیل سے
تم ان کی تصدیق چھوڑ کر کسی دوسرے کے منتظر بن بیٹھے تو بھلا سوائے اس کے ہم کیا
جواب دے سکتے ہیں کہ صاحب اب تو ہم نے ایسا ہی کیا محقق امر کو چھوڑ دیا اور امر

ع مترجم کہتا ہے کہ علاوہ علامات مذکورہ کے کتب سابقہ (بیبل) سے بعثت محمد مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا پتہ بھی لگتا ہے چنانچہ جناب مولوی رحم الٰہی صاحب نے اپنی کتاب براہین حمیہ
کے باب اول فصل سوم میں صفحہ ۶۳ سے لیکر ۹۳ تک اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے
اور متعدد بشارات بیبل سے زمانہ بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی ثابت کر دکھایا ہے
بخوف طوالت میں اس کو یہاں نقل نہیں کر سکتا شائقین اس میں دیکھ لیں ۱۲ مترجم

مدعیوں کا انتظار کرنے لگے اور کیا ایسا جواب دینا ہمیں نجات دلانے کے لئے کافی ٹھہر سکتا
ہے ؟ ہرگز نہیں پس ہمارے حق میں ٹھیک بات یہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
دامن اختیار کریں اور آپ کے دعوے کو سچ جانیں اور اگر اس طور پر جیسے کہ حق پر
استدلال کرنے کے لئے سمجھنا بھی فرض کر لیا جاتا ہے ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص نہیں ہیں جن کی خدا اور ان کے رسولوں نے علامتیں بتلائی
تھیں اور آپ میں وہ علامتیں جمع ہونے پر ہم چوک بھی جائیں تو بیشک ہم کو عذر کرنے
کا موقع مل سکتا ہے اور ہم اس وقت اپنے رب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے
رب تجھے تو سب خود معلوم ہے تو سچے اور جھوٹے رسولوں سے بھی خوب واقف تھا
اور سارے آئندہ واقعات کی بھی تجھے پوری پوری خبر تھی پس جب تو یہ جانتا تھا کہ اس
سچے رسول سے پہلے جس کی علامتوں سے تو نے ہمیں اپنے رسولوں کے ذریعہ سے مطلع کیا
تھا ایک جھوٹا مدعی نبوت بھی ہوگا کہ جس میں ساری بتلائی ہوئی علامتیں پائی جائیں گی
تو کیا تیری حکمت کا کام اور مہربانی اور رحمت کا یہ مقتضیٰ نہ تھا کہ ہمیں رسولوں کے ذریعہ
سے اس جھوٹے شخص سے بھی آگاہ کر دیتا اور زیادہ نہ سہی ایک ہی آدھ کوئی ایسی علامت
بتلا دیتا جس سے ہم سمجھ لیتے کہ یہ شخص سچا رسول نہیں ہے اور ہمیں سچے اور جھوٹے
کا پتہ لگ جاتا اچھا اسے بھی جانے دیجئے وہ رسول جہاں انھوں نے اور ساری علامتیں
بتلائی تھیں اتنا اور کہہ دیتے کہ ایک جھوٹا مدعی نبوت بھی ہوگا جس میں یہ سب
علامتیں موجود ہوں گی اس سے ذرا ہوشیار رہنا پس اے ہمارے رب جب ان
باتوں سے ہم کو کچھ بھی نہیں بتلایا گیا تو تیری حکمت کا تو صاف یہی مقتضیٰ ہے کہ
تو مواخذہ کرنے سے ہم کو معاف رکھے گا اور اپنے مقصود کے خلاف اس دوسرے

فارس ۔ روم ۔ بربر اور اُن کے علاوہ اور لوگ بھی آپ کی امت کے مطیع بن گئے اور ان کے ممالک پر اُن کا تسلط ہو گیا اور اس موقع پر یہ نہ کہئے گا کہ یہ تو آپ کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ آپ کی اُمت کی اطاعت ہوئی اس لئے کہ یہ مجازاً تعبیر کیا گیا ہے ایسی تعبیرات رسولوں کی کتابوں میں بہت ملیں گی اسی کو نہ دیکھئے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے جبکہ اُنہیں مصر سے نکالا ہے یہ وعدہ کیا تھا کہ انہیں بیت المقدس کا مالک بنا دیگا اور پھر صرف اُن کی اولاد کو مالک بنایا تھا کیونکہ خود وہ لوگ جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تھے وادی تیہ میں ہی ہلاک ہو چکے تھے جیسا کہ اُن کتابوں سے معلوم ہوتا ہے علاوہ اس کے اس مجاز کی اور بہت سی نظیریں ملیں گی ۔

(۷۶) اور یہ کہ آپ کے بیٹے اپنے آباء کے عوض میں زمین میں سردار بنیں گے ۔ چنانچہ آپ کی اولاد میں سے بہتیرے یمن حجاز اور عرب وغیرہ میں سردار گذرے ہیں اور اُن کے بیٹے اُن کے قائم مقام بنتے ہیں (۷۷) اور یہ کہ آپ کا نام ہر دورہ میں برابر لیا جاوے گا ۔ چنانچہ باوجود اتنا زمانہ منقضی ہونے کے آپ کی اُمت کے درمیان اذان میں نماز میں ہر خطبہ کے افتتاح میں ہر دعا کے خاتمے میں آپ کا برابر نام لیا جاتا ہے ۔

(۷۸) اور یہ کہ مختلف فرقے آپ کی ثنا کریں گے چنانچہ آپ کی امت سے عرب ۔ ترک فارس ہند ۔ داغستان ۔ افغان ۔ قزاق اور بربر سوڈان وغیرہ کے فرقے اپنی اپنی زبانوں میں آپ کی توصیف وثنا کرتے ہی ہیں (۷۹) اور یہ کہ آپ ہمیشہ بابرکت رہیں گے اور آپ اس زمانہ تک بابرکت کے متعدد معانی میں سے جس لحاظ سے ہم دیکھیں برابر بابرکت ہی رہے ہیں اور جو کچھ بخت نصر کی خواب کی تعبیر دانیالؑ نے بتلائی ہے وہ بھی آپ پر صادق ہے (۸۰) کہ آپ کو اور آپ کے متبعین کو حکومت ملے گی چنانچہ مسلمانوں

کا مشرق سے لیکر مغرب تک خصوصاً بلاد فارس پر جس کے بارہ میں یہ خواب تھا تھوڑے ہی
زمانہ میں تسلط ہوگیا (۸۱) اور یہ کہ آپ کی مثال اُس پتھر کی سی ہے کہ جو کسی پہاڑ سے جدا
ہوگیا ہو اور پھر اُس نے ٹھیکری۔ لوہے۔ تانبے۔ چاندی اور سونے کو پیس ڈالا ہو ان
سے مراد فارس کی سلطنتیں ہیں جن کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے کیونکہ وہ آپ کی اُمت
کے زمانہ میں بالکل پس گئیں اور نیست و نابود ہوگئیں کسی کا نشان بھی باقی نہیں رہا
(۸۲) اور یہ کہ آپ کی مثال اس پتھر کی سی ہے جو پہاڑ بن گیا ہو اور اس نے بہت
کچھ زمین گھیر لی ہو چنانچہ آپ کی امت کا تسلط عظیم تر قبیل سے ہے اور آپ کی
شریعت پر وہ مضمون صادق آتا ہے جو شتی میں ہے (۸۳) اور یہ کہ اللہ کا ملکوتی حکم
اُس رائی کے دانہ کے مشابہ ہوگا کہ جسے کسی آدمی نے لیکر کھیت میں بویا ہو اور پھر وہ
بڑھ کر بڑا سا درخت بن گیا ہو سو اسی طرح آپ کی شریعت کا حال ہوا کہ پہلے نہایت ضعف
کی حالت میں تھی اس لئے کہ آپ مختلف فرقوں بادشاہوں کے خلاف تن تنہا کھڑے ہوگئے
تھے اور اُس کے رفیع الشان بنانے میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے
دیا یہاں تک کہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کے دین کی مدد ہوئی آپ کی شریعت کو شیوع نصیب
ہوا اور وہ بہت کچھ بڑھ گئی اور اس کے عروج کا پایہ نہایت بلند نظر آنے لگا خصوصاً اس
حالت کے بعد تو کچھ پوچھنا ہی نہیں جبکہ آپ کی امت کے علماء نے اس کی تشریح کی۔
اُس سے احکام مستنبط کیے اور اس کے حلال وحرام کو واضح کر دیا (۸۴) اور یہ کہ شریعت
غیر قوموں سے چھین کر آپ کی امت کو دے دی جائے گی۔ جو اُس کے ثمرات کے
موافق عمل درآمد کرے گی پس ظاہر ہے کہ آپ کی شریعت ایسی ہے کہ احکام، حلال
اور آداب کے اعتبار سے کوئی شریعت اُس کے ہم پلہ نہیں اور آپ کے متبعین اعتقاد اور

عمل دونوں کے لحاظ سے اس کا اہتمام کرتے ہیں اور جو مضمون مزامیر میں ہے وہ آپ
پر صادق آتا ہے (۸۵) یہ کہ آپ ایک بحر سے لیکر دوسرے بحر تک مالک ہو جائینگے
چنانچہ آپ کی امت بحر ہند سے لیکر بحر طنجہ کے اس سرے تک مالک ہو چکی (۸۶) اور
یہ کہ آپ نہر سے لیکر زمین تک (یعنی خشکی) کے سرے تک مالک ہو جائینگے پس
آپ کی امت نہر اردن سے لیکر جو داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے نزدیک
بڑی ہی مشہور نہر تھی بلاد مغرب کی انتہا تک مالک رہ چکے اور یہی زمین کا سرا ہے کیونکہ
خشکی یہیں ختم ہوتی ہے اس کے بعد بحر اوقیانوس جنوبی شروع ہوتا ہے اور جو مضمون اشعیا
میں مذکور ہے وہ بھی آپ کی امت پر صادق آتا ہے (۸۷) کہ ان لوگوں کی (یعنی مسلمانوں
کی) تلوار اور تیر و کمان اور سخت لڑائی کے سامنے دشمن بھاگ کھڑے ہوں گے (۸۸)

عہ جناب مولوی رحم الہی صاحب کی تحقیق کے موافق چونکہ مصنف حمیدیہ سے اس مقام (بشارت ۸۷ و
۸۸) پر تسامح واقع ہوا ہے اسلئے ہم انہیں کی کتاب براہین رحمیہ سے نقل کرتے ہیں (دست براہین ۵۱)
ترجمہ بیبل ہندی مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۷ء صحیفہ یسعیاہ (اشعیا) باب ۲۱ ترجمہ عربی ۱۸۱۱ء النبوۃ فی العرب
وہی قیدار پہلے باب کی دوسری فصل میں اُن درسوں کا بھی بیان ہو چکا ہے اور خلاصہ اس کا
یہ ہے کہ جن کا ذکر پاک اس بشارت کے پہلے درسوں میں ہے ان شتر سوار کے وطن کا بیان
اُن درسوں میں ہے یعنی عرب میں پیدا ہونگے اور نبوت بھی آپ کی عرب میں ہی ہوگی اور آپ
قیداری ہوں گے یعنی سیدنا ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں آپ پیدا ہوں
گے یہ تیرھویں درس کا بیان ہوا۔ ترجمہ بیبل ہندی مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۷ء درس (۱۴) پانی لے کے
پیاسے کا استقبال کرنے آؤ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو
درس (۱۵) کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ

اور یہ کہ قیدار کی عظمت جو عرب کے مورث اعلیٰ ہیں نیست و نابود ہو جائے گی اور ان کمانوں
کی تعداد گھٹ جائے گی اور یہ بات آپ کی امت کے غالب ہونے سے صادق ہوئی
جن کی باہم اعانت کرنے کی بنا محض اتحاد دین ہے یہ علاقہ تربیت اور آپ پر بھی
صادق ہے کہ (۴۸) آپ کی وجہ سے اندھی آنکھیں اور بہرے کان کھل جائیں گے
اور اس سے آپ کی شریعت کی بدولت ان جاہل قوموں کا ہدایت پانا مراد ہے (۵۰)
اور یہ کہ خشک صحراؤں میں چشمے پھوٹ نکلیں گے اور سید نول جن شہروں میں جاری ہو
جائیں گی اور ریگستان زار کے باغ لہلہاتے ہوں گے اور جن میدانوں میں لوگ پیاسوں
مرا کرتے تھے وہاں پانی کے چشمے بہیں گے اور یہ اس طرح صادق ہے کہ خلفائے

زہ کیے ہوئے کمان کی شدت سے بھاگے ہیں درس (۱۶) خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہنوز ایک برس
ہاں مزدور کی سی ٹھیک ایک برس میں قیدار کی حشمت جاتی رہے گی درس (۱۷) اور تیر اندازوں کے
جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے
انتہی چودھویں درس میں ذکر ہجرت سید الرسل صلعم طیبہ یعنی مدینہ منورہ کی جانب ہے اور آپ
کو اس سفر میں شدت تشنگی پیش آئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کا
دودھ چرواہے سے دلا کر اسی بنا کردہ عالم حیات بخش انس و جان کو پلایا ہے اور موافق
ارشاد اسی درس کے اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو
نکلو اور پیاسے کا استقبال کرنے آؤ جن دنوں میں کہ آپ کی مدینہ منورہ میں آمد آمد کی
خبر گرم تھی تیما یعنی طیبہ والے ہر روز آپ کے استقبال کے واسطے آتے اور مکہ معظمہ کے راستہ
پر منتظر طلوع روشنی جمال احمدی کے پہر دن چڑھے تک بیٹھے رہتے الخ درس (۱۵) کیونکہ
وے تلواروں کے سامنے سے الخ میں بیان سبب ہجرت کا ہے اور وہی تھا جو بیان

راہ حجاز میں تالاب تعمیر کرائے اور نہریں جاری کیں (۹۱) اور یہ کہ وہاں ایک کوچہ یا راہ ہوگی جو مقدسہ کہلائے گی یہ اس طرح کہ اُس کے ذریعے موحد جو شرک سے مقدس اور پاک ہیں اُس میں گذرتے ہیں (۹۲) اور یہ کہ اُس میں کوئی ناپاک نہ چلے گا چنانچہ مشرکین کو اس کی اجازت نہیں ہے (۹۳) اور اس میں چلنے والا اس وجہ سے کبھی راستہ نہ بھولے گا کہ اُس میں بہت سے نشانات ہوں گے اور حاجیوں کے آثار پائے جائیں گے جو ہزاروں کے ہزاروں ہی ہر سال بغرض حج اُس میں چلیں گے (۹۴) اور یہ کہ اُس میں اللہ کے مہمان چلیں گے اور یہ لوگ کعبہ کا حج کرنے والے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے والے ہیں جن کا ہر سال مجمع ہوتا ہے (۹۵) اور یہ کہ لوگ وہاں سے لوٹتے ہوئے صیہون کو آئیں گے اور وہ بلاد قدس کے شہروں میں سے ایک شہر ہے جو داؤد علیہ السلام کی بادشاہت میں داخل تھا اور اس سے مراد یہ ہے کہ حاجی مراد ہیں جو حجاز کے شہروں سے لوٹ کر اپنے شہروں میں آتے تھے اور انہیں میں سے صیہون بھی ہے اور اہل حج کی واپسی اُس وقت نہایت ہی ظاہر ہو جاتی ہے جب اُن حاجیوں کو لیا جاتے ہیں

بقیہ ہجرت فرمایا اس لئے کہ تمام قبیلے عرب کے آپ کی شہادت میں جو محال ہے شریک ہو گئے تھے اور وہ ہزاروں تلواریں گویا کہ ایک تلوار بن گئی تھیں اسی سبب سے جمع کو صیغۂ واحد کے ساتھ تعبیر کیا اور نیز لفظ جمع بھاگے ہیں مشعر معیت صدیق رضی اللہ عنہ اور ہادی کا بھی ہے دریں (۱۶) خدا نے الخ میں اس ارادۂ بد کی سزا کا بیان ہے یعنی ہجرت سے برس روز کے بعد قریش (جو قیدار کی اولاد میں ہیں) اس ارادہ بد کی سزا پائیں گے اور ہلاک ہوں گے اور مارے جائیں گے چنانچہ پورے برس روز کے بعد ہجرت سے اذن قتال ہوا اور اُنیسویں (۱۹) مہینے ہجرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ بدر ہوا اور اس میں مکہ والے قریشی مارے گئے اور ہلاک ہوئے اور قید ہوئے اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا ۔ ومن اصدق من اللہ قیلا ۱۲

بلادِ مقدسہ کی جانب واپس ہوتے وقت مزید بیتاب ہو کر آتے تھے جیسا کہ تاریخ سے
پتہ لگتا ہے اور اس کے آثار میں سے بڑی بڑی خوشیں جو قدس اور حبرون کے
قریب دیکھنے میں آتی ہیں ہمیشہ پائی گئی ہیں۔ (۹۶) اور وہ لوگ گاتے ہوں گے" اور ان
کا گانا یہی اپنے مولا کی اس بات پر یاد کرتا ہے کہ اس نے ان کو حج کا فرض ادا کرنے
اور اپنے نبی صلعم کی قبر کی زیارت کرنے کی توفیق دی ہے (۹۷) اور یہ کہ وہ لوگ ابدی
خوشی میں ہونگے اور اس بات سے ہر وہ شخص بخوبی واقف ہے جسے اس مذہبی فریضہ
سے بجا لانے کا اتفاق ہوتا ہو کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ ہر حجیوں کو انتہا درجہ کی مسرت
ہوتی ہے جس کا مقابلہ کوئی خوشی نہیں کر سکتی یہاں تک کہ بہتیروں کے نزدیک تو
اس کے مقابلہ میں شادی کی خوشی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور لوٹتے وقت حاجیوں
کے دل اور اس کے ساتھ ہی ان کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے دل
بھی مسرور سے معمور نظر آتے ہیں وہ ہدیے تقسیم کرتے ہیں دعوتیں کھلاتے ہیں خلاصہ
یہ کہ ہر شخص اپنی حسب حیثیت دل کھول کر خیرات اور صدقات کرتا ہے اور حاجیوں
کے دل سے تو یہ خوشی مرتے دم تک نہیں جاتی اسی وجہ سے اس کا نام ابدی خوشی
رکھا گیا اور جتنی مشقتیں سفر حج میں اٹھائی ہوتی ہیں اتنا ہی اس مبارک سفر کو یاد کر
کر کے حاجی لذت حاصل کیا کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ دوبارہ بھی اس نعمت عظمیٰ
سے بہرہ یاب ہوں اور اگر دوبارہ بھی وہ کامیاب ہو گئے تو تیسری بار بھی انہیں یہی
تمنا ہوتی ہے بہر حال ان کا جی کبھی نہیں بھرتا۔

اگر کوئی کسی حاجی سے جب وہ دوبارہ حج کرنے کا ارادہ کر رہا ہو یہ کہے کہ حضرت
آپ تو ایک مرتبہ حج کر چکے بس کافی ہے آپ کا فرض تو ادا ہو چکا تو وہ اس بات کو

نہایت تعجب کرے گا جو اسے دیکھے گا اور بے ساختہ کہہ اٹھے گا کہ وہ جواب کیا ہوا یہی
چیز ہے جس سے آدمی کا جی بھر جائے اور کیا یہ ایسا چشمہ ہے جس سے تشنہ کو سیرابی
حاصل ہو جائے اور پھر حج تقاضا نہ کرے۔

اب آپ نے سمجھ لیا کہ اپنے نبی کی قبر اور کعبہ کی زیارت کی خوشی میں اسلامی فرقہ
کا یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں گراں بار بوجھ پڑتا ہے اور تنہائی کی تکلیفیں
برداشت کرنا پڑتی ہیں اور ان کے مصارف بڑھ جاتے ہیں۔ بکثرت آدمی تلف ہو جاتے
ہیں یا ڈاکو گھاٹیوں سے نکل کر مار ڈالتے ہیں پھر بھی تمام اطراف عالم سے جیسے
کہ کاشغر، بخارا، خیوہ، بوہم۔ افغانستان، بلتستان۔ ہند۔ جاوی۔ داغستان۔ کرج۔ قفقاز۔
فارس۔ روملی۔ اناضول۔ بلاد روس۔ عراق۔ عرب۔ یمن۔ سوڈان۔ اندرونی افریقہ
مصر اور شام وغیرہ کے گروہ کے گروہ چلے آتے ہیں۔

دن کو گرمی کی شدت سہتے ہیں راتوں کو سونا حرام کرتے ہیں میدانوں میں چلنا
گوارا کرتے ہیں بحری سفر کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال سے جدائی اختیار
کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ حج کے پیچھے اپنے کو بڑے بڑے خطرات میں ڈالتے ہیں کسی کو
بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے اور بعض بعض پر یہاں تک نوبت گذر جاتی ہے کہ
دو دو سال کے بعد اپنے گھر واپس ہونا نصیب ہوتا ہے اور اتنی مدت کے بعد
دوستوں کی صورت نظر آتی ہے اور بہتیرے پیادہ یا بادیہ پیمائی اور دشت نوردی کر
کرکے حج کو جاتے ہیں اور یہ ساری مصیبتیں خدا کی رضا اور مغفرت کی طلب میں جھیلنا
گوارا کرتے ہیں اور ان کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ وہ پکے دیندار ہیں (۹۸)
اور انہیں صہیون کی جانب لوٹنے والوں کی نسبت ان کا یہ قول ہے کہ ان کے سر پر

سکے اور بہشت کا مصرعہ پایا جائے گا جو حاجیوں کی اس مسرت پر پوری طرح صادق آتا ہے جو ان
کو بیت نبی علیہ السلام کی قبر اور کعبہ مکرمہ کی زیارت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ
خدا کی اس عطا سے نہایت ہی شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں اور ان کا یہ قول بھی کہ
(۹۶) ان کا غم دور ہو جائیگا۔ ظاہر ہے یعنی اس مبارک زیارت کے حصول مرتبے سے
پہلے جو ان کے دل میں غم و الم ہوگا وہ دور ہو سکے گا چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور
ان کا یہ قول بھی صادق آتا ہے (۱۰۰) کہ ان کو بے سروسامانی جو پیش آتی رہتی تھی یعنی
وہ بے سروسامانی جو تاوان یا دیگر موانع کی وجہ سے قبل حج انہیں محسوس رہتی تھی۔
پس یہ پوری سورۃ بتاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے ساتھ منطبق
ہو گئیں اور اس لئے ان کا انطباق سپیدۂ صبح کی طرح واضح اور ظاہر ہو گیا جس میں تردد
کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

دین اسلام کے حق ہونے پر ایک عجیب دلیل

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس زمانہ تک باقی رہتے تو انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر انہیں کتب
سابقہ سے نہایت ہی واضح طور پر استدلال کرنے کا موقع مل جاتا۔ چنانچہ اس کا بیان
یہ ہے کہ انہیں کتابوں میں یہ مضمون بھی واقع ہوا ہے جیسا کہ زبور میں موجود ہے کہ منافقوں
کی راہ ماری جائے گی اور سارے جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو جائیں گے اور رب کا
اسی جانب رخ ہوگا کہ برے عمل کرنے والوں کا ذکر زمین سے بالکل مٹا دے گا اور خطا
کرنے والوں کی کلائیاں ٹوٹ جائیں گی وہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور رب کے دشمن
جب بڑھنے اور بزرگ ہونے لگیں گے نابود ہو جائیں گے اور دھوئیں کی طرح فنا ہو کر
رہ جائیں گے۔ اب دیکھئے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں

لیکن کس دن آپ کا ذکر مٹ گیا۔ آپ کی امت میں سے آپ کے نام لینے والے تو ہزاروں بلکہ لاکھوں ہی موجود ہیں جو اطراف عالم میں مشرق سے لے کر مغرب تک کیا خشکی اور کیا تری قریب قریب ہر قریہ اور ہر شہر میں نماز اور اس کے علاوہ بہتیری عبادتوں میں رات و دن برابر آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں اور کوئی منبر یا اذان گاہ ایسی نہ ملے گی جس پر آپ کا نام نہ پکارا جاتا ہو بلکہ ایسا اتفاق بہت ہی کم ہوتا ہے کہ خدا کے نام کے ساتھ آپ کا نام نہ لیا جاتا ہو اور پھر وہ بھی یونہی نہیں اس کے ساتھ ہی آپ کے اسم مبارک کی بڑی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے۔ آپ کے لئے بھلائی کی دعا مانگی جاتی ہے آپ کی تعریف زبان پر اور محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے لوگ اپنی جانیں آپ کے اسم شریف پہ فدا کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں بہر حال آپ کے منصب و مقام کی نگہداشت میں بڑی حفاظت اور رعایت سے کام لیا جاتا ہے اور پھر ہر سال حضرت کی قبر شریف پر سلاطین امرا ذی عزت دولت مند اور فقرا خلاصہ یہ کہ ہر درجہ کے لوگ ہزاروں ہی حاضر ہوتے ہیں۔ آپ پر سلام بھیجتے ہیں آپ کی شفاعت کے طالب ہوتے ہیں آستانۂ عالی کو بوسہ دینا اپنے لئے برکت کا باعث خیال کرتے ہیں۔ اور وہاں کی خاک پاک کو اپنے درد کی دوا سمجھتے ہیں شاعروں کے مدحیہ قصیدے اور فصحا کی تعریفیں آپ کے اوصاف حمیدہ اور حسن و خوبی کے ذکر سے مزین کی جاتی ہیں اور آپ کے حضور میں ان کی نذریں گذرانی جاتی ہیں۔ آپ کی شریعت کو دیکھئے کہ ہمیشہ ذی عزت اور بلند مرتبہ رہی ہمیشہ اس کے مدد کرنے والے بکثرت پائے گئے ہیں تمام فرقے اسی کے خوشہ چیں رہے ہیں اسی کے چمکتے ہوئے آفتابوں کی روشنی کے طفیل عرب و عجم کو راستہ سوجھا ہے۔ آپ کے متبعین کی طرف نظر اٹھایئے تو خدا کے فضل سے ساری زمین ان سے معمور دکھلائی دیتی ہے جو کچھ آپ نے

سنت و فرض اُن کے لئے مقرر کر دیا ہے سب اُس کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں اگرچہ
کہیں کہیں باہم کسی قدر اختلاف کی جھلک بھی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بات منسوخ کی
توضیح کرتے وقت اس طرح پیدا ہو گئی کہ آپ کی شریعت کے بعضے احکام کو لوگ مختلف
طرح سے سمجھے ورنہ خدانخواستہ اصول میں اُن میں اختلاف نہیں سب متفق ہیں خدا کی
توحید کے قائل ہیں قرآن کی تصدیق کرتے ہیں حشر و نشر کو مانتے ہیں جنت و دوزخ کو
تسلیم کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اتنا زمانہ گذر گیا لیکن ان کے دل آپ کی محبت اور تعظیم سے
مملو پائے جاتے ہیں۔ پس جب یہ حال ہے تو فرمایئے کہ مسلمان کدھر سے ہلاک ہوئے
کیونکر اُن کی کلائیاں ٹوٹیں اور وہ دھوئیں کی طرح کس طرح فنا ہوئے۔ نہایت سے غایت
یہ ہوا کہ کبھی ان کو اس عالم میں کچھ آزمائش اور مصیبت سے سامنا کرنا پڑا جو خدا کی عادت
کے اعتبار سے اس عالم کا خاصہ ہے اور خدا کی عادت تو بدل ہی نہیں سکتی جو یہ اُس
سے مستثنےٰ ہو جاتے۔

اب رہی یہ بات کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس فرقہ کا کیونکر استدلال
ہو سکتا ہے اُس کی تقریر یوں سمجھئے کہ اگر وہ لوگ اس زمانہ تک رہتے تو اس طرح کہتے
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین اگر اُن خطاکار۔ جھوٹوں اور رب کے دشمنوں کے
مصداق ہوتے جن کا کہ مزامیر کے کلام میں ذکر ہے تو ضرور یہ ساری مصیبتیں اُن کو پیش
آتیں خدا اُن کے ذکر کو نیست و نابود اور اُن کو ہلاک کر دیتا وہ دھوئیں کی طرح فنا ہو
جاتے اور اُن کی کلائیاں ٹوٹ جاتیں ورنہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام کی زبانی رب نے
جو خبر دی تھی اُس کے خلاف واقع ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے ان باتوں میں سے
اُن کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا پس اب بیشک یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ لوگ یعنی

مسلمان ان خطاکاروں وغیرہ کے ہرگز مصداق نہیں ہو سکتے اور جب یہ لوگ اُسکے مصداق
نہ ہوئے تو ضرور ہے کہ سچے اور خدا کے دوست ہوں گے اب اس وقت اگر ہم ان کی تکذیب
کرینگے اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُس کو توڑیں گے تو بیشک خدا سے لڑائی
کرنیوالے ٹھیرینگے جس طرح کہ یہود کے معلم عمالائیل نے حواریین کے حق میں کہا ہے جیسا کہ اعمال
رسل میں مذکور ہے کہ اگر وہ (یعنی حواریین کی رائے اور اُن کا عمل) خدا کی جانب سے ہوگا تو
اس کے توڑنے پر ہرگز قادر نہ ہوگے تاکہ تم خدا سے لڑائی کرنے والے نہ ٹھیرو۔
اور جب اس قرینہ کا استدلال اس طرح مرتب ہوگیا تو تم ان کو ضرور خیال کروگے کہ وہ
بڑے کامل ایمان والے تھے جنھوں نے اپنے شبہے مٹائے اور یہ کہنے لگے کہ خدائے
تعالیٰ شیطان اور خواہش نفسانی کا بُرا کرے ہم تعصب سے کیسے چھوٹ گئے ورنہ
ہم اپنے خیالات سابقہ کی پابندی کے پیچھے لکیر کے فقیر ہی بنے رہتے۔ بھلا حق بھی
کوئی سترانے کی چیز ہے عقل ایسی چیز کو کیونکر اختیار کر سکتی تھی جو اگرچہ سردست ہی مل
جائے لیکن بالکل بے قدر اور فانی ہو اور ایسی چیز کا ترک کر دینا کیسے مستحسن سمجھ سکتی
ہے جو چاہے کچھ دنوں بعد ہی ملے لیکن نہایت ہی نفیس اور باقی رہنے والی شے ہو
یہ کس طرح زیبا تھا کہ ہم انجام کو نہ دیکھتے اور ناحق طرفداری کے پیچھے غفلت میں
پڑے رہنا گوارا کرتے؟ یہ بات ایسی ہے کہ جسے ذرا بھی عقل ہوگی اسے کبھی پسند
نہ کریگا اور ہمارا تو ملجا و ماویٰ خدا ہی کے پاس ہے پھر ہم کیونکر اس کی طرف
متوجہ نہ ہوتے اور یہ بھی ایک کہنے کی بات ہے ورنہ اصل تو یہی ہے کہ خدا ہی
راہ راست دکھلاتا ہے کسی دوسرے کی کیا مجال ہے جو کچھ دعویٰ کر سکے۔
چھٹا گروہ! اور اُن میں سے ایک گروہ کے لوگ اخلاق و آداب کے تذ سفر کھتے

شرائع سابقہ سے بخوبی واقف تھے ان کے اسرار و فوائد کی شناخت میں اُن کی نظر
نہایت ہی دقیق تھی جیسے باریک بیں تھے اُن کو فطرت سلیمہ کا بھی بہت کچھ حصہ ملا تھا
جس کی بدولت بُرے بھلے کاموں میں اچھی طرح تمیز کر سکتے تھے اخلاق اور
دیگر مختلف اوہمات و امور کے حسن و قبح کو خوب پہچانتے تھے وہ لوگ کہنے لگے۔

رسالت کی دو قسم کی دلیلیں | یہ تو ظاہر بات ہے کہ خدا کے ہر رسول کے صدق و ثبوت
کرنے کے لئے دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں ایک تو وہ دلائل جن کے سمجھنے میں بہت
کچھ عقل درکار ہوتی ہے اسی وجہ سے اگر ان کو عقلی کہا جائے تو نہایت ہی مناسب ہے
کیونکہ ان کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو نہایت دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور یہ باتیں نہایت
ہی پاکیزہ اصول پسندیدہ طریقے عمدہ حالات نتیجہ پانے والے علوم اور مفید اخلاق ہیں
جو رسولوں کے سبب ثابت ہوا کرتی ہیں دوسری قسم معجزہ یا خارق عادت امور ہیں جن کا حواس
سے ادراک ہوتا ہے اُس کے طلب کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں یا تو وہ
جو پاکیزہ عقلی اصول وغیرہ کے سمجھنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور اس سے قاصر ہوتے ہیں اس
وجہ سے ایسی چیز کے طالب ہوتے ہیں جس کو وہ اپنے حواس سے دریافت کر سکیں یا وہ
لوگ ہوتے ہیں جو باوجود اس نقص کے عناد پر بھی کمر باندھ لیتے ہیں اور ان کا مقصد محض
یہ ہوتا ہے کہ ناحق جھگڑا کریں پس وہ اس رسول سے لایعنی باتوں کی فرمائش کیا کرتے
ہیں کہتے ہیں کہ ہم آپ پر یوں تو ایمان نہیں لائیں گے ہاں یا تو آپ ہمارے لئے پانی کا
چشمہ جاری کر دیجئے یا آپ ایسے باغ کے مالک بن جائیں جس میں کھجوروں اور انگوروں کے
درخت لگے ہوں جا بجا نہریں بہ رہی ہوں ورنہ آپ ہمارے اوپر آسمان توڑ لا دیجئے
یا خدا اور فرشتوں کو بلا لائیے یا تو ہم دیکھیں کہ آپ کا مکان سونے کا بن جائے۔ اور کچھ نہیں

تو آسمانوں ہی میں چڑھ جایئے اور آپ کے چڑھنے کو بھی ہم جب مانیں گے کہ آپ وہاں سے کوئی کتاب لیتے آیئے تاکہ ہم اُسے پڑھ بھی لیں اور اُن معاندوں کا جواب رسول کے پاس یہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ میں تو ایک آدمی ہوں خدا نے مجھے رسول بنا دیا ہے مجھ سے یہ مہمل سوال کیسے ؟ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے میں عاجز ہوں یہ سب باتیں خدا کے اختیار میں ہیں خدا ہی جب چاہتا ہے اس قبیل کی چیزوں کو ایجاد کر کے میری تائید کر دیتا ہے اور جب اُسے منظور نہیں ہوتا تو کچھ بھی نہیں کرتا یہ ضرور ہے کہ اُس نے مجھے منصب رسالت عطا کیا ہے میرا کام اتنا ہے کہ جو کچھ اُس نے مجھے حکم دیا ہے تمہیں پہنچا دوں سو وہ میں کر چکا اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اس فرقہ کے استدلال کا اجمالی بیان

پھر وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ تو خدا کے فضل و کرم سے رسولوں کی اُن علامات کے سمجھنے سے کسی طرح قاصر نہیں ہیں جو عقلی دلائل کے قبیل سے شمار کی جاتی ہیں بلکہ ہم تو دانشمندوں اور سمجھداروں کے زمرہ میں داخل ہیں کچھ تو عمدہ اوصاف جو اُن رسولوں میں ہوا کرتے ہیں جنہیں خدا خلق کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ بھی چکے ہیں مثلاً آپ کا شریف النسب ہونا۔ خوبصورت اور خوش اخلاق ہونا نہایت تیز اور زود فہم ہونا۔ آپ کی دلیل کا قوی ہونا اور آپ کے طریق کا مستقیم ہونا۔ اب ہمیں مناسب یہ ہے کہ آپ کے دعوے کو سوچیں اور آپ کی شریعت میں غور کریں پس اگر آپ کی شریعت میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی کہ وہ ہم کو ایسے صحیح عقیدوں کے یقین کرنے کا حکم دیتی ہو گی جو صحیح دلیل عقلی کے موافق ہوں اور اُن سے یقینی باتوں کے خلاف نہ ماننا پڑتا ہو اور اس کی یہ تعلیم ہو گی کہ ہم اخلاق حسنہ اور آداب مرضیہ کے ساتھ اپنے کو مزین

عہ یہ فلاسفہ اخلاق کا مقولہ ہے۔

کریں عمدہ صفات اپنے میں پیدا کریں۔ ایسے عمدہ عمل اور تدبیریں اختیار کریں جن
سے ہمارے باہم معاشرت کرنے کے انتظام میں خلل نہ آنے پائے اور ہماری عبادتیں
ایسی ہوں جن سے خالق اکبر کی نعمتوں کا شکر نہایت خوبی سے ادا ہوتا ہو اور بات
یہ ہے کہ ان سب باتوں کے واجب کرنے میں مختلف حکمتیں ملحوظ ہوتی ہیں جن کا
نفع آخر کو انہیں کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ رسولوں کی سکھلائی ہوئی عبادتوں میں اس
بات کی ضرورت نہیں رکھی جاتی ہے کیونکہ خود خدا کو ان کی کیا حاجت ہے وہ تو ان سب
چیزوں سے بالکل بے پرواہ ہے) اور آپ کی شریعت محض خرافات اور بدعقیدوں
سے رنگینی بھی ہوگی جس سے آدمی کو خواہ مخواہ ایسی باتیں ماننی پڑتی ہیں جو مشاہدہ اور
یقینی دلائل کے بالکل خلاف ہیں اور بری عادتوں سے منع کرتی ہوگی اور اس بات
کو پابند نہ رکھتی ہوگی کہ آدمی بجائے ادب کے ساتھ موصوف ہونے کے ایسے رذیل
اوصاف میں آلودہ ہو جائے جو نہایت معیوب اور مذموم خیال کئے جاتے ہیں اور ایسی
بات اختیار کرے جس سے ہماری باہم معاشرت میں رخنہ پڑے اور انتظام درہم برہم
ہو جائے اور ہم کو ایسی عبادتوں کی تکلیف نہ دیتی ہوگی جس سے ہم اپنے رب کی ناشکری
کریں اور بے ادب ٹھیریں اگر یہ سب کچھ ہوگا تو بیشک آپ یقیناً اللہ کے بھیجے ہوئے
ہیں کیونکہ رسولوں کی یہی شان ہوتی ہے اور ان کی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے
خصوصاً اس صورت میں جبکہ آپ کی شریعت میں کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جس میں
آپ کا کوئی ذاتی نفع ہو اور عام مصلحت کے خلاف ہو پس اس وقت ہم آپ پر ایمان
لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور اگر کہیں اس کے خلاف ثابت ہوا تو آپ
کے دعوے کو الگ کریں گے اور پھر نہایت سختی سے مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں گے یہ کہہ

وہ آپ کی شریعت کی باتوں میں غور کرنے لگے اور انتہا درجہ کی تفتیش اور آزمائش کے بعد
انھوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت واقعی انہیں اعتقادات کو بتلاتی ہے جو خرافات
اور بیہودہ باتوں سے بالکل الگ ہیں اور ان کے ماننے سے کسی یقینی بات کی
مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور اس کا یہ بھی حکم ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے میں پسندیدہ
اخلاق پیدا کرے اور آداب اور صفات حسنہ کے ساتھ موصوف ہو۔ اعلیٰ درجہ کی تدبیروں
کو نظر میں رکھے جس سے انتظام عالم میں خلل نہ پڑنے پائے اور وہ رخنہ اندازی سے
محفوظ رہے اور عالم کو فائدہ پہنچے اور اس کے نقصانات سے اُن کی حفاظت ہو
جن عبادتوں کا اس نے حکم کیا ہے وہ بھی ایسی ہیں جن سے خدا کی نعمتوں کا نہایت خوبی
سے شکر ادا ہوتا ہے۔ اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں نظر آئیں جن سے لوگوں کو قرار
واقعی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ بے اصل اور غلط عقیدوں سے جو یقینی امور کے
خلاف ہیں منع کرتی ہے۔ آداب سے بے بہرہ ہو کر برے اوصاف اور معیوب خصلتوں
کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ایسے بے تدبیری کے کاموں کو جائز رکھتی
ہے جن سے عالم کا انتظام مختل ہو۔ اور ایسی باطل عبادتوں سے روکتی ہے جن سے
خدا کے ساتھ بے ادبی لازم آئے اور ناشکری ان کا ثمرہ ٹھیرے اس کی تفصیل یہ ہے
کہ شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ خدا کو ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے
منفرد اور یکتا سمجھو اور اس بات کا یقین اور اعتقاد کرو کہ وہ تمام صفات کمالیہ
کے ساتھ موصوف ہے اور سارے نقائص سے پاک ہے چنانچہ ہر عاقل بالغ کے
ذمہ یہ یقین کرنا ضروری بتلاتی ہے کہ خدا موجود ہے۔ زندہ ہے اس کا علم نہایت ہی کامل
ہے۔ اُس کا ارادہ نہایت ہی تام ہے۔ اُس کی قدرت نہایت ہی عظیم ہے اُس کے سوا

تمام چیزیں اسی کی محتاج ہیں اُس کو اِن ساری چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں۔
نہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ ہے۔ وہ ہر ایک بات کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے وہ ازلی اور ہمیشہ
سے ہے ابدی اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کی ازلیت کی کوئی ابتدا ہے اور نہ اس کی ابدیت
کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے۔ وہ حکیم ہے سارے کام اپنے قصد و اختیار سے حکمت کے
موافق کرتا ہے اگرچہ اس کی پابندی لازم نہیں اور نہ ضروری ہے۔ بندوں کو کسی چیز کی
تکلیف نہیں دیتا جو ان کی وسعت سے باہر ہو۔ اُس کے سوا کوئی پیدا کرنیوالا ہے
اور نہ تدبیر کرنے والا اُس نے خلق کو عدم سے پیدا کر دیا اور پہلے ہی سے اُن کے سامنے
علامات کو تجویز کر دیا ظلم سے بالکل پاک ہے اور نہ اُس کی نسبت ظلم کا اطلاق صحیح ہو سکتا
ہے کیونکہ ظلم صرف دوسرے کی ملک میں بغیر اس کی مرضی کے بیجا تصرف کرنے کا نام ہے
اور اللہ سبحانہ تمام کائنات کا علی الاطلاق حقیقی مالک ہے اس دنیا کے علاوہ اُس
نے دو اور ایسے مقام پیدا کئے ہیں جن میں سے ایک میں تو مطیعین کو آرام و آسائش
میں رکھے گا اور دوسرے میں نافرمانوں کو سزا دے گا پس اس نے جس طرح کہ تمام خلق کو
عدم سے پیدا کیا ہے اسی طرح بعد فنا ہو جانے کے اُن سب کو پھر زندہ کریگا تاکہ مطیع کو
جزا دے اور نافرمان کو سزا دے ورنہ لازم آئے گا کہ مرنے کے بعد وہ شخص جو دولتمند خوش حال۔
دوسروں پر ظلم و جبر کرنیوالا خدا کے ساتھ کفر کرنیوالا ہو اُس شخص کے برابر ہو جائے جو محتاج
ضعیف۔ بیچارہ مظلوم ایماندار ہو اور اِن دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے حالانکہ یہ
خداوندی حکمت کے خلاف ہے خدا کو اختیار ہے کہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف
کرے لیکن خدا اس سے پاک ہے کہ اُس کے کام حکمت کے خلاف واقع ہوں بلکہ اس کا
جو فعل ہوگا عین حکمت ہی ہوگا اور جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس اعتبار سے کہ خدا سے صادر

ہوتا ہے ضرور مستحق ہوگا اس نے لوگوں کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے تا کہ وہ خدا کی نسبت صحیح اور واقعی عقیدوں کی تعلیم کریں کیونکہ ان کی عقلیں اگرچہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا موجود ہے اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے جیسا کہ اس کی الوہیت کا مقتضا ہے

رسولوں کے بھیجنے میں کیا حکمت ہے

لیکن خدا کی بہت سی ایسی عظیم صفتیں ہیں کہ جب تک وہ رسولوں کے ذریعہ سے اس کی اطلاع نہ دے محض انسانی عقل اس کو سمجھ نہیں سکتی اسی طرح رسولوں کے بھیجنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگوں کو ان کی مصلحت کی باتیں سکھائیں اور ان کے تمام حالات کی تکمیل کریں کیونکہ بمقتضائے حکمت خداوند تعالےٰ نے آدمیوں کے دو قسم کے اخلاق (یعنی قوتیں یا خواہشیں) پیدا کئے ہیں ایک تو اخلاق حسنہ جن سے ان کے حالات درست ہوتے ہیں اور دوسرے اخلاق ان کے خلاف ہیں جو محض اس غرض سے پیدا کئے گئے ہیں کہ لوگ ان کے ذریعہ سے اس عالم کے آباد کرنے میں ترقی کریں جہاں کہ انہیں ایک خاص زمانہ تک رہنا ہے لیکن اگر ہر خواہش کو ترقی اور زیادتی کے لحاظ سے کسی حد کے ساتھ محدود کر دیا جاتا تو ہر خواہش کرنے والے کو اسی حد تک پہنچکر رک جانا پڑتا اور آگے قدم بڑھانے سے مایوسی ہو جاتی جس سے ترقی کی رفتار میں فرق آتا اسی لحاظ سے اخلاق (یعنی قوتوں یا خواہشوں) کی اصل فطرت میں اعتدال نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو اس قابل بنایا کہ اپنے قصد و اختیار کے موافق ان قوتوں سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جا سکے اس لئے ان اخلاق سیئہ کی نسبت یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ اعتدال سے بڑھ کر بجائے نفع کے نقصان کا باعث نہ ہو جائیں اور زیادہ ضرر رساں نہ ثابت ہوں پس اب مصلحت اسی کی مقتضی ہوئی کہ ان قوتوں کی جولانی کی ایک حد مقرر کر دی جائے اور ان سے باقاعدہ کام لیا جائے تا کہ ضرر کا اندیشہ جاتا رہے اور نفع حاصل کرنا آسان ہو جائے اسی وجہ سے خدا نے

عہ جیسا کہ [illegible]

رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ اُن سے باقاعدہ کام لینا اور اُن کے بے موقع جوش و جولانی کو روکنا سکھائیں یہاں تک کہ وہ ایسی حد پر آ لگیں جن سے اُن کا ضرر دفع ہو جائے اور نفع ہی حاصل ہوتا ہے اور اس طرح سے اخلاق سیئہ بھی اخلاق حسنہ بن جائیں۔ اس کام کے لئے رسول دو مؤثر ذریعوں سے کام لیتے ہیں لوگوں کو رغبت دلانا اور اُن کو ڈرانا اور اس کے ساتھ ہی وہ عمدہ چیزوں کی خوبی اور قبیح اشیاء کی برائی ثابت کرنے کے لئے دلائل بھی قائم کرتے ہیں جس سے ان دونوں طریقوں کی اور بھی تقویت ہو جاتی ہے۔ اس کو ایک مثال میں آپ اس طرح سمجھئے کہ لالچ ایک برا وصف ہے لیکن اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ کسب معاش کرنے باغ لگانے اور مکانات وغیرہ بنانے کی تکلیف ہرگز نہ اُٹھاتے اور اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جب لالچ بے اعتدالی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تو طرح طرح کے جھگڑے اور برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں پس رسول کی شریعت کا کام یہ ہے کہ اس قوت سے باقاعدہ کام لینا لوگوں کو تعلیم کرے اور یہ سکھائے کہ بجائے زیادہ مال جمع کرنے اور دوسرے کے نقصانات پہ اپنے نفع کو مقدم رکھنے کے اس قوت کو زندگی کی ضروریات کے حاصل کرنے اور مناسب امور کی کوشش میں استعمال کریں اس طرح سے اس کی ترقی کی رفتار میں فرق بھی نہ آنے پائے گا اور بلا کسی ضرر کے دنیا کی آبادی کا باعث ہوگی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے کہ میں عـہ مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں" اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رسولوں کی شان | پھر خدا نے رسولوں کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ نہایت کامل صفات کے ساتھ موصوف ہوں۔ سچائی امانت داری اُن کا شعار ہو ہر حال میں حق کے حامی لوگوں کے خیر خواہ اور اُن کے ساتھ نیکی اور سلوک سے پیش آنے والے ہوں اور جو امور منصب رسالت کے خلاف ہوں اُن سے بری اور پاک رہیں اسی بنا پر واہی تباہی باتیں اُن میں

عـہ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۱۲

نہیں پائی جاتیں گناہ نہیں کرتے اور نہ اُن میں کوئی ایسا امر ہوتا ہے جس سے لوگوں کو اُن سے نفرت ہو اور اُن کی طرف توجہ نہ کریں اور جہاں کہیں اُن سے کوئی بات معصیت کے مشابہ سرزد ہوگئی ہے اور خدا نے اُس پر معصیت کا اطلاق کیا ہے وہ حقیقت میں معمولی امور ہیں جن سے نہ اُن کا مرتبہ ہی گھٹتا ہے اور نہ اُن کی شان میں کچھ کمی آتی ہے اور خدا کا ایسے امور پر معصیت کا اطلاق کرنا اور اُس کے جانب اُن سے باز پرس ہونا محض اُن کے منصب عالی اور مقام رفیع کے لحاظ سے ہے رہی یہ بات کہ اُن سے ایسے امور صادر ہوئے میں حکمت کیا ہے وہ یہ ہے تاکہ لوگ اس بات سے متنبہ ہو جائیں کہ خدا اکیلا ہے اور وہی اکیلا علی الاطلاق کمالات کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے کوئی مخلوق کیسی ہی عالی کیوں نہ ہو لیکن خدا کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی خلاصہ یہ کہ وہ سارے معاصی سے مبرا ہیں کیونکہ گناہ سے تو ادنیٰ ادنیٰ متقی پرہیز کیا کرتے ہیں رسولوں کا تو مرتبہ ہی بہت بڑا ہے وہ تمام لوگوں میں کامل اور برگزیدہ ہوا کرتے ہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ معاصی سے محفوظ نہ رہیں پس بدکاری کرنا اپنے لوگوں کی آبرو ریزی کرنا۔ بیجا عورتوں سے اختلاط کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ دغا بازی کرنا۔ کفر کرنا۔ بت پرستی کرنا یا اور ایسے ہی گناہ ان سب سے رسول بالکل پاک وصاف ہیں۔

شریعت محمدیہ اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم تمام رسولوں کی تعریف کریں ان کے تمام تعظیم و تکریم سے لیں ان کے ساتھ توقیر سے پیش آئیں اُن کا ادب کریں اور جو کچھ وہ لائے ہیں اُس پر عمل کریں ہاں وہ احکام اس سے مستثنیٰ ہیں جو اُنہیں رسل سابقہ کے زمانہ کے مناسب تھے اور اس شریعت میں زمانہ کی مناسبت کے لحاظ سے خدائے خبیر و حکیم کے حکم سے بدل دیے گئے ہیں جس نے پہلے ہی ہر زمانہ کے مناسب احکام تجویز کر لئے تھے۔

اسلامی اخلاق | اور شریعت محمدیہ ہر شخص کو کم سے کم قدر ضروری علم سیکھنے کا بھی حکم کرتی ہے

جو عقیدوں کی تصحیح عبادات۔ اخلاق اور آداب میں شائع ہو اُس کا سب سے پہلا اور
نہایت ہی اہتمام بالشان حکم ایمان و اسلام قبول کرنا ہے یعنی جتنی چیزوں کی نسبت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کا لانا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اُن کی تصدیق جازم کرنا اور جو کچھ احکام آپ لائے
ہیں اُن کی بجا آوری بے چون و چرا کرنا - اسی طرح اس کا حکم ہے کہ اخلاق و عادات حسنہ
کو اختیار کرنا چاہیے چنانچہ وہ حکم دیتی ہے کہ آدمی تقوی کرے یعنی تمام اُن چیزوں سے
احتراز کرے جو اس کے دین میں مضر ثابت ہوں اور خدا کے واسطے خالص نیت سے
عمل کرے نیکی کرے عمل میں احسان کی رعایت کرے اور احسان یہ ہے کہ آدمی اس طرح
اپنے رب کی عبادت کرے گویا کہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہے خلق اللہ کے ساتھ
خیر خواہی سے پیش آئے صبر کیا کرے یعنی دہشت اور الم کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے
جو چیز خدا کی پسندیدہ ہو اس پر راضی رہے حیا کیا کرے - اور حیا ارتکاب افعال شنیعہ
کے خوف سے جی رک جانے کا نام ہے حلم سے پیش آئے یعنی جوش غضب میں تحمل سے
کام لے عفو کیا کرے اور عفو کے معنی خطا کار سے باوجود قدرت کے بدلہ نہ لینا ہے مگر
حدود عہ بوجہ مضر عام ہونے کے اس سے مستثنےٰ ہیں اچھے کاموں میں لوگوں کی حرص کرے -
سخاوت و کرم میں کوتاہی نہ کرے شجاعت کرنے میں پیش قدمی کے ساتھ موصوف ہو -
غیرت کیا کرے یعنی دین و آبرو کو تہمت سے محفوظ رکھے - ثابت قدم رہے یعنی خوف کے
وقت نہ گھبرائے دوسروں کو اپنے فائدے پر ترجیح دے مروت سے پیش آئے اور
وہ بقدر امکان لوگوں کو نفع پہنچانا ہے عفیف رہے عفت کا نام ہے ضبط نفس کو ہاتھ سے نہ جانے
دے یعنی خواہش نفسانی کے ہیجان کے وقت اپنا جی قابو میں رکھے - قناعت کرے -
صاحب وقار بنے یعنی مطالب کی طرف متوجہ ہونے کے وقت سنبھلا رہے - سکون سے

عہ یعنی تعزیرات شرعی ۱۲

پیش آئے یعنی لڑائی جھگڑوں میں جلد بازی سے کام نہ لے رفق کا برتاؤ کرے اور وہ امر جمیل
تک پہنچانے والی چیز کی عمدہ طور سے پیروی کرنے کا نام ہے۔ حسن سیرت کو اختیار کرے
یعنی جو چیز نفس کے کمال کا باعث ہو اس سے محبت کرے۔ حکمت کے ساتھ مصروف
ہو شکر کرتا رہے۔ خدا سے ڈرتا رہے اُس کی ذات سے امید رکھے اپنے سارے کام
خدا کے سپرد اور اس کے حوالہ کر دے الفت کا برتاؤ رکھے اور وہ اصطلاح میں تدبیر
معاش میں متفق الرائے ہو کر سعی کرنے کا نام ہے وفادار رہے۔ صلۂ رحم یعنی اپنے اہل
قرابت سے سلوک کرتا رہے۔ خلق اللہ پر شفقت کیا کرے اس کے بندوں کی اصلاح
میں مصروف رہے۔ امانت دار رہے وعدہ اور عہد کو پورا کرتا رہے دوستی اور دشمنی
جو کچھ کرے خدا کے واسطے کرے لوگوں کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ سلامت روی
اختیار کرے کوشش پر آمادہ رہے بھاری بھرکم بنا رہے۔ نیک کاموں میں جلد باز
ہو۔ دین کے معاملہ میں مضبوط ہو خدا کے ساتھ انس حاصل کرے دل میں اس کی
محبت اور شوق پیدا کرے۔ پارسائی اپنا شعار رکھے۔ ورع کو ضروری سمجھے یعنی اعمال
جمیلہ کو اپنے ذمہ لازم کرے۔ استقامت اور راستی اختیار کرے۔ عالی حوصلہ رہے
یعنی ایسی چیزیں اختیار کرے جس سے نیک نام ہو۔ دل کا نرم رہے یعنی دوسرے
کی تکلیف پر علی العموم اس کا جی دکھے۔ پاک کمائی حاصل کرے یعنی بغیر کسی قسم کی ذلت
اُٹھائے اور بدون کسی ظالمانہ کارروائی کے مال حاصل کرے۔ مال اچھے موقعوں پر خرچ
کیا کرے غصہ کو ضبط کرے۔ خدا کے ساتھ پستی اور بندگی سے پیش آئے آزادی اختیار
کرے اور وہ شہوتوں اور خواہشوں کی پابندیوں سے اپنے نفس کو آزاد رکھنے کا نام
ہے۔ اپنے نفس کا حساب لیتا رہے اور اس کی جانچ کیا کرے اور نازیبا امور سے ملامت

کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جتنے خصائل حمیدہ ہیں شریعت نے سبھی کا حکم دیا ہے۔ پس آدمی کو چاہیئے کہ ان عمدہ خصائل کو اختیار کرکے اپنے نفس کا ہمیشہ علاج کرتا رہے اور یہاں تک کوشش کرے کہ کمال کی حد تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ شریعت برائیوں سے بھی روکتی ہے چنانچہ وہ کفر کی اجازت نہیں دیتی۔ عبادت میں کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا ناجائز قرار دیتی ہے بدکاری سے منع کرتی ہے اس کا حکم ہے کہ خدا کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کی جائے۔ خواہش نفسانی کی پیروی سے آدمی باز رہے۔ ریا کو چھوڑ دے یعنی لوگوں کے دکھانے کی غرض سے عمل نہ کرے بلکہ محض خدا کے لئے۔ اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ کینہ نہ رکھے خود بینی سے کنارہ کش رہے اور خود بینی یہ ہے کہ آدمی عمل کرکے اپنے کو کچھ سمجھنے لگے حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اس کی نظر خدا کے فضل پر ہو جس نے اسے عمل کرنے کی توفیق عنایت کی۔ حسد نہ کرے اور وہ دوسرے سے نعمت زائل ہو جانے کی آرزو کا نام ہے لوگوں کی مصیبتوں پر خوش نہ ہوا کرے کسی کی عداوت پر اقدام نہ کرے۔ ہاں جو محض خدا کے لئے ہو اس کا مضائقہ نہیں۔ تہور سے باز رہے اور وہ ایسی شے پر جو اس کے قابو کی نہ ہو بیجا دلیری کر بیٹھنے کا نام ہے خدا کے ساتھ بدگمانی نہ کرے بدشگونی اور بدفالی جس کی شریعت میں کوئی سند نہیں نہ کیا کرے بخل کو چھوڑ دے نہ لالچ کے مارے خرچ میں انتہا درجہ کی تنگی کرے اور نہ فضول خرچی اور روپیہ اڑانے پر آمادہ ہو جائے۔ نازیبا امور کے لئے مال سے محبت نہ کرے۔ کاہلی اور بیکار پڑے رہنے سے احتراز کرے جلد بازی سے بچے۔ سنگدلی اور درشتی اختیار نہ کرے بے شرمی اور بیحیائی کے پاس نہ پھٹکے بے استقلالی نہ کرے۔ کسی کی نعمتوں کی ساتھ انکار اور ناشکری سے پیش نہ آئے۔ غضب و غصہ کی عادت نہ ڈالے علماء سے عداوت نہ

رکھے خدا کے مقابلہ میں دلیری نہ کرے اس کے غصہ اور عذاب سے بےخوف نہ رہے اور دنیا
میں سے اگر کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس پر افسوس نہ کرے۔ دین کے معاملوں پر جھگڑا
نہ ہو۔ شیخی اور اوچھے پن سے اپنے آپ کو بچاتا رہے ناحق کسی کی ایذا دہی کے
درپے نہ ہو۔ حق بات سے جان بوجھ کر انکار نہ کرے اور نہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں حق کے
مقابلہ پر آمادہ ہو۔ سرکشی اور انکار کرنے سے باز رہے لالچ اور حرص نہ کرے پژمردہ دلی
سے علیحدہ رہے گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ بے موقع غصہ نہ کرے خدا کے دین کی حمایت
کے سوا جوش میں نہ آیا کرے خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو ظالموں اور مجرموں سے تعلق
نہ رکھے نیکوں سے عداوت نہ کرے۔ ایسا دل سخت نہ کرے کہ کسی مضطر کی مدد نہ کرسکے
زبان کی بہت سی آفتیں ہیں جن سے آدمی کو بچنا چاہیے کہ ہمیشہ بچتا رہے مثلاً چغلخوری نہ کرے
یعنی کسی کی ایسی بات ظاہر نہ کرے جس کا ظاہر ہونا اسے ناگوار ہو کسی کا راز فاش نہ کرے
مسخرہ پن اور دل لگی بازی نہ کرے لوگوں کی ہنسی اور تذلیل کے درپے نہ ہو۔ لعن طعن اور گالی گلوچ
کرنے سے اپنے کو محفوظ رکھے بیہودہ چیزوں کو کھلے کھلے الفاظ میں نہ کہہ بیٹھا کرے۔ لوگوں کے
حسب و نسب میں عیب نہ نکالا کرے۔ ناحق نہ جھگڑے یعنی دوسرے کی بات میں بلا اس
قصد کے کہ حق ظاہر ہو جائے خواہ مخواہ اعتراض نہ کرے محض دوسرے کے تنگ کرنے کیلئے
گفتگو نہ کرے۔ بیجا باتوں میں دخل نہ دیا کرے۔ تکلف پن نہ کرے ہزل جو چٹکلوں سے
لگے وہ معتاد رہے۔ دکھی باتیں نہ کرے لوگوں سے دو فصلی باتیں نہ کہے۔ بے موقع
سفارش نہ کرے نیکی سے منع اور برائی کا حکم نہ کرے سخت کلامی اور درشتی سے باز رہے
مانگنے سے بچے۔ لوگوں کے عیبوں کی تفتیش نہ کرے ظالم کی زندگی کی دعا نہ مانگے مسجدوں
میں دنیا کی باتیں نہ کرے لوگوں کے نام بگاڑ بگاڑ کے نہ لیا کرے۔ خدا کے سوا کسی

کی قسم نہ کھائے زیادہ قسم کھانے سے اگرچہ سچی بات پر کیوں نہ ہو خیال کہ نام کی عظمت و قدر
کے لئے احتراز کرے۔ اپنے بھائی کی معذرت قبول کرے رد نہ کرے۔ قرآن شریف کی بہ
غرض تفسیر نہ کرے بغیر کسی مصلحت شرعی کے۔ دوسرے کی بات نہ کاٹے ہر شخص سے جب
بحث چھیڑے کہ اس کا جی دکھے جب تک کہ شرع کے خلاف نہ ہو انکار نہ
اور کسی کی حماقت سے بچے کسی کے سامنے دو شخص سرگوشی نہ کریں جس سے
اُسے رنج ہو۔ پرائی چیز حسرت سے نہ دیکھے جس نے گناہ کرنے کا ارادہ کیا ہو
کو گناہ کا راستہ نہ بتائے ایسی خوش طبعی نہ کرے جس کی شرع نے اجازت نہ دی ہو یا جس
سے شرافت کو ضرر ہو لا یعنی باتوں کے تکلم سے علیحدہ رہے غلام کو اُس کے مالک سے
اور عورت کو اس کے شوہر سے بہکا کر برگشتہ خاطر نہ کرے جھوٹی شہادت نہ دے سچی گواہی
دینے سے جان نہ چرائے بھولی پارسا عورتوں کو تہمت نہ لگائے۔ مردوں کو گالیاں
نہ دے بادشاہوں کو دشنام سے یاد نہ کرے ان کی صلاحیت کی دعا سے باز نہ رہے
علم نہ چھپائے۔ جان بوجھ کر خدا و رسول پر جھوٹ نہ باندھے۔ مفسدہ پردازی کی
باتوں سے اجتناب کرے تاکہ لوگ شر سے محفوظ رہیں بے حیائی کی باتوں میں بہت
نہ بکا کرے جس سے کہ لوگ اندیشناک ہو جائیں۔ مانگنے میں ایسا بھی الحاح نہ کرے
جس سے دینے والے کو ایذا پہنچے۔ خیرات کر کے احسان نہ جتائے مخلوق کے احسان
کی ناشکری نہ کرے جس سے کہ خدا کی نعمتوں کا ناشکرا بنے۔ مریض پر جو کچھ قرض ہو اُسے
نہ چھپائے بلکہ صاف اقرار کر دے کسی کے نسب کا نہ جھوٹا اقرار ہی کرے اور نہ اُس سے
انکار کرے لوگوں کی آبرو ریزی میں زبان درازی نہ کرے اپنا باپ چھوڑ کر دوسرے کو
باپ نہ بنائے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ترک نہ کرے غیبت سے بچے اور وہ کسی

کی نسبت اُس کی غیبوبت میں ایسی بات کہنا ہے جو اُسے بری معلوم ہو اور یہ زبان کی
ایسی آفت ہے کہ لوگ اس میں اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس سے ضرر بھی نہایت ہی
عظیم ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے قبیح اعمال و افعال سے بھی شریعت منع کرتی
ہے۔ مثلاً وہ عہد کو توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے سے ممانعت کرتی ہے۔ دغا بازی
اور مکاری اور دھوکے بازی کی اجازت نہیں دیتی فتنہ پردازی کی سخت مخالف ہے
اور وہ لوگوں میں گڑبڑ مچا دینے کا نام ہے۔ خلل اندازی اور بغیر کسی دینی مصلحت کے
اختلاف کرنے کو جائز نہیں رکھتی خونریزی خودکشی حرام کاری اور لواطت کو اگرچہ اپنی ہی
عورت کے ساتھ کیوں نہ ہو ناجائز بتلاتی ہے۔ کیونکہ ان امور میں خداوندی حکمت کی مخالفت
لازم آتی ہے۔ اور انسانی نسل گھٹتی ہے۔ خصوصاً زنا سے تو لوگوں کے نسب محفوظ نہیں
رہتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہم ہمدردی نہیں رہتی نسب کے بارے میں لوگ دھوکا
کھاتے ہیں مال و متاع کے ایسے لوگ مالک بنائے جاتے ہیں جن کا ذرا بھی استحقاق نہیں
بچہ اس وجہ سے کہ اُس کا پورے طور سے کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہوتا بیداضائع
ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس میں طرح طرح کی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔ کہاں تک کوئی بیان
کرے شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ پرائی عورت کو کوئی چھوئے یا تنہائی
میں اُس کے پاس ٹھیرے کیونکہ اس سے ناجائز تعلق کا اندیشہ ہے علیٰ ہذا القیاس
بے ریش لڑکے کے بارہ میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے اسی طرح اُس کا حکم یہ بھی ہے کہ عورتوں
کے معمولی ایام میں اُن سے مقاربت نہ کی جائے اس لئے کہ اس میں سراسر گندگی ہے۔
اور نہ کسی عورت کو ایسی جگہ سفر کرنے کی اجازت ہے جہاں اُسے اپنی آبرو کے جانے
کا اندیشہ ہو۔ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع اختیار کرنے سے روکتی ہے

اور اس بات کا امر رہتی ہے کہ صحبت کے وقت ذرا بھی بے پردگی نہ ہونے پائے اور اس کے حکم کے موافق جو نکاح پہ قدرت رکھتا ہو اور اس کو کوئی وجہ عذر کی نہ ہو تو وہ بے نکاح نہیں رہ سکتا کیونکہ اس میں نسل کی افزائش کے اعتبار سے خداوندی حکمت کی مخالفت لازم آتی ہے اگر کسی کے اختیار میں کوئی عورت ہو یعنی وہ اس کا ولی ہو تو نکاح کرنے سے اسے ہرگز نہ روکے مرد اپنی عورت کا اور عورت اپنے مرد کا راز فاش نہ کرے بن سنور کر کوئی عورت نہ نکلے کوئی مرد اپنی عورت کے معاملہ میں بے غیرتی نہ اختیار کرے۔ اسی طرح کوئی پرائے مرد اور عورتوں میں متوسط نہ بنے کوئی نشہ نہ پیئے کیونکہ اس میں عقل ایسی افضل نعمت جو خدا نے انسان کو عنایت کی ہے جاتی رہتی ہے اور نشہ باز جو کچھ نہ کر گذرے تھوڑا ہے کسی گناہ یا فعل شنیع سے بند نہیں۔ پھر اس کے نقصانات کے مقابل میں جو کچھ اس سے نفع خیال کیا گیا ہے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کوئی قمار بازی نہ کرے۔ کیونکہ اس سے مال ناحق خطرہ میں پڑ جاتا ہے اپنے اسباب کی نکاسی کیلئے کوئی جھوٹی قسمیں نہ کھایا کرے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرے صاحب وسعت باوجود مطالبہ کے کسی کا حق نہ ٹالا کرے بیجا موقعوں پہ مال نہ اڑائے اپنے پڑوسی کو اگرچہ غیر مذہب والا کیوں نہ ہو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ چوری ڈاکہ زنی نہ کرے سود نہ لے کیونکہ سود لینے سے دائن جو قرض دیکر لوگوں کے ساتھ احسان کرتا تھا اور حاجتمند کا اس طرح پہ آسانی سے کام نکل جاتا تھا اس کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ تجارتی مال لانیوالوں سے بالا بالا مل کر دام نہ توڑ لیا کرے اگر کوئی کچھ سودا چکا رہا ہو تو اس پہ بھاؤ نہ کرنے لگ جایا کرے۔ آپس میں شرکاء ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں مالک کی بلا اجازت عاریت میں کوئی بیجا تصرف نہ کرے۔ مزدور سے کام کرا کر اس کی مزدوری نہ مارے بلکہ اس کے ادا کرنے میں جلدی

ٹیکس نہ لگائے جن چیزوں کی عام طور پر یا کسی خصوصیت کے ساتھ اجازت ہو اُس سے
لوگوں کو نہ روکے کسی خاص راستہ میں مالک کی بلا اجازت کوئی تصرف نہ کرے اسی
طرح عام راستوں میں کوئی ایسا امر نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ امانت میں
خیانت نہ کرے جانداروں کی نہ تصویر کھینچے اور ان کی تصویروں کو اپنے مکان میں رکھے
تاکہ حیوانات اور اُن کی تصویروں کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت سے بچا رہے کھانا
اتنا زیادہ بھی نہ کھائے کہ جس سے صحت میں فرق آجائے اور ضرر پہنچے ظالم اور مفسدوں
کی راہ سے اپنی بیبی عورتوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے ناراض ہو کر کسی مسلمان سے
تین دن سے زیادہ بول چال نہ چھوڑے۔ آپس میں بگاڑ کرنے اور عداوت کرنے سے
باز رہے۔ اپنے بال بچوں کو ضائع نہ ہونے دے بلا اجازت شرعی نہ کسی کو مارے اور نہ
کسی کو ہتھیار سے دھمکائے جادو کے سیکھنے سکھانے اور اُس کے عمل پر کچھ لینے سے
باز رہے۔ فال گوئی اور نجوم سے پرہیز کرے اور اُن کے جاننے والوں کی طرف
رجوع نہ ہو۔ اپنے مالک سے بغاوت نہ کرے۔ اور کسی زیادتی غرض کے فوت ہونے
کی وجہ سے اُس سے عہد شکنی کرے ایسی حالت میں ہرگز حکومت نہ قبول کرے جب
یہ جانتا ہو کہ مجھ سے ضرور خیانت ہوگی۔ اسی طرح کوئی انتظام کسی ظالم یا فاسق کے ہرگز
سپرد نہ کرے کسی لائق شخص کو معزول کرکے اُس سے کم درجہ والے کو مقرر نہ کرے۔
ذی اختیار لوگ ظلم نہ کریں کوئی حاکم ایسے موقع پر اجلاس نہ کرے جہاں مستغیثوں کو رسائی
مشکل ہو خدا اپنے مذہب والے پر اور نہ کسی غیر مذہب والے پر ظلم کریں غلظت و سختی
سے نہ پیش آئیں کوئی حاکم ہونے پر کسی ایسے کا نذرانہ قبول نہ کرے جس سے اس قسم
کے پہلے سے رسم نہ ہوں اسی طرح اُس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں اُس کی

بھر جائیں اور پھر بھی ختم نہ ہوں۔

شریعت محمدیہ کی عبادتوں کی جو شان ہے اور جو ان کی حکمتیں اس پر ظاہر ہوئیں اُن کا اجمالی بیان

اس کے بعد اُن لوگوں نے اُن عبادتوں میں غور کرنا شروع کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مطیعین پر واجب کی ہیں۔ پس انہوں نے دیکھا کہ اُس میں ایسے اعمال پائے جاتے ہیں جن سے خالق کی سراسر عظمت ظاہر ہوتی ہے اُس کی بیشمار نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر ادا ہوتا ہے علاوہ بریں اُن میں اسرار حکمتیں اور طرح طرح کے فائدے بھی موجود ہیں جن کی بدولت عبادت کرنے والے کو کامیابی اور سعادت کے بڑے سے بڑے مرتبے تک رسائی نصیب ہوتی ہے۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو مہذب بناتا ہے اخلاق ذمیمہ کو ترک کرکے عمدہ خصلتیں اختیار کرتا ہے جو اس کی زینت کا باعث ہوتی ہیں۔ اپنے خالق کی یاد میں لگا رہتا ہے تاکہ شواغل دنیوی جو اُس کے دل کو گھیرے رہتے ہیں کہیں اس کو غضب میں نہ ڈال دیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہ سے بچتا ہے اور شیطانی امیدوں کو الگ کرتا ہے وہ اس بات کا دھیان کیا کرتا ہے کہ اُس کا کوئی نہایت ہی شفیق نگہبان ہے جو گویا ہر وقت اُس کے قریب ہی رہتا ہے۔ ان عبادتوں میں یہ فائدہ بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ اوقات عبادات میں تمام لوگ یکجا جمع ہو جایا کریں جس سے آپس میں محبت بڑھے ایسے لوگوں کے حالات معلوم ہوں جن کو مدد کی ضرورت ہے حاجتمندوں کی مدد کرنے میں سہولت ہو ان کے دردناک حالات معلوم ہو سکیں تاکہ از راہِ شفقت و احسان اُن کے کام نکال دیے جایا کریں رسل سالفہ اور اُن کے کنبہ والوں کے حالات یاد آیا کریں جنھوں نے کہ اپنے رب کی عبادت کی ہے اس کے حکموں کو مانا ہے اُس کے

منہیات سے احتراز کیا ہے تاکہ اسی طرح سے لوگوں کو اُن کی اقتدار کرنے کی رغبت پیدا ہو
اور یہ بھی انہیں کی سی روش اختیار کریں۔ پھر اُن کی اور اُن کے مطیعین کی تعریف کرتے
رہیں مسلمانوں کی جماعت بڑھانے میں کوشش کرسکیں مخالفین کو راہ راست دکھائیں
خداوندی دین کی اشاعت کریں۔ اسی طرح پر اُن عبادات میں جا بجا طرح طرح کے ثمرات
مفیدہ اور تدابیر نافعہ موجود ہیں جنھیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اُن کا سمجھنا کچھ اہل علم ہی کا
حصّہ ہے جو شخص ان عبادتوں پر ظاہری نظر ڈالے اور ان کے حکم۔ اسرار اور فوائد سے
غافل رہے تو اس کی ایسی ہی مثال ہے جس طرح کہ کوئی نفیس موتیوں سے بھری ہوئی
سیپ کو پتھر کا ٹکڑا خیال کرکے بے توجہی سے پھینک دے اور اس کی کچھ قدر نہ کرے اُس
کی نظروں کو اس کے ساتھ کچھ بھی دلچسپی نہ ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسا نادان بڑی
قیمتی شے کو جس کے حاصل کرنے میں سیکڑوں روپے صرف ہوتے ہیں بے وقعتی کی
نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ سے ضائع کرتا ہے بہتیرے نادان ایسے بھی ملیں گے
جنہیں تمیز تو خاک نہیں لیکن ان عبادتوں میں نقص نکالنے کے لئے آمادہ ہیں انہیں خوبیاں
بھی عیب نظر آتی ہیں ایسے لوگوں کی ٹھیک مثال اس مریض کی سی ہے جس کو پانی بھی
بدمزہ معلوم ہوتا ہو اور شیرینی کو تلخ بتلاتا ہو کاش یہ لوگ بھی جب انہیں عبادتوں کی خوبیاں
نظر نہ آئیں تو اسی مریض کی طرح کریں جو کڑوی دوا کو مفید سمجھ کر زبردستی گلے سے اتار ہی جاتا
ہے اگرچہ اس میں کچھ کلفت ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے خدا اس جہالت کا برا کرے سارے
گل اسی کے کھلائے ہوئے ہیں ان لوگوں کو تو اس نے اپنا کھلونا بنا رکھا ہے اسی کی
وجہ سے اُن کو طرح طرح کے نقصان اٹھانا پڑتے ہیں۔

نماز اور اس کے توابع میں کیا حکمتیں ہیں | اب آیئے آپ کو اس فرقہ کے لوگوں کو جو شرعی

محمدیہ کی عبادتوں کے اسرار تفرقات ہیں اُس کی تھوڑی سی تفصیل کہہ سنائیں پہلے تو آنحضور
نے دیکھا کہ ہر عاقل بالغ کو منجملہ دو عبادات کے ایک عبادت ادا کرنے کا جسے نماز کہتے
ہیں حکم دیتے ہیں نماز چند مخصوص اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام ہے جو خدا کی عظمت کے
اظہار میں تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو جاتی ہے نماز پڑھنے والا اُس کو اس طرح
پر ادا کرتا ہے گویا کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہے اُس نے مقرر کیا ہے کہ جب نماز کا
وقت آئے تو ایک منادی یعنی مؤذن سارے نمازیوں کو نہایت فصیح الفاظ میں بلایا
کرے چنانچہ اُس کے حکم کے موافق وہ چار مرتبہ خدا کی عظمت کا اعلان کرتا ہے گویا
وہ کہتا ہے کہ اے لوگو تم جو دنیوی اور اُخروی مرغوبات میں پھنسے ہوئے ہو یہ
بھی خبر ہے کہ خدا نہایت ہی بڑا اور اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ سارے مرغوبات کو
چھوڑ کر اُس کی جناب کی طرف راغب ہو جاؤ پھر دو مرتبہ گواہی دیتا ہے کہ خداوند تعالیٰ
معبود یکتا ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں گویا وہ یہ بتلاتا ہے کہ تمہاری
دنیوی اور اُخروی حاجتوں کو وہی پورا کر سکتا ہے کہ جو معبود حقیقی ہو اور اپنے ماسوا سے
بے نیاز ہونے میں یکتائی اُس کے اخص اوصاف میں شمار ہو اور ساری خلق اُسی کی
محتاج ہو اور ایسا معبود "اللہ" ہی ہے جس کی ذات واقعی معبودیت کے شایاں اور
اس امر میں یکتائی کے ساتھ موصوف ہے۔ پس تمہیں چاہیے کہ اپنی ساری حاجتیں خواہ
دنیوی ہوں یا اُخروی سب اسی کی جناب میں لیجاؤ اور اُسی کی درگاہ کی طرف رجوع کرو۔
پھر دو بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دیتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہی
رسول تمہارے اور تمہارے ذی عظمت معبود کے درمیان میں واسطہ ہیں انھیں کے
ذریعہ سے تمہیں اپنی دنیوی اور اُخروی مصلحتوں کی اطلاع ہوتی ہے اپنی کھلی آنکھ

سے دیکھ چکے ہو ورنہ کم سے کم دلیل سے تو ضرور تمہیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے
کہ یہ تمہارے بڑے بھی خواہ اور تمہیں بھلائی کے طریق سکھانے والے بھی ہیں۔ سب تم کو
چاہیے کہ تم اس عبادت کے ادا کرنے میں بدل و جان کوشش کرو جو انہوں نے تمہارے
لئے مقرر کی ہے اور جس میں تمہارا سراسر نفع مقصود ہے۔ اس کے بعد وہ پھر نماز کی
طرف متوجہ کرتا ہے اس کو اس مضمون کی تفریع سمجھنا چاہیے جس کی طرف وہ پہلے تشہد
میں اس سے پہلے اشارہ کر چکا ہے کہ اس ذی عظمت ذات کی درگاہ میں تمہیں ضرور التجا
کرنا چاہیے۔ یا یوں سمجھئے کہ پہلے کلام کا نتیجہ ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ جب یہ ذات سارے
بڑوں سے بڑا اور معبودیت اور تمام خلق کی حاجت برداری کے اختیار سے یکتا ٹھیرا اور
اس خیر خواہ رسول نے تمہیں اس کی عبادت کی تعلیم کی اور یہ وعدہ کیا کہ تم اسکی بدولت
اپنی امیدیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گے تو تم کو چاہیے کہ نماز کی طرف ضرور متوجہ
ہو جاؤ خدائے جلیل کی درگاہ میں حاضر ہو اور نماز ادا کر کے اس کے وسیلہ سے خدا کی درگاہ
میں اپنی چھوٹی بڑی حاجتوں کی درخواست پیش کرو پھر وہ نماز کے فوائد و ثمرات کی طرف
اجمالی طور پر حی علی الفلاح "یعنی کامیابی اور رستگاری کی طرف دوڑو" کہہ کر اشارہ کرتا
ہے گویا وہ یہ کہتا ہے "آدمی کیلئے فلاح ساری مرغوبات سے بڑھ کر ہے اور فلاح خواہ
دنیوی ہو یا اُخروی اسی عبادت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سے اخلاق درست
ہوتے ہیں خلاق کی عظمت کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے قیامت میں اس کی جزا کے ملنے
کی امید ہو جاتی ہے پس اس فلاح و کامیابی کو غنیمت سمجھو اور اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔
اس کے بعد وہ مرغوبات میں سے جو نہایت ہی کامل شے ہے اس کی طرف نمازیوں کے
خیالات کو متوجہ کرتا ہے اور اس بات پر اُن کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جب اس عبادت کی

طرف متوجہ ہوں تو کہیں خدا کے سوا کوئی دوسری چیز کو مقصود اصلی نہ ٹھیرالیں بلکہ اُن کی مشتاق نظریں اُسی کی جناب کی طرف رہیں اُسی کا تقرب مدنظر ہو اور ان کا مقصد اصلی اور مدعائے دلی کیا دنیا اور کیا آخرت دونوں میں خدا ہی خدا ہو اسی وجہ سے وہ اس موقع پر دو مرتبہ تکبیر کہتا ہے اور خدا کی معبودیت کے لحاظ سے یکتائی ظاہر کرتا ہے یہ تو مؤذن کی کیفیت تھی اب لیجئے سُننے والے کیا کرتے ہیں وہ لوگ بھی مؤذن کے اقوال کو دُہراتے جاتے ہیں گویا کہ وہ اس کی ہر بات میں تصدیق کرتے ہیں اور اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ متفق ہیں لیکن جب وہ ان کو نماز اور فلاح کی طرف بُلاتا ہے تو اُس کے الفاظ کو نہیں دُہراتے کیونکہ بلانے والے کے الفاظ جواب میں بھی کہنا تو مسخرہ پن کی بات ہے اس لئے وہ" لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھا کرتے ہیں گویا وہ کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہو کر اس خیر عظیم کا حاصل کرنا اور فلاح کا پا لینا سوائے خداوندی مدد اور قوت کے کسی اور طور پر ممکن نہیں ہم تو اُسی کی مدد کے طلبگار ہیں اور اُن کا یہ قول بطور استکراہ و تنفر کے نہیں ہُوا کرتا جیسا کہ بعض ناواقف یہ سمجھ کر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ پھر جب اُس موقع پر جو کہ اِسی عبادت کے ادا کرنے کیلئے مخصوص ہوتا ہے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو منادی کرنیوالا مزید تاکید کیلئے اُنھیں الفاظ کا اعادہ کرتا ہے تاکہ یہ سب باتیں لوگوں کے خوب ذہن نشین ہو جائیں اور وہ شخص بھی سُن لے جس نے اذان نہیں سُنی تھی اور بلا اذان سُنے ہی آگیا تھا یہاں تک کہ اس بارگاہ عالی کی حضوری کے وقت یہ سارے مضامین پورے طور سے پیش نظر ہوں اسی واسطے وہ اب کے مرتبہ الفاظ سابقہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ" قد قامت الصلوۃ" اور بڑھا دیتا ہے یعنی اب نماز قائم ہو گئی۔

نماز کے لئے طہارت کی حکمت | شریعت نے اس عبادت کے ادا کرنے کیلئے جو شرطیں

لگائی ہیں اور جو آداب مقرر کئے ہیں وہ بھی سُن لیجئے چنانچہ اُس نے یہ مقرر کیا ہے کہ نماز
پڑھنے والے کا بدن پاک ہو اس کا لباس طاہر ہو اس مکان میں جہاں وہ نماز ادا کرے
گا کسی قسم کی نجاست نہ پڑی ہو اس کا بدن حکمی ناپاکی سے بھی پاک ہو اور اس سے
ایسے حالات مراد ہیں جو حدث کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اور اُن کا اس وقت
اعتبار کیا جاتا ہے جب بدن سے کسی قسم کی نجاست نکلے اور اس طہارت سے نمازی
کو اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اس کا نماز میں داخل ہونا گویا اپنے مولےٰ
کے سامنے اور اُس کی بارگاہ عالی میں اُس کے احسان کا امیدوار بن کر شکر کے لئے
حاضر ہونا ہے پس جس طرح کہ شاہان دنیا میں سے کسی کے دربار میں جب جانا مقصود ہوتا
ہے تو اس بات کا بڑا اہتمام کیا کرتے ہیں کہ کہیں بادشاہ کی نظر کسی چیز پر نہ جا پڑے جو
اُسے ناگوار خاطر ہو اسی طرح یہاں بھی یہ نہایت ضروری امر ہے کہ خداوندی دربار میں حاضری
کے وقت سارے اعضا تمام ایسے ناپسندیدہ اعمال سے بالکل پاک و صاف ہوں جن کا منشا
خواہ اُس کی خواہش نفسانی اور میلان طبع ہو۔ یا دوسروں کی وسوسہ اندازی سے اُن کا ارتکاب
ہوا ہو اور جملہ اخلاق ذمیمہ سے اس کا دل بھی پاک ہو یہاں تک کہ سارے میل کچیل کو
توبہ اور پشیمانی کے پانی سے دھو دہلا کر صاف و ستھرا بن گیا ہو علاوہ بریں بدن کو پانی سے
دھونے کی وجہ سے جس خوشی کا اثر روح تک پہنچتا ہے وہ کچھ مخفی نہیں کیونکہ روح اور بدن
میں جو علاقہ پایا جاتا ہے اُس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اسی لئے جب ان دونوں میں سے
ایک میں بھی کوئی چیز اثر کرتی ہے تو دوسرے میں اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے چنانچہ روح
بدن دھونے کے وقت کیسی شاداں و فرحاں نظر آتی ہے اور اس کی ساری کسلمندی
دور ہو جاتی ہے گویا کسی نے اُس کے سارے بندھن کھول دیے جس میں وہ جکڑی ہوئی تھی

خصوصاً اس حالت میں جبکہ عورتوں سے صحبت کرنے کے بعد غسل کیا جائے اور طبی فوائد اس
کے علاوہ ہیں جو کسی پر چنداں مخفی نہیں۔

تشریح وضو اور تیمم | شریعت نے ان اعتباری حالات سے طہارت حاصل کرنے کو جو
حدث کے نام سے موسوم ہیں دو قسموں پر منقسم کیا ہے ایک کا نام طہارت کبریٰ ہے
جس سے سارے بدن کا دھونا یعنی غسل مراد ہے دوسرے کو طہارت صغریٰ یا وضو کہتے
ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ بعض اعضا کو دھویا جائے اور بعض کا مسح کیا جائے۔

اب اس نے سارے بدن کا دھونا اس وقت واجب کیا ہے جب منی نکلے چاہے
حکماً ہی کیوں نہ ہو (اور حکماً منی نکلنے کی یہ صورت ہے کہ جماع کرنے سے منی نکلنے کا پتہ نہ لگے)
یا جب عورت کے رحم سے حیض یا نفاس کا خون جاری ہو۔ چونکہ ان نجاستوں کا کچھ نہ کچھ
حصہ سارے بدن سے آتا ہے اس لئے شریعت نے بھی اس اعتباری حالت یا نجاست کے
ساتھ جو ان کے نکلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ سارے بدن کو ملوث قرار دیا اور اسی وجہ سے اس
کا نام حدث اکبر رکھا گیا پس گویا سارے بدن کے دھونے اور پاک کرنے سے اس بات
کی طرف اشارہ ہے کہ ان سارے گناہوں سے توبہ کر کے پاک ہونا چاہیے جن کا تمام بدن سے
علاقہ ہے نہ کسی خاص عضو سے خصوصاً اخلاق سیئہ سے پاک ہونا تو اور بھی ضروری ہے۔
دوسری حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ یہی چیزیں ہیں جن سے بچہ بنتا ہے چنانچہ منی حمل ٹھہرنے
اور بچہ کی صورت بننے کا مادہ ہے اور خون رحم سے بچہ کو غذا پہنچتی ہے اور اس کو نمو حاصل
ہوتا ہے اور ظاہر ہے جو بچہ اس سے پیدا ہوا کرتا ہے وہ کبھی نیک بخت ہوتا ہے اور
کبھی بدبخت بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے بچہ کا پیدا ہونا شرعاً قابل تعریف
اعمال میں سے شمار کیا جا سکتا ہے اور یہ امید ہو سکتی ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کو

جن کی مباشرت سے نیک بچہ ہوا ہے بہت محمود چیز ہے خصوصاً اس وقت جبکہ ان
دونوں کی نیت بھی نیک ہو اور یہ مقصود ہو کہ جس طرح نسل میں خدا کے بہت سے موحدوں کی ترقی
ہو اور بچہ کے نیک بخت ہونے کے لحاظ سے ان چیزوں کے خارج ہونے کے وقت تکلیف
کھینچے گویا یہ اشارہ مکتسبہ ہے کہ یہ شے جو تیرے بدن سے خارج ہوئی ہے اور جس میں تیرا
بدن شریک ہے بچہ کے پیدا ہونے کا مادہ ہے اور جس طرح اس سے نیک بچہ پیدا ہو
خدا کی فرمانبرداری اور اس کے ساتھ شکر کرتے ہیں اسی طرح بدن کے دھونے سے اس بات
پر آگاہی حاصل کرنا چاہیئے کہ جیسے اس سے کچی توبہ کرنا مناسب ہے جس طرح گناہ کی
نسبت کا احتمال بھی ہو اور گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کے خارج
ہونے سے جن میں میرا سارا بدن شریک ہے مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ اگر ایسا
بچہ پیدا ہوا جو تیری نافرمانی کرے تو میں خود اس کا سبب ٹھہروں گا اس لئے میں اپنا
سارا بدن دھوتا ہوں اور میں اس کو تیری اس توبہ کا عنوان قرار دیتا ہوں جو مجھے
اس نسبت سے تیرے سامنے کرنا چاہیئے اور یہ بات گناہ سے انتہا درجہ کی علیحدگی اور
توبہ میں نہایت ہی مبالغہ اور اہتمام کرنے پر مبنی ہے۔ اگرچہ حقیقۃً یہ کوئی گناہ نہیں ہے
محض گناہ کا امکان اور اندیشہ ہے اب رہیں ایسی نجاستیں جو تمام بدن سے نہیں بلکہ
خواہ وہ حقیقۃً خارج ہوں جیسے کہ بدن سے خون بہے یا قضائے حاجت کے دونوں
مقاموں میں سے کسی سے سوائے منی کے یا خون حیض یا نفاس کے کوئی اور شے خارج
ہو اور خواہ حکماً ان کا اخراج پایا جائے جیسے کہ اس شے کی موت کے وقت جب اعضا
ڈھیلے ہو جائیں اعتبار کیا جاتا ہے پس ان کے پائے جانے کے وقت شریعت نے صرف
اعتباری نجاست سے جو حدث اصغر کے نام سے موسوم ہیں خاص خاص اعضا کو

ملوث قرار دیا ہے گویا اس طہارت صغریٰ کے حکم سے جسے وضو کہتے ہیں (اور وہ بعض اعضا کے دھونے اور بعض کے مسح کرنے کا نام ہے) اُس کا یہ اشارہ ہے کہ انہیں خاص خاص اعضا کے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیے اور اُن اعضا کی تخصیص اور اس ترتیب میں جو اُن کی طہارت میں اختیار کی گئی ہے عجیب نکتہ کی رعایت مدنظر ہے بیان اس کا یہ ہے کہ سارے بدن میں یہی ایسے اعضاء ہیں جو مخالفت کرنے کے لئے نہایت سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اس لئے اُن کے دھونے سے اُن کی طہارت باطنی کے اہتمام پر تنبیہ ہوجائیگی اور مقصد اس سے یہ ہے کہ اُن کے کثیر الوقوع گناہوں سے توبہ کی جائے۔ اعضا کے دھونے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے اسمیں یہ لحاظ ہے کہ جو عضو مخالفت میں نہایت سرعت سے حرکت کرتا ہو اسی کو سب سے مقدم کیا جائے پھر اس کے بعد اس سے کم اسی طرح آخر تک سمجھنا چاہیے پس سب سے پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم ہے جس میں منہ ناک اور آنکھیں پائی جاتی ہیں اور چہرہ میں سے پہلے منہ سے دھونا شروع[ع] کیا جاتا ہے اس لئے کہ تمام اعضاء میں سے زبان مخالفت کرنے میں زیادہ چلتی ہے کیونکہ اسی سے کلمہ کفر کا کہا جاتا ہے اُسی سے غیبت چغلخوری کی جاتی ہے۔ فحش بکا جاتا ہے اس کے علاوہ بھی زبان کی بہت سی آفتیں ہیں جن میں کچھ پہلے بھی بیان ہوچکی ہیں پس منہ کے دھونے سے جب یاد آجاتا ہے کہ طہارت ظاہری سے باطن کی تطہیر کی طرف اشارہ ہے تو خدا کی طرف وہ توبہ کرنے لگ جاتا ہے اور زبان سے جو کچھ اُس نے بیجا کہا تھا اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اسی طرح ناک میں پانی ڈالنے کے وقت یاد کر کے

ع یعنی کلی کی جاتی ہے اور کلی سے پہلے جو ہاتھ گٹے تک دھوئے جاتے ہیں وہ اصل میں کلی ہی کرنے کے لئے صاف کر لئے جاتے ہیں ۱۲ مترجم

اُن چیزوں سے جن کو اُس نے بلا اجازت شرعی سُونگھا ہے توبہ کرتا ہے اسی طرح اُن چیزوں سے بھی توبہ کرتا ہے جن کا دیکھنا حرام تھا اور اُس نے اُنھیں دیکھا ہے۔ چہرہ کے بعد کہنی تک دونوں ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے اس لئے کہ جہاں زبان سے کوئی بات نکلی اور کسی پر نظریں پڑیں تو فوراً دست درازی کرنے کے لئے ہاتھ بڑھتا ہے اور کسی نہ کسی موقع پر جا ہی لگتا ہے پس جب اُن دونوں کی نوبت آئے گی تو خواہ مخواہ ان کی طہارت باطنی کا بھی خیال پیدا ہوگا اور اپنی دست درازیوں سے توبہ کرے گا اس کے بعد سر کے مسح کرنے کا حکم ہے اور غسل کا حکم نہیں دیا گیا اور محض مسح ہی گویا اسلئے کافی سمجھا گیا کہ نفس سر سے تو کوئی مخالفت سرزد نہیں ہوئی تھی اگر ہوئی تھی تو زبان اور آنکھ سے ہوئی تھی جو سر سے ملی ہوئی ہیں اسی وجہ سے سر کے لئے متوسط درجہ کا حکم یعنی مسح تجویز کیا گیا اور غسل کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح چونکہ کان میں بسا اوقات بلا قصد کوئی بات آپڑتی ہے اس کے لئے بھی مسح ہی پر اکتفا ہُوا اور غسل کی طرح اب مسح کرتے وقت بھی توبہ کی یاد آجائے گی کانوں نے جو کچھ بیجا سُنا ہوگا اور سر سے بباعث مجاورت ان اعضائے کے جو کچھ سرزد ہُوا ہوگا اُس سے بھی اپنے کو پاک کرے گا۔ گردن کے مسح کی نسبت بھی اسی طرح کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پیروں کے دھونے کا حکم ہے۔ اس لئے کہ جب آنکھیں دیکھ چکتی ہیں زبان سے کچھ باتیں ہو جاتی ہیں ہاتھ بڑھ چکتے ہیں کانوں میں آواز آلیتی ہے اُس وقت پیروں کی باری آتی ہے اور آدمی ان سے چلتا ہے پس مخالفت میں سب سے پیچھے پیر ہی ٹھیرے اس لئے سب سے پیچھے اُنکے دھونے کا حکم ہُوا اور ان کے دھونے سے بھی پیروں کے لحاظ سے باطنی طہارت کی فکر ہوتی ہے اور جہاں کہیں اُس سے بیجا قدم اٹھا ہوتا ہے۔ اس سے توبہ کرتا ہے۔ پھر اعضاء کے تین

تین دفعہ پڑھنے میں ایک عجیب دقیق نکتہ پایا جاتا ہے گویا کہ توبہ کے تینوں ارکان کا پورا
پورا استقامہ ہے اور توبہ کے تینوں رکن یہ ہیں (۱) جو گناہ ہو چکا ہو اس پر نادم ہو (۲) اس
گناہ سے باز آئے اور (۳) اس بات کا پختہ قصد کرے کہ آئندہ اس کا مرتکب نہ ہوگا پس
ہر مرتبہ پڑھنے سے توبہ کے ایک ایک رکن پر تنبیہ ہوتی ہے وضو کرنے والا جب وضو
سے فارغ ہو چکتا ہے اور توبہ کرکے طہارت باطنی حاصل کر لیتا ہے تو اسے مناسب ہے
کہ یہ دعا پڑھے "اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین"
یعنی اے خدا مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک و صاف بننے والوں کے زمرے میں
کر دے اس میں اس کیلئے گویا یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ خدا سے وہ یہ استدعا کرے کہ
اُس نے جہاں توبہ اور تطہیر باطن کی توفیق دے کر اس پر احسان کیا ہے اُسے قبول
بھی کرے۔ اور جب نمازی کو پانی کا میسر آنا مشکل ہو یا بوجہ مرض کے اُس کے استعمال
پر قدرت نہ ہو تو اس وقت شریعت نے بجائے غسل یا وضو کے تیمم مقرر کیا ہے اور وہ کسی
پاک چیز سے جو کہ مٹی کے قبیل سے ہو نیت تطہیر کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے
کہنیوں تک مسح کرنے کا نام ہے اور یہی ایسے اعضا ہیں کہ انسان کو جن کے پاک
کرنے کی اور اعضاء سے زیادہ حاجت ہوتی ہے اور اس میں گویا بندہ کے لئے یہ
اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب اُس پر توبہ کے سارے ارکان ادا کرنا دشوار ہوں اور
ان کے حاصل کرنے کی اُسے توفیق نہ ہو تو اس سے تو گیا گزرا نہ ہو کہ اپنے گناہ دیکھ
کر عجز اور انکسار کرنے لگے کیا عجب کہ اسی بہانہ خدا اسکے گناہ بخش دے چنانچہ
کہا کرتے ہیں کہ جو گناہ عجز و انکسار پیدا کرے وہ ایسی اطاعت سے تو اچھا ہی ہے کہ
جس سے آدمی عجب و تکبر کرنے لگے علاوہ بریں جب اس مسح کے اس اشارہ کی

عورت لونڈی ہو تو چونکہ کام کاج کرنے میں ان اعضا کے علاوہ دوسرے اعضا بھی اکثر کھل
جاتے ہیں اور ان کے چھپانے کے واجب کرنے میں حرج متصور تھا اس لئے اس کو ان کے
علاوہ بھی کسی قدر اور بدن کھلا رکھنے کی اجازت دی گئی ۔

<u>کعبہ کی طرف منہ کرنے کی حکمت</u> | شریعت نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ نمازی کعبہ کی طرف منہ
کرکے نماز پڑھے اس لئے کہ انسان کیلئے کئی جہت پائی جاتی ہیں جن کا کہ وہ اپنے کاروبار
میں عادی ہے اور ان جہتوں کے نام یہ ہیں۔ آگے پیچھے۔ دہنے بائیں۔ اوپر نیچے۔
پس اگر اسے اختیار دیدیا جاتا کہ جدھر چاہے منہ کرکے نماز پڑھ لے حالانکہ نماز میں
مقصود یہ ہے کہ خدا کی طرف یکسو ہو جائے اور اپنے خیالات کو مجتمع کرکے خدا ہی کے
کام میں لگا دے تو اس کا جی پریشان ہو جاتا اور کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتا اور اسی حیرت
میں رہ جاتا کہ کدھر منہ کروں کدھر نہ کروں معلوم نہیں کہ خدا کی طرف متوجہ ہونے کے لئے
لائق تر کونسی جہت ہے کہ جس سے میری دعا مقبول ہو جائے پس خدا نے بمقتضائے لطافت
انسانی عقل و فطرت کا لحاظ کرکے کعبہ مکرمہ کو مقرر کردیا کہ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی
جائے کیونکہ خدا نے اس قطعہ زمین کو مشرف و مکرم بنا دیا ہے اور خدا کو اختیار ہے کہ اپنے
ملک میں سے جس شے کو چاہے فضیلت دیکر معظم و مکرم بنادے اس لئے کہ وہ فاعل مختار
اور تمام چیزوں کا علی الاطلاق مالک ہے خدا نے کعبہ کا بیت اللہ یعنی خدا کا گھر نام رکھا
ہے اگرچہ خدا کو مکان کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ وہ اس سے بالکل پاک و منزہ ہے لیکن
اس تعیین سے مقصود یہ ہے کہ نمازی کا دل خدا سے عرض و معروض کرتے وقت یکجا رہے
اور اس کے جی کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ خدا کی طرف متوجہ ہونے کے اعتبار سے
اس نے تمام جہتوں میں سب سے افضل اور نہایت ہی مناسب جہت اختیار کی ہے

جس سے امید ہے کہ اُس کی دُعا ضرور مقبول ہو جائیگی پس یہاں سے یہ بات بخوبی ظاہر
کہ نماز اور جو کچھ کہ نماز میں مثل رکوع و سجدہ وغیرہ کے پایا جاتا ہے اگرچہ اُس وقت سمت
کی طرف رہتا ہے لیکن اُس سے مقصود جناب باری تعالےٰ ہی ہے کعبہ ہرگز مقصود نہیں
اس لیے کہ جو شخص (خدا پناہ دیں رکھے) اپنے سجدہ سے غیر خدا کو قصد کرے اس کی نسبت
شریعت کفر کا حکم دیتی ہے پس اس عبادت سے کعبہ کی مقصودیت کا گمان کرنا انتہا
کی نا واقفی پہ مبنی ہے ۔

تکبیر تحریمہ اور رفع یدین کی حکمت پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ نماز خدا کی تعظیم و تکبیر
شروع ہوتی ہے اور اُس سے مقصود بندہ کا "اللہ اکبر" کہنا ہے اور اس وقت نما
اگر مرد ہوتا ہے تو اپنے کانوں تک ہاتھ اٹھاتا ہے اور عورت اپنے مونڈھوں تک
ہاتھ اٹھاتی ہے اللہ اکبر کہنے میں اول تو تعظیم پائی جاتی ہے دوسرے اسطرح بارگاہ شا
میں گویا تحیت و سلام عرض کیا جاتا ہے اور حاضری کی اجازت مانگی جاتی ہے اور با وجہ
ان باتوں کے اسمیں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ کو یہ مضمون پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اُس
کا مولیٰ جس کے سامنے وہ حاضر ہونے کو ہے تمام چیزوں سے بڑا ہے کوئی شے اُس
کبریائی و عظمت کو نہیں پہنچ سکتی پس مناسب ہے کہ اپنے مولیٰ کے سوا خواہ دنیوی تعلقا
ہوں یا اُخروی مرغوبات سب سے اپنے دل کو پاک کر کے اُس کے حضور میں حاضر
اور دونوں ہاتھوں کے اٹھانے سے بھی اسی بات کی تاکید ہوتی ہے جیسے کہ کوئی شخص
اعراض کر کے اُس چیز سے جو اُس کے سامنے ہو ہاتھ کھینچتا ہے گویا کہ نمازی نے یہ فرض
کیا ہے کہ خدا کے سوا تمام اشیاء اسکی آنکھوں کے روبرو حاضر ہیں اور یہ کہہ کر کہ خدا جملہ اشیا
سے بڑا ہے وہاں سب سے ہاتھ اٹھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی چیز کا

نہیں یعنی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور میں اپنی ساری مرغوبات کو چھوڑ دیتا ہوں میں تو اسی کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا پختہ قصد کر چکا۔ مرد کے خلاف بجائے کانوں تک کے عورتوں کے شانوں ہی تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے جی کو قابو میں رکھنے پر قادر ہونے کے لحاظ سے مردوں سے عورتوں کا مرتبہ ذرا گھٹا ہوا ہے گویا کہ مرد و عورت دونوں اپنے اپنے مرتبہ کو زبان حال سے بیان کرتے ہیں علاوہ بریں عورتوں کیلئے مخصوص شانوں تک ہاتھ اٹھانا کافی سمجھے جانے میں ان کے پردہ کی بھی رعایت ہو جاتی ہے۔ چونکہ تکبیر کہہ کر غلاموں کی طرح اپنے مالک کے سامنے نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اس کی نظر سجدہ کی زمین کی طرف لگی ہوئی ہے دونوں قدم برابر رکھے ہیں نہ کوئی عضو ہلتا ہے نہ ادھر ادھر جھکتا ہے

ثنا اور تعوذ شروع نماز میں پڑھنے کی حکمت | اس کے بعد وہ نماز شروع کرنے کی دعا پڑھتا ہے جس میں پہلے تو اپنے رب کی پاکی اور تمام عیوب سے برأت بیان کرتا ہے۔ پھر اس کی تعریف کرتا ہے اس کا نام نہایت تعظیم و تکریم سے لیکر اس کی سلطانی عظمت و جبروت کو ظاہر کرتا ہے اس کی وحدانیت کا مقر ہوتا ہے اس کو یوں سمجھئے جیسے کہ بادشاہوں سے کچھ عرض کرنے سے پہلے چند القاب ذکر کیا کرتے ہیں جن سے ان کی عظمت ظاہر ہو اسی طرح خدا سے بھی عرض کرنے کے وقت اس کی رعایت کی گئی پس تکبیر گویا درگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے وقت آداب بجا لانا ہے اور یہ دعا گذارش کرنے سے پہلے بمنزلہ القاب ذکر کرنے کے ہے پھر چونکہ انسان پر شیطان مسلط کیا گیا ہے اور اسے یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر خدا سے عرض و معروض کرنے میں جی نہ لگنے دے اور اسے پریشان کرے اس لئے شیطان کی عداوت سے بچنے کے لئے اعوذ

"سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک" ۱۲ مترجم

باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے یعنی میں اس مردود شیطان کے شر سے بچنے کے لئے
کی پناہ میں آ جاتا ہوں اس طرح اپنے دشمن شیطان سے بچنے کیلئے قادر پروردگار سے پناہ مانگ
کر اس کے دل کو اطمینان ہو جاتا ہے اب خدا سے عرض و معروض کرنے کا وقت آ پہنچا

بسم اللہ و دیگر آیات کے معنی

چنانچہ وہ بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے
جس کے پڑھنے سے جن امور کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ان کو بیان کرتے ہیں۔ پہلے تو
خدا سے توسل حاصل کرنے کے لئے نہایت ہی شریف وسیلہ تلاش کرتے ہیں جو اس کا نام
ہے اور وہ وسیلہ اس کا نہایت ہی با عظمت نام ہے کہ جس کے سوا کوئی اس کے
ساتھ موسوم نہیں ہو سکتا اور ایسے مقام میں پایا جاتا ہے کہ جس کے اعتقاد سے اس
اس بات کی نہایت ضرورت ہوتی ہے کہ خدا اپنی رحمت اور احسان کے صدقہ میں اس
طرح طرح کی بخشش عنایت کرے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں کہ خدا کی بخششوں کی آس
کی جاتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے رب کی تعریف میں یہ ذکر کرتا ہے کہ وہ رحمن و رحیم یعنی نہایت
بے پایاں رحمت والا ہے گویا کہ یہ اشارہ ہے کہ اس کی دعا مقبول ہونے کے لئے سوا
خدا کی کامل اور عام رحمت کے کوئی ذریعہ نہیں۔

پھر حق سبحانہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی نعمتوں کی وسعت خصوصاً اس کے پرورش کے
احسان کو کہ جو ابتدائے پیدائش سے برابر اس پر متواتر ہے خیال کر کے اس کی ذات عالی
جو کہ تمام عالموں سے اعلیٰ محامد کی شایاں ہے تعریف کرتا ہے اور اس کے کامل احسانات کی
توصیف میں مشغول ہوتا ہے جن میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ خدا اس کو فنا ہونے سے
بچاتا ہے اور ظاہری و باطنی رزق برابر جاری رکھ کر اس کی پرورش کرتا ہے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ جتنا

عہ یہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنے کی حکمت ہے ۱۲ مترجم ۵ یہ الحمد للہ رب العالمین کہنے کی حکمت ہے ۱۲
لہ یہ الرحمن الرحیم کی حکمت ہے ۱۲ مترجم

لوگ اسکی اس نعمت کی بیقدری کرتے ہیں اور اس کا کما حقہ شکر ادا نہیں کرتے اور اس خوف
سے کہ کہیں اس کا بھی انہیں لوگوں میں شمار نہ ہونے لگے خداوندی رحمت کی طرف متوجہ
ہو کر التجا کرنے لگتا ہے اور اپنے رب کو رحمت کے ساتھ موصوف کر کے اس بات کی
طرف اشارہ کرتا ہے کہ تیری وسیع رحمت کے سوا اُن لوگوں کا کوئی کارساز نہیں ہو سکتا۔
اور یہ خیال کر کے کہ بعض لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ جب اُن پر احسان ہوتا ہے تو
اور زیادہ اترانے لگتے ہیں اور جب تک کہ اُن کے ساتھ عدل نہ برتا جائے اور اُن
کی تادیب نہ کی جائے اُن کی اصلاح نہیں ہو سکتی اس لیے اس کی صفت جلال کو یوں
ظاہر کرتا ہے کہ وہ انصاف وجزا کے دن کا بادشاہ اور مالک ہے پس جس طرح کہ بندہ کو
خدا سے نہایت درجہ کی امید کرنا چاہیئے اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ اس سے ڈرتا بھی زیادہ
رہے۔ اب وہ اپنے رب کے حضور میں اپنی عبادت کو جو کہ اس کی نعمتوں کا تھوڑا بہت شکر
ہوا کرتا ہے پیش کرتے وقت وہ ضروری امروں کا لحاظ کرتا ہے اول تو یہ کہ وہ اپنے کو حق
عبادت ادا کرنے میں قاصر خیال کرتا ہے اس لیے اپنے اُن موحد بھائیوں کی عبادت کے
ساتھ ملا کر اپنی عبادت کو پیش کرتا ہے جن میں سے اکثروں نے نہایت خلوص کے ساتھ
اپنی پوری انسانی طاقت صرف کر کے عبادت میں کوشش کی ہے تاکہ انہیں کے طفیل
سے کیا عجب کہ اس کی عبادت بھی خدا کی درگاہ میں مقبول ہو جائے۔
دوسرے وہ یہ دیکھتا ہے کہ مشرکوں نے اس خدا کی عبادت میں جس کے سوا کوئی عبادت
کے شایاں نہیں بہتیرے شریک بھی ٹھیرائے ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت پیش کرتے
وقت اس طور پر بیان کرتا ہے کہ جس سے محض خدا ہی کیلئے عبادت کا انحصار معلوم ہو جو

عہ یہ مالک یوم الدین کی حکمت ہے ۱۲ مترجم۔ عہ ایاک نعبد وایاک نستعین کی حکمت ہے ۱۲ مترجم

جب اس موقع پر اس کی نظر اپنے خالق کی ذات عالی سے تو اپنے کو عبادت اور اس شکر کے
ادا کرنے سے نہایت ہی عاجز پاتا ہے پال اس وقت وہ کچھ کر سکتا ہے جبکہ خدا اس کی
مدد کرے اور اس کے کاموں کو درست کردے اس کے دل میں اس کی نعمت پیدا کردے
اور سارے موانع رفع کردے اور چونکہ یہ بات خدا ہی کی قدرت میں ہے اس لئے وہ اس
سے اس طور پر مدد کا طالب ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کی
اطاعت اسے مطلوب نہیں۔

پھر اس بات کا خیال کرکے کہ بندہ کو دینی کام پیش آتے ہیں جن کا حق کے ساتھ
کئے جانا اور ان میں کوئی ردوبدل کو دخل نہ ہو چاہئے وہ خدا سے راہ راست کی رہنمائی کی درخواست
کرتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے اس کی عبادت اور معرفت کا اثر واضح حاصل ہو جائے اور وہ
کامیاب ہو۔ اب چونکہ لوگ تین قسم کے پائے جاتے ہیں بعض تو وہ ہیں جنہوں نے عقائد اور
عمل دونوں کی حیثیت سے راہ راست کو پالیا اور اس طرح سے وہ نعمت والے ہو گئے اور
بعض نے عمل کیا مگر علم کو دخل نہ دیا وہ خدا کے مورد غضب بن گئے اور بعض نے اپنے عقیدہ درست
نہ رکھے اور اس طرح سے حق سے بھٹک گئے پس نمازی کو راہ راست کی درخواست کے بعد
یہ رغبت بھی پیدا ہوتی کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہو جائے جو اپنے عقیدہ اور عمل درست
کرکے خداوندی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے تاکہ اس ذریعہ سے یہ بھی ان کے انوار و ثمرات
سے خوشہ چینی کرکے بہرہ یاب ہو سکیں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ آدمی کیلئے کوئی نہ کوئی ضرور
رہنما ہونا چاہیے کہ جو اس کو راہ راست سے آگاہ کرے اور نافرمانوں اور گمراہوں سے

۱؎ یہ اہدنا الصراط المستقیم کہنے کی حکمت ہے ۱۲ مترجم ۲؎ یہ صراط الذین انعمت علیہم سے مراد ہے ۱۲ مترجم
۳؎ یہ غیر المغضوب علیہم سے مراد ہے ۱۲ مترجم ۴؎ یہ ولا الضالین سے مراد ہے ۱۲ مترجم

علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دے۔ پس گویا نمازی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہم اپنے موجد
جہانوں سمیت تجھ سے اسی ترقی کی راہ راست کا طالب ہوں جس پر تو نے عقیدہ سے
اور عمل دونوں کے درست ہونے کی وجہ سے اپنی نعمتیں نازل کیں تاکہ ہم رنگ بھی
انہیں کے زمرہ میں داخل ہو کر ان کی نیک صحبت کی برکت سے کامیاب ہو جائیں اور اُن
لوگوں کے طریقہ سے بچے رہیں جن پر اس وجہ سے کہ انھوں نے برے عمل کئے تو
غضبناک ہوا اور جو غلط عقیدوں کی وجہ سے راہ راست سے بھٹک گئے اے ہمارے
رب ان لوگوں سے ہمیں بچائے ہی رکھنا کہیں ہم بھی اسی آفت میں مبتلا ہو جائیں
اور پھر انہیں کی طرح ہم کو بھی نقصان اٹھانا پڑے اب وہ تنبیہ لینے کی درخواست پر
اپنی اس دعا کو ختم کرتا ہے چنانچہ اسی لئے وہ اس موقع پر لفظ آمین کہتا ہے یعنی اے رب
اب ہماری دعا کو قبول کر لے کیونکہ تو نے اپنے رسول کی زبانی ہم سے وعدہ کر کے ہمیں
امیدوار بنا رکھا ہے اور تیری تو عادت ہی ہے کہ دعا کرنے والے کی بہت جلد سن لیا کرتا
ہے پھر چونکہ قاعدہ ہے کہ جب طبیب سے کوئی شخص علاج کراتا ہے تو اس کے لئے وہ جو
دوا تجویز کر دیتا ہے اس کو استعمال کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل اپنے ذمہ ضروری
سمجھا کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ بندہ کا خدا سے راہ راست کی رہنمائی کا طالب
ہونا گویا کہ اپنے بیجا اعمال اور برے عقیدوں کے امراض کے لئے دوائے شافی مانگنا ہے

فاتحہ کی ساتھ ضم سورہ کی حکمت

پس گویا خدا کی جانب سے اس کے جواب میں یہ ارشاد
ہوتا ہے کہ تمہارا علاج یہی ہے کہ تم میرے کلام کی تلاوت کرو اور اس میں سے جو کچھ پڑھ
سکو پڑھو اس سے تم کو شفا حاصل ہو گی کیونکہ یہی کلام ایسی شافی دوا ہے کہ جس
سے فسق شرک ۔ ریا ۔ تکبر ۔ حسد ۔ کینہ وغیرہ سارے مرضوں کو صحت حاصل ہوتی ہے

اس لئے کہ اس میں کافی طور پر دلائل بیان ہوئے ہیں پوری پوری نصیحتیں کی گئی ہیں پس
اگر تم اسے پڑھو گے تو تمہیں تمہاری بیماری سے شفا حاصل ہو جائے گی اور تمہارا مرض
زائل ہو جائیگا۔ اس وجہ سے نمازی بعد سورۃ فاتحہ کے کہ جو بمنزلہ مرض بیان کرنے کے
تھی اپنے طبیب کی بتائی ہوئی دوا کے طور پر قرآن میں سے تھوڑا بہت اس کے سوا کچھ
اور بھی پڑھا کرتا ہے۔

رکوع و قومہ اور جو کلمات ان میں وقت پڑھے جاتے ہیں ان کی حکمت

اب اس دوا کا استعمال کرنے کے یعنی کلام اللہ سے کچھ پڑھ
کر وہ اپنی کمزوری اور محتاجی پر نظر ڈالتا ہے اور
اس دوا کی واقفیت و شفا حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کا محتاج پاتا ہے
اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ بات سوائے خدا کے اور کسی کے قبضہ قدرت میں نہیں پس اس
وقت اپنی ہیئت سے بھی اپنا عجز ظاہر کرنے کیلئے اپنے مولیٰ کی بڑائی بیان کرتا ہوا اس کے
سامنے جھک جاتا ہے اور اسی کو رکوع کہتے ہیں پھر وہ اسی حالت میں اپنے با عظمت مولیٰ
کی کہ جو سب سے بے نیاز ہے اور جس کے کہ سب محتاج ہیں پاکی بیان کرتا ہے اور بعد اس کے
کہ اس نے اپنی ہیئت سے بھی اپنی عاجزی ظاہر کر دی اس کی طرف اپنے محتاج ہونے کا اقرار
بھی کر لیا۔ اس کی عظمت وجلال کی تعظیم بھی کر چکا وہ اپنے اس مالک کا شکر ادا کرنے کے لئے
سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے جس نے کہ دوا ارشاد عنایت کرکے اس پر بڑا احسان کیا ہے
اور اپنے جی کو اس طرح سمجھاتا ہے کہ اگرچہ وہ نہایت ہی کمزور اور بڑا ہی ذلیل ہے اور اس
کا مالک بہت ہی بڑی عظمت وجلال والا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی سنتا بھی
ہے اور ان کی دعائیں قبول کرتا ہے اور جو اس کی تعریف کرتا ہے وہ اسے بھی سن لیتا ہے
پس اسی وجہ سے اپنے جی کو اطمینان دلانے کیلئے وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا کرتا ہے یعنی جو خدا

کی تعریف کرتا ہے خدا اس کی سن لیتا ہے اور پھر وہ اپنی تعریف و حمد "اللہم ربنا لک الحمد"
کہہ کر پیش کر دیتا ہے۔ اس کے بعد جب یہ خیال کرتا ہے کہ خدا کی نعمتیں تو بے پایاں اور غیر
محصور ہیں اور وہ اگر ابد تک بھی اطاعت اور عاجزی کرتا رہے جب بھی سو حصوں میں سے
ایک حصہ بھی شکر کا ادا نہیں ہو سکتا پس اس موقع پر گویا زبان حال سے وہ یہ کہنے لگتا ہے
کہ اے میرے رب میں تو تیری نعمتوں کے شکر ادا کرنے سے بہت ہی قاصر ہوں اور تو تمام
چیزوں سے بے نیاز ہے پھر میں کونسا کام کروں کہ تیرے بڑے بڑے احسانوں کا بدلہ
ہو سکے تیری شان جو نہایت ہی عالی ہے میں ہزار کوشش کروں لیکن بھلا مجھ جیسے
سے کیا ہو سکتا ہے۔

سجدہ اور اسکے متعلقات کی حکمت

سب سے بڑھ کر تیرے مقابلے میں جو کچھ کر سکتا ہوں
وہ یہی ہے کہ میں اپنے اعضا میں سے جو نہایت ہی شریف اور باعزت ہے اور وہ
میرا چہرہ ہے تیری عظمت و جلال کی تعظیم کرنے کیلئے زمین پر تیرے سامنے رکھ دوں اگرچہ
میں جانتا ہوں کہ تیری کبریائی و عظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہ ہو جائے گی کیونکہ تو سب
بڑوں سے بڑا ہے پس وہ اپنے مولی کی تعظیم کرنے کیلئے "اللہ اکبر" کہتا ہوا سجدہ میں گر
پڑتا ہے اور اپنی پیشانی اس کے سامنے زمین پر رکھ دیتا ہے اور سجدہ میں اپنے کو
نہایت ہی پستی کی حالت میں پاتا ہے اور چونکہ اس نے یہ حالت اپنے ایسے مولی
کی تعظیم کی غرض سے اختیار کی ہے جو سب بڑوں سے بڑا ہے اس لئے وہ "سبحان
ربی الاعلی" کہنے لگتا ہے یعنی میرا رب جو تمام چیزوں سے عالی ہے تمام عیبوں سے پاک
ہے اور پھر یہ خیال کر کے کہ اگر وہ تمام عمر بھی خدا کے سامنے عاجزی کرتا رہے جب بھی
اس کی تعظیم کا پورا پورا حق ادا کر کے سبکدوش نہیں ہو سکتا "اللہ اکبر" کہتا ہوا اپنا سر سجدہ

سے اُٹھاتا ہے گویا وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اُسکی عظمت وکبریائی کے سامنے تمام لوگوں کی تعظیم وتکریم ہیچ ہے اس کا کما حقہ کوئی حق ادا نہیں کر سکتا پھر سجدہ سے سر اُٹھانے کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ سجدہ کی دولت رمیری نہایت ہی اشرف وبزرگی کی دولت تھی اور اسکا تذکرہ متعدد عالی سے بیان فرمایا ہے اور یہ بھی یاد آتا ہے کہ شیطان نے اپنی بڑائی کی وجہ سے ایک سجدہ بھی نہیں کیا شکر خدا کا شکر ہے کہ مجھے سجدہ کرنا نصیب ہوا یہ سمجھ کر شیطان سے نفرت پھر اس بارگاہ عالی میں اپنے مولیٰ کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے سر کو سجدہ میں رکھ دیتا ہے اب سجدہ ثانی کے سجدہ سے سر اُٹھا کر نماز کے بقیہ اقوال وافعال کے پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور اسی طرز سابق سے جس طرح کہ طرح طرح کی حکمتیں اور راز پائے جاتے ہیں یہاں تک نماز کی تکمیل کے درپے ہوتا ہے اگر ان سب کا بیان کیا جائے تو کتاب نہایت ہی طویل ہو جائیگی۔

قعدۂ اخیرہ اور جن چیزوں پر وہ مشتمل ہے سب کی حکمت

پھر وہ اپنے ضروری کاروبار کے انتظام اور دوسری عبادتوں کی بجاآوری کیلئے اس بارگاہ عالی سے باہر آنے پر آمادہ ہو کر غلاموں کی طرح باادب دوزانو بیٹھ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ کے حضور میں جو کہ زمین وآسمان کا مالک ہے "التحیات للہ والصلوات والطیبات" کہکر تحیت وسلام عرض کرنے لگتا ہے ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ شاہی دربار سے باہر آتے وقت آداب بجالایا کرتے ہیں اب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو یاد کرتا ہے جن کے ذریعہ سے اس کو اس بارگاہ عالی میں باریاب ہونا نصیب ہوا ہے پس وہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور آپ کیلئے برکت ورحمت کی دعا کرتا ہے اسی لئے اس موقع پر "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتا ہے پھر اُسے یہ رغبت پیدا ہوتی ہے کہ جہاں خدا نے

اُسے اِن عبادت کے فوائد سے بہرہ یاب کیا ہے وہ اُس کو اور اس کے موحد بھائیوں کو اپنی
اس میں شریک رکھے پس وہ "السلام علینا" کہہ کر اس رغبت کو خدا کے حضور میں ظاہر کرتا ہے پھر
اُسے اپنے ان بھائیوں کی یاد آتی ہے جن کی عبادت کے ساتھ ملا کر اس نے اپنی عبادت
خدا کی درگاہ میں باامید قبول پیش کی تھی اور اس وجہ سے ان کا حق اُس کے اوپر کچھ زیادہ خصوصیت
کے ساتھ ثابت ہو گیا تھا چنانچہ خدا نے جو نعمتیں اُسے دی تھیں ان کے لئے بھی حفاظت
کی دعا کرتا ہے اور "وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" کو اور بڑھا دیتا ہے پھر گویا کہ یہ بات اس کے
پیش نظر ہو جاتی ہے کہ منعم حقیقی خداوند تعالیٰ ہے اور اس بھلائی تک جن کے ذریعہ سے
رسائی ہوئی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے تو پھر وہ صدق دل
سے اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے اعتبار سے یکتا ہونے کی شہادت دیتا ہے اور اپنی کلمہ کی
انگلی اٹھا کر اسی یکتائی کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ اعتقاد، قول اور فعل تینوں ایک ہو
بن جائیں اور اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ معبودیت کے لحاظ سے وہی یکتا خیال کیا
جا سکتا ہے جو احسان و انعام کرنے کے اعتبار سے بھی فرد ہو۔ اسکے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے خدا کی عبودیت کی جو کہ نہایت ہی کامل مرتبہ ہے اور رسالت کی جو بہت ہی
شریف منصب ہے شہادت ادا کرتا ہے اور "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ
ورسولہ" کہتا ہے۔ پس اس کا اس بات کی دعا کی جانب میلان ہو جاتا ہے کہ خدا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم اور آپ کے کنبہ والوں پر خلق کی رہنمائی کے بدلے میں رحمت و برکت نازل کرے
جس طرح کہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر پہلے لوگوں کی رہنمائی کے عوض
میں رحمت و برکت نازل کی تھی اور یہ خیال کر کے کہ اُس کو خواہ دنیوی خواہ اُخروی ہر
ضرورتوں میں خدا ہی کی طرف احتیاج ہے اس لئے اپنی حاجتوں کیلئے بھی درخواست کرتا

کے خدا نے اس کو سونے کی حالت میں تمام موذی چیزوں سے بھی محفوظ رکھا اور اس کا
کھانا بخوبی ہضم کر کے اس کو ایسی عجیب و غریب صورت سے جس کے سمجھنے میں عقل حیرت میں
آجاتی ہے جزو بدن بنا دیا اور اس کو اس کا پتہ بھی نہ لگا کہ فعل انہضام نے کیونکر انجام
پایا اور اس سے اس کو کیا کیا فائدے پہنچے اور کون کون سی مضر چیزیں دفع ہوئیں اس
کی نہایت درجہ کی کوشش یہ تھی کہ اس نے کھانا نگل کر معدہ میں پہنچا لیا تھا اور اس طرح
سے اس نے کھانے کی لذت حاصل کر لی تھی اس کے بعد ہضم وغیرہ کا خیال بھی اس کے
دل میں نہ گذرا تھا صرف ان فوائد پر کیا موقوف ہے نیند سے اور بھی بہتیرے فائدے
حاصل ہوتے ہیں اور خدا کی کتنی ہی بیشمار نعمتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ سب تحریر و تقریر
میں آہی نہیں سکتیں اس لئے اس کے ذمہ یہ بات ضروری ہوگئی کہ بیدار ہونے کے ساتھ
ہی خدا کا شکر ادا کرنے کی غرض سے نماز پڑھے چنانچہ وہ اسی وجہ سے صبح کی نماز ادا کرتا
ہے پھر جب آدھا دن گذر جاتا ہے اور خدا کے اس پر بڑے بڑے احسانات ہو لیتے ہیں
مثلاً یہ کہ خدا زمین کو تاکہ اسے اپنی معاش کی راہیں صاف نظر آنے لگیں روشن کر دیتا ہے
اس کے حواس کو تقویت پہنچا دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ نافع اور مضر چیزوں میں تمیز
کر لیتا ہے اس پر کسب معاش کے ذریعے آسان ہو جاتے ہیں اس کو غذا مل چکتی ہے کوئی
کہاں تک بیان کرے۔ اس کے علاوہ بھی بے انتہا احسانات خدا کی جانب سے اس پر
ہو لیتے ہیں اس وقت بھی اس کے ذمہ خدا کا شکر کرنا لازمی امر ہو جاتا ہے پس وہ ظہر
کی نماز ادا کرتا ہے پھر جب دیکھتا ہے کہ دن چلنے لگا اور ختم ہونے کے قریب آگیا اور
اس عرصہ میں خدا کے بڑے بڑے احسانات اس پر ہو چکے اور اس نے اپنے کاموں
سے فارغ ہو کر اپنے مکان کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی اس پر اس خدمت کی

بجا آوری ضروری ہو جاتی ہے اور پھر وہ عصر کی نماز ادا کرتا ہے اس کے بعد جب دیکھتا ہے کہ
دن ختم ہو گیا اور رات آپہنچی جس میں کہ اُسے راحت نصیب ہوگی اور یہ بات نہ ہوتی کہ ہمیشہ
دن ہی رہتا جس میں اُسے راحت و آرام کرنے کا موقع ہی نہ ملتا بلکہ وہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا
تو اس پر اُس وقت بھی یہ امر ضروری ہو جاتا ہے کہ خدا کی عبادت کی طرف پھر متوجہ ہو جائے
جو کہ اس کیلئے عین سعادت کا باعث ہے پس وہ نماز مغرب ادا کرتا ہے پھر جب چاروں
طرف تاریکی چھا جاتی ہے اور سونے کا وقت آپہنچتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جو نعمتیں صبح
سے لیکر اب تک اس پر ہوتی رہیں اُن کا شکر ادا نہ کر سکا اور جو کچھ عبادت اس نے کی جو
اس سے سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی شکر کا ادا نہیں ہوا اور دیکھتا ہے کہ خدا کا اُس
وقت کو پیدا کرنا بھی کہ جس میں بہت اچھی طرح سے آرام کیا جا سکتا ہے اُس کی بے شمار نعمتوں
سے ایک بہت ہی بڑی نعمت ہے اور پھر وہ بھی اُس حالت میں جبکہ اُسے کسی کا خوف
نہ ہو اور اپنے مکان میں نہایت ہی نرم بچھونے پر اُسے آرام کرنا نصیب ہو پس وہ عشاء
کی نماز ادا کرنے لگتا ہے تاکہ خدا کا جو کچھ شکر ادا ہو سکے اُتنا ہی ادا کر دے پورے طور سے
شکر ادا کر کے سبکدوش ہونا تو ساری عمر صرف کرنے پر بھی ممکن نہیں ہے چاہے وہ
ہزار عبادت کرے رات و دن بلکہ ہر لحظہ عبادت ہی میں مصروف رہے لیکن اس کی عظمت و
بے شمار نعمتوں کے مقابلہ میں ہمیشہ عاجز اور قاصر ہی سمجھا جائے گا۔

سنت اور تراویح کی حکمت | پھر دیکھئے کہ خدا نے ادائے شکر کے لئے جو نمازیں ضروری
ٹھہرائی ہیں تو اس شخص کیلئے جو مسافر نہ ہو بیس[۲۰] رکعتیں ہیں دس[۱۰] دن کو اور دس[۱۰] رات کو
اور مسافر کے لئے تخفیف کر کے چودہ رکعتیں کر دی گئی ہیں چھ[۶] دن کو کیونکہ یہی سفر میں زیادہ
چلنے کا وقت ہے اور آٹھ رات کو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں مسافر ٹھہرا کرتا ہے

ان پنجوقتی نمازوں کے ساتھ کچھ اور نمازیں بھی مقرر کی ہیں کہ جو واجب تو نہیں ہیں لیکن شارع
علیہ السلام نے ان کے ادا کرنے کا اس غرض سے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کہیں فرض نمازوں
کے ادا کرنے میں کچھ نقصان رہ گیا ہو تو نوافل کے ذریعہ سے وہ پورا کر دیا جائے اور ایسی
نمازوں کو سنتیں کہتے ہیں اور ماہ رمضان کی طرف خاص توجہ کرنے کے لئے اس میں بیس رکعتیں سنت
یا وہ اس سے زیادہ مقرر کی ہیں تاکہ اس کی نمازوں کی اور زیادہ تکمیل کر دی جائے۔ یہ تو
پچھلا ذکر تھا اب نمازوں میں اور غور کیا جائے تو بے انتہا فوائد اور حکمتیں نظر آتی ہیں گو منشاء
ان سے انسان کے تمام اخلاق مہذب ہوتے ہیں خصوصاً دماغ اور متکبروں کے لئے نہایت
زمین سے اپنے ہاتھوں کے چھو جانے سے بھی اگرچہ فائدے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ
ہوا تا تھا چہ جائیکہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھیں۔ خدا کے سامنے عاجزی کرنے کی عادت
پڑتی ہے۔ غافلوں اور ان لوگوں کو جو کہ دنیاوی خیالات میں اپنے آپ کو کھو بیٹھے ہیں ڈرانے
والی ایسی بات ہے اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے نگہبان کی یاد دلاتی ہے کیونکہ اگر
وہ اس خدمت گذاری کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے نہ کھڑے ہوتے اور اس امر
کی اطاعت ان کے ذمہ ضروری نہ کر دی جاتی تو دلوں پر دل سالہا سال تک بھی بعضوں
کے خیال میں یہ بات نہ گذرتی کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے جسے انہیں حساب دینا ہوگا اور
وہ ان کی حرکات و سکنات سے پوری واقف ہے اور اس امر کی شہادت کے لئے یہ کیا
کم ہے کہ یہ لوگ اب بھی اس غفلت میں پڑ کر طرح طرح کی مخالفت کا سبب بن جاتے ہیں
اور تمام فسادات کے باعث ہوتے ہیں علاوہ بریں نماز کے وقت از سر نو توبہ کرنی بھی
نصیب ہوتی ہے اسی طرح سے اس راز کا بھی پتہ لگتا ہے کہ نماز بندہ کو اس کے پروردگار
سے ملانے کا کیونکر ذریعہ ہے اور بے شرمی کی باتوں سے کیسے باز رکھتی ہے جیسا کہ قرآن

شریعت میں نماز کی نسبت واقع ہوا ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے اور دیگر عبادتوں میں مجتمع ہونے کی حکمت

اب نیچے جماعت سے نماز پڑھنے اور نماز اعمال نماز میں مقتدیوں کے اپنے امام کی اطاعت کرنے کی حکمت سنئیے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے سردار کی تابعداری اور پیروی کے عادی ہو جائیں جیسا کہ ہم سرداران لشکر کو دیکھتے ہیں کہ وہ فوجی لوگوں سے ایسے کاموں کی خوب مشق کرایا کرتے ہیں جن کی نسبت ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں وہ ان کی بخوبی رعایت نہ کر سکیں گے اور اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ فوجی سپاہی اپنے سپہ سالار لشکر کے حکموں کی تعمیل کے عادی بنے رہیں اور اس نکتہ کو فارسیوں کے سپہ سالار رستم نے خوب ہی سمجھا تھا جبکہ اس نے صحابہ کو دیکھا کہ اپنے پیشوا کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اور ساری حرکات وسکنات میں اسی کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ اس موقعہ پر عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ اس نے کہا تھا وہ تاریخ میں بخوبی مذکور ہے۔

جماعت سے نماز پڑھنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اوقات نماز میں مسلمانوں میں باہم ملاقات ہو جاتی ہے اور اس طرح سے آپس میں محبت و ہمدردی کے سلسلہ کو نہایت استحکام ہوتا ہے اسی لیے اس امر کی اور عبادتوں میں بھی رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور یہ کام اس طور پر انجام پاتا ہے کہ ہر محلہ کے لوگوں کے لئے یہ امر مناسب قرار دیا گیا ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں پانچوں وقت نماز پڑھنے جایا کریں اسی طرح اہل شہر کو بھی چاہیے کہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں جمع ہو جایا کریں۔ رہی عید الفطر و عید الضحے کی نماز اسکے لئے شہر تو شہر اس کے قرب وجوار ملک کے لوگ بھی سال میں دو بار جمع ہوا کرتے ہیں علاوہ بریں سارے عالم کے مسلمانوں پر یہ بات لازم

کردی گئی ہے کہ اُن میں سے جن کو خدا نے مقدرت دے وہ تمام عمر میں کم سے کم ایک مرتبہ تو ضروری حج کے لئے جمع ہوجایا کریں چنانچہ حج کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے ۔

خطبہ کی حکمت | اس شریعت محمدیہ نے اپنے پیروی کرنے والوں کے لئے ان دینی مجمعوں سے بعض بعض میں یہ بھی مقرر کیا ہے کہ اُن کا پیشوا لوگوں کو مخاطب کرکے خطبہ پڑھے یعنی اُن کے سامنے کچھ تقریر بیان کرے جس میں اُن کو نصیحت کے مضامین سنائے نازیبا امور سے زجر و توبیخ کرے اور جو کچھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کے پاس سے اُن کیلئے لائے ہیں اُس کی انہیں یاد دلائے اور ان لوگوں پر یہ ضروری ہے کہ خاموش ہو کر بگوش دل اُس کو سُنتے رہیں چنانچہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ لوگ اس وقت کیسے چپ چاپ گھٹنوں کے بل سر جھکائے بیٹھے سُنا کرتے ہیں نہ کسی کو حرکت ہوتی ہے اور نہ اُن میں سے کسی بات کی تحسین کیلئے کوئی تالیاں بجاتا ہے اور نہ کسی امر کے قبیح ثابت کرنے کیلئے شور کرتا ہے وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ خطیب شریعت کے خلاف کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ کہتا ہے اُن کی شریعت کے موافق کہتا ہے ہاں بالفرض اگر وہ شرعی حدود سے قدم باہر نکالنے لگے (اگرچہ ایسا کبھی واقع ہُوا نہیں کرتا) تو سب کو چاہیے کہ اُس کی بات تسلیم نہ کریں اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ اس کے قول کی تردید کردے ۔

نماز کے فوائد اور جو اس سے محروم رہتے ہیں اُن کی تہدید | چونکہ نماز میں کثرت سے فائدے پائے جاتے ہیں اسی لئے نماز کا ترک کرنا شریعت میں بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے اس کے ترک کرنے والے کی بہت سختی سے مخالفت کی گئی ہے اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نہایت سخت سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے یہاں تک کہ نماز کا ترک کرنا بھی کفر کی علامتوں

ہیں سے شمار کیا گیا ہے جیسے کہ برابر نماز پڑھنا ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے اس تحریر
سے اُن لوگوں کی نادانی بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو نماز کے بارے میں بے پروائی کرتے
ہیں چونکہ کاہلی نے انہیں گھیر رکھا ہے یا شیطان کا اُن کے دل پر پورا تسلط ہو گیا ہے جس
کی وجہ سے انہیں نماز کی واقعی خوبی نظر نہیں آتی اگر تو تھوڑا بہت غور کرتے [illegible]
ہیں اور اپنی نادانی کی وجہ سے اُس کے ترک کرنے پر [illegible] کیا کرتے ہیں
اور نامعقول عذر کیا کرتے ہیں چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ صاحب نماز سے ہماری کوئی
کیا پیدا کرنا ہے اُسے ہماری نماز کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے ان لوگوں سے کہہ دو
یہ ٹھیک ہے کہ اور بیشک تمہارا رب تمام چیزوں سے بے نیاز ہے تو کیا اے نادان تم بھی
تمام چیزوں سے بے نیاز ہو گئے تمہیں [illegible] کی چیزوں سے نقصان ہوتے ہیں کیا
ذرا بھی حاجت باقی نہیں رہی [illegible] اپنے [illegible] کیلئے نماز ہرگز مقرر
نہیں کی اس کا تو مقصود یہ ہے کہ تم بیشمار فائدوں سے بہرہ یاب ہو۔ اچھا ہم
تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہیں تہذیب حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی یا اپنے رب
کی یاد سے بالکل مستغنی ہو گئے یا یہ وجہ ہے کہ تم کو اس کے سامنے اظہار تواضع کرنے اور اس
کی اطاعت کی عادت ڈالنے کی حاجت باقی نہیں رہی ہے۔ اچھا اور کچھ نہ سہی تو کیا تمہیں ان
فوائد کی بھی پرواہ نہیں رہی جو بجماعت نماز باہم اپنے بھائیوں سے ملاقات کرنے کی وجہ سے
تمہیں حاصل ہوتے ہیں یا باہم محبت بڑھتی ہے آپس میں ہمدردی قائم ہوتی ہے اس کے
علاوہ بھی بہتیرے فائدے حاصل ہوتے ہیں میں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ تم ان سب
باتوں سے بے نیاز ہونے کے قائل ہو جاؤ گے ہاں اگر تم ہٹ دھرمی ہی پر کمر باندھ لو
یا اپنی نادانی سے اس کے کبھی قائل ہو جاؤ تو بات ہی دوسری ہے اس وقت میں تم کو

اس قابل ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ تمہاری کسی بات کا جواب دیا جائے یا تمہارا انسانیت کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔ ایسے وقت تو تمہاری حالت بالکل اُن بیماروں کی سی ہے جن کو خیر خواہ طبیب کوئی نافع دوا بتا کر اس کے استعمال کا حکم کرتا ہو۔ اور وہ طبیب سے یہ کہہ کر اس کے استعمال سے پرہیز کرتے ہوں کہ صاحب ہمارے دوا کے استعمال کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا آپ کو تو اس کی کچھ بھی حاجت نہیں ہے گو یہ بات سچ ہے کہ طبیب کو اس کی کوئی حاجت نہیں لیکن کیا کوئی عاقل تجویز کر سکتا ہے کہ ان بیماروں کو بھی ضرورت نہیں ہے یہ بھی اس سے بے نیاز ہو گئے ہیں ہرگز نہیں بس صاف یہی سمجھا جائے گا کہ بیماری کی وجہ سے اُن کی عقل جاتی رہی ہے اور ہذیان بک رہے ہیں۔ نماز ترک کر کے اُس کے فائدوں سے محروم رہنے والوں سے یہ پوچھنا چاہیے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اگر اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے ہو کہ تمہارے نزدیک وہ انکار کے قابل ہے اور تمہاری فاسد عقلوں میں وہ قبیح معلوم ہوتی ہے تو سمجھ رکھو کہ ایسے شخص کی نسبت شریعت محمدیہ کا یہ حکم ہے کہ وہ کافر ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تب تو نماز کے بارے میں تم سے گفتگو بھی مناسب نہیں کیونکہ کفر سے بڑھ کر اور کونسا گناہ ہوگا بلکہ اس وقت تو تمہارے ساتھ یہی خیر خواہی ہے کہ تمہیں از سر نو مسلمان بنایا جائے اور تم سے اس کفر سے توبہ کرائی جائے اور اگر کاہلی کی وجہ سے تم نے نماز کو چھوڑ رکھا ہے تو بڑی ہی شرم کی بات ہے ایسی بھی کاہلی کس کام کی اگر تمہیں عقل کا کچھ بھی حصہ ملا ہو تو بھلا سوچو تو سہی کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اسمیں اپنی ساری خواہشیں پوری کرتے ہو طرح طرح کی لذتیں حاصل کیا کرتے ہو تمام دنیاوی کاروبار میں لگے رہتے ہو تو کیا صرف نماز ہی ایسی مشکل ہے کہ وہ تم سے ادا نہیں کی جاتی حالانکہ اس میں کچھ بہت زمانہ بھی نہیں لگتا ساری نمازوں کے ادا کرنے میں ایک

گھنٹہ نہیں تو دو گھنٹہ صرف ہو جائیں گے اور بس تو کیا یہی عقلمندی اور یہی انصاف کی بات
ہے کہ بائیس گھنٹے تک دنیاوی مقاصد اور لذتوں کے حاصل کرنے پر بھی صرف ایک یا دو
گھنٹہ صرف کر کے دائمی فوائد کے حاصل کرنے سے محروم رہنا اور اپنی کاہلی کے باعث تو
دیر تک عبادت نہ کر سکو جو رات کے دسویں حصہ سے بھی کم ہے۔

بھائی! میرا قصد صرف تمہارے ساتھ خیرخواہی کرنے کا ہے یہ ہماری ان غلطیوں کا نتیجہ ہے جن
کی نسبت تم وحشت سے کہا کرتے ہو کہ وہ بالکل ٹھیک سمجھتی ہیں اور انہیں کی مدد سے
راہ راست کے دریافت کرنے کا ہمیں بڑا حصہ ہے جبکہ خدا نے تمہیں سخت خیانت پر زندگی
کرنے میں جلدی کی ہو تو تم سے بھلائی کی کون امید کر سکتا ہے اور اگر نہیں تو حاکم بن جاؤ تو تجھ سے
انصاف کی کس طرح توقع ہو سکتی ہے اور اگر تم تمہارے درمیان تنازعہ کا فیصلہ کرو تو تمہاری اولاد
کا ان کی حفاظت پر کیسے اطمینان ہو سکتا ہے اور جس وقت کہ تم نے نماز چھوڑ دی ہے تو کیسے یقین
کر لیا کہ مسلمان اپنے بھائیوں میں تمہارا کیونکر شمار کر سکتے ہیں نماز کے ترک کر دینے کے
باعث تم کیا عذر کر سکتے ہو حالانکہ خدا نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور قرآن میں بار بار
اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے نہیں اپنے پیغمبر سے بھی شرم نہیں آتی جن کا کہنا یہ تھا کہ
نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوا کرتی ہے خدا کی قسم ان لوگوں سے بڑا ہی عجیب
معلوم ہوتا ہے جو اسلام کا بڑے زور و شور سے دعویٰ کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں ان کی
جان نکلتی ہے اور طرفہ یہ کہ کچھ ایسے ناسمجھ بھی ہیں دنیاوی کاروبار میں تو معلوم ہوتا ہے
کہ ان کے برابر کوئی عقلمند ہی نہیں بڑے صاحب الرائے نظر آتے ہیں لیکن جہاں نماز کا ذکر
آیا اور بچوں کی سی باتیں کرنے لگے اس وقت ان کی ساری عقلمندی باقی رہتی ہے نماز کے
فائدے ان کو نظر ہی نہیں آتے آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں میری سمجھ میں تو اس کی وجہ

سوائے اس کے اور کچھ نہیں آتی کہ ان کو خاص کر نماز ہی کے بارے میں خاص قسم کا جنون ہو گیا
ہے اور اس میں تعجب ہی کیا ہے جنون کی بہتیری قسمیں ہیں ایک قسم یہ بھی سہی ۔

ان لوگوں کی حالت سے مجھے نہایت ہی شرم آتی ہے جو کہنے کو بڑے عقلمند و ذہین سمجھے
جاتے ہیں اور جب ان کے ساتھ کے بیٹھنے والے نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ لوگ نماز
سے ایسے گھبراتے ہیں جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہو اس عقلمندی پر ایسی فرومایگی کی باتیں
شرم شرم ایسے نادان کی سمجھ میں کیا اتنا بھی نہیں آتا کہ اگر کوئی مسلمان اس کو اس حالت میں
دیکھے گا تو کیا کہے گا اگر اس نے کافر نہ سمجھا تو فاسق تو ضرور ہی خیال کریگا اس کی نظروں میں اس
کی کیا وقعت رہے گی یہی خیال کریگا کہ یہ شخص بڑا ضعیف الاعتقاد ہے اس کا دین نہایت ہی
کمزور ہے ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی شہادت قبول کی جائے یا اس کو عادل سمجھا جائے
بالکل ادنے درجہ کا مسلمان ہے ۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسی اس قابل شرم حالت کی اسے اطلاع نہیں اسے سب کچھ
معلوم ہے بات یہ ہے بدبختی نے گھیر رکھا ہے شیطان نے اپنا کھلونا بنا لیا ہے جیسی چاہتا
ہے ویسی پٹی پڑھاتا ہے اس بے نمازی شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسکے مسلمان بھائی اگر کسی وجہ
سے اس کی اس ناشائستہ حالت کا زبان سے اظہار نہیں کرتے تو کیا ہوا دل میں اس کو وہ
نہایت ہی برا خیال کرتے ہیں اگر ان کو موقع ملے تو نہایت ہی برے الفاظ سے اس کا
ذکر کریں اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور کہیں کہ بے نماز کمزور دین والا ۔ یہ نہایت ہی افسوس
کی بات ہے ایسے شخص کی حالت پر تو اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون پڑھنا چاہیئے ۔

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی حکمت | پھر اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے اسلام کی
پیروی کرنے والوں میں سے اس شخص پر جو مالدار ہو زکوٰۃ دینا فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ

ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مال کا تھوڑا سا حصہ محتاجوں کو دے دیا کریں تاکہ انسانی
خصوصیتیں ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔ لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرنے کا حق ادا ہوتا
رہے۔ بخل کے خبیث سے لوگوں کے نفوس پاکیزہ رہیں۔ پھر خوبی یہ کہ شریعت نے اتنے سے قلیل
کے دینے پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کر کے امیدوار بھی بنا دیا ہے اور زکوٰۃ کی جو مقدار مقرر کی
اس میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ کسی پر اس کا ادا کرنا گراں نہ گذرے اس سے مال میں کچھ
ایسی کمی بھی نہ آنے پائے اور اگر اتنی ہی مقدار سے ادا کرنے کی پوری پوری پابندی کی جائے
تو لوگوں کی حاجت براری بخوبی ہوجایا کرے اور حاجتمند ڈھونڈے نہ ملیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں جہاں یہ دو فائدے پائے جاتے ہیں کہ حاجتمند کی کاربرآری ہوتی ہے
اور دولتمند کا نفس پاک ہوتا ہے اور اسے داد و دہش کے ساتھ جس کا کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق
میں شمار ہوتا ہے الفت پیدا ہوتی ہے وہاں اس بات کا بھی امتحان ہوجاتا ہے کہ دیکھیں
زکوٰۃ دینے والے کو خدا کی کہاں تک محبت ہے کہ محض اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض
سے مال ایسی محبوب شے کو وہ اپنے پاس سے جدا کئے دیتا ہے۔ اب اس موقع سے ایماندار
کو ضرور پتہ لگ گیا ہوگا کہ زکوٰۃ ساقط کرنے کیلئے حیلہ بازی کرنا خدا کے نزدیک کبھی مقبول نہیں
ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ دینے سے جو دو فائدے مقصود تھے وہ فوت ہوئے
جاتے ہیں۔ بھلا بتلائیے کہ جب صاحب مقدرت کے ہاتھ سے کچھ نکلے ہی گا نہیں تو کیونکر کسی
بیچارے کی کاربرآری ہوسکتی ہے یا خود وہ دولتمند مرض بخل سے کیونکر پاک ہوسکتا ہے حالانکہ
اپنی محبوب چیز کو خدا کی راہ میں اس نے اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا۔

روزے کے فرض ہونے کی حکمت | اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس شریعت نے مسلمانوں
پر سال بھر میں ایک ماہ کے روزے بھی فرض کئے ہیں اور روزہ کے معنی یہ ہیں کہ دن بھر

کھانے پینے اور عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے بالکل احتراز کیا جائے اور اس میں بے شمار فائدے پائے جاتے ہیں بڑی بات یہ ہے کہ روزہ دار کا نفس اپنے خالق کی اطاعت میں نفسانی خواہشوں سے رک کے جانے کی وجہ سے نہایت ہی مہذب بن جائے گا اور اُس پر عقل کو پورا تسلط ہو جائے گا اگرچہ پہلے عقل کو نفس کی اطاعت کرنا پڑتی تھی اور جب اُسے معلوم ہو جائیگا کہ عقل کے سامنے میری کچھ نہ چلے گی اور اب مجھے اُسی کا محکوم ہو کر رہنا پڑیگا تو اُسے اُن چیزوں کے ارتکاب کرنے میں جو نقصان رساں ہونے کی وجہ سے شریعت میں حرام کردی گئی ہیں عقل کی اطاعت کرنے سے مایوسی ہو جائیگی اور گویا کہ نفس یہ کہنے لگے گا کہ جب روزے کی حالت میں اشیاء خورد و نوش کے کھانے و پینے کے باب میں جو کہ روزہ دار ہی کی ملک تھیں اور اپنی عورت سے صحبت کرنے کے معاملہ میں جس سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ بھی نہ تھا عقل پر میرا کچھ زور نہ چل سکا تو اُس وقت میرا قابو کیونکر چلے گا کہ جب میں بلا اُس کی مرضی کے کسی دوسرے کی چیز کے خورد و نوش کرنے کا ارادہ کروں حالانکہ یہ نہایت ہی قبیح امر ہے اسی طرح مجھے نشہ کے استعمال کرانے پر کیونکر قدرت حاصل ہوسکتی ہے جس سے کہ عقل جاتی رہتی ہے اور آدمی کی شرافت میں خلل پڑتا ہے یا دوسرے کی عورت کے ساتھ صحبت کرانے کے لئے مجھے بہکانا کیونکر ممکن ہوگا جبکہ اُس میں طرح طرح کے ضرر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً باہم عداوت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لوگوں کے نسب بے پتہ ہو جاتے ہیں۔ بچہ جُدا ضائع ہوتا ہے اور جن کو کسی قسم کا استحقاق نہیں وہ مستحق ٹھیرائے جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم مسلمانوں کی اُس وقت کی حالت کو غور کریں جبکہ ماہ رمضان میں وہ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مِل جُل کر بیٹھتے ہیں اور اُن کے سامنے خورد و نوش کی چیزیں چُنی ہوتی ہیں اُن کا دل اُن کی طرف کھچا جاتا ہے اُن کی مشتاق نظریں اُن نفیس چیزوں پر پڑتی ہیں اور پھر اُن میں سے

کسی کا ہزار جی للچائے کہ کھانے کا ایک دانہ کھالے یا پانی کا ایک قطرہ پی لے لیکن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے کسی کی خصوصاً پرہیزگاروں کی ہرگز جرأت نہ ہوگی اور غروب آفتاب کا سب کے سب انتظار کرتے رہیں گے تو اس وقت ہم کو ضرور اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ مسلمانوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اپنے نفس کے روکنے پر پورا قابو حاصل ہے۔

روزہ کے نہ رکھنے والوں کی تنبیہ اور روزہ کے فوائد اس موقع سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ جو شخص اپنی بدبختی یا خواہش نفسانی کے پھندے میں پھنس کر روزہ نہیں رکھتا وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اپنے کو صاحب ہمت یا عقلمند کہہ سکے بلکہ اُسے اپنا نام کم ہمت شکم پرور۔ کم فہم اور اپنی خواہش نفسانی کا بندہ رکھنا چاہیے اس سے تو روزہ دار عورت کی عقل و ہمت کہیں بڑھ چڑھ کر معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس قدر روزہ کا وصف اس عورت کو حاصل ہے ویسے آدمی کے پاس اس کا کہیں پتہ بھی نہیں لگتا روزہ کے فوائد میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو جب بھوک کی تکلیف اٹھانا پڑے گی اس وقت بیچارے محتاج کی درد ناک حالت کو خوب سمجھ سکے گا اور اس کا دل اس پر کڑھے گا اور خیر خیرات کرنے پر مائل ہو جائے گا کیونکہ دولت مند خوشحال شخص کو اگر روزہ کی تکلیف نہ برداشت کرنی پڑتی تو ساری عمر گذرنے پر بھی اُسے بھوک کی تکلیف کا حال نہ معلوم ہوتا پھر جب کوئی بھوکا فقیر اُس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا اور گرسنگی کی تکلیف کی شکایت کر کے کچھ طلب کرتا تو چونکہ اُسے گرسنگی کی قدر معلوم ہی نہیں ہے بھلا اس پر اُسے کیا رحم آتا اب روزہ رکھنے کی وجہ سے جب گرسنہ رہنے کی قدر و عافیت اُسے معلوم ہو جائے گی تو یتیموں اور محتاجوں کی دل کھول کر مدد کریگا۔

حج کے فرض ہونے کی حکمت اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے اپنے پیروی کرنے والوں میں سے جنہیں مقدرت ہے اُن پر عبادت حج کو بھی فرض کیا ہے اور وہ کعبہ شریف

اور اُن مقامات کی جو اُس کے قرب وجوار میں واقع ہیں خاص اقوال وافعال کی رعایت کے ساتھ زیارت کرنے کا نام ہے اور اس میں جو جو از اللہ حکمتیں پائی جاتی ہیں عرب وعجم کے سارے عقلاء بھی اُن پر حاوی ہونے سے بالکل عاجز ہیں مثلاً یہی دیکھئے کہ ہر سال اُن مقامات میں ہزاروں ہی مسلمانوں کا حج کے حیلہ سے مجمع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُن میں باہم تعارف ہو جاتا ہے ۔ اُلفت بڑھتی ہے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے ۔ پھر ایک دو ملک کے لوگ نہیں بلکہ عرب ۔ ترکستان ۔ فارس ۔ ہند ۔ داغستان ۔ افغانستان ۔ ملک مغرب ۔ بربر ۔ سوڈان ۔ جاوہ وغیرہ تمام ممالک کے باشندے نظر آتے ہیں اور ان سب کا ایک دین اور ایک ہی مقصد یعنی اپنے رحیم وکریم مولیٰ سے مغفرت طلب کرنا ہوتا ہے ۔

جو افعال ان کو وہاں کرنا پڑتے ہیں اُن کی بہتری حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان متبرک مقاموں میں جو کچھ کہ اللہ کے نیک بندوں اور باعظمت رسولوں پر زمانہ سابق میں گذرا ہے ان افعال کی وجہ سے یاد آجائے جیسے کہ ابو البشر آدم اور اُن کی زوجہ حوّا علیہما السلام کا واقعہ کہ جنت سے اُن کو زمین پر اُتار دینے کے بعد اُن کے دل میں خدا نے یہ بات ڈالدی کہ اس سے التجا کریں یہاں تک کہ خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی اسی طرح براہیم خلیل اللہ اور اُن کے بیٹے اسمٰعیل علیہما السلام کا قصہ یا سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا واقعہ ان سب کے یاد آنے سے اس بات کا دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ ٹھکانا ہے وہ لوگ دا کی اطاعت میں کیسے سرگرم تھے اور جب اُن کی آزمائش کی گئی تو کیسے ثابت قدم نکلے دا کی خوشنودی سے سر مو تجاوز نہیں ہونے پایا اور سب کو جانے دیجئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام ی کے ماجرے کو خیال کیجئے کیسی جانچ کا وقت تھا جبکہ خدا نے ان کو لخت جگر اور پیارے ٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس شفیق باپ نے خدا کی اطاعت کے سامنے کچھ

پروا نہ کی اور اس پر آمادہ ہوگیا اور اسی طرح اس ہونہار لڑکے نے بھی خداوندی حکم کی تعمیل سے ذرا عذر نہ کیا اور اپنی جان دینے اور قربان ہو رہنے کیلئے مستعد ہوگیا اور جب شیطان نے وادی منیٰ میں وسوسہ ڈالنا چاہا تو اُسے رجم کردیا اور اپنا سا منہ لیکر ناکام رہ گیا۔ پھر خدا نے فدیہ بھیجکر باپ بیٹے دونوں پر احسان کیا اور ان کے غم کو دور کرکے اُن کو خوشخبری سُنادی اسی طرح ان کاملین کے اور بہتیرے پسندیدہ افعال اور خدا کے احسانات جو اُن پر ہوئے ہیں یاد آتے ہیں اور جب ان مقامات میں ان نیک بندوں کے کام یاد کرکے اُنکی پیروی کی جاتی ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ دیکھیں ان کے نفیس افعال عجیب ہیں۔ عمدہ خصلتیں کیسی تھیں اور وہ اپنے مولیٰ کی کیونکر اطاعت کرتے تھے اس سے اُن کی اقتدا کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اُن کے پسندیدہ خصائل اختیار کرنے کی طرف جی مائل ہوجاتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اُن کی اس بات پر تعریف کی جائے اُن کیلئے دعا مانگی جائے کہ وہ کیسے کیسے عمدہ افعال ہماری کرگئے ہیں کیسی کیسی نیک باتیں سکھا گئے ہیں مثلاً یہ کہ خدا کے سامنے توبہ کرنا چاہیے اُس کی طرف رجوع ہونا چاہیے انسان کو مناسب ہے کہ اخلاق حمیدہ کے ساتھ موصوف ہو۔ صبر اختیار کرے تسلیم و رضا سے کام لے خدا کے سامنے ادب کی رعایت رکھے وغیرہ وغیرہ۔

احرام طواف سعی وغیرہ کی حکمتیں علاوہ ان فوائد مذکورہ کے اعمال حج کے مقرر کرنے میں جو ترتیب اختیار کی گئی ہے وہ بھی نہایت ہی عجیب و غریب ہے اس میں خداوندی عظمت و تقدس سے تنزل کرکے انسانی عقول و خیالات کا لحاظ کیا گیا ہے اور ان امور کی رعایت کی گئی ہے جن کے ساتھ لوگ مانوس پائے جاتے ہیں اور جن کو کہ اس وقت برتا کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے حاکموں یا بادشاہوں کے حضور میں کسی ظالم یا ایذا پہنچانے والے کے فریادی

بن کر حاضر ہوتے ہیں یا جب اُن کی درگاہ میں اُن کے احسان و اکرام حاصل کرنیکی غرض سے
درخواست کیا کرتے ہیں۔ چونکہ اعمال حج جن پر کہ خدا نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے انسانی خیالات و
عادات کے موافق ہیں اسلئے حاجیوں کے جی کو اُن کے ادا کرنے کے وقت اسبات کا پورا اطمینان
حاصل ہو جاتا ہے کہ نا فرمانیوں اور گناہوں کے ظالم لشکر کے مقابلہ میں خدا اُن کی ضرور مدد
کریگا اُن کی فریاد سُنی جائے گی اور وہ اُن کی مراد پوری کرکے اُن سے احسان کے ساتھ پیش
آئے گا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ لوگ اس بات کے عادی ہو رہے ہیں کہ جب کبھی کوئی دشمن اُن
پر چڑھ آتا ہے اور وہ اس کے مقابلہ سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں یا گردش زمانہ کسے نیچ میں
آکر قحط یا خشک سالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اُنہیں طلب معاش کی فکر میں
گرفتار ہونا پڑتا ہے تو اُس وقت بادشاہ کے حضور میں اُن کے محلوں پر حاضر ہونے کا قصد
کرتے ہیں اور اپنی اپنی مصیبت کے موافق سب کے سب پراگندہ بال اپنے خاک آلودہ
چہرے لئے ہوئے ننگے بدن برہنہ پا استغاثہ کی غرض سے فریاد کرتے ہوئے اس کے سامنے جا
کھڑے ہوتے ہیں اور راستہ میں جو جو چیزیں ملتی جاتی ہیں کہ جن کے ساتھ بادشاہوں کو کچھ بھی علاقہ
ہو خدم و حشم کے علاوہ حیوانات و نباتات تک کی بھی تعظیم و تکریم کرتے جاتے ہیں اور قصور
شاہی کے قریب پہنچکر اُن کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں اور اُن کے دروازوں کی تلاش میں سرگرداں
رہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کو اس بات کی اجازت مل جاتی ہے کہ بادشاہ کے حضور میں حاضر
ہوں اور اُس کے سامنے مؤدب کھڑے ہو کر استغاثہ دائر کریں اس کی تعریف کریں اپنی حاجت
روائی کیلئے قوی سے قوی ذریعہ اختیار کریں اور اُن کے اور اُن کے بزرگوں کے اعلیٰ و ادنیٰ
پر جو جو بادشاہ کے احسانات۔ رعایتیں اور مہربانیاں سابق زمانہ میں ہوتی رہی ہیں اُن کی
یاد دلائیں اس کے بعد جب بادشاہ اُنہیں اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کی اجازت دے دیتا ہے

تو اپنی عاجزی کا میابی و سعادت تصور کرکے نہایت رغبت ظاہر کرتے ہیں اور اُس کے ہاتھ
پر نہایت ادب و تعظیم سے بوسہ دیتے ہیں پھر بادشاہ اُن کی درخواست قبول کرکے اور اُن
کی مصیبت دُور کرنیکا اُن سے وعدہ کرتا ہے اور اس غرض سے کہ وہ خیر خواہ سلطنت کے
بنے رہیں اور اُن کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ اسکے ہمیشہ کے نمک خوار ہیں اور اس
بات سے کہ اپنی رعایا کے ساتھ احسان کرکے مدد کرنا بادشاہ کی عادت میں داخل ہے
اُن کے دلوں کو پورا پورا اطمینان ہو جائے وہ پھر اُن تمام احسانات و عنایتوں کو اُنہیں
یاد دلاتا ہے جو کہ اُن کے آباؤ اجداد پر وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں جب کبھی کہ وہ اس کی جناب
میں بغرض استغاثہ حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں تو برابر اُن کو نعمتوں
سے مالامال کر دیا گیا۔

چنانچہ اس وقت اُن لوگوں کو بھی اُنہیں خدمتوں کے بجالانے کا وہ حکم کرتا ہے جن کی
بجاآوری اُن کے آباؤ اجداد کرتے رہے تھے تاکہ سلطنت کیلئے اُن کی خیر خواہی اور بڑھ
جائے اور یہ پورے پورے مطیع بنے رہیں کیونکہ لوگوں میں اپنے بزرگوں کے اخلاق نقل
کرنے اور انہیں کے طریقہ کے اختیار کرنے کا فطری میلان پایا جاتا ہے پھر جب وہ تمام
خدمات کی بجاآوری سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ مزید عنایت کرکے انہیں اپنا مہمان بناتا
ہے بہت کچھ انعام دیتا ہے اُن کی پراگندگی دور کر دیتا ہے اُن کو خلعت بخشتا ہے اور وہ
اُس کے باب عالی پر اس امید سے ایستادہ ہو جاتے ہیں کہ اُس نے اُن کی فریاد رسی کرنیکا
جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کرے چنانچہ پھر شاہی حکم صادر ہونے لگتے ہیں دشمنوں کے مقابلہ
میں بادشاہ اُن کو مدد دیتا ہے ان کی تکلیف دفع کرتا ہے۔ جب اُن کا مقصد حاصل
ہو جاتا ہے اور وہ کامیاب ہو لیتے ہیں تو انہیں اُن کے وطن واپس جانیکی اجازت مل

جاتی ہے تاکہ وہ اپنے دوست و احباب سے جا ملیں اب رخصت ہونے کا وقت آپہنچا ہے اور وہ قصر شاہی پر حاضر ہو کر اپنے منصب کے موافق اس کی ثنا و توصیف میں مصروف ہوتے ہیں نہایت ہی تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں اس کے مکرم ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں غم فراق کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں آخر کار بادل دردناک مفارقت اختیار کرتے ہیں۔

کعبہ کا نام بیت اللہ اور حجر اسود کا نام یمین اللہ رکھے جانیکی حکمت

پس اللہ تعالیٰ نے بھی انسانی عقلوں کی رعایت کر کے ایک قطعۂ زمین کو خاص کر دیا اور جس امر کے وہ دنیاوی بادشاہوں سے فریاد کرنے کے وقت عادی ہو رہے تھے ان کا لحاظ کر کے اسی قطعہ کو فضیلت عنایت کر دی اور اس کا نام بیت اللہ یعنی اپنا گھر رکھ دیا جو کہ کعبہ شریف کے لقب سے مشہور ہے اگرچہ خدا مکان سے بالکل پاک ہے اسے گھر وغیرہ کی مطلق حاجت نہیں۔ اسی طرح حجر اسود کا جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے اپنا دست راست نام رکھ دیا اگرچہ اس کے دونوں ہاتھ ہمارے ایسے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتے خدا ہی جانے وہ کیسے ہوں گے اور نہ ان میں راست و چپ کا امتیاز قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر ان کی نسبت دست کا اطلاق کیا جائے تو قطعاً دست راست ہی کا ہونا چاہیے پھر چونکہ پیروان اسلام کی نسبت بھی یہ بات ضرور ہوا کرتی ہے کہ گناہوں کا لشکر ان پر چڑھائی کرتا ہے خطا اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کا انہیں مقابلہ کرنا ہوتا ہے انہیں خدا کے احسانات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے جو لوگ ان میں سے صاحب مقدرت ہیں ان پر یہ امر ضروری کر دیا گیا ہے کہ اسی مکان پر فریادیوں کی سی صورت بنائے ہوئے حاضر ہوں ان کے بال پراگندہ نظر آتے ہوں سر کھلا ہو جسم خاک آلود ہو۔ نہ بدن پر کوئی سلا ہوا کپڑا ہو نہ خوشبو مہکتی ہو۔ سارے عیش و آرام کے

سامان برطرف کر دیے ہوں، اور اپنی نافرمانیوں اور خطاؤں کے فریادی بنے ہوئے اپنی
مرادوں کے بر آنے کی امید میں اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے بھاگ کر آئے ہوں
اس خانہ خدا کی سرحد میں پہنچ کر کسی چیز کی بے حرمتی نہ کریں۔ تمام اشیاء کو عزت کی نگاہ
سے دیکھیں نہ وہاں کی گھاس کاٹیں نہ کوئی درخت قطع کریں اور نہ کسی چرند و پرند کے
شکار کی جرأت کریں۔ آخر کو جب اس معظم و مکرم مکان پر پہنچ جائیں تو جس طرح کہ نفس بادی
بادشاہوں کے محلوں کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں ویسے ہی اس کے گرد چکر لگائیں اور اس کے پردے
پکڑ کر پناہ طلب کریں۔ پھر اس با برکت پتھر کو جس کا کہ نام سلطنت خدا کا دست راست
کہہ دیا گیا ہے بوسہ دیں اور یہی سمجھیں کہ وہ ایک پتھر ہے نہ اس میں کسی قسم کے نفع رسانی
کی قدرت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ نفع و ضرر جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ میں ہے وہی نفع و
ضرر کا مالک ہے۔ چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو بوسہ دیتے وقت صاف
صاف کہہ بھی دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا
ہے اور نہ کچھ نفع دے سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے
ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ اور مقصود آپ کا یہ تھا کہ لوگ اپنے خیالات
خراب کرنے سے محفوظ رہیں اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ شریعت محمدیہ کی اس کی نسبت
واقعی تعلیم کیا ہے اور لوگوں کو اس کی نسبت کیسا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد وہ
مختلف اعمال کی بجا آوری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کے اس موقع پر ادا کرنے سے مقصود یہ
ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر بزرگوں کے کاموں کو یاد کریں جیسے کہ آدم اور ان کی زوجہ حوا یا
سیدنا ابراہیم اور ان کے بیٹے اسمٰعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہم السلام کے ماجرے۔ چنانچہ
وہ اعمال یہ ہیں کہ صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا۔ عرفات میں ٹھہرنا اس کے بعد مزدلفہ میں

وقوف کرنا پھر منےٰ میں اُترنا۔ شیطان کی ناکامی یاد کرنے کی غرض سے اُس مقام کی طرف کنکریاں پھینکنا جہاں کہ ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے اسمٰعیل علیہما السلام کو اُس نے دھوکا دینا چاہا تھا اور پھر ناکام رہا اسی طرح اور اعمال کو سمجھ لیجئے پس جو شخص کہ ان اعمال کے اس راز سے کہ ان سے مقصود اُن نیک بندوں کی یاد دہانی اور اُن کی پیروی ہے۔ ناواقف رہا تو اُسے مزید خلجان ہوگا کہ ان سب کی حکمت کیا ہے اور اُن کے فائدوں کے تجسس میں وہ سرگرداں رہے گا اور جس کی سمجھ میں یہ بات آگئی وہ بے کھٹکے دل کھول کر ان سب کو بجالائے گا اور اُن کے ثمرات کا نہایت شائق رہے گا اس کی بڑی رغبت یہ ہوگی کہ سارے فوائد حاصل کر کے کسی طرح سے کامیاب ہو جاؤں پس خدا نے جو حاجیوں پر کعبہ شریف پہنچ کر ان اعمال کا ادا کرنا ضروری ٹھیرایا ہے اس کو یوں سمجھئے کہ پہلی مرتبہ کعبہ کا طواف کرنا تو بمنزلہ اس بات کے ہے جیسے کہ بادشاہ اپنی فرمانبردار رعایا کو اُن کے آباؤ اجداد کی سی خدمات کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے اور اُس کے سامنے وہ بجالاتے ہیں تاکہ اُن کی اطاعت و خیرخواہی ثابت ہو اور یہ معلوم ہو کہ اُن کی خصلتیں بھی اپنے آباؤ اجداد ہی کے مثل ہیں یہ بھی انھیں کی طرح فرمانبردار رہیں گے۔ پس حاجی لوگ جب مکہ کے خاص خاص مقامات میں اُن اعمال کو ادا کرتے ہیں تو اپنے پاک طینت نیک نفس بزرگوں کی پیروی کی وجہ سے سارے عالم کی پرورش کرنے والے کی بندگی کا مضمون اُن کے دلوں میں خوب جم جاتا ہے۔

اعمال حج کے تعبدی ہونے کے معنی اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ اعمال تعبدی یعنی بلا چون و چرا مان لینے کے قابل ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں حکمتیں اور فائدے نہیں پائے جاتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ بظاہر یہ ایسے ہی افعال ہیں کہ جو ان کو ادا کیا کرتا ہے تو

گویا وہ انہیں اپنے مالک کا محض حکم سمجھ کر بجا لاتا ہے اور اُن کی بجا آوری کو اطاعت و فرمانبردا
خیال کرتا ہے اُسے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں وہ اس کی
تفتیش کے درپے نہیں ہوتا اگرچہ غور کرنے کے بعد اُن کے فوائد مخفی نہیں رہتے۔ علاوہ بریں
اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اُن میں کوئی حکمت نہیں تو اس وقت اُن کی بجا آوری سے بند
کی جانب سے اور بھی خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ظاہر ہوگی کہ بندہ اپنی زبان حال سے
اُن کے بجا لانے وقت یہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے تو جو کچھ حکم دیتا ہے میں اسکی فرمانبرد
کرتا ہوں گو تیرے حکم کے ثمرات میری سمجھ میں نہ آویں لیکن تب بھی تیری شان عالی اور سلطنت
عظیم کی تعظیم کی غرض سے میں بجا لاتا ہوں اور بندہ کی شان ہی یہی چاہیے کہ جو کچھ
اس کا مالک حکم دے بلا چون و چرا اُسے مان لے اُسے کیا منصب ہے کہ حکمت اور
راز پوچھنے بیٹھے اور شریعت محمدیہ کا مقصد اصلی بھی یہی ہے کہ اس کی پیروی کرنیوالوں کی خدا
کے سامنے یہی حالت ہونا چاہیے اور یہ نہایت عظیم مرتبہ سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے اس دین کے
پیشوا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں شمار کیا ہے چنانچہ
آپ فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ میں بندہ ہوں اور بندہ ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ آپ نے
اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور آپکے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے
حد سے نہ بڑھایا کرو بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ خدا کا بندہ اور اُس کا پیغامبر ہے۔ خدا نے بھی
آپ کی اعلیٰ درجہ کی تعریف کے موقع میں اسی وصف عبودیت ہی کے ساتھ آپ کو موصوف
کیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ آپ ہی کی شان میں ارشاد فرماتا ہے "سبحٰن الذی اسریٰ
بعبدہٖ" یعنی جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا وہ پاک ہے پس عبودیت آپ کے لئے
نہایت ہی خوشی اور بڑی خوبی کی بات ٹھہری۔

ادی منی میں اُترنے وغیرہ کا بیان | پھر حاجی ان خدمات کی بجاآوری کے بعد اپنے ہوائی کے
ہال دابن کر مقام منیٰ میں جا اترتے ہیں اپنی پراگندہ حالی کو دور کرتے ہیں۔ کپڑے بدلتے ہیں
شبو لگاتے ہیں۔ حجامت بنواتے ہیں اور اپنے عیش و آرام کی جو چیزیں چھوڑ رکھی تھیں
درجن سے کہ پرہیز کرتے تھے پھر اُن سب کو مباح سمجھنے لگتے ہیں اپنی مبارک عید کے دنوں
خیرہ نوشی میں گذارتے ہیں خوب قربانیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ گوشت بہا بہا پھرتا ہے
گوں کے کھائے نہیں چکتا آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا وحوش وطیور بھی خوب سیر ہو جاتے ہیں
ر یہی خداوندی ضیافت ہے کیونکہ اصل پوچھئے تو تمام چیزوں خدا ہی کی ملک ہیں وہی رزق
ینے والا ہے اور لوگوں کے پاس جو کچھ آپ دیکھتے ہیں خدا ہی نے بطور عاریت کے انہیں
ے رکھا ہے اسی وجہ سے عید کے دن روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اُس دن روزہ
رکھنے سے خدا کی ضیافت سے ایک قسم کا اعراض پایا جاتا ہے اب ان تمام اعمال کو پورا
کرکے اور خداوندی مہمانی سے فارغ ہو کر وہ اسی باعظمت مکان کا طواف کرتے ہیں گویا
کہ اُس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خدا اُن کے گناہوں اور نافرمانیوں کے حملہ آوروں کے
مقابلہ میں اُن کی مدد کرے اُن کو مغفرت عنایت کرے اور اپنی نعمتوں سے انہیں مالا مال
کر دے علاوہ اس کے اپنے وطنوں کے واپس جانے کی اجازت مانگنے کے قائم مقام بھی یہی
طواف ہوتا ہے گویا اس کے بعد انہیں واپسی کی اجازت مل جاتی ہے اور اس اجازت کو
اس بات کی علامت سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے توبہ قبول کر لی وہ نہایت مہربان ہو گیا اور اب وہ
ضرور اُن کے ساتھ انعام واکرام سے پیش آئے گا نافرمانیوں کے لشکر کے مقابلہ میں انہیں
ضرور مدد دیگا چنانچہ اُن کے رسول علیہ السلام نے اس کی خوشخبری انہیں سنا بھی دی ہے
پھر وہ اپنے شہروں کی طرف جانے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور اُن کے دلوں میں

یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے کہ ہمیں ہماری مراد مل گئی ہماری ساری کلفتیں دور ہو گئیں۔ اب وہ بحر بیت معظم سے رخصت ہونے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طواف رخصت ادا کرتے ہیں اُن نعمتوں کا شکر بجالاتے ہیں جو اُن متبرک مقامات میں ان کو نصیب ہوئیں اور جب اس سے جدا ہوتے ہیں تو اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں دل ہے کہ صدمۂ فراق سے بےچین ہوا جاتا ہے وہ ہیں کہ اپنے مولیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لا رہے ہیں اُس کی ہدایت کی طلب میں سرگرم ہیں اُس سے کامیابی کی دُعا مانگ رہے ہیں اور ادب کے مارے پچھلے پیروں لوٹتے چلے آتے ہیں اور اس جدائی کا اُنہیں یہاں تک غم ہوتا ہے کہ بعضوں کو کتنے ہی دنوں تک نیند نہیں آتی۔ پھر جب وہ اپنے وطن پہنچ جاتے ہیں تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اُن کے دل ابدی مسرت و شادمانی سے پُر ہوتے ہیں (چنانچہ اس امر کا مزامیر (زبور) میں ذکر آیا ہے) اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ہمیں بخش دیا ہم اُس کی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے ہمیں گناہوں کے حملہ آوروں سے نجات ملی۔

اگر حج کے جملہ اعمال کی ایک ایک کر کے ہم حکمت بیان کرنا شروع کریں تو بڑی ضخیم جلدیں لکھی جا سکتی ہیں کہ پڑھنے والے بھی اُکتا جائیں اور اُن کے مطالعہ کے لئے وقت بھی مشکل سے مل سکے پس جو کچھ بیان ہوا ہے اُسے یوں سمجھئے کہ بطور مشتے نمونہ از خروارے سارے دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ خدا ہی میں طاقت ہے کہ وہ راہ راست دکھلا سکتا ہے

اس فرقہ نے یہ بھی دیکھا کہ شریعت محمدیہ نے پیروان اسلام پر یہ بات ضروری کردی ہے کہ جب اُنہیں موقع ملے تو وہ اُن لوگوں سے مقابلہ کریں جو دین میں اُن سے مخالفت کرتے ہیں اور اُن کی ایذا رسانی سے سمجھانے سے بھی باز نہیں آتے تا کہ وہ لوگ یا تو دین اسلام قبول کر لیں یا اُن کے مقابلہ میں سر اٹھانا چھوڑ دیں اور اس مقابلے کا نام اُس نے جہاد رکھا

ہے اور اس میں سراسر انصاف کا لحاظ رکھا ہے جیسا کہ کتب سابقہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی نسبت خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگوں سے انصاف کے ساتھ لڑائیں گے چنانچہ شریعت نے
سخت ممانعت کر دی کہ کوئی لڑکے عورت ۔ پیر فرتوت کو قتل نہ کرے اور نہ اس شخص کو
مارے کہ جو بقصد عبادت تعلقات دنیا کو قطع کئے ہُوئے ہے ہاں جب کوئی ان میں
سے لڑائی میں شریک ہو کر مقاتلہ کرے یا کسی کی جانب سے تدبیریں بتلانے کا اندیشہ ہو
وہ بیشک واجب القتل ہے اور مقصود جہاد سے یہ ہے کہ خدا کے دین کی اشاعت ہو
اور جو لوگ کہ اس کے مخالف ہوں اُن کی رہنمائی کر دی جائے چنانچہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام
قبول کر لیتے ہیں وہ لوگ بھی اور مسلمانوں کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کے حقوق و حالات کی
مثل تمام مسلمانوں کے رعایت کی جاتی ہے ۔ اس بارہ میں عربی و عجمی ہونے کا کوئی لحاظ نہیں
کیا جاتا بلکہ سب کے سب باہم بھائی شمار ہوتے ہیں ایک دوسرے کے ممد و معاون سمجھے جاتے
ہیں ہر ہر مسلمان اپنے اور محمدی بھائیوں کی نسبت وہی حکم رکھتا ہے جیسے کہ ایک جسم کے
اعضاء میں باہم علاقہ ہوتا ہے جہاں ایک عضو کو ایذا پہنچی اور تمام بدن بے چین ہو گیا سب
ایک ہی اصول کے پابند ہوتے ہیں سب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے ۔ اور وہ خدا کی
وحدانیت اور صرف اُسی یکتا خدا کا امر اور عبادت ماننا ہے تمام مسلمان اُسی کی خوشنودی کے طالب
ہوتے ہیں جب کسی طرح نہ اپنی خوشی سے اور نہ کچھ خوف کر کے مخالفین اسلام ہدایت قبول ہی
نہیں کرتے تو اُس وقت اُن سے مقابلہ کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سر اٹھانا چھوڑ
دیں مسلمانوں سے در پے عداوت نہ ہوں اُن کی ایذا رسانی سے باز رہیں مسلمان اُن کی
ضرر رسانی سے محفوظ رہ کر نفع حاصل کر سکیں یہاں تک کہ آخر کار مسلمان اُن کو ذمی بنا لیتے
ہیں یعنی اُن سے صلح کر کے اُن کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں کہ ہم لوگ تمہاری جان و مال اور

آبرو کی پوری پوری محافظت کریں گے جو قانون کہ مسلمانوں کیلئے تمام معاملات میں جاری ہے
تمہارے لئے بھی وہی قانون رہے گا ہم تمہارے دین سے تعرض نہیں کرتے تم اپنے دین
کے پابند رہنے کے مختار ہو اور یہ کہہ کر اُن کا معاملہ آخرت پر خدا کے حوالہ کرتے ہیں اور انہیں
مجبور نہیں کرتے ۔

پس اگر اسلامی جہاد کا پہلی شریعتوں کے جہاد سے مقابلہ کیا جائے تو نہایت ظاہر ہو جاتا
کہ اس میں طرح طرح کی آسانیاں پائی جاتی ہیں کہ جو پہلے نہ تھیں چنانچہ شریعت محمدیہ یہ ہرگز حکم نہ
دیتی کہ تمام دشمنوں کا پورے طور سے قلع قمع کر دیا جائے یہاں تک کہ ننھے ننھے بچے بھی مار
ڈالے جائیں جیسا کہ پہلی شریعتوں میں حکم تھا جو شخص کہ اس دین کے ساتھ پہلے شریعتوں کے
جہاد کے احکام سے بھی واقف ہو گا اُسے صاف معلوم ہو جائے گا کہ اُن میں اور اسمیں زمین آسمان
کا فرق ہے اور اُسے اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ شریعت محمدیہ کے جہاد میں انتہا درجہ کا
عدل و انصاف مدنظر رکھا گیا ہے ۔

حقداروں کے حقوق کی حفاظت | اسی طرح اس فرقہ نے شریعت محمدیہ کی ساری عبادتوں میں
غور کیا تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس کے اعمال میں جیسے کہ چاہیئے پورے طور پر اس بات کی رعایت
کی گئی ہے کہ اُن میں خالق کی اچھی طرح سے تعظیم پائی جائے اور مخلوق پر سراسر مہربانی ہو اور
نیز اس فرقہ نے یہ دیکھا کہ ان سب اعمال کا نفع اس عبادت کرنے والے ہی کو ملتا ہے
خدا کو مخلوق کی اطاعت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اس لئے کہ اُسے فرض تو نہیں کیا ہے خدا تو
تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے ۔

پھر اس گروہ نے شریعت کے ان قوانین میں غور کیا جو اُس نے اس غرض سے
مقرر کئے ہیں کہ حق داروں کا حق نہ مارا جائے اُس کی پوری حفاظت ہو۔ رعایا میں

سے خواہ مسلمان ہوں یا غیر قوم کے لوگ کسی پر کوئی بدمعاش ظلم نہ کرنے پائے کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ چنانچہ ان قوانین کو بھی انہوں نے اعلیٰ درجہ کا پایا۔

<u>قوانین ازدواج</u> | اسی طرح اس فرقہ نے دیکھا کہ اس شریعت نے ازدواج کے احکام بھی نہایت ہی باقاعدہ مقرر کئے ہیں چنانچہ اس نے زوجہ و شوہر دونوں کیلئے کچھ اتفاق کی حالت میں حقوق قرار دیئے ہیں اور کچھ اسوقت جبکہ وہ علیحدگی اختیار کرنا چاہیں۔ اور اس نے اسبات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ایک دوسرے سے تعلق قطع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں تاکہ ہر ایک نقصان سے محفوظ رہے کیونکہ اگر ان کو اس کی اجازت نہ دی جاتی اور پھر ان میں کسی وجہ سے آپس میں نفرت پیدا ہو جاتی جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زن و شوہر میں مختلف اسباب سے ناراضگی ہو جایا کرتی ہے تو اس وقت یہ بات کچھ بعید نہ تھی کہ طرح طرح کے فساد پھیلتے جب خواہش نفسانی کا کسی پر غلبہ ہوتا تو باہم نفرت کی وجہ سے ضرور کسی دوسرے کے ذریعہ سے ناجائز طریق پر وہ خواہش پوری کی جاتی بے غیرتی بنا پڑتا علاوہ اس کے جب عورت بانجھ ہوتی اور مرد میں بچہ پیدا کرانیکی قابلیت پائی جاتی یا بالعکس قصہ ہوتا تو ان دونوں میں سے ایک شخص کو ناحق اولاد سے محروم رکھنا لازم آتا اس لئے ان کو قطع تعلق کی اجازت دینا ہی عقل کے موافق ٹھہرا پھر اس نے طلاق دینا مرد کے اختیار میں رکھا ہے کیونکہ بخلاف عورتوں کے مردوں میں علی العموم استقلال اور عالی حوصلگی پائی جاتی ہے وہ زیادہ طرح دے سکتے ہیں اور عورتیں نہایت ہی زود رنج ہوا کرتی ہیں اور اس کا پتہ اس وقت لگ سکتا ہے جبکہ دونوں کی خصلتوں میں باہم مقابلہ کیا جائے ماسوا اس کے چونکہ عورت کا خرچ وغیرہ مرد ہی کے ذمہ ہے تو وہ جب تک مجبور نہ ہو جائیگا اس وقت تک اس کو چھوڑ کر کبھی اپنا نقصان گوارا نہ کریگا اور اگر کوئی نادان اتفاق سے اس کے خلاف عمل بھی آئے تو اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ سارا خرچ بخلاف عورت کے مرد

بھی سکے۔ شریعت نے اس لیے مقرر کیا ہے کہ مرد فطرتی طور پر بہ نسبت عورت کے جسمانی صفات
میں مضبوط ہونے کی وجہ سے تحصیل معاش پر زیادہ قادر ہے اور جو کچھ مشقتیں اس پیشہ میں مرد کو
وہ بخوبی برداشت کر سکتا ہے بال عورت کیلئے بہت سے ایسے اوقات ہیں کہ وہ ان کاموں کے قابل نہ ہوگی
کی وجہ سے حالت ایسی ہے کہ وہ ان پر داخت میں مشغول ہو جبکہ مرد ہمیشہ ان باتوں سے
محفوظ رہا کرتے ہیں۔ اگر محض یہ عورت جو کہ مرغوب طبع اور مردوں کی منظور نظر ہے گھر سے
باہر نکلنے پر کوئی مجبور نہ ہوگی تو وہ نظروں سے محفوظ رہے گی

عورتوں کے پردہ میں رہنے کی حکمت | اسی سے فتنہ اور اسباب جو امکانی کے فساد کی
غرض سے جو کہ بہتر تھا اور تحفظ اور ان اعتبار سے تھیک ہے شریعت نے عورت کو پردے میں
رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ عورتوں کے اعلیٰ درجہ کے اوصاف میں سے ہے اور ان کے لیے
بڑے افتخار کا باعث ہے جب تم دیکھو تو وقعت میں وہ کانی ہوں تو اسی زیادہ فخر کر سکتی
ہیں جس طرح کہ کسی نفیس شے کو لوگوں کی نظروں سے بچایا کرتے ہیں اور کسی کو نہیں دکھاتے
اور سامان پوشیدہ میں چھپا رکھتے ہیں اسی طرح پردے میں مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی حفاظت
کی جائے انہیں ہر کس و ناکس نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ جیسا بعض نادان خیال کیا کرتے ہیں کہ عورت
کے ساتھ بدگمانی کرنے کی وجہ سے پردہ کیا جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورتوں کو یہ حکم دیا
جاتا کہ وہ مردوں کے دیکھنے سے اپنی نظروں کو ہر وقت بچایا کریں اور مردوں کو حکم ہوتا کہ
وہ عورتوں سے پردہ کیا کریں اور یہ خیال کرنا بھی بیجا ہے جیسا کہ بعض کم فہم خیال کرتے ہیں
کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا انہیں قید کرنے کی مثل ہے اُن پر بڑی تنگی کی جاتی ہے جس سے
کہ اُن کی آزادی میں خلل پڑتا ہے اور وہ بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہیں کیونکہ مسلمان عورت
تو بچپن ہی سے پردہ میں رہا کرتی ہے پردہ ہی میں وہ جوان ہوتی ہے اپنے پیدائش ہی کے

زمانہ سے وہ پردے کے ساتھ مالوف ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اُس کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے اس کو یہاں تک پردے کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اُس سے اُنس اور محبت کرنے لگتی ہے اُس کو بھی ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسا کہ اپنی اور طبعی عادات کو حتیٰ کہ جو عورتیں اس میں ذرا کوتاہی کرتی ہیں اُنہیں شرم دلانے پر آمادہ ہو جاتی ہے اُن کو بے شرم بیباک قرار دیتی ہے اس کو اُن کا ہلکا پن خیال کرتی ہے علاوہ بریں یہ سمجھ کر کہ پردہ خدا کا حکم ہے اُسے خوشی سے قبول کر کے خداوند کریم کے عطا اور ثواب کی امیدوار بن جاتی ہے۔ پس جب یہ حالت ہو تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیہ نے عورت کو مظلوم و قیدی بنا رکھا ہے ظلم تو جب ہوتا کہ اُسے وہ اپنی خوشی سے نہ اختیار کرتی شریعت کے موافق پردہ کرنے میں ظلم کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے۔

عورتوں کی بے پردگی کی خرابیاں حق تو یہ ہے کہ اس شریعت میں عورت کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے بدکاروں اور بدمعاشوں کی نظروں سے خوب بچایا جاتا ہے اور یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ نادانوں کو عورت کی نسبت جس کے بارہ میں بڑی غیرت سے کام لیا جاتا ہے زبان درازی کا موقع نہ ملے۔ علاوہ بریں عورتوں میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں پوری پوری پارسائی نہیں پائی جاتی اُن کی عادتیں اچھی نہیں ہُوا کرتیں تو ایسی حالت میں پردہ کرنے سے عورت کی نسبت کسی قسم کی خیانت کا مشکل سے خیال ہو سکتا ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُس کے خاوند کو بچہ کے نسب کے بارہ میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے پس جو اولاد اُس کے بطن سے پیدا ہوگی وہ نہایت اطمینان کے ساتھ یقین کرلیگا کہ میرے ہی نطفہ سے ہے اس وقت شیطان کو اُس کے دل میں عورت کی نسبت وسوسہ ڈالنے کی گنجائش نہ رہیگی بخلاف اس صورت کے جبکہ عورت بے پردہ ہو کر باہر نکلتی ہو اور غیر مردوں سے میل جول رکھتی ہو۔ باوجود ان سب

باتوں کے اگر عورت کو کوئی ضرورت پیش آ جائے مثلاً یہ کہ اُسے دینی احکام سیکھنا ہیں اور اُس
کا خاوند یا اور عزیز و قریب اُس کو نہیں بتلا سکتا یا اپنے بھائی بندوں سے اُسے ملنا ہے
تو ایسی حالت میں شریعت نے عورت کو باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہے لیکن وہی پردہ
کے ساتھ تاکہ بدکاروں کی نظروں سے محفوظ رہے اور شہوت پرستوں کے ہیجان کا باعث
نہ ہو جس میں کہ اس کی پارسائی اور آبرو پر حرف نہ آنے پائے۔ اگر تعصب کو چھوڑ کر عقل سلیم
سے پوچھا جائے تو وہ یہی حکم دے گی کہ بیشک عورت کیلئے پردہ نہایت ہی عمدہ احکام
میں سے ہے زن و شوہر دونوں کا اس میں فائدہ ہے بلکہ یوں کہیے کہ اس کا نفع تمام
لوگوں کو پہنچتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے شہروں سے فساد دور رہتا ہے چنانچہ آپ دیکھتے
ہیں کہ جن شہروں میں عورتیں پردے میں رہتی ہیں وہاں کے حکام کو پولیس کو حرامکاری
کیلئے خاص خاص مقامات نہیں مقرر کرنا پڑتے جہاں کہ بدکار لوگ ناجائز طور پر اپنی خواہش
کو پورا کرنے کے لئے جمع ہوا کریں کیونکہ وہاں کے بیباک لوگوں کی خواہش نفسانی میں بھی
عورتوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے چنداں جوش نہیں پیدا ہوتا۔ جس کی وجہ سے باآبرو
لوگ اپنی عورتوں کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہتے ہیں بخلاف ان شہروں کے جہاں
کی عورتوں میں پردہ کی رسم نہیں ہے اور وہ بے حجاب پھرتی ہیں ظاہر ہے کہ وہاں کی
میونسپلٹی کو حرامکاری کے لئے خاص خاص مقامات متعین کرنے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ
بدکاروں کو اُن سے نہیں روک سکتی خدا کی پناہ اس فعل شنیع کی یہاں تک کثرت پائی جاتی
ہے کہ وہاں کے بچوں کی تعداد پورا کرنے میں قریب قریب نصف کے حرام سے پیدا ہونے
والے بچے شامل ہوتے ہیں اور وہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم شریف عورتوں کی حفاظت کی غرض
سے اس نامعقول امر کے اختیار کرنے پر مجبور ہیں پس اگر اُن بدکاروں سے جن کی شہوتیں

کہ عورتوں کو ننگا کھلا دیکھتے دیکھتے ترقی کرچکی ہیں انہیں خوف نہ ہوتا اور آبرو والے لوگ اپنی عورتوں کی عزت کو نہ ڈرتے ہوتے اور یہ اندیشہ اُن کو نہ لگا ہوتا کہ یہ لوگ عورتوں کے معاملہ میں ہماری کچھ چلنے نہ دیں گے تو وہ کبھی ایسے قابل نفرت امر کا ارتکاب نہ کرتے نفرین اور شرم ہے ایسوں پر جو کہ ملکی انتظام کے مدعی ہوں اور حیوانی حرکات اختیار کرکے اپنی عورتوں کی حفاظت کریں۔ کاش اگر وہ عورتوں کے پردہ کا انتظام کرتے تو پھر نہیں ایسے قابل ملامت فعل کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اب یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ عورتوں کا بے پردہ ہوکر نکلنا نہایت ہی ضرر کی بات ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے نقصان ہے تو بے پردگی میں اس سے بڑھکر نقصان متصور ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں کم ضرر ہو اس کا اختیار کرنا عقلاً و نقلاً بہتر ہوا کرتا ہے چہ جائیکہ بے پردگی میں بکثرت نقصانات ہوں اور پردہ کرنے میں سراسر فائدے ہی فائدے ہوں کہ جس کو ہر عاقل مان لیگا۔

<u>قوانین معاملات</u> | پھر اس فرقہ نے جبکہ شریعت محمدیہ کے قوانین معاملات کی تجارت زوجہ کی اور خرید و فروخت کرایہ۔ شرکت۔ قرض وغیرہ کے احکام میں غور کیا اور دیکھا کہ جائداد کی تقسیم اس میں بالکل حکمت کے موافق ہے اُسی شخص کو اُس میں ترجیح دی گئی ہے جس کو کہ حاجت زیادہ ہوا کرتی ہے جس کے ساتھ کہ بہت ہی نزدیک کی قرابت پائی جاتی ہے اور امداد کے موقع پر جس سے کہ مدد پہنچنے کی زیادہ امید ہوسکتی ہے پس انہیں یہ معلوم ہوا کہ سارے احکام نہایت ہی کامل انتظام اور بندوبست کی رعایت کرکے مقرر کئے گئے ہیں جس میں کہ تمام معاملات انصاف کے موافق ہوں اور منازعت نہ ہونے پائے۔

<u>حدود و قصاص وغیرہ کی حکمت</u> | پھر اس فرقہ نے حدود اور قصاص اور ان تعزیرات

یہ مقرر کیا جو کہ اس شریعت نے لوگوں کے جان و مال آبرو اور عقل کی حفاظت کے لئے مقرر کئے ہیں جن کو سب کو انہوں نے انکا حکمت کے [illegible] دو حق [illegible] ان کا ذمہ دار [illegible] بیان اس کا یہ ہے کہ جو شخص [illegible] بدلہ لیا جائیگا۔ اگر وہ کسی دوسرے کو قتل کریگا تو وہ بھی قتل کیا جائیگا تو پھر وہ قتل سے دور رہیگا اس طرح سے کہ ہر [illegible] آدمیوں کی جانوں [illegible] کی وجہ سے [illegible] شریعت [illegible] فرمایا ہے کہ قصاص عہ میں تمہارے لئے زندگی [illegible] حاصل ہوتی ہے۔

حد سرقہ ادا کرنے کی حکمت | [illegible] ظاہر ہے کہ [illegible] چوری کرنے سے اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا تو پھر سے چوری کرنے کی جرأت نہ ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولتمندوں کو اپنے مال کے چوری ہونے کا کھٹکا نہ رہے گا۔ ایک شخص نے کسی کج فہم کے اعتراض کا کیا اچھا جواب دیا ہے جبکہ اس نے یہ اعتراض کیا کہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ ہاتھ کی دیت تو پانچسو اشرفیاں دینا پڑیں اور جب کوئی چوتھائی دینار بھی چرا لے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ امانت دار ہاتھ بے شک بیش قیمت ہے اور خیانت کرنیوالا ہاتھ ارذل ہے۔ اور اس کی بیقدری کی کچھ پروا نہیں ہو سکتی پس اب خداوندی حکمت کو سمجھ جاؤ۔

رجم محصن کی حکمت | چونکہ حرامکاری باوجود بہتری خرابیوں کے اس بچہ کے قتل کا سبب ہوا کرتی ہے جو کہ حرام سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کا نسب بے پتہ ہوتا ہے اُسے کوئی اپنے کنبہ میں نہیں شمار کرتا تاکہ اس کی مدد کرے اور نہ کوئی اس کا پرورش کرنے والا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اکثر مر جایا کرتا ہے اس لئے شریعت نے حرامکاری کرنے والے کی جبکہ وہ اپنی منکوحہ سے متمتع ہو چکا ہے یہ سزا قرار دی ہے کہ پتھروں سے اُسے

عہ و فی القصاص حیوٰۃ الآیہ ۱۲

مار ڈالیں تاکہ جیسے کہ شہوت رانی سے سارے بدن کو لذت ملی تھی اُسی طرح اس کا ہر ہر عضو اُس کی سزا کا مزہ بھی چکھ لے۔

جلد تعزیر محصن اور اس کے معذور ہونے کی حکمت اور اگر وہ حرام کار ایسا نہ ہو تو اُس وقت کسی قدر اُس کو معذور رکھ کر صرف سو کوڑوں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے جو کہ اُس کے سارے اعضاء پر لگائے جائیں گے جنھوں نے کہ بیجا شہوت رانی کی لذت اُٹھائی تھی بال وہ مقامات مستثنیٰ ہیں جن پر ضرب لگنے سے موت کا اندیشہ ہو یا اُن سے حلیہ بگڑ جاتا ہو اور ان سو کوڑوں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو بچہ کہ اس سے پیدا ہو سکتا تھا اور اُس نے حرامکاری سے اُسے ضائع کر دیا ممکن تھا کہ سو برس تک زندہ رہتا اور یہ وہ عمر ہے جس کی انسان میں جسمانی ساخت اور آہستہ آہستہ نشو و نما پانے کے لحاظ سے فطرتًا قابلیت پائی جاتی ہے چنانچہ بعض اطباء کا یہ قول بھی ہے لیکن چونکہ زندگی بسر کرنے میں مختلف حوادث پیش آتے ہیں اُن کی وجہ سے بسا اوقات موت کے بہت سے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں پس اس مدت سے پہلے ہی کبھی انسان کی اجل آپہنچتی ہے جو اُس کے لئے مقرر تھی اور وہ مر جاتا ہے اور کبھی یہی مدت اُس کی اجل ہوا کرتی ہے تو وہ اس عمر کو پہنچکر مرتا ہے پس جتنے سال تک کہ اس بچہ میں جس کو کہ اس نے حرامکاری کی وجہ سے ضائع کر دیا زندہ رہنے کی قابلیت ہو سکتی تھی اُن میں سے ہر ہر سال کے مقابل میں ایک ایک کوڑا مقرر کیا گیا۔

حد شرب خمر اور اُسکے اسّی کوڑے ہونیکی حکمت پھر چونکہ انسان میں سو برس تک زندہ رہنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ابتداء عمر میں پندرہ برس سے پہلے پہلے اُس کی عقل کا بوجہ ناقص رہنے کے تکالیف شرعیہ میں اکثر اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ اگر اس کی سو

برس کی عمر ہو تو اکثر قریب پانچ برس کے اس کی عقل نہایت ہی ضعیف ہو جایا کرتی ہے
اسی بنا پر چونکہ زمانہ اس کی عقل کے قویٰ قابل اعتبار و کامل رہنے کا ہے صرف اسّی برس
رہ جاتا ہے پس جو شخص کہ عقل ایسی چیز میں جو کہ بعد ایمان کے خدا کی نہایت ہی عظیم نعمت ہے
شراب پی کر خلل اندازی کرے جس سے کہ عقل یا تو بالکل ہی جاتی رہتی ہے یا ضعیف ہو جاتی
ہے شریعت نے اس کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی ہے پس گویا کہ جس مدت میں نعمت عقل
پوری پوری پائی جاتی ہے اس کے ہر ہر سال کے عوض میں ایک ایک کوڑا قرار دیا ہے
اور اس حد سے شرابی کیلئے یہ اشارہ ہے کہ اے شراب پینے والے اس مدت تک جو
نعمت عقل تیرے پاس بخوبی پائی جاتی تو نے شراب پی کر اسمیں رخنہ اندازی کی سو لئے تجھ کو
اتنے کوڑوں کی سزا دی گئی۔

حد قذف اور اس کے اسّی ہونے کی حکمت

پھر انسان اپنے بالغ ہونے کی مدت یعنی اکثر پندرہ برس سے پہلے
پہلے چونکہ مکلف نہیں ہوتا پس آبرو کے بارے میں اس کی
بے عزتی نہیں ہوتی جیسی کہ بالغ آدمی کی اسی طرح اگر وہ اپنی عمر طبعی یعنی سو برس تک زندہ
رہے تو آخر کے پانچ سالوں میں چونکہ اس کے شہوت و قویٰ میں انتہا درجہ کا ضعف ہو جاتا
ہے تو نہایت مشکل سے اس کی نسبت کسی فحش امر کے ساتھ متہم ہونے کا گمان ہو سکتا
ہے اس لئے غالباً اس مدت میں بھی اس کی بے عزتی ہونا بہت ہی مستبعد امر معلوم ہوتا ہے
پس وہ زمانہ جس میں کہ اس کی آبرو کی کامل طور پر محافظت کی اکثر ضرورت پڑ سکتی ہے
وہ صرف اسّی برس ٹھیرتے ہیں پس اسی وجہ سے شریعت نے ایسے شخص کی سزا جو کسی
دوسرے کو تہمت لگا کر اس کی آبروریزی کرے اسّی کوڑے مقرر کئے ہیں گویا کہ اس حد
سے اس زمانہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس میں کہ آبرو کی پورے طور سے حفاظت کیا

کرتے ہیں اور تہمت لگانے والے کو گویا کہ یہ خطاب کیا جاتا ہے کہ تو نے جس کی تہمت لگا کر آبرو ریزی کی ہے اُس کی آبرو کی پوری پوری حفاظت کرنے کی اس مدت تک ضرورت پڑا کرتی تھی اسی لئے تجھے یہ سزا دی گئی۔

شریعت محمدیہ شرائع سابقہ کے احکام کی جامع ہے

پھر یہ دیکھئے کہ شرائع سابقہ میں سے بعض میں قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم تھا اور بعض میں معاف کر دینے کا شریعت محمدیہ نے ان دونوں حکموں کو جمع کر لیا اس لیے اس نے مقتول کے ولی کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر چاہے تو وہ قصاص لے لے یا معاف کر دے اور معافی کو تقویٰ کے قریب ٹھیرا کر اس نے اُس کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح پر آپ اور اکثر احکام کو پائیں گے کہ جو شرائع سابقہ میں جدا جدا پائے جاتے تھے اس شریعت نے اُنہیں جمع کر دیا اور سب کا خلاصہ نکال لیا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ اسی شریعت پر تمام شریعتوں کا خاتمہ ہے پس اللہ تعالیٰ نے تمام شریعتوں کی خوبیوں کو اس میں مجتمع کر لیا)

پھر اس فرقہ نے اس شریعت کے آداب کو دیکھنا شروع کیا تو ان کو ہر باب میں اس کے قواعد و آداب بالکل مکمل نظر آئے چنانچہ اُنہوں نے دیکھا کہ اُس نے کھانے پینے۔ سونے۔ قضائے حاجت کرنے یہاں تک کہ صحبت کرنے تک کے قواعد مقرر کئے ہیں یہ بتلایا ہے کہ باہم اُٹھنے بیٹھنے باتیں کرنے کا کیا طریق ہے سفر اور حضر میں کن امور کی رعایت کرنا چاہیے زن و شوہر اور تمام عزیز و قریب باہم کیا برتاؤ کریں پڑوسیوں اور دوستوں سے کیا معاملہ کرنا مناسب ہے۔ مسلمان مسلمانوں اور غیر قوموں کے ساتھ کس طرح سے پیش آئیں اسی طرح پر تمام امور کے آداب و قواعد اُس نے مقرر کر دیے ہیں جن کا کہ شریعت میں غور و فکر کرنے سے پتہ لگ سکتا ہے۔

شریعت کا سیاست مدن کے اعلیٰ قواعد پر مشتمل ہونا

پھر اس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکی اختیارات کی جانچ شروع کی اور اس بات کی تفتیش کرنے لگے کہ جو کچھ آپ حکم دیتے ہیں اس کا نفع خاص آپ کی ذات اور آپ کی اولاد ہی پر محصور رہتا ہے یا عام لوگوں کو پہنچتا ہے پس باوجود انتہا درجہ کی باریک بینی اور اعلیٰ درجہ کی تلاش کے بھی انہیں آپ کا کوئی حکم ایسا نہیں ملا اور نہ آپ کی شریعت میں کوئی امر اس قسم کا نظر آیا جس کا کہ فائدہ خاص آپ کی ذات یا آپ کی اولاد ہی کے ساتھ وابستہ ہوتا اور اس کی منفعت عام نہ ہوتی۔

اور جو بات بظاہر اس قسم کی معلوم بھی ہوئی تو غور کرنے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حقیقت میں اسکا نفع بھی تمام لوگوں کے لئے عام ہے اور اس میں عام مصلحت کا لحاظ کیا گیا ہے مثلاً یہ کہ مال غنیمت میں سے قبل تقسیم کرنے کے آپ کچھ لے لیتے تھے جس کو کہ صفی کہتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ ابتداءً آپ اپنے منصب ریاست کی عظمت قائم رکھنے کے لئے اپنے نفس کا بظاہر تخصیص کیا کرتے تھے جیسا کہ علی العموم حاکم و محکوم میں اس امر کی رعایت دیکھی جاتی ہے اور اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم کی عظمت اور شان و شوکت اس کے مطیعین کے دل میں خوب مستحکم ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ملکی انتظام کے مقاصد میں سے اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے آخر کار جو کچھ آپ لے لیتے تھے وہ فقیروں کی حاجت براری میں صرف کر ڈالتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کا بظاہر اپنی تخصیص کرنا داب ریاست کے موافق اپنی شان و شوکت اور اختیار ظاہر کرنے کی غرض سے ہوتا تھا اور اس لئے کہ دولتمند اس کے لینے سے باز رہیں اور وہ مال حاجتمندوں کو پہنچ جائے اور اس خوبصورتی سے کام انجام پائے کہ مالداروں کو حاجتمندوں سے کینہ رکھنے کا بھی موقع نہ ملے اور ان کی کاربرآری بھی

ہو جائے ورنہ شاید فقیروں ہی کو تقسیم کرنے سے دولتمند اُن کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوئے دیکھ کر اُن کے دشمن ہو جاتے اس لئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا بلکہ آپ کا تو علی العموم یہ دستور تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس آتا تھا اس میں سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حاجت روائی کی مقدار رکھ کر باقی سب محتاجوں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور یہ ایسی بات تھی جس میں شبہ کی گنجائش نہیں متواتر طور پر یہ ثابت ہے یہاں تک کہ آپ دنیا سے بھی اسی حال میں رخصت ہو گئے کہ اپنے اہل و عیال میں سے کسی کو ایک درہم و دینار کا وارث بھی نہ بنایا بلکہ آپ نے اپنی ساری جائداد منقولہ کو خیر و خیرات میں صرف کر دیا اور غیر منقولہ جائداد کو فی سبیل اللہ محتاجوں کیلئے وقف کر دیا) اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اہل و عیال کیلئے مسلمانوں کے خزانہ میں سے لینے میں آپ نے ہمیشہ مساوات کو مدنظر رکھا کبھی آپ نے اپنوں کو اپنا سمجھ کر ترجیح نہیں دی اور نہ اپنی اولاد میں سے کسی کے لئے اپنی خلافت یعنی جانشینی کی وصیت کی بلکہ یہ امر محض مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا کہ جس کو مناسب سمجھیں وہ اپنی رائے سے مقرر کریں اور اگر آپ چاہتے تو کسی کی نسبت اپنی جانشینی کے لئے تصریحاً ارشاد فرما دیتے پھر کسی کو قیامت تک بھی آپ کی مخالفت کی جرأت نہ پڑتی اور اس بارہ میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپ اپنے دوستوں اور کنبہ والوں کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے رہے کہ حاکم بننے سے جہاں تک بچ سکیں بچیں اور دنیاوی منصب اور ساز و سامان پر کبھی مغرور نہ ہوں۔

تعدادِ ازدواج اور اس کا چار میں محصور ہونا

پھر اس فرقہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول اور ظلم و تعدی کرنے سے بالکل معصوم و محفوظ ہیں آپ کی کتنی ہی بیبیاں کیوں نہ ہوں آپ اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنے پر پورے طور سے قدرت

رکھتے ہیں اسلئے شریعت نے آپ کے لئے اجازت دیدی کہ جتنی عورتوں کیساتھ آپ چاہیں نکاح کرسکتے ہیں جیسے کہ پہلے رسولوں کے لئے اجازت تھی مثلاً داؤد و سلیمان یا ان کے سوا اور انبیاء علیہم السلام لیکن جب رسولوں کے علاوہ اگر عورتیں بہت زیادہ ہوں تو عام طور پر انسان انکے ساتھ حق ادا کرنے سے عاجز پایا جاتا ہے اسلئے آپ کی پیروی کرنے والوں میں سے کسی کیلئے چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔

عام امت کو چار سے زیادہ نکاح جائز نہیں

اور ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دیتے ہیں گویا کہ شریعت نے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا لحاظ کیا ہے کیونکہ مردوں کی تعداد کا بہ نسبت عورتوں کے اس وجہ سے کم ہوجاتا کہ انہیں سیر و سیاحت اور کسب معاش وغیرہ کی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لڑائی میں کام آتے ہیں ایک ضروری امر ہے پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہیں دی جاتی تو فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہتیں اور بلاوجہ ان کو نسل کی افزائش سے روکنا لازم آتا علاوہ ازیں مرد جب سن بلوغ سے لیکر آخر عمر تک خواہ سو ہی برس تک کیوں نہ زندہ رہے۔ توالد و تناسل کی استعداد باقی رہا کرتی ہے بخلاف عورت کے کہ وہ پچاس۵۰ یا پچپن۵۵ برس کے بعد اولاد سے بالکل مایوس ہوجاتی ہے کیونکہ اس سن میں اس کا حیض منقطع ہوجاتا ہے اور تخم یعنی وہ مادہ جس سے کہ بچہ بنتا ہے اس میں باقی نہیں رہتا۔

تعداد ازدواج کی حکمت

اور یہ بات بھی خدا کے لطف سے خالی نہیں اس لئے کہ حاملہ ہونے، بچہ جننے اور دودھ پلانے کی وجہ سے اس کی قوتوں میں ضعف آجاتا ہے اگر اب بھی بچہ ہوتا تو اسکے لئے مصیبت پر مصیبت بڑھ جاتی پس عورت کے بالغ ہونے سے لیکر سن ایاس تک باعتبار اکثر کے کل پینتیس۳۵ برس کی مدت رہ جاتی ہے جس میں کہ عورت میں

بچہ ہونے کی قابلیت باقی رہتی ہے پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ ہوتی تو ایک عورت
کے ساتھ رہ کر اپنی عمر کے ایک بہت بڑے حصہ تک اُسے ناحق اپنی نسل پھیلانے سے محروم
رہنا پڑتا۔ پس کئی شادیوں کی اجازت دینے سے مرد کو اپنی نسل میں معطل رہنے کی آفت سے
نجات مل گئی اس موقع سے طلاق دینے کی اجازت کا نکتہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کیونکہ بر تقدیر
اجازت نہ ہونے کے اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ شادی کرنے پر قادر
نہ ہوتا تو درصورت اس کی زوجہ کے بانجھ ہونے کے یا کبرسنی کی وجہ سے اولاد سے مایوس
ہو جانے کے باوجود توالد و تناسل کی استعداد کے اُسے (مرد کو) نسل سے معطل رہنا پڑتا اس
لیئے کہ وہ طلاق تو دے ہی نہیں سکتا تاکہ بجائے اپنی زوجہ کے دوسری عورت سے شادی
کرلیتا اس طرح پر اگر مرد میں توالد و تناسل کی قابلیت نہ ہوتی تو عورت کو اولاد سے معطل رہنا
پڑتا اب یہ دونوں خرابیاں دفع ہو گئیں رہی یہ بات کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد
ہی کو کیوں دیا گیا اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہاں دیکھنا چاہیئے)

چار شادیوں کی اجازت کی حکمت اب صرف چار ہی عورتوں کی اجازت کی وجہ یہ معلوم ہوتی
ہے کہ اصل کسب معاش کے معتدبہ چار ہی قسم کے ذریعے ہوا کرتے ہیں اسلیئے ہر ایک
کے مقابل میں ایک ایک عورت کی اجازت دی گئی گو کبھی ایسا بھی ہو کہ صرف کسب معاش
کا ایک ہی طریق وسیع ہونے کی وجہ سے باقی طریقوں کے قائم مقام ہو جائے اور وہ چار
قسمیں یہ ہیں۔ تجارت[۱] صنعت[۲] ۔ زراعت[۳] ۔ حکومت[۴] ۔ پھر شریعت نے چار شادیوں
کی اس وقت اجازت دی ہے جبکہ آدمی چاروں کے ساتھ انصاف کرسکے یہاں تک کہ
اگر کوئی دو عورتوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے سے قاصر ہو تو اُسے دو کی بھی اجازت نہیں
ہے صرف ایک شادی وہ کرسکتا ہے اور اگر ایک عورت کے ساتھ بھی بے انصافی

کا نوف ہو اور اپنے کو عاجز پاتے یا نان و نفقہ دینے کی وسعت نہ رکھتا ہو تو اُسے ایک سے بھی شادی کرنے کی اجازت نہیں سخت ممانعت ہے ۔

سریہ بنانے کی حکمت

پھر چونکہ لونڈیاں یعنی وہ عورتیں جو کہ لڑائی میں گرفتار ہو کر آتی ہیں ۔ افزائش نسل سے محروم رہی جاتی تھیں کیونکہ غلاموں کا کاروبار خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نفرت کرکے اُن کی خبر گیری کرنا ذرا مشکل امر ہے بلکہ یوں کہیئے کہ وہ نکاح کے حقوق ادا کرنے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں اس لئے اُن کے لونڈیوں کے مالکوں کو گو وہ چار سے زیادہ بھی بیوی رکھتے ہوں متمتع ہونے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ توالد و تناسل سے بیکار نہ رہیں ۔

اور غلام کو اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی مالکہ کا شوہر بن سکے کیونکہ عورت کے مالک ہونے کا تو یہ مقتضی ہے کہ وہ غلام پر حکومت کر سکے وہ اس کے قبضہ میں رہے اس پر پورا اختیار حاصل ہو لیکن اگر وہ اُس کا شوہر بن سکتا تو چاہیئے تھا کہ اس کی مالکہ بحیثیت اس کی زوجہ ہونے کے اس کی فرمانبرداری کرے اور غلام کو اُس پر قبضہ حاصل ہو لیکن اس مناقضت اور مخالفت کی وجہ سے باہم معاشرت کرنے میں بڑا خلل واقع ہوتا دونوں میں کبھی موافقت نہیں ہو سکتی اور اس بدانتظامی سے سارا عیش و آرام خاک میں مل جاتا یہ امر اہل منصفت اور عادل شریعت کے مقاصد کے بالکل خلاف ہے ہاں غلام کو دوسری عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے ۔

رسول اللہ صلعم کی ازواج سے آپ کے بعد نکاح حرام ہونا

پھر اس فرقہ کو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے آپ کے بعد آپ کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور جب انہوں نے اس بارہ میں غور و فکر سے کام لیا تو اُن پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ امر

نہایت عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے۔ اوّل تو یہ کہ آپ کی تعظیم کرنا بلکہ تمام رسولوں کے مطیعین کا اُن کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آنا شرائع سابقہ میں ایک مانی ہوئی بات ہے اور آپ کے ساتھ ادب کی رعایت کے ضروری ہونے کے علاوہ یہ امر فی نفسہ بھی مستحسن معلوم ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت انسانی طبیعتوں پر یہ امر گراں گزرتا ہے کہ اُن کے بعد کوئی دوسرا اُن کی عورتوں سے شادی کرے اور اس امر کی رعایت سوائے آپ کے کسی دوسرے کے لئے اگرچہ وہ دین و سلطنت کے بڑے لوگوں میں شمار کیوں نہ ہوتا ہو اور بڑا عالم و فاضل ہی کیوں نہ ہو اس لئے نہیں کی گئی تا کہ اُمّت پر نکاح کے بارہ میں تنگی نہ ہونے پائے۔

دوسرے یہ کہ خلافت کے بارہ میں بناء استحقاق و دخل دہی کا انسداد کر دیا جائے۔ کیونکہ بالفرض اگر آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو جو شخص ان میں سے کسی سے بھی نکاح کر لیتا تو وہ اگرچہ جانشینی کے قابل بھی نہ ہوتا لیکن عوام لوگوں پر تسلط حاصل کر لیتا اور یہ کہہ کر لوگوں کی عقلوں کو فریب دیتا کہ میرے پاس تو تمہارے رسول کی زوجہ موجود ہے اس وجہ سے مجھے اوروں پر ترجیح حاصل ہے اور بیشک میں خلافت و جانشینی کا استحقاق رکھتا ہوں اور آپ کی زوجہ مطہرہ کو اپنے دلی ارادوں میں تمام لوگوں پر جو نادان ہوا کرتے ہیں ترجیح حاصل کرنے کیلئے آڑ بنا لیتا اور یہ بات کوئی مستبعد نہیں ہے کیونکہ برابر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی ملکی تغیرات کی وجہ سے کسی نے پہلے بادشاہ کی بیگم سے اس کے مرنے کے بعد شادی کر لی تو وہ اس حیلہ سے ملک پر قابض بن بیٹھا جس کی تاریخ شاہد ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس کی اجازت ہوتی تو آپ کے پیروی کرنے والوں میں بڑا فتنہ فساد برپا ہو جاتا کیونکہ ہر شخص یہی چاہتا کہ اپنے رسول کی زوجہ مطہرہ کو اپنے پاس رکھے

تاکہ اُس کو اُن کے پاس رہنے سے شرف حاصل ہو اُن کی اولاد سے برکت حاصل کرنا ف
ہو اُس اعلیٰ درجہ کی بزرگی سے فیضیاب ہو کہ اپنے ہم چشموں پر فخر کرنے کا موقع ملے جو کہ اُن کے
ذریعہ سے اُن باتوں پر واقفیت ہوتی جو بڑے بڑے سمجھداروں کو بھی معلوم نہیں اس طرح
باہم اُن میں بڑی مخالفت پیدا ہو جاتی جس کی وجہ سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جاتا پس اس
امر کے انسداد کی غرض سے بالکل مصلحت کے موافق شریعت نے آپ کے بعد آپ کی ازواج
مطہرات سے نکاح کرنا قطعی حرام کر دیا۔

چوتھے یہ کہ اگر آپ کی ازواج مطہرات آپ کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرتیں تو
بیشک اُن کے منصب عالی اور مرتبہ عظیمہ کی بیقدری ہوتی اور تمام امت کے دلوں میں
اُن کی وہ قدر و منزلت نہ باقی رہتی جو اُن کو اب حاصل تھی کیونکہ اُس عورت کی حالت جو کہ
ایسے جلیل القدر خدا کے رسول کے پاس رہ چکی ہو اور پھر وہ کسی دوسرے کے پاس رہے
گو وہ کیسا ہی بڑا کیوں نہ شمار کیا جاتا ہو بالکل اُس شئے کی مثل ہے جس کو کسی نے بلندی
سے پستی میں ڈال دیا ہو یا اُس شخص کی مثل جس کو کہ شاہی کے بعد گدائی نصیب ہوئی ہو
اور پھر لوگوں کے دلوں میں اُن کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی اور اس وجہ سے کہ وہ بعد آپ
کے ایسے شخص کے قبضہ میں ہوتیں کہ جس کے لئے تمام معاصی اور قبائح سے محفوظ اور معصوم
ہونا ضروری نہیں اُن کی شرعی باتوں کی نسبت لوگ مشکوک ہو جاتے اور ممکن تھا کہ اُن
کو یہ خیال ہو جاتا کہ وہ اپنے جدید شوہر کی خواہش کے موافق سارے اقوال و اعمال میں عملدرآمد
کرتی ہیں اور اُسی کے خیالات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے لیکر رواج دیتی
ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اُن کی نسبت ایسا خیال کرنا صحیح ہو سکتا ہے حاشا و کلا وہ باعصمت
بیبیاں ایسی باتوں سے بالکل مبرا ہیں بلکہ اُن کی شان میں ایسا گمان کرنا نہایت بے انصاف

پر مبنی ہے۔ اس تقریر کا صرف مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت میں لوگوں کے دلوں میں اس
قسم کے خیالات پیدا ہونا کوئی بعید نہیں تھا اُن کو یہ شک پیدا ہو سکتا تھا اور اگر کہیں
ایسا ہوتا تو امت کو اُن کے اُن علوم کے ثمرات کثیرہ سے جن پر کہ دین کے بڑے جلیل القدر
احکام مبنی ہیں اور جنھیں کہ انھیں پاک زبانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا
ہے بالکل محروم رہنا پڑتا اور وہ احکام ہمیں معلوم نہ ہوتے جو آپ کے اُن اقوال و افعال سے
مستنبط کئے گئے ہیں جن کی روایت کرنے والی یہی عصمت مآب عورتیں ہیں جو کہ آپ کے ساتھ
کھانے پینے۔ بیٹھنے جلوت و خلوت سب میں شریک رہتی تھیں اور اس طرح پر انہیں
علوم نبوت سے واقفیت پیدا کرنیکا بہت اچھا اور قوی ذریعہ حاصل تھا اسی وجہ سے اکثر
احکام ہم کو انہیں کے وسیلہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ پس اگر وہ کسی دوسرے کے پاس رہتیں تو
اُن کی یہ عظمت کہاں باقی رہتی اور وہ وثوق جو کہ اُن کی خبروں پر اب حاصل ہے اس کا
کہاں پتہ لگتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ سارے علوم ہم سے فوت ہو جاتے علاوہ بریں اس نکاح
کے حرام کرنے میں خدا جانے اور کتنی حکمتیں اور اسرار پائے جاتے ہیں جو کہ غور کرنے کے بعد
منصف کے نزدیک مخفی نہیں رہ سکتے۔ پس اگر آپ کے بعد نکاح کرنے کی انہیں اجازت
نہ ہونے سے خاص اُن کا ضرر بھی ہو تو اس ضرر کا عام لوگوں کے نقصانات کے مقابلہ میں
کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا مصلحتِ عام شخصی مصلحت پر ہمیشہ ترجیح دینے کے قابل ہے پس
یہ حکم کسی نفسانی غرض یا پست خیالات پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس بحث اور تدقیق
سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسی باتوں سے بالکل
بری ہیں آپ کی نسبت کسی قسم کا خیال کرنا ہی بیجا ہے کیونکہ یہ تو اسرار اور حکم پر نظر کر کے
خدا کا مقرر کیا ہوا حکم ہے۔ پس جبکہ یہ فرقہ شریعت محمدیہ اور اس کے انتظامات کی جانچ

کر چکا اور اُس کو اُس کی خوش انتظامی اور نہایت ہی عجیب و غریب حکمتیں جن کا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے معلوم ہو چکیں تو آپس میں یوں کہنے لگے کہ صاحب حق تو یہ ہے کہ انکار نہیں کیا جاتا اُس کو تو ماننا ہی چاہیے پس بیشک جو کچھ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں وہ خدا ہی کی شریعت ہے ورنہ بھلا دیکھیے تو سہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے پڑھے آدمی جاہلوں میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اپنے وطن سے سوائے تھوڑی دور کے کہیں گئے نہیں اور وہ بھی چند ماہ کے لئے کہ جو مدت تھوڑا سا علم حاصل کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہو سکتی اور نہ آپ کو تمام عمر میں اپنے شہر میں کسی واقف کار اور دانشمند کی صحبت میں رہنے کا کبھی اتفاق ہوا اور نہ یہ ثابت ہوا کہ آپ نے کبھی ملکی قوانین یا شرائع میں سے قدرے قلیل بھی سیکھنے کا اہتمام کیا ہو پس آپ کو کہاں سے ایسی عقل مل گئی کہ جس سے آپ نے ایسے عجیب و غریب انتظام ترتیب کو مستنبط کر لیا کہ جو نہایت ہی عظیم الشان حکمتوں کو محیط ہو جس میں کہ تمام عمدہ خصائل پائے جاتے ہوں جس سے کہ انسانی دنیا کا پورا پورا انتظام ہوتا ہو اُن کے حالات کی اصلاح ہوتی ہو اُن کے نفوس پاکیزہ ہوتے ہوں اُن کے شہر آباد ہوتے ہوں انہیں شریروں سے پناہ ملتی ہو اسی طرح اس میں تمام اس قسم کی چیزیں موجود ہوں جن سے کہ بنی آدم کو نفع پہنچتا ہو اور جملہ ضرر رساں اشیاء سے وہ محفوظ رہتے ہوں باوجود اس کے اُس میں تمام عالم کی پرورش کرنے والے کے بارہ میں صحیح عقیدے بھی پائے جاتے ہوں جن میں کہ پست اور بے بنیاد خیالات کا کہیں پتہ نہ ہو۔ اسی طرح پر اُس میں خلقت کے رہنما اور برگزیدہ رسولوں کی نسبت بھی عمدہ عقیدوں کی تعلیم ہو۔

یہ سب باتیں تو ایسی ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم سے زیادہ دانشمند سارے لوگوں سے زیادہ واقف کار۔ بہت بڑے فلسفی سیاست اور انتظامات ملکی کے

بڑے ماہر بھی ہوتے تب بھی عقل میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ آپ تن تنہا ان تمام چیزوں پر
حاوی ہو سکتے اور آپ کے لئے ان سب اشیاء کا جمع کر لینا ممکن ہوتا ہاں اُس وقت بیشک یہ
بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے ہوں اور خدا ہی نے ان تمام امور کی طرف
آپ کی رہنمائی کی ہو یہ سب کچھ آپ کو بتلا دیا ہو ان سب کے بھید سمجھا دیئے ہوں اور پھر لوگوں
کی تعلیم کا انہیں حکم دیا ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑے فلسفیوں کو بھی یہ بات
نصیب نہیں ہوئی کہ تمام امور میں ماہر ہو گئے ہوں گو اُن کی کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی واقفیت
کیوں نہ ہو اور جملہ فنون پر ہی نظر کیوں نہ رکھتے ہوں بہت ہوا تو ایک دو فن میں اُن کو
کمال حاصل ہو گیا۔ جالینوس ہی کو دیکھئے کہ ملکی انتظام میں کمال رکھتا تھا۔ ارسطو حکمت
نظری اور الٰہیات کا ماہر تھا بقراط کا پایہ طب میں بلند تھا اقلیدس کو علم ہندسہ میں مہارت تامہ
حاصل تھی اسی طرح کوئی کسی فن میں اور کوئی کسی فن میں کامل ہو گیا اب رہا یہ امر کہ حکماء اور
عقلاء میں سے کسی کو تمام فنون میں بھی کمال حاصل ہوا ہو یا انسان کی جملہ مصلحتوں کی
اُسے معرفت نصیب ہو گئی ہو یہ بات تو کبھی ہوئی نہیں اور نہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ ہاں
اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو دیکھا جائے تو وہ بیشک انسان کے نفع کی جتنی
چیزیں ہیں سب پر حاوی ہے کوئی چیز بھی اُس نے نہیں چھوڑی چنانچہ ہم اس کا پہلے
بیان کر چکے ہیں اور تمام امور کے بیان کرنے میں اُس نے ایسا پاکیزہ طرز اختیار کیا ہے کہ
جس چیز کی زیادہ حاجت پڑتی تھی اور وہ بہت ضروری تھی اُسے تو خوب شرح و بسط سے
ذکر کر دیا اور کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور جو چیزیں ایسی تھیں کہ امور معاش یا نفس کے
تہذیب کرنے میں اُن کی ضرورت نہ پڑتی تھی اُن کی طرف محض اشارہ کر دینا کافی سمجھا گویا
کہ اس طرح پر یہ بات بتلا دی کہ اُن کے حاصل کرنے کا اگر تمہیں شوق ہو تو اُن کے جاننے

والوں سے سیکھ لو جیسا ہم نے بتلا دیا ہے اس بنا پر فنون ہندسہ حساب اور صناعات وغیرہ کے بارہ میں اس نے نہایت سہولت سے کام لیا ہے لوگوں کو اُن کے تحصیل کی چنداں تکلیف نہیں دی اس کو محض ان کی خوشی اور مصلحت اندیشی پر چھوڑ دیا ہے۔

یہ سب باتیں شریعت میں اس شخص کو نظر آسکتی ہیں جو اُن پر مطلع ہونے کی غرض سے اس کی بخوبی جانچ کرے اور پوری تحقیق سے کام لے۔ ورنہ بھلا اس شخص کو کیا پتہ لگ سکتا ہے جو کہ بہ نظر تعصب اس کو دیکھے یا اس کے احکام وغیرہ پر سرسری نظر ڈال جائے اور محض بعض مباحث پر واقفیت حاصل کر کے یہ سمجھنے لگے کہ میری نظر شریعت کی تمام چیزوں پر خوب محیط ہو گئی ہے حالانکہ حضرت کو سو حصوں میں سے ایک حصہ کی بھی خبر نہ ہوا جو کچھ جانتے بھی ہوں وہ بھی پورے طور سے نہ سمجھے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ اس بحث و تدقیق کے بعد اس فرقہ نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کی اور آپ کو خدا کا پیغمبر ماننے لگے اور آپ کے نہایت ہی مطیع اور اعلیٰ درجہ کے خیر خواہ بن گئے اس فرقے نے تو بعد میں آنے والوں کے لئے استدلال کا بہت اچھا دروازہ کھول دیا میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر استدلال کرنے کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ جو قیامت تک بھی بند نہ ہوگا جو شخص کہ آپ کے بعد چاہے کتنے ہی زمانہ گذرنے پر کیوں نہ آئے لیکن وہ انہیں لوگوں کی طرح آپ کے صدق پر استدلال کر سکتا ہے اور اس کے نزدیک بھی حق واضح ہو سکتا ہے کیونکہ جو کوئی شریعت محمدیہ کے عمیق دریا میں غوطہ لگائیگا اور قیود تعصب سے چھوٹی ہوئی نظر سے دیکھے گا اور اپنی عقل سے آزادانہ طور پر بلا مرو رعایت کام لے گا ممکن نہیں ہے کہ اس کی حقانیت کا اسے یقین نہ ہو جائے اور صاحب شریعت کے صدق پر ایمان نہ آئے۔

اور جو شخص کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آوری کے زمانہ دراز گذرنے پر خصوصاً تیرہ سو برس کی مدت کے بعد آوے اُس کے نزدیک تو شریعت کی مختلف فضیلتوں کے دیکھنے کی وجہ سے جو کہ اس کے خدا کے پاس سے ہونے پر دلالت کرتی ہیں حق تو واضح ہو ہی جائے گا۔ علاوہ بریں اس استدلال کا دروازہ اُسے اور بھی وسیع نظر آئے گا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ یہ شریعت باوجود اتنی مدت مدید گذرنے کے بھی ہمیشہ محفوظ رہی اس کے قواعد ہمیشہ عام رہے کسی قاعدے کے توڑنے کی کبھی ضرورت نہ پڑی یہاں تک کہ عقل یہ حکم کرتی کہ فلاں قاعدہ فلاں زمانہ کے موافق نہیں رہا بلکہ اس کے قواعد ہر زمانہ کے مناسب رہے اُن کے فوائد ہمیشہ حاصل ہوتے رہے چنانچہ وہ تمام عقلاء جن کی عقلیں مرض تعصب سے سالم ہیں اس کو برابر مانتے ہیں اور جسے ہماری بات کا یقین نہ آئے وہ امتحان کرکے دیکھ لے کیونکہ امتحان کرنا سب سے قوی دلیل ہے پس اگر اس شریعت کے احکام کسی انسان کے تجویز کردہ ہوتے تو اُن میں ضرور خلل پڑتا اور ان کا نظام فاسد ہوجاتا چنانچہ برابر دیکھا جاتا ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے آدمیوں کے تجویز کردہ قوانین میں تغیر و تبدل کی ہمیشہ ضرورت پڑتی ہے اور پہلے احکام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

بعض لوگوں کی غلطی | کہیں آپ بعض نادانوں کی یاوہ گوئیوں سے گھبرا نہ جائیں کیونکہ اس بارہ میں کم فہموں نے بڑی بڑی چہ میگوئیاں کی ہیں یہاں تک کہ بعض وہ لوگ بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں جو اپنا تعلق اسلام سے ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہ اسلام سے کوسوں دور ہیں اُن کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اُن کی اتنی نظر ہی نہیں ہے کہ انہیں کچھ دکھائی دے وہ اس شریعت کی قدر و منزلت کو کیا جانیں بالکل ناواقف ہیں صرف انہوں نے کہیں سے اسلام کا نام سُن لیا ہے اسی بنا پر اُن کا بے قدر نفس طرح طرح کی باتیں بگھارنے لگا ہے اور

اُن کی فاسد عقل میں یہ خیال جم گیا ہے کہ موجودہ زمانہ کے لئے شریعت کے مقرر کردہ احکام و
قوانین کافی نہیں، اس زمانہ کے لئے نیا قانون بننا چاہیئے اور یہ سمجھ کر غیر قوموں سے بعض بعض
قوانین اختیار کرنے کا اپنے آپ کو محتاج خیال کرتے ہیں اور سچ پوچھئے تو وہ قواعد یا تو خود
ایسے ہیں کہ جن سے پورے طور سے آدمی نفع نہیں حاصل کر سکتا اور اُن کے احکام بہت
کمزور پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں آپ کوئی نفع دیکھیں گے تو اُس کے ساتھ
ہی بہت سی خرابیاں بھی نظر آئیں گی یا وہ فی الحقیقت اسی شریعت کے کامل قواعد سے
ماخوذ نکلیں گے جنھیں کہ اُن لوگوں نے اسلامی لباس اتار کر دوسرا لباس پہنا رکھا ہے
جس کی وجہ سے اُن کی اصلی صورت اچھی طرح سے نہیں پہچانی جاتی اسی وجہ سے کم فہم
لوگ اس کو ایک جدید شئے خیال کرنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں قوموں نے
اُن کو ایجاد کیا ہے اور طرح طرح کی حکمتوں کی اُن میں رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

کاش ایسے سمجھنے والے کو اگر شریعت محمدیہ کے سمجھنے کی استعداد ہوتی اور اُس کے
احکام کے واقف کاروں میں ہوتا تو کبھی ایسی غلطی نہ کرتا اُس پر یہ بات روشن ہو جاتی کہ اس
شریعت میں خود ایسے کامل اور اعلیٰ درجہ کے قواعد موجود ہیں جو کہ زمانۂ موجودہ کیا معنی بلکہ
ہر زمانہ کی ضرورتوں کیلئے پورے پورے کافی ہیں اُس کے قواعد کے سامنے ان ناقص قواعد
کا ذکر کرنا ہی بیجا ہے جو کہ ہرگز اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اس کے قواعد کے مقابلہ میں اُن
کی طرف ذرا بھی التفات کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوتا تو اس امر کا پتہ لگ جاتا کہ ان قوموں
کے پاس جو کامل قواعد و ضوابط دیکھے جاتے ہیں شریعت کے جملہ قواعد میں یہ بھی داخل ہیں
یہ نہیں ہے کہ یہ شریعت اُن سے خالی ہے غایت سے غایت یہ ہوگا کہ انھوں نے اُن
کی اصلی اسلامی صورت کو بدل ڈالا ہے اور ایک نیا جامہ پہنا کر ظاہر کیا ہے یا اگر بعض

نے شریعت محمدیہ سے اُن قواعد کو اخذ نہیں کیا ہے اور اُن کی عقل اُن قواعد تک اس وجہ سے پہنچ گئی ہے کہ وہ عقل کے نزدیک مستحسن ہیں تو شریعت میں بھی وہ موجود ہیں اور اس وقت وہ ضرور یہ حکم کرتا کہ شریعت محمدیہ کے قواعد بالکل کافی ہیں اُسے دوسری قوموں سے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن ہاں اس بات کے دریافت کرنے کے لیے عقل رسا اور احکام شریعت سے پوری پوری واقفیت کی بڑی ضرورت ہے جب تک آدمی کو شریعت کے جملہ ابواب میں تبحر حاصل نہ ہو اُس وقت تک اس امر کا پتہ لگنا ہے ذرا امر مشکل۔ محض سرسری نظر سے احکام شریعت کو دیکھ لینے سے کچھ کام نہیں چلتا۔

فلاح عام کے قوانین حاصل کرنے کا طریقہ

پس اگر کوئی یہ چاہے کہ شریعت کے قواعد کو تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ مہیا کرے جس سے کہ عام لوگوں کو سمجھنا آسان ہو جائے اور ان کی اصلاح ہو تو اُس کو چاہیئے کہ شریعت محمدیہ کے متبحر عالموں پر اس امر کو پیش کرکے اُن سے درخواست کرے کہ وہ کوشش کرکے اُن قواعد میں سے ایسی چیزیں یکجا کر دیں جن سے کہ اُس کی حاجت روائی ہو جائے اور مقصد بر آئے تاکہ وہ لوگ درخواست کے موافق ایسے امور جمع کر دیں جن سے کہ عام لوگ پورے طور سے مستفیض ہو سکیں چنانچہ سلطان اعظم نے (خدا اُن کی سلطنت کا ہمیشہ حامی اور مددگار رہے) جب علما سے ایسی کتاب تالیف کرنے کی خواہش ظاہر کی جس میں کہ اُن تمام معاملات کے منصفانہ احکام مجتمع ہوں جو کہ لوگوں کو اکثر اوقات پیش آیا کرتے ہیں تاکہ حکام اور اہل مقدمہ اُن کو آسانی سے سمجھ سکیں تو اُنھوں نے ایسی ہی کتاب لکھ دی جس سے کہ اس بارہ میں لوگوں کی پوری پوری مقصد برآری ہو سکے اور اُس کتاب کا نام "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" ہے۔

ایک غلطی

اُن لوگوں کے حالات دیکھ کر بھی آپ خلجان میں نہ پڑیں جو کہ کہنے کو تو اسلام کی

پیروی کے مدعی ہیں لیکن انہیں نہ تو کچھ ادب و قاعدے سے مطلب ہے نہ اُن کے طرز عمل میں کچھ
انتظام پایا جاتا ہے اُن کے تمام کاروبار میں بدتدبیری اور بدنظمی چھپی ہوئی ہے ایسوں کو دیکھ
کر جو شخص کہ حقیقت حال سے واقف نہیں اور جو یہ نہیں جانتا ہے کہ آنحضرت نے اپنی
شریعت کی کہاں تک تکمیل کی ہے اُسے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ کہہ سکتا ہے
کہ مسلمان جیسے یہ شکوہ کرتے ہیں کہ اُن کی شریعت اپنے پیروی کرنے والوں کو تعلیم
دیتی ہے اُن کو انتہا درجہ کی تہذیب سکھاتی ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ مسلمان
ہیں لیکن جس طرح کی برائیاں اِن میں پھیلے ہوئے ہیں اُن کو انواع اقسام کی بدبختی گھیرے
ہوئے ہے اُن کے لئے شریعت کی اپنے متبعین کے احوال درست کرنے کی ذمہ داری کہاں
گئی وہ ان لوگوں کی اصلاح کیوں نہیں کرتی ایسے شخص کا یہ جواب ہے کہ دیکھئے انصاف
نہ چھوڑیے کس نے دعویٰ کیا تھا کہ شریعت محمدیہ اس شخص کی بھی اصلاح کی ذمہ دار ہے
جو صرف نام کا مسلمان ہے اور اپنے آپ کو تو مسلمان کہتا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے اُس
کی پوری مخالفت کرتا ہے اُس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا اور نہ اُس کے بتائے ہوئے آداب
اخلاق اختیار کرتا ہے آپ یقیناً سمجھ لیجئے کہ شریعت نے اس کی کبھی ذمہ داری نہیں کی وہ
صرف اُنہیں لوگوں کی اصلاح کرتی ہے جو کہ اُس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اُس کی تعلیم
کے موافق اخلاق اور آداب اختیار کرتے ہیں چنانچہ اس بات کی قرآن اور حدیثوں میں
تصریح کر دی گئی ہے بلکہ شریعت نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص ان امور میں
اس کے ساتھ مخالفت پیش آئے گا اُس پر طرح طرح کی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوں گی
یہاں تک کہ اُس کو اُن اُن مصائب سے سامنا کرنا پڑے گا جن سے کہ مخالفین اسلام بالکل
محفوظ رہیں گے اس لئے کہ ایسا شخص بجائے آخرت کے دنیا ہی میں اپنے گناہوں کا کچھ مزہ

بچھ لے تاکہ اسی طرح پر کہیں وہ مخالفت سے باز آ جائے اور اُس سے توبہ کرنا نصیب ہو۔ خدا
کی یہ بھی عادت ہے کہ جس شخص کے ساتھ اُسے اُس کی بعض نیکیوں کو پسند کر کے لطف اور
مہربانی سے پیش آنا منظور ہوتا ہے تو اُس کو دنیا میں گناہوں سے پاک کرنے کیلئے طرح طرح کی
تکلیفوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ دنیا کی مصیبتیں اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں اور وہ
اُخروی عذاب سے بچ جائے۔

فساق کی مثال اب ہم ایسے شخص کی جو کہنے کو تو مسلمان ہو لیکن بباعث نافرمانیوں کے اسلامی
برکتوں سے محروم رہتا ہو آپ کے لئے ایک ایسی مثال بیان کریں جس سے کہ آپ اس مضمون کو
بخوبی سمجھ جائیں پس فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ایک بہت بڑا کتبخانہ موجود ہے جس میں کہ
عمدہ اخلاق و آداب کی بہت سی نفیس کتابیں رکھی ہوئی ہیں اُن کے مضامین تمام پسندیدہ
کاموں کی ہدایت و ترغیب سے مملو ہیں لیکن اُن میں سے کسی کتاب کو کبھی کھول کر نہیں دیکھتا
اور نہ اُس سے مستفید ہوتا ہے تو کیا آپ کی عقل اس بات کا خیال کر سکتی ہے کہ ایسا شخص
محض کتابوں کی جلدوں کو مطلا و مذہب کر کے انہیں اپنے کتبخانہ میں نہایت آراستگی کے
ساتھ رکھنے سے مہذب بن جائے گا یا وہ اس طرح پر فضیلت حاصل کرے گا اور علمی سعادت
سے بہرہ یاب شمار کیا جائے گا حق تو یہ ہے کہ سوائے اس شعر ؎ نہ محقق بود نہ دانشمند
چارپائے بر و کتابے چند کے مصداق بننے کے وہ اور کس لائق ہو سکتا ہے اور اُسے سوائے
جاہل کے اور کیا خطاب دیا جا سکتا ہے۔

علماء سوء کی علامات پس اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب ہم تو اس شریعت کی پیروی کرنے
والوں میں ایسوں کو بھی پاتے ہیں کہ جن کا شمار اسلام کے علماء میں ہوتا ہے۔ پھر بھی اُن لوگوں
کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور نہ اُن کی عادتیں ہی اچھی ہوتی ہیں دنیا طلبی میں اُن کا نمبر تو

جاہلوں سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے اوندھے سیدھے مال کی طلب میں گرے پڑتے ہیں دل کھول کر لوگوں کو ستاتے ہیں انہیں کسی کے نقصان کی پروا نہیں ہوتی پھر بتایئے کہ اس شریعت سے اُن شریروں کو کوئی تہذیب حاصل ہوئی انہیں اس کا کیا ثمرہ ملا بلکہ اگر ان کا علم نہ شمار نہ ہوتا تو بھی بہتر تھا ان بری خرابیوں سے اُن کا ہاتھ تو رکا رہتا۔ اس اعتراض کا جواب مجھ سے سنئے حقیقت امر یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے شریعت کو جانا ہی نہیں ہے کہ وہ کہ سبب محض اس کے پوست کو انہوں نے دیکھ لیا مغز تک وہ پہنچے ہی نہیں انہیں اتفاق وادا سے پورے شریعت اطلاع ہی نہیں اگر تحقیق کیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ بہت لوگ وہی ہیں کہ جنہوں نے عربی لغت کے متعلق مختلف علموں میں سے ایک آدھ علم جیسے نحو۔ صرف۔ بلاغت وغیرہ کو کسی طرح سے حاصل کر لیا ہے جو کہ شریعت کے سمجھنے کا ذریعہ ہے نہ عین شرع ہے اور کتب شریعت پر محض ایک سرسری نظر اس غرض سے ڈال لی ہے کہ انہیں اپنے مقاصد بیجا حاصل کرنے میں کامیابی ہو انہیں نیت کے درست رکھنے سے کیا کام بڑا مقصود اُن کا یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے معمولی احکام سے واقف ہو جائیں تا کہ حکام کو خوش کر سکیں اور عام لوگوں سے جنہیں کہ برے بھلے کی تمیز نہیں ہوتی خوب مال حرام لے لے کر کھائیں شریعت محمدیہ کے آداب اور نصائح صرف اس غرض سے انہوں نے یاد کر رکھے ہیں تا کہ لوگوں میں بیٹھ کر خوب باتیں بنا سکیں اور اُن کو اپنے دام میں پھنسائیں اُن کا یہ ہرگز مقصود نہیں ہوتا کہ وہ اپنا علاج کریں اور اُن کے امراض نفسانی کو صحت حاصل ہو اسی لئے تو وہ شریعت کے رفیع الشان اخلاق نہیں اختیار کرتے اور نہ اس کے آداب جمیلہ کو سیکھتے ہیں انہیں یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اس کی نصیحتیں مان کر اپنے قابل نفرت احوال و افعال سے باز آئیں اُن کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کو حاصل کر کے اپنی خواہش نفسانی کو پورا کریں اُن لوگو

کی مثال اُس طبیب کی سی ہے جو کہ امراض کو تشخیص کر سکتا ہے اُس کو اُن کی دوائیں اور علاج بھی معلوم ہے لیکن وہ اپنے سخت مرض کی طرف ذرا التفات نہیں کرتا اور اگر کبھی التفات بھی ہوتا ہے تو دوا استعمال نہیں کرتا اور نہ لگ کر علاج کرتا ہے بلکہ اس کا سارا خیال اُنہیں لگا ہوا ہے کہ مریضوں سے خوب مال حاصل کرے اور اسے اپنے مرض کی کچھ بھی پروا نہیں۔ تو پھر تمہیں خدا کی قسم بھلا بتاؤ تو سہی کہ جب اُس طبیب کی غفلت کا یہ حال ہو تو اُس کا مرض کیونکر صحت یاب ہو سکتا ہے۔ کیا محض علم طب سے واقف ہونا اُس کے مرض کے دفع کرنے کیلئے کافی ہو جائے گا اور اُس کو اس طرح شفا حاصل ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ پس کیا یہ کہنا اُس وقت بجا ہو سکتا ہے کہ علم طب محض بیکار ہے اُس سے بیماریوں کو ذرا بھی نفع نہیں پہونچتا دیکھو تا یہ طبیب اگرچہ علم طب سے واقف تھا مگر اس نے معالجہ نہیں کیا تو اس کو مرض سے کچھ بھی شفا حاصل نہ ہوئی۔ بس تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ اس بیہودہ بات کے کہنے کی کوئی جرأت کرے گا ہاں جس کے حواس ہی ٹھیک نہ ہوں وہ جو چاہے سو بک دے۔

علماء سوء | اب اس کو سمجھ لیجئے کہ علماء اسلام میں سے جن کی یہ حالت ہو اور وہ شریعت کی مخالفت کے ساتھ لوگوں میں بدنام ہوں ایسوں کو شریعت علماء السوء یعنی بُرے علماء کے نام سے پکارتی ہے کوئی جاہل سے جاہل کیوں نہ ہو لیکن ان لوگوں کا ضرر مسلمانوں کے حق میں اُن سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے یہ مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں مسلمانوں میں سے خدا ایسوں کو غارت کرے دنیا سے ناپید ہو جائیں اور اُن کی عوض میں خدا ایسے علماء و فضلاء کو پیدا کرے جو کہ پرہیزگار ہوں لوگوں کو حق بات بتائیں راستی کی رہنمائی کریں پسندیدہ صفات سے موصوف ہوں خوش اخلاق ہوں آداب شریعت

کو نگاہ رکھتے ہوں سنت یعنی اپنے رسولؐ کے طریق کے پورے پورے متبع ہوں خدا ایسے عالموں
کی تعداد کو زیادہ کرے اور اُن کے عمدہ اعمال اور نیک کوششوں کا اُنہیں ثمرہ عنایت کرے
تمام اُمت کی جانب سے اُنہیں بہتر جزا سے مالا مال کردے ایسے ہی لوگ علماء آخرت
کہلانے کے مستحق ہیں جن میں کہ خدا نے اپنے خوف وخشیت کو منحصر کردیا ہے اپنی بابرکت
کتاب میں اُن کی تعریف کی ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اُن
کی توصیف وثنا کا اظہار کرایا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے مجموعہ اقوال واعمال میں شریعت
محمدیہ کے پیروی کے آثار پائے جاتے ہیں انہیں کی راست کرداری کا صدقہ ہے کہ
مخالفین اسلام کیلئے اعتراض کا کوئی موقع نہیں رہا ہے انہیں کی استقامت کا طفیل ہے
کہ کسی دشمن کو گفتگو کرنے کی مجال نہیں ہے چنانچہ یہ بات عقلاء پر مخفی نہیں ہے۔

عالموں کی صورت بنانے والوں سے بچانا

پھر اُس شخص سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جسے کہ ان علماء سوء
کو دیکھ کر دھوکا ہوگیا ہے اور وہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی وہ علماء
شریعت ہیں جو خود صلاح کار نہیں اور جن سے کہ مسلمانوں کی اصلاح کی امید کی جاتی ہے
خیر صاحب میں آپ کو معذور سمجھ سکتا ہوں اگر آپ کو ان شیطانوں کو دیکھ کر دھوکا ہوگیا
ہے جو کہ رسمی علوم اور احکام شرعیہ کے الفاظ یاد کرکرکے اپنے کو عالم ثابت کرتے ہیں اور
اپنے ظاہر کو اس طرح سے آراستہ کرتے ہیں لیکن اگر آپ سمجھدار ہیں تو میں آپ کو ایسا نہیں
خیال کرسکتا کہ ان کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ کو بھی دیکھ کر آپ دھوکہ میں پڑجائیں گے
جو کہ بالکل کورے ہیں اُنہیں کچھ بھی واقفیت نہیں راستی کا اُن میں نام ونشان نہیں محض
جاہل اور نادان ہیں عالموں کا لباس پہن رکھا ہے دنیا کمانے کے لئے پرہیزگاروں کی سی صورت
بنا رکھی ہے لوگوں کے پھنسانے کے لئے جبہ ودستار سے آراستہ ہوکر جال پھیلایا ہے فقط

کھانے کمانے کیلئے اپنی شکل بدل لی ہے ان میں سے بعض لوگ علم کے منصبوں پر بھی جرأت کر بیٹھتے ہیں درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مفتی و قاضی بننے میں بھی انہیں باک نہیں ہوتا اور عام لوگ ہیں کہ اپنی نادانی سے پھنس جاتے ہیں وہ کیا جانیں زمین و آسمان میں کیا فرق ہے خدا ہدایت کرے۔ ایسوں پر تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیے میرا کہنے سے مقصود یہ ہے کہ بحث و مناقضہ میں کہیں ان دھوکے بازوں کو نہ لے بیٹھے گا ان کی مکاری کی بنیاد نہایت کمزور ہے ذرا سی بات میں تو اُن کی قلعی کھلتی ہے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ حیوانات سے بھی گئے گذرے ہیں۔

جاہل صوفیوں کی مذمت | اب ایک مکار فرقہ اور رہ گیا ہے جس سے کہ اسلام کو نہایت ضرر پہنچتا ہے عام لوگوں میں وہ اپنی چالاکیوں کو رواج دے دیکر اُن کے عقیدے بگاڑتے ہیں اور انھیں خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اُلٹے ان دھوکے بازوں کی من گھڑت باتوں کو جان کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن پر حقائق اشیاء منکشف ہو گئیں اور معرفت میں بڑے بڑے عالموں سے بھی وہ سبقت لے گئے اور سچ پوچھئے تو وہ اُسی گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں ان دغا بازوں کی حقیقت مجھ سے سنئے کہ وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ انھیں شریعت محمدیہ کے ایسے ایسے بھید اور علوم کی معرفت حاصل ہو گئی ہے جو کہ بڑے بڑے عالموں کو بھی نہیں معلوم ہوتی اور خدا نے فلاں فلاں ذریعوں سے اُن کو اپنا برگزیدہ بنا کر تمام بھید ان کو بتلا دیے اور وہ اُن رموز اور بھیدوں کو ایسے کلمات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ شرعی قواعد کے موافق سراسر کفر ہیں۔

سچے صوفیوں کے حالات | لیکن بات یہ ہے کہ اُن کی باتیں علماء شریعت میں سے بعض عارفین کے اقوال کے بظاہر مشابہ معلوم ہوتی ہیں جن کے عقیدوں کے صحیح ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہوتا اور دین کے بارے میں جن کی راست کرداری کی بہتری شہادتیں موجود ہوتی ہیں اور

درحقیقت خدا اُن کی پرہیزگاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں شریعت کے بہتیرے رموز اور بھیدوں پر انہیں مطلع بھی کر دیتا ہے جن سے کہ وہ لوگ بالکل بے بہرہ رہتے ہیں جو اُن کے ایسے نیک عمل نہیں کرتے اور جن میں کہ اُن کی ایسی راستی اور استقامت نہیں پائی جاتی اور واقع میں وہ امور شریعت کے ذرا بھی مخالف نہیں ہوتے بلکہ وہ اسی شریعت کے مختلف رموز و اشارات سے ماخوذ ہوتے ہیں صرف بات کیا ہے کہ اُن کے بیان کرتے میں بعض مرتبہ یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ شریعت کے مخالف ہیں اور یہ خرابی نیز ہیں اُن کے ظاہر کرنے کے لئے کافی الفاظ نہ موجود ہونے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے پس اُن کے ظاہری الفاظ سے شریعت کی مخالفت کا وہم ہونے لگتا ہے اگرچہ واقع میں ایسا ہوا نہیں کرتا پھر چونکہ ان عارفین کی پابندی شریعت اور راست کرداری میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوا کرتا اس لئے علماء اُن کے کلام کی تاویل کر دیا کرتے ہیں یعنی اُن کے اقوال کے ظاہری معنی چھوڑ کر صحیح معنی لیتے ہیں جو کہ شریعت کے موافق ہوں تاکہ لوگ اُن بزرگوں سے بدگمانی نہ کریں اور اُن کے عقائد کی نسبت مشکوک ہونے سے محفوظ رہیں باقی رہے یہ دغاباز جو کہ شریعت کی راہ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں اور لذات فانی اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے میں سرگرم ہوتے ہیں یہ لوگ محض مدعی ہوا کرتے ہیں انہیں اُن عارفین کے منصب کا صرف دعوے کرنا آتا ہے اور کچھ واہی تباہی کلمات بک دیا کرتے ہیں جو کہ بظاہر اُن کے کلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کی ایسی پرہیزگاری سے کوسوں دور رہتے ہیں اور نہ اُن کے علوم و معارف کا اُن کے پاس نشان ہوتا ہے ہوشیار رہو دیکھو خبردار کبھی ان دغاباز گمراہوں کی باتوں میں نہ آنا ان کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرنا یہ لوگ دین کے تباہ کر دینے والے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی بڑی کثرت ہے خدا جانے انہوں نے کتنوں کے عقیدہ

خراب کر ڈالے اور کتنی حرام چیزوں کو حلال کر دیا پس ہر مسلمان کو جو کہ شریعت محمدیہ کی پیروی کا ارادہ کرتا ہے یہ چاہیے کہ وہی عقیدے رکھے جو قرآن اور صحیح حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوتے ہوں اور اس بارہ میں انہیں بڑے بڑے علماء کے کلام کا اعتبار کرے جن کا علم اور جن کی راست کرداری کیا عام اور کیا خاص تمام لوگوں کے نزدیک مسلم الثبوت ہو اور اس کے سوا تمام خیالات اور اوہام کو الگ کرے خدا بطفیل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سب کی رہنمائی کرے آمین۔

ساتویں فرقہ کا فرق سابقہ سے استدلال | ان میں سے ایک فرقہ اور تھا جن کی نظر ان استدلات مذکورہ تک تو پہنچی نہیں لیکن انھوں نے اس امر میں غور کرنا شروع کیا کہ دیکھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کیا ہیں اور یہ تمام فرقے جو کہ پہلے آپ کے مخالف تھے کیونکر مطیع بن گئے اور وہ کونسی دلیلیں ہیں جن کی وجہ سے ان سب کو آپ کی اطاعت اور تصدیق کرنا پڑی پس کہنے لگے کہ یہ سارے فرقے جنھوں نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی بیشک نہایت عقلمند ہیں ان کی عقل بھی بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ان میں یہ بھی قابلیت موجود ہے کہ استدلال کر کے صحیح طور پر حقیقت امر کو دریافت کریں ہم نے ان لوگوں کو دیکھا کہ پہلے تو ان سب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق کرنے سے بڑا انکار کیا بہت نفرت ظاہر کی بڑے زور و شور سے آپ کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو گئے یہاں تک کہ آپکے دوست احباب آپ کے عزیز و قریب آپکے کنبہ والوں نے بھی آپ کی مخالفت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی خاص کر ان لوگوں کو دیکھیے جو کہ پہلے رسولوں کے دین کو مانتے تھے اور ان کے پاس انہیں رسولوں کی لائی ہوئی کتابیں بھی موجود تھیں وہ سب کے سب آپ کو آپ کے دعوے سے باز رکھنے کی غرض سے زجر اور توبیخ اور ملامت سے پیش آئے بہت کچھ کوشش کی کہ کسی طرح سے

آپ اپنی بات کو چھوڑ دیں اُن سب کو بیوقوف نہ بنایا کریں اُن کے بتوں کے ساتھ طعن
تشنیع سے نہ پیش آیا کریں اور اُن کے باطل اعتقادات کی خرابی نہ بیان کریں اس مقصد
حاصل کرنے میں اُنہوں نے بہت کچھ لالچ بھی دی اور یہ بھی کہا کہ اگر تم اپنے دعوے کو ترک
کردو تو تمہیں اپنے مال میں شریک کریں گے اپنی اچھی سے اچھی لڑکیوں سے تمہاری شاد
کر دیں گے پھر اُنہیں لوگوں کا یہ حال ہُوا کہ کہاں اتنی نفرت اور انقباض تھا اور کہاں وہ
اپنی آبائی عادتوں اور عقیدوں کو ترک کرنے لگے خصوصًا وہ لوگ جو کہ پہلے رسولوں کے
دینوں میں سے کسی دین کے معتقد تھے چنانچہ اُن کی یہ کیفیت ہُوئی کہ پہلے تو اپنے آسمانی
دین اور آسمانی کتابوں سے استدلال کر کرکے اسلام کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے اور
انتہا درجہ کی نفرت ظاہر کرنے لگے تھے پھر کچھ سمجھ کر اُن ساری باتوں سے باز آئے اور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کی طرف پورے پورے متوجہ ہوگئے کیونکہ خود اُنہیں کی
کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راستی کی متعدد شہادتیں اُنہیں ملیں اور جو جو علامتیں ا
میں بطور پیشین گوئی کے مذکور تھیں سب کی سب آپ پر منطبق ہوگئیں پھر کیا تھا اُنہوں
نے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سُن لیا کہ آپ کی شریعت تمام پہلی شریعتوں کے لئے
ناسخ ہے تو اُن شریعتوں کے بہتیرے احکام کو جن کو وہ مانتے ہوتے تھے چھوڑ دیا اور آپ
کے بتلائے ہُوئے احکام بجالانے لگے۔ سچ پوچھئے تو یہ بات تھی بڑی مشکل کہ اپنی ساری
عادتوں کو جن کے مدتوں سے وہ عادی ہو رہے ہوں بلاوجہ دفعتًہ چھوڑ دیں کبھی ہو ہی نہیں سکا
اور یوں تو وہ کبھی چھوڑ ہی نہیں سکتے! ہاں جب کوئی ایسا ہی قوی سبب درپیش ہو جائے تو
اُس وقت یہ امر ممکن ہے کیونکہ وہ اس بات کو یقینًا جانتے تھے کہ پہلے رسولوں کے شرائ
کے اتنے بہت سے احکام کو اگر وہ خدا کے حکم اور مرضی کے خلاف چھوڑ بیٹھیں گے تو ضرور

بہت سخت انتقام اور سزا کے مستحق ٹھیر یں گے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن لوگوں کا ایمان لے آنا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کر لینا ہو نہ ہو ضرور دلیلوں کی بڑی دیکھ بھال پر مبنی ہے کیونکہ اگر وہ دلیلیں یقینی اور قطعی نہ ہوتیں کہ جن سے اُن کے دلوں کو پورا پورا اطمینان حاصل ہو گیا اور اُن کی عقلوں نے انہیں تسلیم کر لیا اور حق دریافت کرنے کیلئے کافی پایا تو وہ کبھی اُن دلیلوں کے مقتضا کے موافق کاربند نہ ہوتے اور اپنی عادیات کو ہرگز ترک نہ کرتے اور اپنے پہلے خیال کے مطابق وہ اپنے آپ کو خداوندی انتقام کا مستحق نہ بناتے اور اُن کی صحیح عقلیں اس باطل امر پر پیشقدمی کرنے کو ہرگز روا نہ رکھتیں اور اُن کو اس بات کی کبھی اجازت نہ دیتیں کہ وہ محض کسی ضعیف دلیل پر اعتماد کر لیں یا اپنی بد انجامی کا لحاظ نہ کر کے خواہش انسانی کی پیروی کرنے پر مائل ہو جائیں اور اپنے آپ کو اتنے بڑے خطرے میں ڈالدیں ہمیں تو یہاں میں کوئی اور سبب مثل نفسانی جذبات وغیرہ کے بھی نہیں پایا جاتا کہ جس کی وجہ سے کبھی کبھی آدمی جوش میں بیجا امور کا ارتکاب کر لیا کرتا ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اُن کے دلوں میں اس کے خلاف نفسانی جوش۔ قومی پاس اور مذہبی تعصب موجود تھا کہ جو بجائے تصدیق کے اُن کو تکذیب پر زیادہ تحریک دے سکتا تھا اور ان کے لئے اپنے قدیم مذہب پر ثابت قدم رکھنے کا بہت قوی ذریعہ ہو سکتا تھا پس باوجود طرح طرح کی دلیلوں کے موجود ہونے کے کہ جن سب کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اُن سب کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پر متفق ہو جانا بیشک ایک اور مستقل دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس سے آپ کا دعویٰ بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات محال ہے عقل سلیم اس کو ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی کہ یہ سب عقلاء باوجودیکہ وہ اپنی عادات اور خیالات کے بڑے طرفدار تھے اتفاقی طور پر متفق ہو گئے اور نیز یہ کہ اتنی بہت سی دلیلوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راستی پر حاصل

ہوجانا بھی محض ایک اتفاقی امر تھا ایسی باتوں کے اتفاقی ہونے کا وہی قائل ہوسکتا ہے جو کہ انصاف کو چھوڑ کر ہٹ دھرمی کرنے لگے۔ پس اس بات پر اعتماد کرکے ان سب فرقوں کا اتفاق کرلینا اور اتنی بہت سی دلیلوں کا مجتمع ہوجانا ہرگز اتفاقیہ نہیں ہوسکتا ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تصدیق کرلی اور آپ کے جملہ احکام کو قبول کرکے ہم نے اقرار کرلیا کہ آپ بیشک خدا کے رسول ہیں۔ آیئے آپ کو اس فرقہ کا استدلال ہم منطقی طرز پر سمجھائیں اس فرقہ نے ایسے قیاس استثنائی سے استدلال کیا ہے جس میں سے کہ نقیض تالی کا اس سے استثنا کرتے ہیں تاکہ نقیض مقدم نتیجہ نکلے چنانچہ ہم اُن کی دلیل کو بالاختصار

یوں بیان کرسکتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے نہ ہوتے تو یہ تمام مخالف عقلاء جو مذہب

تالی — مقدم — استثناء نقیض تالی

منتسب تھے آپ کی تصدیق پر اتفاق نہ کرتے اور نہ اتنی ایک دلیلیں آپ کے موافق جمع ہو

جاتیں لیکن ان تمام لوگوں نے اتفاق کرلیا اور اتنی ایک دلیلیں جمع ہوگئیں تو آپ ضرور سچے ہوئے۔ پس یہ شبہ نہ کیجئے کہ اس فرقہ نے پہلے فرقوں کی تقلید کرکے ایمان اختیار کرلیا ہے بلکہ انہوں نے بھی دلیل سے اس امر کو ثابت کیا ہے جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہوا۔

آٹھواں سائنٹیفک اور مادہ کا قدیم ماننے والا دہریہ فرقہ

اور ان میں سے ایک دہری مادہ کا قدیم ماننے والا اور طبیعات کا جاننے والا فرقہ بھی تھا جن کا خیال یہ ہے کہ عالم کا مادہ قدیم ہے اور وہ کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں بلکہ خود موجود ہے۔ عالم کے لئے کوئی خدا نہیں جس نے کہ عالم کو پیدا کرکے اس عمدہ انتظام پر اس کو مرتب کیا ہو۔ وہ باوجود اپنے رنگ برنگی اور اس عجیب و غریب حالت پر موجود ہونے کے جس میں کہ عقل چکرا جاتی ہے محض عناصر کے ملنے اور قوانین قدرت کے موافق جو ان میں موجود ہیں فعل و انفعال ہونے کی وجہ سے بن گیا ہے اور چونکہ وہ عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود کو نہیں مانتے تو وہ

لامحالہ رسولوں کی بھی تصدیق نہیں کرسکتے جن کا کہ یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اُن کو اللہ یعنی اس عالم کے پیدا کرنے والے نے ہدایت کیلئے بھیجا ہے۔ پس جب انھوں نے یہ سُنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو خدا کا بھیجا ہوا کہتے ہیں اور یہ دیکھا کہ ان تمام فرقوں نے پہلے تو آپ کی تکذیب کی اور پھر آپ کی تصدیق کرنے لگے اور وہ مختلف دلیلیں بھی انہیں معلوم ہوئیں جن سے کہ ان فرقوں نے آپ کی تصدیق پر استدلال کیا تھا اور یہ مشاہدہ کیا کہ انسانی دنیا میں ان سب باتوں کی وجہ سے عجیب انقلاب عظیم پیدا ہو گیا کہ ان سارے فرقوں نے اپنی تمام رسموں اور عادتوں کو جن کے کہ وہ مدتوں سے عادی ہو رہے تھے ترک کر دیا اور اپنے خیالات اور عقائد کو بھی بدل ڈالا اور ایک بے لکھے پڑھے شخص کے مطیع بن گئے جس نے کہ تن تنہا ان ہزاروں کے خلاف دعوے کیا اور اُن کے مقابلہ کی جرأت کی اور یہ حالت تھی کہ نہ اُس کا کوئی یار تھا نہ مددگار اور کہنے لگے کیا یہ کوئی معمولی واقعہ سمجھا جا سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ ضرور اس قابل ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اس بارہ میں خوب غور و فکر سے کام لیا جائے اُسکے اسباب سے اور اس بات سے بحث کی جائے کہ یہ امر ان اسباب سے کیونکر واقع ہوا اور واقعی امر کو دریافت کیا جائے کہ آیا یہ سب کچھ یقینی امور کی وجہ سے ظہور میں آیا ہے یا بعض اوہام اور خیالات ان کے باعث ہوئے ہیں پس اُن کی عقلوں کو اس کی وجہ سے تحریک پیدا ہوئی اور انہوں نے فکروں کو اس طرف متوجہ کیا کیونکہ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی بات کو سُنتا ہے ضرور اُس کے دل میں اس کی نسبت کچھ نہ کچھ خیال پیدا ہوتا ہے اور اُس کے دریافت کرنیکی فکر پڑ جاتی ہے پس وہ بھی آپس میں یوں کہنے لگے کہ یہ واقعہ تو نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے اور ہم تو عالم کی ذرا ذرا سی چیزوں سے بحث کیا کرتے ہیں اُن کے اسباب کی تفتیش کرتے ہیں اُن کی وجہ حقیقت اور غایت کو دریافت کرتے ہیں ہم تو اس بات کو مانے ہوئے بیٹھے ہیں کہ

انسانی دنیا میں ہر حادثہ اور ہر انقلاب کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے جیسے کہ مادہ کے متعلق حوادثات میں ہمارے نزدیک ثابت ہوچکا ہے کہ مادہ کا کوئی اثر نہیں پایا جاسکتا کہ جس کا کوئی مؤثر نہ ہو بلکہ اس کے ہر ہر تغیرات کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور مقتضی موجود ہوگا تو کیا اس بات کے ماننے کے بعد بھی اتنے بڑے عظیم واقعہ سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں کامیاب ہوگئے اور تمام لوگ آپ کے مطیع بن گئے۔ ہم چشم پوشی کرسکتے ہیں یہ تو انسانی دنیا میں اتنا بڑا انقلاب ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی تو پھر کیا ہمیں یہ مناسب ہے کہ بلا تحقیق کئے ہوئے محض اٹکل اور تخمین سے یہ کہہ دیں کہ آجی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداری اور حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ بھیجی کیا ہے اور ان سب لوگوں کو وہم ہوگیا ہے کہ انہوں نے آپ کا اتباع کرلیا۔

اس فرقہ کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بحث کرنیکا کیا باعث ہوا

کیا اس موقع پر ہمارا فرض منصبی نہیں ہے کہ ہم تاریخی فلسفہ سے کام لیں اور اتنے بڑے انقلاب اور تغیر کے اسباب دریافت کریں اور اس کی کوئی وجہ ڈھونڈھ نکالیں کہ اس بے یارو یاور اور محض بے پڑھے لکھے شخص کے اتنے لوگ کیوں مطیع ہوگئے اچھا اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ آپ کا دعویٰ فقط حکومت حاصل کرنے کی غرض سے تھا تو ہم اس کا کیا سبب بتا سکتے ہیں کہ ان تمام متعصب فرقوں نے آپ کی کیوں اطاعت کرلی اور وہ باوجودیکہ اپنی رسموں کے بڑے پابند اور اپنے خیالات کے بڑے طرفدار تھے آپ کے کیسے مطیع بن گئے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس اطاعت قبول کرنے کا سبب اُن سب کا تعصب تھا تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ سب تو اپنی ہی عادتوں اور اپنے ہی خیالات کے ساتھ تعصب کرتے تھے اس کا تو مقتضا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرنا

بامعنی اُلٹے آپ کی اور زیادہ مخالفت کرتے اور اگر ہم اس کا یہ سبب ٹھیرائیں کہ اُن کو قومی پاس
تھا اور یہ لالچ کرتے تھے کہ اگر انہیں حکومت حاصل ہو جائے گی تو ہم بھی اُس سے بہرہ یاب ہوں گے
یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم آپ کی قوم اور آپ کے قرابت مندوں کو تو دیکھتے ہیں کہ آپکے
سب سے زیادہ مخالف تھے اور جو کوئی اُن میں سے آپ کا مطیع بھی ہوا تو اس وقت کہ جب آپ
اپنے ارادہ میں پورے طور سے کامیابی حاصل ہو چکی اور آپ کے معاونین اور مددگاروں
تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور ایسے بہت ہی قلیل لوگ نکلیں گے کہ جو آپ کے عزیزوں
سے پہلے پہل ایمان لے آئے ہوں پس جب یہ حالت ہے تو اُن کا قومی تعصب کسی طرح
کا سبب نہیں ٹھیر سکتا علاوہ بریں اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اوّل امر میں آپ کے قرابت
لے آپ کی حمایت کرتے تھے تو بھلا اس کو اور تمام کثیر فرقوں کی اطاعت اختیار کر لینے میں
اثر ہو سکتا ہے کیونکہ آپکے عزیزوں کی کثرت اتنے بہت سے لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ
تھی بلکہ اُن سے بہت ہی کم تھی اور نہ اُن لوگوں کی مثل آپکے قرابت مندوں کی بات کا لوگوں
چلنا ہی آسان تھا۔ پس اگر آپ اپنے قرابت مندوں کی طرفداری پر بھروسہ کر کے اتنے
ں سے مقابلہ کرتے تو ضرور آپ نے اُن سب کو معرضِ ہلاکت میں ڈال دیا ہوتا اور ان
روں کی قوت کے سامنے اُن کا نام و نشان بھی نہ باقی رہتا۔ یہ بات اُس وقت معلوم ہو سکتی
کہ جب دونوں جانب کی صحیح تعداد دریافت کی جائے اور اگر ہم اس کا یہ سبب قرار دیں کہ
تمام فرقوں نے یہ لالچ کر کے آپ کی اطاعت قبول کر لی کہ جب آپ اپنے دعوے میں
میاب ہو جائیں گے اور آپ کو جو غلبہ حاصل ہونے والا تھا حاصل ہو جائے گا تو ان سب کو
اس کے ثمرات حاصل کرنے کا موقع ملے گا تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ان تمام فرقوں
کہاں سے معلوم ہو گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے دعوے میں کامیاب ہی ہونگے

اور آپ کو ایسا غلبہ حاصل ہو ہی جائیگا اور حالت یہ تھی کہ جب آپ ابتداء ابتداء میں یہ دعوے کرنے کھڑے ہوئے تھے تو بالکل تن تنہا تھے نہ کوئی آپ کا ساتھ دینے والا تھا اور نہ کوئی مدد کرنے والا اور نہ کوئی ایسا ظاہری ایسا ذریعہ ہی آپ کو حاصل تھا کہ جس کی وجہ سے آپ کی کامیابی کی امید ہو سکتی آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ لوگوں کیلئے ایک اتفاقی تکا تھا لوگ کہا کرتے تھے کہ اس خبط کو دیکھتے ہو کہ اتنا بڑا تو دعوے اور پھر نہ کوئی کامیابی کا ذریعہ نہ سبب جب یہ کیفیت ہو تو کونسی ایسی قوم ہو سکتی ہے کہ جو کسی شخص کو اس کے دعوے میں جھوٹا بھی سمجھتی ہو اور وہ بھی بالکل تن تنہا ہو کامیابی کے نتائج میں سے اس کو کوئی ذریعہ بھی حاصل نہ ہو اور پھر وہ لوگ اپنے اُن عادات اور اعتقادات کو جن سے کہ وہ اپنی دین و دنیا کی بہتری کی امید کرتے ہوں ترک کر دیں اور محض یہ لالچ کر کے اس شخص کا اتباع کرنے لگیں کہ جب اس کو اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل ہو جائیگی تو انہیں بھی ترقی ثمرات سے فیضیاب ہونے کا موقع ملے گا چاہے دائمی ثمرات سے محروم ہی کیوں نہ رہنا پڑے اور تو کوئی نہیں ہاں البتہ مجنون ایسا کر سکتے ہیں اور اس بات کو یقیناً عقل ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی کہ یہ سب فرقے مجنون تھے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ آپ کی فصاحت اور جادو بیانی اس کا سبب ہے آپ نے اپنی نادر بیانی سے ان سب کو اپنا فریفتہ کر لیا ہے اور اپنی راستی کے دلائل کا ذہبہ کو رنگ آمیزیاں کر کے سچ کر دکھایا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سارے فرقے محض

سے اور اگر ہم کہیں کہ اس کا سبب خوف ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارا دل میں ان تمام فرقوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی خوف نہ تھا اسلئے کہ آپ تن تنہا تھے نہ کوئی یار نہ مددگار رہاں البتہ بعض لوگوں نے خوف کی وجہ سے بھی آپ کا اتباع کیا ہے لیکن یہ کب ؟ جبکہ آپ کو پوری پوری کامیابی حاصل ہو چکی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہزاروں ہی نے بلا کسی خوف و خطر کے آپ کی اطاعت قبول کی ہے تو پھر ان لوگوں

آپ ہی کی بیان کی ہوئی دلیلوں سے آپ کے مطیع نہیں ہوئے جیسا کہ اُن لوگوں کی ساری
دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے بلکہ انھوں نے بہت سی ایسی دلیلوں سے بھی
استدلال کیا ہے کہ جس میں آپ کو کوئی دخل نہیں اور نہ اُن کا قائم کرنا آپ کی قدرت و اختیار
میں تھا بھلا بتلایئے تو سہی کہ کیا یہ آپ کے اختیار میں تھا کہ آپ اپنے میں اُن ساری
علامتوں کو جمع کر لیتے جو کہ انہیں میں سے بعض بعض فرقوں کی کتابوں میں موجود تھیں جنھیں کہ
وہ پہلے رسولوں کی کتابیں بتلاتے تھے اور وہ انھیں یہ خبر دے گئے تھے کہ ہمارے
بعد عنقریب ایک رسول آئیگا کہ جس میں یہ ساری علامتیں پائی جائیں گی چنانچہ آپ
میں وہ ساری علامتیں انھوں نے بچشم خود دیکھ لیں۔ کیا آپ کی طاقت میں تھا کہ اپنے
قرآن میں تمام اعلیٰ درجہ کے صفات جمع کر لیتے جن سے کہ بڑے بڑے فصیح اور ماہر منطقی
بھی عاجز ہیں اور حالت یہ کہ آپ بالکل بے پڑھے لکھے شخص۔ آپ نے جاہلوں میں پرورش
پائی اور پھر جمع کر کے اپنی راستی کی دلیل میں پیش کرتے کیا یہ آپ کی قدرت میں تھا کہ ان جملہ قوانین
کو جسے کہ آپ شریعت کہتے ہیں اس عجیب غریب ترتیب کے ساتھ جس کو دیکھ کر عقلیں
دنگ ہو جاتی ہیں مرتب کر لیتے تاکہ اپنی راستی کی دلیل میں پیش کر سکیں اور پھر نہ آپ
لکھے نہ پڑھے متفرق قوموں کے حالات سے بے خبر اور مختلف ممالک و بلاد کے قوانین
سے محض ناواقف کیا یہ آپ کے قبضہ کی بات تھی کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت
کے مقابلہ سے بھی ان تمام فرقوں کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ لوگوں کی زبان کو گونگا بنا دیں
یہاں تک کہ بعض تو اپنے عجز کا اقرار کر لیں اور بعض ناچار ہو کر لڑنے پر مستعد ہو جائیں اور
اپنی جانوں کو جنگ و جدل کی مصیبتوں میں پھنسائیں اور ایک سورت کے بھی مقابلہ کی
جرأت نہ کریں حالانکہ اگر وہ مقابلہ پر قادر ہوتے تو اس سے بڑھ کر اُنکے لئے اور کوئی

آسان تدبیر ہی نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیشک وہ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اور اگر
کوئی یوں کہے کہ ان سب لوگوں پر چونکہ وہم طاری ہو گیا تھا اس وجہ سے یہ مقابلہ سے عاجز
رہے اس لئے کہ جب آپ نے اُن سے یہ کہا کہ تم لوگ میرے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت
کے مثل لانے سے بھی عاجز ہو تو اُن پر وہم غالب ہو گیا اور انھوں نے اپنے کو عاجز خیال کر
لیا اور پھر اُن سے کچھ نہ ہو سکا اور وہم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی تاثیر سے کوئی انسانی
عقل انکار نہیں کر سکتی تو ہم کہیں گے کہ اس بات کو بھی عقل سلیم کسی طرح نہیں مان سکتی
اور اس شخص کا یہ قول ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ جو اثر ہم وہم کا دیکھتے ہیں وہ صرف
اسی قدر ہے کہ اس کا تسلط نہایت سے نہایت اگر ہو گا بھی تو بھی ایک یا دو فرقوں پر
اور وہ بھی ایک آدھ مقام پر اور اگر یہ بھی تو ایک یا دو دن اور اگر بہت رہا تو ایک یا دو
مہینے بس لیکن وہم کا یہ تسلط کہ تمام لوگوں پر ہو جائے ہر مقام میں اس کا دخل ہو بیسیوں بیسیوں
برسوں سے بھی کچھ زیادہ زمانہ گذرنے پر بھی باقی رہے بلکہ صدیاں گذرنے پر بھی زائل نہ
ہو جو لوگ کہ اس وہم کے سبب کے وارد ہونے کے وقت بہت دور ہوں اُن پر بھی قبضہ
کر لے اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ اُن کو اور لوگوں کی خبر پہنچ گئی جن پر کہ وہم چھا گیا تھا
اور یہ سنتے ہی اُن پر بھی وہم کا قبضہ ہو جائے کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا اور نہ آج تک
سننے میں آیا کہ وہم کا ایسا عام اور باقی رہنے والا تسلط بھی ہوتا ہے کہ ہر مقام میں بھی
ہو برسیں گذرنے پر بھی باقی رہے عقل سلیم وہم کی اس خاصیت کو بغیر کسی خارجی سبب
کے پائے جانے کے کہ جس سے اس کی تقویت ہوتی ہو ہرگز نہیں تسلیم کر سکتی۔ علاوہ بریں
کیسی ہی وہمی باتیں کیوں نہ ہوں لیکن غور و فکر کرنے سے امتداد زمانہ کے بعد اُن سے
ضرور خلاصی ہو ہی جاتی ہے اور واقعی بات کا پتہ لگ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے

کہ کسی چیز میں غور و فکر سے کام لیا جائے اور پھر بھی حقیقت حال معلوم نہ ہو اور ظاہر بات ہے کہ یہ سارے فرقے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے حقیقت امر دریافت کرنے کے بڑے ہی حریص تھے تاکہ آپ کی تکذیب ثابت کر سکیں اور باوجود اس کے بھی اُن کی کسی ایسی چیز تک رسائی نہیں ہوئی اور قرآن کے مقابلہ سے اُن کا عاجز رہنا ایک امر مستمر رہا کہ جس میں وہم کی ذرا بھی تاثیر ثابت نہیں ہو سکتی پس اب بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اُن کو وہم نہ تھا بلکہ وہ فی الواقع عاجز ہی تھے اور اگر وہم کے عام تسلط اور مستمر رہنے کے امکان پر یوں اعتراض کیا جائے کہ دیکھئے قدیم ہیئت داں علماء کو عام طور پر سینکڑوں برس تک اس امر کا وہم رہا کہ آسمان گھومتا ہے اور زمین ساکن ہے تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس وہم کا عام اور مستمر ہونا ایک بہت بڑے قوی سبب کی وجہ سے تھا اور وہ یہ ہے کہ نظر اور مشاہدہ سے نہ آسمان کا دور کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین کا ساکن ہونا۔ علاوہ بریں اُن کے پاس وہ آلات بھی موجود نہ تھے کہ جس سے حقیقت حال کے دریافت کرنے میں متاخرین کو (جیسا کہ اُن کا خیال ہے) بہت مدد ملی اور جس امر میں کہ بحث درپیش ہے اُس میں کوئی ایسا سبب موجود نہیں کہ جس کی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم ہو سکے کیونکہ اس کا سبب (جیسا کہ معترض کا گمان ہے) سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ جو تمام لوگوں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ تم سب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو اور کوئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اس سبب میں اس قدر قوت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ جس کی وجہ سے اتنا عام اور مستمر وہم پیدا ہو جائے چنانچہ یہ بات منصف کے نزدیک بالکل واضح ہے پس امر متنازع فیہ اور قدیم ہیئت کے جاننے والوں کے وہم میں اچھے طور سے فرق ظاہر ہو گیا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب عقل کے نزدیک بغیر کسی قوی سبب کے بیس برس سے کچھ زائد بھی وہم کا عام اور مستمر ہونا مسلم نہیں ہے تو ایسے وہم کا بلا کسی قوی سبب کے تیرہ سو برس کی مدت تک عام اور مستمر رہنا تو عقل سے اور بھی کوسوں دور ہوگا اور جب یہ ٹھیرا تو سُنئے کہ اتنی ہی مدت گذر چکی اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر۔ انشا پرداز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن رہے بہتیروں نے آپ کی شریعت کی روشنی کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور اُن کے لئے کوئی ایسا مانع بھی نہ تھا پھر بھی ہمیشہ قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا بھی مقابلہ نہ کرسکے اتنی قلیل مقدار بھی قرآن کے مثل لانے سے سرتاپا عاجز ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے اور ہم تو کھلے خزانے بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ قیامت تک بھی قرآن کی مثل کوئی نہ لا سکے گا)

اس فرقہ کی ایک غلطی پھر اسی طرح یہ فرقہ ایسے سبب کی تفتیش کرتا رہا کہ جس کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں لوگ غلطی میں پڑ گئے ہوں لیکن اُنھیں ایسا کوئی سبب نہیں معلوم ہوا بلکہ بالآخر غایت درجہ کے استقرار اور تلاش کے بعد اُن کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس موقع میں غلطی کا کوئی سبب نہیں ہوسکتا پھر کہنے لگے کہ کیا ہم نے تمام چیزوں کی جنھیں کہ عقل تجویز کرسکتی ہے اور جو کہ ذہن میں آسکتی ہیں حقیقت کا احاطہ کرلیا اور اشیاء کا ہمیں پورے طور سے پتہ لگ گیا ہرگز نہیں۔

انسانی شرافت کی قسم ہم سچ کہتے ہیں کہ ہمارا علم تمام حقائق کو جو کہ خیال میں آسکتی ہیں ہرگز محیط نہیں ہے بلکہ بڑی چیز یعنی اس مادی دُنیا کے جسے کہ ہم رات و دن دیکھا کرتے ہیں قوانین قدرت برابر ہم سے مخفی رہے چنانچہ دن بدن کچھ نہ کچھ نئے قوانین قدرت ہم کو دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ وہ امر جسے کہ ہم بڑے اطمینان سے کہہ سکتے ہیں یہ ہے

نبی اشیاء سے ہم کو واقفیت حاصل ہو چکی ہے اگر اُن کی نسبت اُن اشیاء کے ساتھ
بھی جائے کہ جواب تک ہم کو دریافت نہیں ہوئیں تو بیشک وہی نسبت نکلے گی جو
سندر کو ایک قطرہ کے ساتھ ہوتی ہے پس جب یہ حالت ہو حقائق کی واقفیت میں ہمارا
رجہ اتنا گھٹا ہُوا ہو اور تمام اشیاء پر حاوی اور محیط ہونا ہمارے لوازم ذات سے قرار
نا تو جُدا رہا ہم کو تمام حقائق کا پُورا پُورا علم بھی نہ ہو تو پھر ہم اس بات کا کیونکر اطمینان کر
سکتے ہیں کہ اس مادی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم نہیں ہے کہ جس کی اطلاع ہم کو نہیں
۔ئی اور ہم اس کو دریافت نہیں کر سکے خواہ اس وجہ سے کہ ہماری فکریں مادی دُنیا سے
ست کرنے میں ہمہ تن مصروف تھیں اُس سے ہمیں بحث کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور چونکہ ہمارے
یالات اسی کے عادی ہو رہے تھے تو اس سے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ہم دوسرے
لم سے بالکل غافل ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ شاید اس مادی دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم
ی نہیں ہے اور خواہ اس وجہ سے کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل ہی نہ ملی کہ جس سے دوسرے
لم کا پتہ لگتا۔ یا اس وجہ سے کہ ہمیں ایسے ذرائع حاصل نہیں تھے کہ جن کے وسیلہ سے
ں مادی دُنیا کے علاوہ کوئی دوسرے عالم کو دریافت کرنے کے ہم قابل ہو جاتے بھلا بتلائیے
بھی کہ برقی قوت کے دریافت ہونے سے پہلے اس کا کون خیال کرتا تھا اور اس کے
واص و آثار کس کی سمجھ میں آسکتے تھے اور اُن کو کون مان سکتا تھا یہاں تک کہ اتفاقیہ
ہ قوت دریافت ہو گئی اور متعدد تجربوں سے اُسکے فوائد کی تحقیق ہوتی گئی حالانکہ یہ عالم طبعیات
ی سے ہے اور باوجود اسکے ہم اُس کو آنکھ سے آج تک دیکھ بھی نہ سکے غایت سے غایت
یہ ہُوا کہ ہم نے اُس کے آثار دیکھ کر اُس کے موجود ہونے پر استدلال کر لیا۔

س فرقہ کا اپنے دعوے پر قائم نہ رہ سکنا | علاوہ بریں ہم لوگوں میں یہ بات جو مشہور ہے

کہ ہم کسی چیز کو جب تک کہ اپنے حواس خمسہ میں سے کسی سے ادراک نہ کر لیں نہیں مانتے
اس پر بھی قائم نہ رہ سکے اور اس کا ہر موقع پر التزام کرنا ہمارے امکان سے خارج ہو گیا
بلکہ ضرورت کے وقت ہم کو اپنے اس قاعدہ کو بار بار چھوڑنا پڑتا ہے ہی دیکھیے کہ وہ ایتھر
(یعنی ایتھر) کو ہم مانتے ہیں اور اسے ثابت کرتے ہیں حالانکہ یقیناً ہم نے اس کو اپنے
حواس میں سے کسی سے ادراک نہیں کیا ہم کو صرف اس کے ثابت کرنے کی یہ ضرورت
پڑی ہے تاکہ ہم روشنی کی حقیقت سمجھ سکیں چنانچہ ہم اس کے ثابت کرنے کے بعد اس
بات کے قائل ہو گئے کہ روشنی اس مادہ اثیریہ (یعنی ایتھر) کی حرکت کا نام ہے کہ جو تمام
دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اثیر (ایتھر) ان کے نزدیک ایک گیس ہے کہ جو غیر متناہی خلاء
میں بھرا ہوا ہے اور جب تک کہ بعض روشن اجسام جیسے کہ ستارے اس میں اثر
کریں تو وہ خود ساکن رہتا ہے اور ان کے اثر کرنے کی وجہ سے اس میں حرکت پیدا ہوتی
اور موجیں مارنے لگتا ہے جیسے کہ ہوا جسم کے اثر کرنے سے آواز کیلئے حرکت کرنے لگتی ہے
اور پھر اس کی حرکت آنکھ تک پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس میں اثر ہوتا ہے اور اسے
مرئیات کا شعور ہو جاتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ حرارت یا قوت کہربائی (اور وہ حرارت
قوت برقی اور قوت مقناطیسی ہیں) صرف اسی اثیر (ایتھر) کی لہریں ہیں اور وہی ایسی
اصل ہے کہ چاروں غیر قابل وزن مادوں کو ایک مادہ میں جمع کرتی ہے اور وہ چاروں
مادے روشنی، حرارت، قوت کہربائی یا برقی اور قوت مقناطیسی ہیں اور جب ہمارا یہ
مشہور قاعدہ قابل اعتبار نہیں رہا تو ایسی اشیاء کے وجود سے کون سی شے مانع ہو سکتی
ہے کہ جن کو محض ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے اور یہ بات ان موجودات سے
جو کہ خوردبین (مائکرواسکوپ) سے نظر آتے ہیں ثابت بھی ہو چکی ہے کیونکہ ان کا ادراک

جب تک کہ آلات بصریہ نہ استعمال کئے جائیں ہو ہی نہیں سکتا تو پھر اب ایسی اشیاء کے
موجود ہونے سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ جن کے ادراک کیلئے ہمارے موجودہ حواس گو وہ
کسی آلہ سے مدد ہی کیوں نہ لیں کافی نہ ہوں بلکہ اُن کے ادراک کے لئے کسی دوسرے
حاسہ کی ضرورت ہو جو کہ ہم میں نہیں پایا جاتا چنانچہ یہی اثیر (ایتھر) ہی ایسا ہے۔ اور جب
ہمارے حواس مادی دُنیا کے اعتبار سے اس قدر عاجز ٹھیرے تو پھر مادی عالم کے علاوہ
دوسرے عالم کی اشیاء کے ادراک سے اگر عاجز ہوں تو کچھ بھی مستبعد نہیں۔ پس اگر انصاف
سے پوچھو تو یہی ہے کہ ہم معرفت اور شناخت کے راستہ میں بہت ہی قاصر ہیں اور اُن
تمام اشیاء کے حقائق دریافت کرنے کے ذرائع جنہیں کہ عقل تجویز کر سکتی ہے ہم پر یقیناً
ناتمام ہیں پس عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ بہتری ایسی حقیقتیں واقع میں موجود ہو سکتی
ہیں کہ جن سے ہم محض ناواقف رہیں یا اُن کی ہم کو خبر ہی نہ ہو اور اُن اشیاء کے ادراک
کے ذرائع یا تو ہم میں موجود ہی نہ ہوں یا اُن کی تمام شرطیں نہ پائی جاتی ہوں اور جب ہم بے انصافی
کا ساتھ چھوڑ کر انصاف کے مددگار بنیں گے تو ضرور ہم یہی سمجھیں گے کہ عالم طبیعیات کے سوا
کسی دوسرے عالم کو نہ ماننا محض ایک تخمینی بات ہے اور بلا دلیل حکم لگانا ہے کیونکہ غایت
سے غایت یہ ہوگا کہ جہاں تک ہم نے بحث کی ہے ہمیں اس عالم کے سوا کسی دوسرے عالم
کی کوئی دلیل نہیں ملی، ورنہ اس امر کی دلیل ملی جس سے کہ اس عالم کا کسی دوسرے عالم سے
ارتباط معلوم ہوتا۔ رہی یہ بات کہ اس عالم مادی کے سوا کسی دوسرے عالم کے موجود
نہ ہونے کی ہمیں کوئی دلیل مل گئی ہو یا اس امر کی کہ یہ عالم کسی دوسرے عالم کے ساتھ مرتبط
نہیں ہے قسم انسانی شرافت کی کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور یہ امر ہر سمجھدار کے نزدیک
مسلم ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی چیز کا پتہ نہ لگے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ

نفس الامر میں بھی وہ شے موجود نہیں۔ اسی طرح سے اگر کسی شے کے وجود کی دلیل ہمیں معلوم
ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں وہ شے بھی موجود نہیں۔ پس ایسا ہی یہاں
بھی سمجھئے کہ اگر مادی عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کا ہم کو پتہ نہ لگے، یا اس کے موجود ہونے
دلیل ہم کو معلوم نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ نفس الامر میں بھی کوئی دوسرا عالم موجود نہیں
ہے ظاہر ہے کہ بہت دنوں میں دریافت نہ ہوا ہو چنانچہ یہی بجلی کو لیجئے، لوگوں نے اس سے قدیم
طبیعیات کے جاننے والوں پر ہزاروں برس کا زمانہ گذر گیا اور وہ رعد اور برق کی وجہ دریافت
کرنے کے درپے رہے لیکن انہیں اس کی کوئی صحیح دلیل معلوم نہ ہو سکی اور اس کی حقیقت سے
ناواقف رہے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو دریافت نہ ہونے یا اس کی دلیل نہ معلوم ہونے
سے اس کا فی نفسہ موجود نہ ہونا لازم نہیں آیا اور متاخرین کو اس کی دلیل معلوم ہو گئی اور انہوں
نے اس کی حقیقت کو دریافت کر لیا۔ (اور وہ ان کے خیال کے موافق قوت کہربائی ہے)
اور وہ دنیا کی ضروری چیزوں میں سے ہے کہ جس کی وجہ سے انواع طرح طرح کے عجائبات
ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اس فرقہ کا حضور ﷺ کے بارہ میں سوچنا

پس بنا بر تسلیم امور مذکورہ کے کہ جس سے حقائق اشیاء
کی نسبت ہماری واقفیت کا محدود اور ناتمام ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ یہ بات بلاشک ممکن
ہے کہ اس مادی عالم کے علاوہ کوئی دوسرا عالم بھی پایا جائے اگرچہ اب تک ہم کو اس
کے موجود ہونے کی دلیل نہ معلوم ہوئی ہو اور جب یہ کیفیت ہے تو ہم اس بات سے کیونکر
مامون ہو سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن حقائق ممکنۃ الوجود کا دعویٰ کرتے ہیں وہ
واقع میں موجود ہی ہوں اور ہم ان کی حقیقت اور واقعیت سے ناواقف ہوں اور اسی
وجہ سے ہم نے اس کو حکومت حاصل کرنیکا حیلہ سمجھ لیا ہو اور ہم یہ خیال کرنے لگے ہوں کہ

تمام فرقوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لینا محض وہم پر مبنی ہے اور
کے پاس اس کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ کیا اب یہ ممکن نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ
وسلم اپنے دعوے میں سچے ہی ہوں اور ان تمام لوگوں کو سچی ہی دلیلیں معلوم ہو گئی ہوں
ث کی وجہ سے انہیں آپ کی تصدیق کرنی پڑی اگرچہ ہمیں ان کی صحت کا ذرا بھی پتہ
لگا ہو اور جب بالفرض یہی کیفیت ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے پیدا
نے والے یعنی خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہوں اور ان کی بتلائی ہوئی سب باتیں ہو پڑیں
انھیں باتوں میں مثلاً ایک بات یہ بھی ہے کہ عالم انسانی کے لئے ضرور حشر و نشر ہو گا
یہی خدا اس شخص کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے دائمی ثواب عطا کریگا
جو شخص کہ آپ کی تکذیب کرتا ہے اس کو ابدی سزا دیگا۔ تو بھلا بتلایئے کہ اس وقت
تو کیا بہتری حاصل ہو سکتی ہے اور ہم اپنی محنت اور مشقت اور بحث و تفتیش سے
ثمرہ حاصل کر سکتے ہیں جو کہ ہم اپنے بڑے لمبے چوڑے علموں میں جیسے کہ علم افلاک
کائنات۔ علم طبقات الارض[ے]۔ علم نباتات[عے]۔ علم حیوانات۔ علم کیمیا[سے] وغیرہ میں صرف
تے ہیں کیا اس وقت ہم پر یہ بات صادق نہ آئے گی کہ ہم ادنیٰ درجہ کی فانی چیز کے
اتھ مشغول ہوئے اور باعظمت دائمی شئے کو ہم نے چھوڑ دیا بیشک ہم خسارہ میں رہیں
اور جس سے کہ ہم برداشتہ خاطر ہوئے جاتے ہیں اور جس سے کہ ہم سوء اختیار
یعنی بے تمیزی کے ساتھ کسی شئے کو پسند کرنے) میں پڑنے سے ڈرتے ہیں وہ یہ امر ہے
اگر کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی کرنے والوں کا قول قیامت کے بارہ
ں صحیح ہو گیا تو بیشک ہم کو نقصان اٹھانا پڑے گا اور ہم اشک خونیں سے رونے قابل

ے جیالوجی عے بوٹانی سے کیمسٹری ۱۲ مترجم

ہو جائیں گے اور اگر ہمارا یہ قول کہ قیامت نہ ہوگی اور انسان مرنے کے بعد زندہ نہ کیا
جائے گا صحیح بھی ہوگیا تو اُن کا ذرا بھی نقصان نہ ہوگا چنانچہ طبیب اور منجم دونوں کے بارہ
میں کہ جن کا قیامت سے انکار کرنے میں ہمارا سا ہی خیال تھا کسی ؏ نے کیا خوب کہا ہے

قال المنجم والطبیب کلاهما — لن یبعث الاموات قلت الیکما
ان صح قولکما فلست بخاسر — او صح قولی فالخسار علیکما

یعنی منجم اور طبیب دونوں یہ کہنے لگے کہ مردے کبھی زندہ نہ کیے جائیں گے تو میں
نے انہیں جواب دیا کہ بس الگ رہو۔ اگر تمہاری بات صحیح بھی ہوگئی تو میرا کوئی نقصان
نہیں ہوسکتا اور اگر میرا کہنا صحیح نکل آیا تو تم دونوں کو ضرور نقصان اٹھانا پڑے گا۔ پس
ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ ہم حزم اور احتیاط سے کام لیں اور جتنی چیزیں کہ ہمارے
مذہب کے مخالف معلوم ہوں اُن کو سنتے ہی بلا تحقیق اُن سے انکار نہ کریں اور اپنی اس
ہٹ دھرمی کو ترک کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے بحث کریں اور اس
امر کی تفتیش کریں کہ لوگ اُن کی کیوں تصدیق کرنے لگے اور اُن کے دلائل میں غور و فکر
سے کام لیں۔ کیونکہ ہمارا اس میں ضرر ہی کیا ہے اور تحقیق کرنے سے ہمیں کونسا امر مانع
ہوسکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس بحث و تحقیق کا یہی نتیجہ ہو کہ ہم ضرر سے بچ جائیں پس دلائل
سابقہ کو دیکھ کر اسی امر پر اُن کی رائے قرار پائی اور سب متفق ہوگئے اور انھوں نے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تحقیق پر کمر ہمت باندھی اور اس سے بحث کرنے پر آمادہ
ہوگئے کہ آیا آپ کا دعوی سچا تھا یا جھوٹا اور اُن دلائل کی تفتیش کرنے لگے کہ جن کی وجہ
سے اُن لوگوں نے آپ کی اطاعت اختیار کی تھی تا کہ اُن میں غور کرنے سے اس امر کا

؏ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ۱۲ مترجم

پتہ لگ سکے کہ آیا وہ دلیلیں صحیح ہیں کہ جن کی وجہ سے اور لوگوں کی طرح اُنہیں بھی تصدیق کرنا
چاہیے یا غلط ہیں یہاں تک کہ اُن کی غلطی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے شبہ رفع ہو جائے
اور کچھ تردد باقی نہ رہے پس سب سے پہلے انہوں نے اُن اشیاء کو دیکھنا شروع
کیا جنہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور جن کی نسبت ان کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ اللہ
یعنی اُس عالم کے خدا کے پاس سے ہیں اور جن سب کو کہ وہ شریعت کہتے تھے ۔

> شریعت محمدیہ کے عقائد پر اُن کا مطلع ہونا

پس اُنہوں نے اُس میں بہتیری ایسی چیزیں دیکھیں کہ جو
ان کے علوم طبیعیہ کے خلاف معلوم ہوتی تھیں جسے کہ وہ
بالکل یقینی سمجھتے ہیں منجملہ ایسے امور کے شریعت میں یہ واقع ہوا ہے کہ عالم کا مادہ
پہلے موجود نہ تھا اور پھر پیدا ہوا ہے اور جس نے کہ اُسے بعد عدم موجودگی کے موجود کیا
ہے اور اُس نے طرح طرح کی کائنات کو اس عمدہ انتظام پہ پیدا کیا ہے وہی خدا ہے
اور اُس نے جیسے کہ اُسے عدم سے موجود کر دیا ہے وہ اسی طرح بعد موجود ہونے کے
اُسے پھر معدوم کر سکتا ہے ۔ اور اسی خدا نے علاوہ تمام حیوانات کے انسان کو ایک
مستقل نوع بنایا ہے اور اُسی سے اُس کی عورت کو پیدا کیا ہے اور پھر اُن دونوں کو
اُسی نے ایسے مکان میں رکھا ہے کہ جسے جنت کہتے ہیں اور بعد اس کے ان دونوں کو اُن سے
ایک امر میں خلاف ہو جانے کی وجہ سے زمین پر اتار دیا ۔ انسان کیلئے اُس کے بدن کے
علاوہ ایک دوسری چیز نفس بھی ہے جسے کہ روح کہتے ہیں اُس کے بدن کے ساتھ اُس کو
ایک خاص علاقہ ہوا کرتا ہے کہ جب تک وہ علاقہ رہتا ہے اُس کو زندگی حاصل رہتی ہے
اور جب وہ علاقہ جاتا رہتا ہے تو موت آجاتی ہے ۔ یہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد
بھی باقی رہتی ہے اور وہ ادراک کرتی ہے اُسے لذت اور الم بھی حاصل ہوتا ہے ۔

انسان کی موت آنے اور اس کے فنا ہونے کے بعد بھی خدا اسے پھر زندہ کرے گا۔ وہ اس کے ساتھ دوبارہ روح کا علاقہ پیدا کر دیگا اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو نیک عمل کئے ہوں گے اسکو اُن کی جزا دیگا۔ اور جو بُرے عمل کئے ہوں گے اُن کی سزا دیگا۔ خدا کی نعمتیں ایک مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے۔ اور اس کا عذاب اس مکان میں ہوگا جس کا نام دوزخ ہے۔ خدا انسان کو اُن دونوں میں زمین و آسمان کے تباہ ہو جانے اور لوگوں کے مرنے کے بعد پھر اُن کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد داخل کریگا۔ لوگ اُن دونوں میں ہمیشہ رہیں گے بدن کے ساتھ روح کے متعلق ہونے اور اس سے زندگی پا جانے کے وقت لذت اور الم کے معلوم کرنے میں بدن اور روح دونوں مشترک ہیں۔ انسان کی طرح باقی حیوانات میں بھی روح پائی جاتی ہے اور حقیقی سمجھ کہ اُن کی زندگی کیلئے ضروری ہے تمام حیوانات کو حاصل ہوتی ہے البتہ اس قدر سمجھ اور عقل نہیں پائی جاتی جسقدر کہ انسان میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے بخلاف اور حیوانات کے انسان کو اس خدا کی عبادت کی تکلیف دی گئی۔ اسی خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں کہ جن کا نام فرشتہ ہے۔ اُن کو اس امر کی قدرت ہوتی ہے کہ مختلف شکلیں بدل لیں ہمارے سامنے سے گذر جائیں اور ہم نہ دیکھیں۔ اُن میں بڑی طاقت بھی پائی جاتی ہے وہ ایسے ایسے کام کر سکتے ہیں کہ جن سے انسانی طاقتیں بالکل عاجز ہیں یہی فرشتے خدا اور اس کے اُن نیک بندوں کے مابین کہ جو رسول کے نام سے مشہور ہیں خداوندی احکام کے پہنچانے کا واسطہ واقع ہوتے ہیں۔ خدا نے اسی طرح اور اجسام بھی پیدا کئے ہیں کہ جو اپنے بعض خواص میں انھیں فرشتوں کے مشابہ ہیں مثلاً مختلف شکلیں بدلنا۔ نظر سے چھپا رہنا بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا لیکن ان باتوں میں اُن سے فرق ہے کہ وہ اُن کی طرح نورانی نہیں ہوتے اور نہ ان میں نری بھلائی ہی ہوتی ہے اور نہ وہ خدا کے

اور اُس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں ایسے اجسام کا نام جن ہے۔ خدا نے ہمارے اُوپر سات آسمان پیدا کئے ہیں کہ جو فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور خدا ہی آسمان سے پانی اتارتا ہے اُسی خدا نے ان آسمانوں سے اُوپر ایک بہت بڑا جسم پیدا کیا ہے کہ جس کا نام کرسی ہے اور اس کے اوپر اُس سے بھی بڑا ایک اور جسم ہے کہ جس کا نام عرش ہے ہمارے اور ان آسمانوں کے درمیان بہت ہی بڑا فاصلہ ہے اور فرشتے اس فاصلہ کو بہت تھوڑے زمانہ میں قطع کر سکتے ہیں جو کچھ کہ زمین ہو یا آسمان جنت ہو یا دوزخ جملہ کائنات میں ہوتا ہے خدا ہی کی قضا و تقدیر* سے واقع ہوتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ خدا نے جان لیا ہے اور وہ ارادہ کرتا ہے اور اُس کو اپنی قدرت سے موجود کر دیتا ہے۔ اُس نے ایک بہت بڑا جسم جسے کہ لوح کہتے ہیں اور ایک دوسرا جسم جسے کہ قلم کہتے ہیں اس لیے پیدا کیا ہے کہ جو کچھ واقع ہو اُس میں ثبت کیا جائے اور مسطور رہے اگرچہ اُس کو اُس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جتنی چیزیں کہ اُس کی قضا اور حکم سے ہوتی ہیں سب اُسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتی ہیں اُس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اگرچہ اس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مرتبط کیا ہے اور یہ مقرر کیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب پایا جائے لیکن ان دونوں کیلئے وہی خالق ہے وہی سبب کو پیدا کرتا ہے اور وہی اس کے بعد مسبب کو پیدا کر دیتا ہے تمام چیزوں کی تاثیرات جو کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُسی کے خلق اور ایجاد سے ہوتی ہیں کوئی شئے

---

* قضا و قدر کی بحث آگے آتی ہے یہاں سمجھ لیجئے کہ قدر اور تقدیر کے معنی اندازہ کرنے اور مقرر کر دینے کے ہیں اور قضا کے معنے حکم کرنے کے ہیں پس حاصل یہ ہوا کہ خدا نے پہلے سے تمام عالم کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اور اُسی کے موافق اپنے حکم اور ارادہ سے سب کچھ پیدا کیا کرتا ہے ۱۲ مترجم

بالطبع یا اُس قوت کی وجہ سے جو اس میں رکھ دی گئی ہے حقیقۃً موثر نہیں ہے۔ وہ خدا قدیم سے موجود ہے ہمیشہ رہے گا اُس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے ایک ہے۔ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے یکتا ہے اُس کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب اسی کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں موجودات میں سے نہ کوئی شے اُس کے مشابہ ہے اور نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہو سکتا ہے جس کا ارادہ نہایت کامل ہوتا ہے تمام چیزوں کو پورے طور سے جانتا ہے جو کچھ کہ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آیندہ ہوگا اُسے سب کی خبر ہے اُس کے علم سے کوئی شے الگ نہیں جتنی چیزیں کہ عقل کے نزدیک ممکن ہیں چاہے وہ کتنی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہ ہوں لیکن وہ سب پر پورے طور سے قادر ہے زندہ ہے جملہ صفات کمال کے ساتھ جو اس کے شایاں ہے متصف ہے۔ اور تمام صفات نقصان سے پاک ہے ایسے ہی اور مضامین کو سمجھے کہ جن کو انھوں نے شریعت میں پایا اور وہ ان کے معتقدات کے خلاف ہیں جو انھیں اپنے علوم سے دریافت ہوئے یا جہاں تک ان کی عقل کی رسائی ہوئی اس کے موافق اُن کے علوم میں اُن چیزوں کی کوئی دلیل نہیں ملی یہ کیفیت دیکھ کر قریب ہی تھا کہ وہ لوگ اپنے اُس ارادہ سے ہٹ جاتے جس پر کہ انہوں نے پختہ قصد کر لیا تھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے دعوے سے بحث کر کے اُس کی تحقیق کریں گے اور کچھ بعید نہ تھا کہ وہ پھر تکذیب کرنے پر جم جائیں لیکن اس ارادہ سے باز رکھنے والا امر اُن کا سابق کا وہ فیصلہ ہوا کہ جس پر سب لوگ متفق الرائے ہو چکے تھے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے حق میں مصلحت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے دعوے سے بحث کر کے اُس کی بخوبی تحقیق کریں تاکہ خطا میں پڑنے سے محفوظ رہیں اور احتیاط پر عمل کریں اسلئے کہ اُن کا تمام حقائق کی پوری واقفیت سے قاصر رہنا اور جملہ ممکن الوقوع حقیقتوں پر حاوی نہ ہونا اُن کو معلوم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ اس امر کے

اختیار کرنے پر مجبور تھے پس وہ اپنے فیصلہ کئے ہوئے حکم پر عمل کے موقع پر بھی ثابت قدم رہے اور کہنے لگے کہ قبل اس کے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی دلیلوں پر غور کریں ہمیں اُن مسائل سے بحث کرنا چاہیئے کہ جو شریعت میں ہمیں ملے ہیں اور وہ ہمارے اُن خیالات کے خلاف ہیں جن کو کہ ہم نے اپنے علوم کی مدد سے قائم کیا ہے یا ہمارے علوم میں اُن کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے کیونکہ شاید اس طریقہ سے شریعت کے ایسے مسائل کی اُن سے بحث کرنے کے بعد غلطی ظاہر ہو جائے اور پیروان شریعت کے نزدیک بھی اُن کا غلط ہونا مدلل ٹھیر جائے تاکہ اوّل امر سے اُن کا دعوے ساقط ہو جائے اور اُس کے متبعین یا اوروں کے دلائل سے بحث کرنے کی محنت ہمیں نہ اٹھانا پڑے اور اسی طرح معاملہ طے ہو جائے۔ لیکن اسوقت اُن کے دل میں یہ بات آئی کہ جب ان مسائل سے باہم ہم بحث کریں گے تو بسا اوقات واقعی امر کے ظاہر ہونے میں ہمیں دقت پڑ سکتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اُن سے وہ مراد نہ ہو جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے یا کوئی ایسی صحیح وجہ نکل سکتی ہو کہ جس کی وجہ سے ہمارے علوم کے ساتھ مطابقت ہو جائے اور ہم خود اُس کو دریافت کر سکتے ہوں۔

اس فرقہ کا مسائل شریعت کی تحقیق کرنا | اس لئے بہتر یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنیوالوں میں سے کسی عالم سے ملیں اور یہ مسائل اُس کے سامنے پیش کر کے اُن کے بیان کی درخواست کریں پس ہمیں یا تو اُن کی غلطی معلوم ہو جائیگی یا اُن کی صحت کا ہمیں پتہ لگ جائیگا اور اس عالم کی وجہ سے ہمیں مطلب کے سمجھنے میں دقت بھی نہ پیش آئے گی پس وہ علماء اسلام میں سے ایک عالم سے ملے اور انھوں نے اپنا قصہ اور اُن مسائل میں اُس کے ساتھ گفتگو کرنے سے جو اُن کا مقصد تھا سب بیان کیا۔

اُس عالم نے اُن سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو پہلے اس عالم کے بارہ میں اپنے مذہب

اور خیالات کا خلاصہ اور تمام کائنات کے وجود کی اصل مجھ سے بیان کر دیں کیونکہ شاید اس طور
سے میں ان شرعی مسائل کو جن کو کہ آپ لوگ نہیں مانتے آپ ہی لوگوں کے خیالات کے
موافق ثابت کر سکوں یا میں آپ کے اعتقادات اور خیالات کی غلطی نکال دوں یا اس کے
سوا کوئی اور صورت اختیار کروں کہ جس سے باہمی اختلاف رفع ہو جائے تب اس رائے
کو سب نے پسند کیا اور کہنے لگے کہ جیسے ہمارے مذہب اور خیالات کا خلاصہ کہ جو ہم
نے اپنے علوم کی مدد سے قائم کئے ہیں وہ یہ ہے کہ اس بنا پر اصل اور انواع انواع کی
ارضی اور سماوی اشیاء کی پیدائش کے بارہ میں قدمائے فلاسفر کو بڑا اختلاف ہے ہر ایک
نے ایک جدا مذہب قائم کیا لیکن زمانہ حال میں جب امریکہ والے ترقی پر پہنچے تو جس
بات کا پتہ تجربہ اور دلیل سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عالم کی سماوی اور ارضی اشیاء
کی اصل دو امر ہیں مادہ اور اس کی قوت وحرکت اور یہ دونوں قدیم اور ہمیشہ سے ہیں اور
ان میں تلازم پایا جاتا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ مادہ اور اس کی قوت میں انفکاک اور انفصال
ہو سکے اور ان دونوں میں سے کوئی بغیر دوسرے کے پایا جا سکے۔ مادہ سے مراد یہی ایتھر
(ایتھر) ہے جو کہ خلا میں بھرا ہوا ہے مادہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے بسیط
سے بسیط صورت میں موجود ہونے کی حالت کے اعتبار سے اس کو ایتھر (ایتھر) کہتے ہیں یہی
مادہ کی قوت اس سے اس کے غیر منقسم ؏ اجزا کی حرکت مراد ہے جو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے
متماثل اور صفات کے لحاظ سے مختلف ہیں جن کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور ہم لوگ (یعنی
سائنس جاننے والے) اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حرکت مادہ میں خود بخود پیدا ہوتی ہے
اس کے لئے کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ پھر اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات

؏ یعنی جن کی قسمت فکی نہیں ہو سکتی ۱۲

ارضی یعنی جمادات، نباتات، حیوانات پہلے موجود نہ تھے اور پھر اسی مادہ سے بذریعہ اس کی حرکت کے بنے ہیں اور اُن کا بننا بھی اسی طرح سے ہے جس طرح سے کہ اپنی علت سے معلول بالضرورت بن جاتا ہے اور اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اُس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ اُن میں قصد پایا جاتا ہے۔

سماویات وغیرہ کے بارہ میں فلاسفۂ جدید کا خیال

اب سُنیئے کہ پہلے تو انہیں اجزا کے خاص قسم کی کیفیات پر مجتمع ہو جانے سے سدیمی[1] مادہ کا وجود ہوا۔ سدیمی مادہ سے چھوٹے چھوٹے ذرّے مراد ہیں اور قوتِ کشش ان کے اجتماع کا باعث ہوا اس طرح پر ایک کرہ بن گیا اور وہ اپنے محور کے گرد گردش کرنے لگا۔ پھر دوسرے قوانین قدرت کے موافق وہ مشتعل ہو گیا وہ کرہ ہی شمس تھا پھر اُس کی گردش کے مقتضا کے موافق باقی سیّارے اُس سے جدا ہونے لگے اور کرے بن بن کر اپنے محوروں پر گردش کرنے لگے منجملہ اُن کے ہماری زمین بھی ہے جس پر کہ ہم آباد ہیں زمین کا یہ قصہ ہوا کہ آفتاب کے جدا ہونے کے بعد اپنے محور کے گرد مدت تک گردش کرتی رہی اور اس طرح پر اس کا پوست یعنی سطح ظاہری سرد ہونے لگی اور مختلف طبقات بنتے اور معادن حیوانات نباتات پیدا ہوتے رہے اور سبب اس کا وہی مادہ کی حرکت اور خاص طور پر باہم اُن کا اجتماع تھا علم طبقات الارض[2] کی تحقیقات کے موافق ہمارے نزدیک یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حیوانات اور نباتات پہلے نہ تھے اور پھر اُن کا وجود ہوا ہے اور یہ اس لئے کہ ارض کے مختلف طبقات کے خلاف آخری طبقہ میں جہاں تک کہ ہماری رسائی ہو سکی ہم نے حیوانات اور نباتات کے بالکل آثار نہیں پائے اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زمین پر کوئی ایسا زمانہ ضرور گذرا

---

[1] سدیمی (یعنی اجزاء ویمقراطیسی) ۱۲ مترجم [2] جیالوجی ۱۲ مترجم

ہے کہ جب اُس پر جاندار اجسام یک لخت موجود نہ تھے اس کے بعد بحث تحقیقات اور کیمیاوی اعمال کے مشاہدات کی بدولت ہماری یہاں تک رسائی ہوگئی جس سے کہ ہم نے یہ دریافت کرلیا کہ عناصر بذریعہ حرکت مادہ کے اُس کے اجزاء کے اجتماع سے پیدا ہوئے ہیں کہ جو شمار میں ساٹھ سے بھی زائد ہیں اور عناصر کے مجتمع ہونے اور خاص صورت پر ملنے کی وجہ سے معدنیات اور جاندار اجسام وجود میں آئے۔ پہلی چیز جس سے کہ یہ بنتے ہیں ایک قسم کا زلال کے مثل مادہ ہوتا ہے جس کی ترکیب میں چند عناصر شامل ہوتے ہیں اور وہ نہ تو بالکل جا ہوا ہوتا ہے اور نہ پتلا بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت رکھتا ہے۔ اُس میں غذا حاصل کرنے منقسم ہونے۔ توالد و تناسل کی قوت پائی جاتی ہے ہم نے اس مادہ کا نام برٹو بلاسم (یعنی پہلی شئے) رکھا ہے اسی کے منقسم ہونے سے وہ خول طیار ہوئے ہیں جن سے کہ جسم اعضا کی بناوٹ ہوتی ہے اور اسی کے مجتمع ہو جانے سے حیوانات اور نباتات سب سے بسیط اور بالکل ابتدائی حالت میں پیدا ہوئے ہیں۔
حیات (زندگی) انھیں عناصر کے فعل و انفعال اور اُن کے کیمیاوی امتزاج کے محض ایک ظہور کا نام ہے وہ کوئی دوسری مستقل شئے نہیں ہے کہ جس کا جسم میں حلول ہوتا ہو جیسا کہ ہم لوگوں میں سے حیات کو ایک مستقل شئے ماننے والے فرقہ کا خیال ہے اور حیوان میں یہی حیات ہوتی ہے روح کوئی چیز نہیں ہے پھر وہ حیوانات اور نباتات جو ابتدائی حالت میں تھے قدرت کے چار قوانین کے موافق جو اُن کیلئے ضروری ہیں توالد و تناسل کی وجہ سے بڑھنے اور ترقی کرنے لگے پہلا قانون افراد کا باہم ایک دوسرے سے متبائن ہوتا ہے جس کا نام تبائن افراد ہے پس کوئی فرد اپنی اصل کے بتمامہ مشابہ نہیں ہو سکتی منجملہ ان تبائنات کے نر اور مادہ کا ہونا ہے۔ دوسرا قانون فروع کا باوجود دوسرے

تباینات یا جداگانہ خصوصیتوں کے اختیار کرنے کے ان میں اصول کے تباینات یا خصوصیتوں
کا منتقل ہو جانا ہے جس کا نام قانون انتقال تباینات الاصول الی الفروع مع بقاء الانتیاز
ہے یعنی اسی وجہ سے افراد میں کوئی قوی ہوتا ہے کوئی ضعیف یا کمزور۔ کوئی خارجی صدمات
کا متحمل ہو سکتا ہے کوئی نہیں کسی کے لئے ظروف موافق رہتے ہیں کسی کے لئے ناموافق۔
تیسرا قانون باہم افراد میں باقی رہنے کے بارہ میں منازعت کا واقع ہونا جس کا نام قانون
تنازع للبقاء ہے یعنی اسی واسطے ضعیف یا کمزور فسادی طاقتوں کے تحمل نہ کر سکنے والے
افراد جو کہ ظروف ناموافقہ میں ہلاک اور نابود ہو جاتے ہیں اور افراد میں سے جو
اس کے خلاف ہیں وہ باقی رہتے ہیں۔ چوتھا قانون طبیعی یا فطری انتخاب ہے اور اس
سے فطرت کا نہایت عمدہ اور کامل شے کو انتخاب کر کے حفاظت کرنا مراد ہے یعنی لاکھوں
برس کے گذرنے پر حیوانات اور نباتات کو اجزاء مادہ کی اضطراری حرکت اور فطرت کے
ان قوانین اربع کے موافق رفتار اختیار کرنے سے موجودہ حالت تک ترقی کرنا نصیب
ہو گیا یہاں تک کہ خود انسان بھی منجملہ تمام حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہی ہے لیکن
فطری انتخاب کے قانون کے موافق عمدگی اور خوبی کے اعتبار سے ترقی کر کے اس موجودہ
حالت پر پہنچ گیا ہے اور چونکہ وہ بندر کے ساتھ نہایت مشابہت رکھتا ہے تو یہ بات
کچھ بعید نہیں بلکہ بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور بندر کی ایک ہی اصل سے
پیدائش ہوئی ہو اور دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر انسان ترقی کرنے لگا ہو حتی
کہ ترقی کرتے کرتے اپنے قرین یعنی بندر سے بڑھ گیا ہو اور انسان تمام حیوانی انواع کے
اعتبار سے بالکل نو پیدا ہے اور اس کی پیدائش ان سب کے بعد واقع ہوئی ہے اسی
وجہ سے صرف کئی لاکھ برس کے نہایت محدود اور معدود زمانہ سے اس کا وجود پایا جاتا

ہے اگرچہ کروڑوں برس اس سے پہلے بھی بکثرت انواع موجود رہی ہیں عقل اور انسا
ادراک منجملہ اُن تمام افعال مادہ کے کہ جو مادہ کے اجزاء متحرکہ و عناصر ممتزجہ کی تاثیر و تا
سے پیدا ہوتے ہیں مختلف ایک خواص فعل کا نام ہے وہ کوئی علیحدہ شے نہیں ہے اگر
اصل مادہ اور حرکت دونوں کے دونوں عقل و ادراک سے بالکل خالی تھے پھر انسانی عقل
اور بہتیرے حیوانات کی عقلوں میں صرف کمیت اور مقدار کا فرق ہے ماہیت کے اعتبار سے
کوئی فرق نہیں۔ صرف یہ بات ہے کہ انسان میں عقل کی مقدار تمام حیوانات سے بڑھی ہو
ہے پھر وہ باقی مسائل کہ جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں پائے جیسے کہ انسا
کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور نعیم و عذاب یعنی جنت اور دوزخ کا پایا جانا
فرشتوں و جنوں - آسمانوں - عرش کرسی لوح اور قلم کا موجود ہونا فرشتوں کا بڑے بڑے
کاموں پر مقرر ہونا اور ویسی قسم کے اور مسائل (یعنی وہ مسائل جو پہلے بیان ہو چکے) یہ سب
باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے علوم میں ان کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی اس لئے ہم ان کا اعتقاد
بھی نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض امور تو ایسے ہیں کہ جن کو ہمارے علوم بالکل ساقط الاعتبار
ثابت کرتے ہیں اور ان کے استحالہ پر دال ہیں کیونکہ ان سے اُن قوانین فطرت کا ٹوٹنا لازم
آتا ہے جنہیں کہ ہم نے کائنات میں پایا ہے پس ان امور کا نہ ماننا ایک نہایت ضروری با
ہے یہ تو ہمارے مذہب کا علی وجہ الاختصار بیان ہے اور اسی پر طبیعیات (سائنس) جان
والے فرقہ کی عام طور پر رائے قرار پا چکی ہے اس کے بعد وہ لوگ محمدی دین کے عالم
طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ صاحب اب آپ کہیے ہم آپ کے کلام کو نہایت شوق
سے سنیں گے۔

محمدی عالم کا مادہ کے حدوث کو ثابت کرانے کیلئے تمہید بیان کرنا | تب اسلامی عالم نے اُن لوگوں۔

یوں کہنا شروع کیا کہ اے میرے انسانی بھائیو سُنو میرا محمدی دین اور آپ لوگوں کا بغرض اظہار حق گفتگو کرنے کے لئے مجھے انتخاب کرنا یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ خالص اور سچی خیر خواہی سے پیش آنے اور اظہار حق میں باریک بینی سے کام لینے کو مجھ پر لازم کرتے ہیں لیکن اس موقع پر میں آپ سے بغیر ایک امر کی درخواست کئے نہیں رہ سکتا وہ یہ ہے کہ آپ لوگ اتنی سی بات اپنے اوپر لازم کر لیں کہ بلا تعصب اور اپنے پہلے خیال کی ناحق طرفداری کے بغیر میری تقریر کو بغور سنیں اور اُسے اپنے دماغ میں جگہ دیں کیونکہ اگر تعصب سے کام لیا جائیگا تو حق بات ہرگز سمجھ میں نہ آئے گی اور عقل کی بینائی جاتی رہے گی اور جس طرح کہ دن دوپہر بھی بدلی کی وجہ سے آفتاب نظر نہیں آتا اسی طرح سے اس موقع پر بھی آنکھوں تعصب کے پردے پڑجائیں گے اور آفتاب حقیقت آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائے گا۔ اور اگر آپ لوگوں نے تعصب چھوڑ دیا اور اپنے خیالات سابقہ کی طرفداری نہ کی اور اس طور پر ان دونوں ناحق کی قیدوں سے اپنے اپنے ضمیر دل کو آزاد کر لیا تو پھر دیکھ لیجیے گا کہ میں آپ لوگوں کی خاطر سے ایسی تقریر کرونگا جس سے کہ حق روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائیگا (بشرطیکہ اُس خدا کو منظور ہُوا جس کے سوا میں کسی دوسرے کو کسی شئے کا پیدا کرنیوالا نہیں مانتا)

ابطال مذہب فلاسفہ کی تمہید | پس آپ لوگوں کے مذہب یعنی اُن خیالات میں جنھیں کہ آپ نے ابھی میرے سامنے بیان کیا ہے سچے طور پر غور کرنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ آپ کے مذہب کی بنیاد مجھے یہ معلوم ہُوئی کہ آپ مادہ کو قدیم مانتے ہیں۔ پھر چونکہ آپ نے مادہ کو قدیم مان لیا اس لئے بظاہر آپ کسی کو خدا مان لینے کیلئے مجبور نہ ہوئے کہ جو اُس کو پیدا کرتا اور جبکہ آپ نے مادہ کے سماوی اور ارضی تنوعات کو دیکھا اور ان کا حادث ہونا بھی آپ کے

نزدیک ثابت ہو گیا اور محض اُن تمام تنوعات اور تغیرات کے حدوث کو محض مادہ ہی
وجہ سے اس سبب سے تسلیم نہ کر سکے کیونکہ اس کے نزدیک مادہ میں اس کی صلاحیت
نہیں پائی جاتی ان وجوہ سے آپ کو ضرورت ہوئی کہ آپ مادہ کے ذرات ہی کیلئے حرکت
ثابت کریں۔ اس طرح پر تمام تنوعات آپ نے مادہ اور اس کی حرکت پر چھوڑ دیا اور اگر آپ
کا حدوث مان لیتے تو آپ کو مجبوراً کسی نہ کسی خدا کے وجود کا یقین کرنا پڑتا جو کہ اُسے پیدا
اور اس کے عدم پر اس کے وجود کو ترجیح دیتا۔ پھر اس کے بعد جب آپ اس کے تنوعات
نظر ڈالتے تو اُسوقت یہی کہنے لگتے کہ جس خدا نے کہ مادہ کو پیدا کیا ہے وہی اس کے تنوعات
کو بھی پیدا کر رہا ہے کیونکہ اس تقدیر پر ان تنوعات کیلئے سوائے خدا کے کسی دوسرے موجد
کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور نہ ذرات مادہ کے لئے حرکت ہی ثابت کرنے کی حاجت رہتی
اس تکلف سے بھی نجات مل جاتی اور اس زبردستی کی بات کا قائل بھی نہ ہونا پڑتا۔ کہ عالم
انواع انواع کی چیزیں محض مادہ اور اس کی حرکت سے بلا وجہ بالضرورت پیدا ہو گئی ہیں
اور خوبی یہ کہ ان میں (یعنی مادہ اور اس کی حرکت میں) نہ تو کسی قسم کا ارادہ پایا جاتا ہے
کچھ سمجھ ہے۔ نہ انہیں کسی شئے کا علم ہی ہوتا ہے اور نہ کچھ تدبیر ہی کی قابلیت رکھتے ہیں
اور پھر بھی اُن سے سب کچھ باقاعدہ ہی ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام عالم نہایت ہی
عجیب و غریب انتظام کے ساتھ پیدا ہو گیا جس کو دیکھ کر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے
اُس کیلئے اتنی چیزوں کی ضرورت ہے کہ قدرت پوری پوری ہو علم نہایت ہی کامل ہو حکمت
اور تدبیر اعلیٰ درجہ کی موجود ہو۔ اس موقع پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جب میں مادہ کے قدم
بطلان پر دلیل قائم کر دونگا اور اس کا حدوث ثابت ہو جائیگا تو اس وقت لا محالہ آپ
کو بھی کوئی نہ کوئی خدا ماننا پڑیگا کہ جس نے مادہ کو پیدا کر دیا اور جو عدم سے اس کو وجود میں لایا

ریقہ سے آپ کو یہ سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا کہ مادہ کے تمام تنوعات اُسی خدا کے فعل کی وجہ سے ہیں اور اُس کی قدرت۔ علم۔ حکمت اور تدبیر کا کامل ہونا انہیں تنوعات سے خود بخود معلوم ہو جائیگا۔ اس کے بعد آپ لوگوں پر شریعت محمدیہ کے باقی مسائل کی تصدیق کرلینا بھی جنہیں آپ اب تک اپنے علوم اور اعتقادات کے خلاف سمجھ رہے ہیں کچھ دشوار نہ رہے گا۔

ابطال مذہب فلاسفہ نیچے مسلمات سے

سنیئے میں نے آپ کے سابق الذکر مذہب میں تین قضیے ایسے پائے ہیں کہ جن کا آپ لوگ بڑے اعتقاد جازم کے ساتھ یقین کرتے ہیں اور اُس پر ایمان لائے ہوئے ہیں لیکن اگر صحیح نظر سے اُن میں غور کیا جائے اوصاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن سب کے ثبوت کی معاً تصدیق کرنا باعتبار نفس الامر کے ہرگز ممکن نہیں کیونکہ بعض ان میں سے بالکل قطعی ہیں مشاہدہ سے اُن کا ثبوت ہو چکا ہے ان کی تصدیق کرنا ایک لازمی بات ہے لیکن اگر اُن کی تصدیق کی جائے تو پھر دوسرے کا ماننا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا (پہلا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ اور اس کے ذرات بسیط کی حرکت کے قدم[ع] کے قائل ہیں اور اُن دونوں کو ازل سے متلازم مانتے ہیں کہ کوئی بغیر دوسرے کے پایا ہی نہیں جا سکتا یعنی مادہ اور حرکت میں مفارقت ہونا محال ہے (دوسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کے حدوث[ع] کے قائل ہیں یعنی تمام اشیاء سماوی اور ارضی خصوصاً حیوانات کی ساری انواع پہلے موجود نہ تھیں اور اسی مادہ سے پیدا ہو گئیں کیونکہ طبقات الارض کی دیکھ بھال سے آپ لوگوں کو لازمی طور پر یہ حکم لگانا پڑا کہ تمام انواع کے

ع قدم سے مراد کسی شے کا ہمیشہ سے موجود ہونا اور اس پر عدم کا کوئی زمانہ نہ گذرنا ۱۲ مترجم۔

ع حدوث سے مراد کسی ایسی شے کا موجود ہو جانا کہ جو پہلے موجود نہ تھی ۱۲ مترجم۔

حیوانات اور نباتات زمین میں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی پیدائش کے لئے
لاکھوں برس کا زمانہ آپ نے ٹھیرایا ہے اور اسی کی مقتضا کے موافق آپ نے یہ حکم لگایا کہ
انسان کی پیدائش جملہ انواع کے لحاظ سے بہت ہی حال کی ہے اور وہ سب کے بعد پیدا
ہُوا ہے کیونکہ اُس کے آثار صرف زمین کے اوپر کے طبقات میں پائے جاتے ہیں طبقات
زیریں میں اُس کے آثار کا نام ونشان نہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے
بعد پیدا ہُوا پھر اس کی پیدائش کے زمانہ کے مقرر کرنے میں آپ لوگوں نے بے انتہا اختلاف
کیا ہے جیسا کہ میں نے آپ ہی لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے ۔

(تیسرا قضیہ) یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کے جمیع تنوعات کو بذریعہ اُس کے ذرات کی
حرکت کے جو مادہ کے لئے ازل سے لازم ملازم ہے اور نیز اُن قوانین قدرت کے مقتضا
کے موافق کہ جو اُن میں موجود ہیں علی وجہ الضرورۃ مادہ سے حادث مانتے ہیں اور پھر مادہ اور
اُس کی حرکت کا نہ اُس میں کچھ اختیار ہے اور نہ اُن میں کوئی ارادہ ہی پایا جاتا ہے مقصود
اس سے یہ ہے جیسا کہ آپ کے کلام سابق میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جس طرح معلول
اپنی علت سے حادث ہُوا کرتا ہے اسی طرح مادہ اور اُس کی حرکت سے تمام تنوعات حادث
ہوتے ہیں پس تمام تنوعات معلول ٹھیرے اور مادہ اور اُس کی حرکت تنوعات کی علت (حقیقت
میں اُن کے نزدیک محض مادہ کی حرکت ہی علت ہے لیکن جبکہ مادہ اور اُس کی حرکت میں
انفکاک ناممکن تھا یہاں تک کہ وہ اس امر کے قائل ہو گئے ہیں کہ مادہ اور اُس کی حرکت میں
سے کسی کا وجود بغیر دوسرے کے متصور ہی نہیں ہے اس لئے دونوں کو بمنزلہ شے واحد کے
اعتبار کر لیا ہے اور اسی کو علت کہہ دیا ہے اور چونکہ اُن دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے
اس لئے یہ اعتبار کر لینا جائز ہے کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے) جب آپ کو یہ سب کچھ معلوم

ہوچکا تو اب سُنئے کہ ہر عقل سلیم صاف یہی حکم کرتی ہے کہ کوئی شئے اپنی علت سے جس سے
کہ اُس کا وجود لازم ہوجاتا ہے ہرگز تخلف نہیں کرسکتی پس اگر اُس کی علت حادث ہوگی تو
وہ شئے بھی اُس کے بعد ہی بلا تاخیر موجود ہوجائے گی اور اگر اُس کی علت قدیم ہوگی تو وہ
شئے بھی قدیم ہی ہوگی اور قدم میں اپنی علت کی متابعت کریگی اُس سے ہرگز متاخر نہ ہو
سکے گی ورنہ لازم آئے گا کہ علت تو پائی جائے اور معلول نہ ہو اور یہ بات محال ہے جب یہ
ثابت ہوگیا تو اب میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے مادہ اور اُس کی حرکت کو قدیم ماننے
سے کہ جو جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ اور تمام عالم کی انواع انواع کی چیزوں کے لئے
علت ہیں یہ لازم آتا ہے کہ یہ سب اشیاء بھی کہ جو اُن کی معلول ہیں قدیم ہوجائیں حالانکہ
آپ لوگ اپنے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق اُن کے قدم کے
قائل نہیں ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ اس علت کو اُن معلولات کے لازم ہونے سے یہ ضروری
نہیں ہے کہ اُن کا وجود ایک ہی دفعہ بالکل مکمل ہوجائے اس لئے کہ علل اور معلولات میں
باہم ارتباط پایا جاسکتا ہے اور ایک دوسرے پر سلسلہ وار موقوف ہوسکتے ہیں مثلاً یہ ممکن
نہیں ہے کہ پانی کے وجود سے پہلے حیات کا ظہور ہوسکے اور پانی اپنے دونوں عنصروں
کے بننے سے پہلے موجود ہوجائے اور وہ دونوں عنصر جو پانی کو مرکب کرتے ہیں ہیڈروجن
اور آکسیجن ہیں اور خود وہ دونوں اجزاء مادہ کے خاص طور پر مجتمع ہونے سے پہلے کہ
جس سے اُن کی تالیف حاصل ہوسکے موجود نہیں ہوسکتے پس حیات کا وجود پانی کے وجود
پر موقوف ہے چاہے اُس سے ایک لحظہ ہی پہلے کیوں نہ ہو۔ پس کونسی عقل یہ قیاس کر
سکتی ہے کہ مادہ اور اُس کے سارے مرکبات ایک ساتھ ہی موجود ہوسکتے ہیں اس کا
جواب ہم یہ دیں گے کہ جب ان تمام علتوں میں سے پہلی علت بھی (اور وہ مادہ اور اُسکے

(اجزاء کی حرکت ہے) حادث مان لی جائے اس وقت بیشک ان قوانین قدرت کے
موافق جو پیدائش کے متعلق ہیں اور جن کے آپ لوگ قائل ہیں ضرور ایک مدت کی حاجت
پڑ سکتی ہے تاکہ اس میں استعداد آجائے اور مادہ کے اجزاء مائل ہو کر مجتمع ہوں یعنی جس
قدر عناصر کی تالیف جو جو پائی جاتی ہے اس کے بعد حیات موجود ہو اور اب تک یہ بات ثابت
نہیں قوانین قدرت کے موافق عقل کے قیاس میں بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ پانی سے پہلے
حیات موجود ہو جائے یا عناصر ثلثہ پائیں وہ پانی تو متعلق ہو چکے ہیں یعنی مادہ کے مجتمع
ہونے سے پہلے تین عناصر جو ہیں یہ سب اہل سائنس کی سمجھ کے موافق مانا گیا ہے مگر
پیروان اسلام کی عقلوں میں یہ امور نا ممکن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو یہ سب کچھ خدائے
قادر ہی کرتا ہے اور اس کی قدرت کاملہ سے کوئی امر خلاف حق نہیں ہو سکتا کوئی شے ہم کو چاہے
کتنی ہی مستبعد اور تعجب انگیز کیوں نہ معلوم ہوتی ہو لیکن خدا سب پر قدرت رکھتا ہے لیکن
جب پہلی علت کو قدیم مانا جائے جیسے کہ آپ لوگوں کا خیال ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے
کہ یہ سارے معلولات حادث ہوں باوجودیکہ انکی علت ازلی اور ہمیشہ سے موجود ہے کیونکہ جب
ان کی علت ان کے موجود ہونے کو بالاضطرار لازم کرتی ہے تو پھر بتلائیے کہ ان سب اشیاء
کو اتنے لاکھوں یا کروڑوں برس کی مدت تک پیدا ہونے سے کس چیز نے روک رکھا اور
پہلے پیدا نہ ہونے دیا اور کس وجہ سے اتنی مدت گذرنے کے قبل ہی وہ موجود نہ ہو گئیں۔
اور اگر آپ یہ کہیں کہ اتنی مدت کی اس لئے حاجت ہے تاکہ علت میں معلولات کے پیدا
ہونے کی استعداد آجائے یعنی اس میں استعداد پیدا ہونے کے لئے اتنے کروڑ سال کی ضرورت
ہوتی تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ آپ کی معین کردہ مدت کے قبل ہی استعداد کیوں نہ پیدا
ہو گئی باوجودیکہ پہلی قدیم علت اس کی مقتضی بھی موجود تھی اور کس چیز نے اتنی مدت تک

استعداد کو پیدا نہ ہونے دیا اور پھر اسقدر مدت گذرنے کے بعد اُسے پیدا کر دیا معلولات کے حدوث اور اس حدوث کی استعداد پیدا ہونے کیلئے جتنی مدت آپ بڑھاتے جائیں گے ہمارا یہ سوال برابر قائم رہے گا کہ پھر اس مدت سے پہلے حدوث کیوں نہ ہوا اور اس کی استعداد اس سے قبل کیوں نہ آگئی بہر حال یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا اور ہمارا سوال آپ سے ہرگز نہ اُٹھ سکے گا۔ خلاصہ یہ کہ علت اولیٰ ہی سے استعداد کے بالاضطرار پیدا ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے پس حدوث وقدم کے اعتبار سے استعداد کی بھی وہی حالت ہوگی جو اُس کی علت کی ہے اور چونکہ اس موقع پر یہ علت قدیم مانی گئی ہے اسلئے ضروری ہے کہ استعداد بھی قدیم ہو۔ اور استعداد کا قدیم ہونا مستلزم ہے کہ تمام تنوعات جو معلول ہیں وہ بھی قدیم ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ علت تو ہمیشہ سے موجود ہو اور معلول ندارد۔ حالانکہ یہ صریح محال ہے پس اب یا تو آپ ان تمام تنوعات کو بھی جو معلول ہیں قدیم مانئے اور جو بات کہ آپ کے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اُس کی تکذیب کیجئے حالانکہ آپ لوگ اس امر کے ہرگز قائل نہیں ہو سکتے اور یا اس کے قائل ہو جایئے کہ مادہ اور اُس کی حرکت سارے کام اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتے ہیں پس اُنہوں نے ان تنوعات کی پیدائش کے لئے جو زمانہ چاہا مقرر کر دیا اور آپ لوگ اس کو بھی کبھی نہیں مان سکتے بلکہ اس کا تو آپ بڑے شد و مد سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اور اگر بالفرض بعض اہل سائنس اس کے قائل بھی ہو جائیں تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ اُن کو اجزاء مادہ کے ہر ہر جزء کے لئے اتنا علم اور ادراک ماننا پڑے گا جس سے وہ اس امر کے دریافت کرنے کے قابل ہو سکے کہ وہ باقی اجزاء کے ساتھ کون سے خاص طریقہ سے مجتمع ہوتا کہ عالم کی بیشمار انواع

میں سے کوئی خاص نوع بن جاتے اور پھر وہ اپنی وضع کو کسی طرز پر بدل دے جس سے کوئی دوسری نوع بن جاتے علیٰ ہذا القیاس تمام انواع کو لے لیجئے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر ہر ذرہ میں اتنے امور کے دریافت کرنے کی قوت آپ مان سکتے ہیں جن کو بڑے بڑے لوگ اور انتظامی دُنیا کے نہایت ہی تجربہ کار سن رسیدہ اشخاص کی تحقیق بھی دریافت نہیں کرسکتی اور وہ بھی عاجز ہیں۔ اس موقع پر اس کے علاوہ اور بہت سے اعتراضات اسی بنا پر پیدا ہو سکتے ہیں کہ اگر ہم اُن سب کو بیان کرنے لگیں تو بہت ہی طوالت ہو جائے اور آپ لوگوں کو ایسا کوئی سبب صحیح بیان کرنا چاہیئے کہ جس کی وجہ سے یہ تمام تنوعات ایسی ظلمت سے اتنے عرصہ تک متخلف رہے اور اتنے کروڑ برس کے بعد جا کر پیدا ہوئے میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگ اس کی کوئی وجہ اصلاً یا نقلاً کچھ بیان کر سکتے ہیں اس کا بیان کرنا کیا منہ کا نوالہ ہے ذرا کام رکھتا ہے غرضیکہ پھر آپ لوگ۔ مادہ اور اس کی حرکت کو حادث مان لیں اور یہی ہمیں مقصود ہے۔

حدوث مادہ کی پہلی دلیل | آیئے اسی دلیل کو ہم اختصار کے ساتھ آپ کو مرتب کر کے دکھلائیں وہ اس طور پر ہو گی کہ اگر تمام تنوعات کی (اور وہ مادہ اور اس کی حرکت ہے) (مقدم) قدیم ہوتی تو اس کی استعداد بھی (تالی) قدیم ہوتی اور اگر استعداد قدیم (مقدم) ہو گی تو تمام تنوعات بھی قدیم ہوں گے (تالی) لیکن تنوعات (رفع تالی) قدیم نہیں ہیں اس لئے استعداد بھی قدیم نہ ہوئی (نتیجہ رفع مقدم) اور یہی مقصود ہے پھر اگر آپ یہ کہنے لگیں (اگرچہ میں آپ کی نسبت ایسا ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ آپ ایسی بدیہی البطلان بات کے کہنے کی جرأت کر سکیں گے) کہ نہیں استعداد حادث ہے اور تمام تنوعات بھی حادث ہیں لیکن پھر بھی مادہ اور اس کی حرکت دونوں قدیم ہی ہیں تو میں آپ سے دریافت کروں گا کہ استعداد پیدا ہونے سے پہلے مادہ اور اس کی حرکت ازل میں یعنی لگاتار زمانہ غیر متناہی تک کیا کرتے

ہے اور مادہ پر کیونکر لاانتہا ہی زمانہ گزر سکا اور وہ محض بے نتیجہ اور لغو حرکت کرتا رہا اور پھر تا
ذاتی ازلی اور غیر محدود مدت تک بے نتیجہ رہنے کے بعد کس چیز نے اُسے اس امر پر آمادہ
کیا کہ ایک محدود زمانہ سے اُس میں استعداد پیدا ہو جائے پھر اسی طرح سے محدود زمانہ سے
نوعات بھی پیدا ہونے لگیں میرا تو خیال ہے کہ آپ کے پاس سوائے ساکت ہو جانے کے
اور کیا جواب ہوگا۔ پس اس ساری بحث کے بعد حق اور ماننے کی بات یہ ہے کہ آپ
لوگوں کو تاکہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ قسم قسم کی انواع کیونکر پیدا ہو گئیں مادہ اور اس کے اجزا کی
حرکت جس کے کہ آپ قائل ہیں دونوں کو حادث ماننا چاہیئے یعنی پہلے ان کا وجود نہ تھا اور
پھر وجود ہوا۔ اس موقع پر اور بھی بہت سی یقینی دلیلیں ہیں کہ جو مادہ کے حدوث پر دلالت
کرتی ہیں لیکن مثل دلیل سابق کے آپ لوگوں کی تحقیقات پر مبنی نہیں ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ
بھی نہیں معلوم ہوتا اگر میں ان میں سے ایک آدھ دلیل آپ لوگوں کے سامنے نیک گمان کر کے
بیان کر دوں کہ آپ کی عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر نہ ہوں گی اور اُسے تسلیم کر لیں گی خصوصاً جب آپ
اپنے ترک تعصب کرنے کے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے ثابت قدم رہیں جیسا کہ میں نے آپ کی
جانب سے کچھ دیکھا بھی ہے۔

حدوث مادہ کی دوسری دلیل | وہ یہ ہے کہ یہ امر ذرا بھی مخفی نہیں کہ مادہ صورت سے جو کہ
اُس کے ساتھ قائم ہوتی ہے خالی نہیں پایا جاتا اور نہ مادہ کا تمام صورتوں سے مجرد ہو کر
پایا جانا ممکن ہی ہے (جیسا کہ مادہ کا بغیر تحیز اور کسی نہ کسی قدر خالی جگہ کے گھیرے ہوئے
موجود ہونا ممکن نہیں ہے) پس مادہ جب کبھی پایا جائے گا اُس کے لئے کوئی نہ کوئی صورت
ضرور ہوگی خواہ وہ صورت ایتھر کی ہو یا سدیمی[ع] عنصری ہو یا معدنی۔ نباتی ہو یا حیوانی۔ انسانی

ع سدیمی سے مادہ کی وہ حالت مراد ہے جس میں عنصر بننے سے قبل موجود تھا ١٢ مترجم

ممکن ہے کہ اس شے پر عدم اور زوال طاری ہو سکے پس قدیم کی دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ ان
پر عدم کا طاری ہونا ممکن نہیں اور وہ عدم کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں جب یہ ثابت ہو گیا
تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب مادہ کے تمام صور لازمہ کا حدوث ثابت ہو گیا تو پھر مادہ کا قدیم
ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ہم مادہ کی تمام صورتوں کو لیتے ہوئے ایسی صورت
تک پہنچ جائیں کہ جو سب سے ابسط ہو اور مادہ کیلئے وہی پہلی صورت ہو تو اب عقل کے
نزدیک یہ ہرگز ممکن نہیں ٹھہر سکتا کہ اس سے پہلے بھی مادہ کے لئے کوئی صورت ہو سکے یا وہ
کے ابسط صورت کے بعد والی صورتوں کا حدوث تو اس طرح ظاہر ہے کہ وہ پہلے نہ تھیں
اور اس کی اوّل صورت کے زائل ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہیں اب رہی مادہ کی ابسط اور
سب سے پہلی صورت تو ہم کہتے ہیں کہ وہ بھی حادث ہے اس لئے کہ وہ معدوم اور زائل
ہو گئی اور قدیم کا زائل ہونا محال ہے جیسا کہ ابھی ثابت ہوا پس اب بتلایئے کہ مادہ اپنی
اوّل صورت کے حادث ہونے کے قبل کس حالت میں موجود تھا یہ تو آپ کہہ ہی نہیں
سکتے کہ مادہ کیلئے کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اس کا سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ مادہ کا بغیر
کسی صورت کے پایا جانا محال ہے اب یا تو آپ یہ مانئے کہ اس صورت سے پہلے کوئی اس
سے بھی ابسط صورت موجود تھی اور یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ آپ نے اس کو سب سے پہلی
صورت مانا ہے اور تسلیم کر لیا ہے کہ اس سے قبل کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی اور یا تو
آپ اسی کے قائل ہو جائیے کہ مادہ اسی صورت کے ساتھ حادث ہوا ہے پس مادہ حادث
ٹھہریگا نہ قدیم اور یہی مقصود ہے۔

حدوث مادہ کی دلیل ثانی منطقی ہیئت میں

ہم اسی دلیل کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں
کہ مادہ اس اوّل صورت اور اس کے بعد والی صور نوعیہ کے لئے

لازم ہے اور یہ صورت اور اسکے بعد آنے والی صورتیں مادہ کے لئے لازم ہیں اور مادہ سے
سب کی سب منفک اور جدا نہیں ہوسکتیں جیسا کہ علت اور معلول کے مابین انفکاک ناممکن
ہے اب یوں تقریر کی جائے گی کہ اگر مادہ جو ان صورتوں کے لئے قدیم ہوگا تو یہ سب صورتیں
بھی جو اس کے لئے لازم ہیں ضرور قدیم ہونگی کیونکہ لازم کا اپنے ملزوم سے منفک اور جدا ہونا
محال ہے۔ لیکن یہ صورتیں اس دلیل سے کہ عدم کو قبول کرتی ہیں قدیم نہیں ہوسکتیں لہٰذا
مادہ بھی قدیم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تالی کے سلب اور رفع کرنے سے مقدم کا رفع یا سلب
لازم آتا ہے جیسا کہ علم منطق میں یقینی طور پر یہ بات طے ہوچکی ہے اور ہر عقل سلیم رکھنے والا
شخص اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

دلیل اثبات ازل کے مقدمات میں سے استحالہ ترجیح بلامرجح کی توضیح

پھر بحث سابق کے تمام ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ
حادث یعنی ایسی شے کیلئے جو پہلے نہ تھی اور پھر موجود
ہوگئی ضرور کوئی ایسا امر ہونا چاہیے جو اُسے موجود کردے اور جس کی وجہ سے اس کے عدم پر
اس کے وجود کو ترجیح ہوجائے اور وہ عدم کی تاریکی سے وجود کی روشنی میں نکل آئے ورنہ
ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی اور وہ منجملہ بدیہی محالات کے ہے اگر خدانخواستہ آپ لوگوں کی یہ حالت
ہوجائے کہ آپ ترجیح بلا مرجح کو بھی ممکن کہنے لگیں تو مجھ سے سنئے میں پوچھتا ہوں کہ جب
آپ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ میں نے انسانی ایجاد کردہ ترازوؤں میں سے ایک
اور ایک ایسی ترازو دیکھی کہ جس کے دونوں پلڑے بوجھ میں بالکل برابر تھے پھر کیا دیکھتا
ہوں کہ کہاں تو اس کے دونوں پلڑے بالکل متوازی تھے یا فرض کیجئے کہ بائیں جانب کا
پلڑا کسی سبب سے جھک کر زمین سے لگا ہوا تھا پھر دفعتہً داہنا پلڑا بائیں سے راجح ہوگیا
اور اتنا نیچا ہوا کہ زمین سے لگ گیا اور بایاں اتنا اونچا ہوگیا جہاں تک کہ اونچا ہونا ممکن

تھا لیکن یہ سب کچھ بلا کسی سبب اور مرجح کے پایا گیا راجح ہونیوالے پلڑے کو نہ کسی خارجی طاقت نے راجح کیا یعنی جھکایا نہ اُسے ہوا کا دھکا لگا نہ کوئی دوسرا جسم جو اوپر سے گرا ہو اس کا باعث ہوا خلاصہ یہ کہ جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے پلڑا جھک سکتا ہے ان میں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی اور پھر بھی وہ بلا وجہ جھک گیا پس اس موقع پر اگر آپ اس قائل کے قول کو سچ سمجھنے لگے تو میں جان لوں گا کہ آپ کے قول کا تضاد انتہا درجہ کو پہنچ گیا پس اب آپ سے گفتگو کرنا جائز نہیں اور اگر آپ نے اُس کی تصدیق نہ کی اور آپ نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو محال ہے تو اُس وقت میں آپ سے عرض کروں گا کہ حضرت یہی ترجیح بلا مرجح ہے اسی کی نسبت میں نے سابق میں آپ سے کہا تھا کہ بدیہی محالات میں سے ہے۔

ان مثالوں اور جتنی حقائق کہ ان کے علاوہ متصور ہو سکتی ہیں عام ہے کہ وہ حسی ہوں یا عقلی ان سب میں اس لحاظ سے ذاتی فرق نہیں ہے کہ ترجیح بلا مرجح سب میں محال ہے جیسا کہ یہ امر ہر تامل کرنے والے کے نزدیک بخوبی ظاہر ہے اور جب آپ اپنے بہتیرے علمی مباحث اور گفتگو میں تامل کریں گے تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ آپ اپنے مقابل سے بحث کرتے وقت بیشمار مواقع پر اسی قاعدہ کے ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور وہ قاعدہ یہی ترجیح بلا مرجح کا محال ہونا ہے چنانچہ جب کوئی شخص اس امر کا دعوے کرتا ہے کہ حوادث فطرت میں سے فلاں امر بلا سبب پایا گیا اور اُس کا وجود اتفاقات فطرت میں فلتۃ[ع] یا اتفاقی طور پر ہو گیا ہے تو آپ اُس سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل ناممکن ہے اور ہمارے نزدیک محقق امر یہ ہے کہ جس کو لوگ فلتۃ یا اتفاقی کہتے ہیں وہ محض باعتبار ظاہر کے ہے چونکہ اُس کا سبب نہیں معلوم ہوا ورنہ حقیقت میں اُس کا وجود ضرور کسی نہ

ع قدمائے فلاسفہ کی اصطلاح میں اسے بخت و اتفاق کہتے ہیں ۱۲ مترجم

کسی سبب اور قوانین فطرت میں سے کسی نہ کسی قانون کی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو ہم پر
مخفی رہا ہے بے وجہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی پس آپ لوگوں کا ایسے اقوال کہنا صاف اسی
ترجیح بلا مرجح کے محال ہونے پر بھروسہ کرنا ہے اس تقریر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ
لوگ بھی اس قاعدہ کو مانتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کر سکتے اور میں نے جو باوجود اس
کی بداہت اور وضوح کے تقریر کو اس موقع پر طول دیا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ میں
نے آپ ہی لوگوں میں بعض عقل کے کمزوروں کو دیکھا ہے کہ اس بدیہی اور فطرتی قاعدہ کا
انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کے واقع ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا
یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ بلا وجہ بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے اور ایسی بے شرمی اختیار
کر لینا اُن کی جہالت کا نتیجہ ہے اس کا ارتکاب وہی کر سکتا ہے کہ جو محض خبط طبیعت
کا ہو اور جس کی عقلی قوتیں نہایت ہی کمزور ہوں ایسے شخص کا حال تو بالکل سوفسطائیہ
فرقہ والوں کا سا ہے کہ جو حقائق اشیاء کے حتی کہ مشاہدات کے بھی منکر ہیں اور یوں
گمان کرتے ہیں کہ عالم کی چیزیں محض اوہام اور خیالات ہیں۔

اثبات الٰہ

یہ سب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے اب سنئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک
مادہ کا حادث ہونا بہت سی دلیلوں سے ثابت ہو چکا انہیں دلائل میں سے وہ دلیلیں بھی
ہیں جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیں اور آپ لوگوں کے مقابلہ میں صرف
انہیں دلیلوں کی تخصیص کی یہ وجہ ہے کہ وہ آپ کی تحقیقات اور آپ کے علمی اصول کے
مناسب ہیں۔ یا اس لئے کہ وہ بالکل واضح ہیں اور ایسے مقدمات پر مبنی نہیں جن کے
سمجھنے میں آپ کی عقلوں کو دقت ہو اور ان کے نزدیک یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ترجیح بلا مرجح
محال ہے۔ اس لئے وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ ضرور کوئی ایسی شے ہونا چاہیے کہ

جس سے مادہ حادث ہوا اور اُسکے وجود کو اُسکے عدم پر ترجیح ہوئی اور اُس شئے کا جس سے
کہ مادہ حادث ہوا ہے لامحالہ موجود ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جو شئے خود معدوم ہے
اُس سے کوئی شئے اضطراراً یا اختیاراً کیسے موجود ہو سکتی ہے بلکہ ناممکن ہے جیسا کہ عقل
کے نزدیک یہ امر بدیہی اور ظاہر ہے پس وہ لوگ (اہل اسلام) معتقد ہو گئے کہ وہ شئے
جس سے کہ مادہ جو عالم کی اصل ہے پیدا ہوا ہے ضرور موجود ہے اُس کا معدوم ہونا
محال ہے کیونکہ موجودات کسی معدوم سے ہرگز حادث نہیں ہو سکتیں اور نہ وجود و عدم
دونوں مجتمع ہو سکتے ہیں اور اُنہوں نے اُس کا نام عالم کا خدا رکھا۔

پھر اُن لوگوں نے کہا کہ یہ خدا ضرور قدیم بھی ہونا چاہیئے ورنہ اگر حادث ہو گا تو ضرورت
ہو گی کہ اس کا حادث کرنے والا کوئی اور دوسرا ہو کیونکہ ترجیح بلا مرجح تو محال ہی ہے اور
پھر اُس دوسرے کیلئے تیسرے کی ضرورت پڑے گی اور اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا پھر یا تو دور
لازم آئیگا یا تسلسل اور دور اور تسلسل دونوں محال ہیں اور جو چیز کہ اُن دونوں کی طرف
مفضی ہو گی اور جس سے کہ محال لازم آئے گا وہ بھی محال ہو گی اور اس موقع پر اس خدا کے
حادث ماننے سے یہ محال لازم آتا ہے تو خدا کا حدوث بھی محال ٹھہرا اور جب اُس کا حدوث
محال ہوا تو لازمی بات ہے کہ وہ قدیم ہو۔

ابطالِ دور اب دور کے معنے سمجھیئے وہ دو چیزوں کا اس طور پر ہونا کہ ہر ایک کا وجود
دوسرے کے وجود پر موقوف ہو اور اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک کا وجود اپنے سبب
کے وجود سے پہلے ہو جائے جس سے یہ لازم آئے گا کہ شئے اپنے وجود سے پہلے
موجود ہو جائے اور یہ بالبداہتہ باطل ہے پس اگر ہم کہیں کہ وہ خدا جس پر مادہ کا وجود
موقوف ہے خود اُس کا وجود بھی اسی مادہ پر موقوف ہے عام ہے کہ بلا واسطہ موقوف

ہو یا کسی شے کے واسطہ سے اس طور پر کہ اس خدا کا وجود کسی دوسری شے پر موقوف ہو
اور اس شے کا وجود مادہ پر موقوف ہو اور مادہ خدا پر موقوف ہو تو اس صورت میں لازم آئیگا
کہ مادہ قبل اس شے کے پایا جائے کہ جو وجود مادہ کے لئے سبب ہے جس سے کہ یہ
ضروری ہوگا کہ مادہ اپنے وجود سے پہلے بھی موجود ہو جائے اور یہ امر صریح باطل ہے
اور کوئی عقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اس کا نام دور حقیقی ہے کہ جس کے باطل ہونے میں
ذرا بھی شک نہیں۔

اور ایک دور معیت بھی ہوتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ دو شے میں سے بعض بعض
پر اس وجہ سے موقوف ہو کہ وہ دونوں ایک علت کے معلول ہیں مثلاً دن کا موجود ہونا
اور دنیا کا روشن ہونا کہ یہ دونوں طلوع آفتاب کے معلول ہیں ایسا دور محال نہیں ہے اور
نہ ہمارا اس میں کلام رہا ہے۔

<u>ابطال تسلسل</u> | اب رہا تسلسل اس کے یہ معنی ہیں کہ بے شمار امور جانب ازل[عہ] میں لگاتار ہوتے
ہوئے چلے جائیں اور یہ سلسلہ کہیں ختم ہی نہ ہو اور عقل اس کے نا ممکن ہونیکا اس لئے حکم
لگاتی ہے کہ اس سے متعدد محالات لازم آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز محال کو مستلزم
ہوتی ہے وہ بھی محال ہوتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے اگرچہ تسلسل کے
باطل ہونے کی بہت سی دلیلیں نہایت شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں
ذکر کی ہیں لیکن ہم ان میں سے اس موقع پر صرف ایسی ہی دلیلوں پر اقتصار کرینگے
کہ جو آپ لوگوں کے افہام کے قریب ہوں اور جن کو کہ آپ کی عقلوں سے مناسبت
ہو زیادہ نہیں آپ سے ہم صرف دو ہی دلیلیں بیان کریں گے۔

<u>مقدمات</u> | پس سنئے ہر عقل سلیم کے نزدیک یہ بات تو نہایت ہی ظاہر اور اجلی بدیہیات

عہ ازل صدیہ کی جانب غیر محدود ہونے کو کہتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

میں سے ہے کہ عدد ناقص اپنی اکائیوں کی تعداد کے لحاظ سے عدد زائد کے ہرگز برابر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً پانچ کا عدد سات کے اعتبار سے ناقص ہے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جتنی پانچ میں اکائیاں ہیں اتنی ہی سات میں بھی ہوں بلکہ سات میں پانچ اکائیوں سے دو اکائیاں زائد ہیں اسی طرح ہر چھوٹے عدد کو بڑے عدد کے اعتبار سے سمجھئے تو یہ کہ ہر عدد ناقص اور زائد کا یعنی چھوٹے اور بڑے عدد کا اکائیوں میں برابر ہو جانا سراسر محال ہے اسی طرح عقل یہ بھی حکم کرتی ہے کہ جو مقدار دو حدوں کے درمیان گھری ہوگی وہ ضرور محدود اور متناہی ہوگی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے دو حدوں کے درمیان گھری بھی ہو اور غیر محدود بھی ہو ان دونوں باتوں کا جمع ہو جانا سراسر محال ہے پس جب آپ نے ان دونوں حکموں کو تسلیم کر لیا اور ان کے تسلیم کرنے میں آپ لوگوں کو شک ہی کیا ہو سکتا ہے یہ تو ظاہر باتیں ہیں تو اب دلیلیں سنئے۔

برہان تطبیق | پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل کا واقع ہونا ممکن ہوگا اور تسلسل غیر محدود امور کا جانب ازل میں مرتب ہونے کا نام ہے تو ضرور ہم کو یہ جائز ہوگا کہ ہم ایسے ہی امور کے دو سلسلے فرض کریں کہ جن میں سے ایک کی ابتدا تو زمانۂ موجودہ سے ہو اور دوسرا اب سے مثلاً ہزار برس پہلے سے شروع ہوا ہو اور دونوں جانب ازل میں لگاتار چلے گئے ہوں اب اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ پہلا سلسلہ (جو زمانۂ موجودہ سے شروع ہوا ہے) دوسرے سلسلہ سے (جو اب سے ہزار برس قبل شروع ہوا ہے) محض ایک مخصوص عدد (ہزار برس) کے اعتبار سے بڑا ہوگا۔ پھر ہم ان دونوں سلسلوں میں ہر ایک سے ایک ایک امر کو ساقط[عـه] کرنا شروع کرتے ہیں یعنی ہم پہلے سلسلہ سے ایک ساقط کریں گے اس کے مقابل دوسرے سے بھی ایک ہی ساقط کریں گے پھر اسی طرح سے دونوں سے

عـه یعنی الگ کرنا ۱۲

برابر ساقط کرتے چلے جائیں گے پس اس صورت میں یا تو ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی سلسلہ بغیر دوسرے کے ختم ہو جائیگا اور یہ خلاف مفروض ہے اور یا دونوں سلسلے معاً ختم ہو جائیں گے پس جانب ازل میں ان کا غیر متناہی اور غیر محدود ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے باطل ہو جائیگا اور یہی ہمارا مقصود تھا اور اگر ان دونوں سلسلوں میں سے کوئی بھی ختم نہ ہوگا تو اس صورت میں لازم آئیگا کہ سلسلۂ ناقصہ سلسلۂ زائدہ کے برابر ہو جاتے حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ عدد ناقص کا عدد زائد کے برابر ہو جانا محال ہے پس ظاہر ہو گیا کہ اشیاء کا جانب ازل میں غیر متناہی ہونا کہ اسی کا نام تسلسل ہے محال کو مستلزم ہے اور جو شے کہ محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوا کرتی ہے اسلئے تسلسل بھی ضرور محال ٹھہرا

برہان سلمی | دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر تسلسل ممکن ہو تو ضرور ہمیں جائز ہوگا کہ ہم ایسے دو خط فرض کرلیں کہ جو ایک نقطہ سے مثلث کی دونوں ساقوں کے مثل نکل کر لگاتار چلے جائیں پس اُن کے اجزاء بمنزلہ اُن غیر محدود امور کے ٹھہرینگے کہ جو جانب ازل میں مرتب ہوتے ہوتے چلے گئے ہوں پھر ہم اُن دونوں کے درمیان کی مسافت ظاہر کرنے کیلئے ضرور پے در پے خطوط فرض کر سکتے ہیں اور پھر وہ مسافت ظاہر کرنے والے خطوط بھی طول میں اتنے ہی زیادہ ہوتے جائیں گے جتنے کہ وہ پہلے کے دونوں خط مفروض بڑھتے جائیں گے اس صورت سے سمجھ لیجئے پس جب ہم نے ان دونوں خطوںکو غیر متناہی مانا ہے تو ضرور ہے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان کی مسافت بھی جس کو ہم نے خطوط سے ظاہر کیا ہے غیر متناہی ہو پس ان خطوط میں سے وہ خط بھی جو غیر متناہی مسافت کو ظاہر کرے گا ضرور غیر متناہی ہوگا حالانکہ وہ دو حدوں کے درمیان گھرا ہوا ہے کیونکہ اس درمیانی مسافت کی دو حدوں کے مابین گھرے اور محصور ہونے میں ذرا بھی شک

نہیں اور دونوں حدیں دبی دونوں خط مفروض ہیں حالانکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ جو مقدار دو حدوں کے مابین محصور ہوگی وہ ضرور تناہی ہوگی اور یہ کہ باوجود اس طرح پر محصور ہونے کے اُس کا غیر متناہی ہونا محال ہے پس جو امر کہ اس محال کو مستلزم ہو اور وہ اس موقع پر دونوں خطوں کا غیر محدود ماننا ہے جس کو کہ تسلسل کہتے ہیں وہ بھی ضرور محال ہُوا۔ پس جب آپ میری تقریر میں جس کو کہ میں نے دور اور تسلسل کے باطل اور محال ہونے پر قائم کیا ہے غور کریں گے اور اپنی فکر سے کام لیں گے تو یہ بات آپ پر بخوبی ہویدا ہو جائیگی کہ وہ خدا جس نے مادہ کو بنایا ہے ہرگز کسی دوسری شے سے حادث نہیں ہو سکتا ورنہ یا تو دور لازم آئیگا اگر ہم اُلٹ پڑیں اور یہ کہنے لگیں کہ اُس خدا کا وجود اسی مادہ کے وجود پر موقوف ہے اور یا تسلسل لازم آئیگا اگر ہم کہیں کہ اُس خدا کا وجود کسی دوسری شے پر موقوف ہے اور اُس کا وجود کسی تیسری شے پر پھر اسی طرح پر غیر محدود سلسلہ جاری کرتے چلے جائیں اور دور اور تسلسل میں سے ہر ایک محال ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے پس جو امر (اور وہ اس موقع پر خدا کا حادث ماننا ہے) اُن دونوں محالوں کو مستلزم ہوگا وہ بھی ضرور محال ہوگا اور جب خدا کا حادث ہونا محال ہُوا تو وہ لازمی طور پر قدیم ٹھہرا کیونکہ موجودات میں سوائے حدوث اور قدم کے کوئی تیسری شق نکل ہی نہیں سکتی اور خدا کو قدیم ثابت کرنا ہی ہمارا مقصود تھا۔

خدا کا قدیم لذاتہ ہونا | پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اُس خدا کے قِدَم ثابت ہونے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اُس کا قِدَم لامحالہ کسی ایسے امر کی وجہ سے ہوگا کہ جو ازل میں اُس کے وجود کو مقتضی ہو اب اگر وہ امر اُسی کی ذات مانی جائے تو قدیم لذاتہ ٹھہریگا لیکن اگر وہ امر اُس کی ذات کے سوا کوئی دوسری شے قرار دی جائے گی تو اُس کو قدیم بغیرہ ماننا

پڑیگا حالانکہ اُسکے قدیم بغیرہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا مقتضی ہی پایا جاتا ہے اور بالفرض اگر کوئی اُس کے قدیم بغیرہ ہونے کا احتمال نکالے تو اس صورت میں اس غیر میں گفتگو جاری رہیگی کہ آیا وہ قدیم لذاتہ ہے یا وہ بھی قدیم بغیرہ ہی ہے پھر یا تو اسی طرح برابر سلسلہ چلا جائیگا کہ جو تسلسل ہے اور وہ محال ثابت ہو چکا ہے اور یا کسی قدیم لذاتہ ہی تک پہنچا کر سلسلہ کو ختم کرنا پڑے گا تو پھر پہلے ہی قدیم لذاتہ سے گریز کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا پس حق یہی ہے کہ اس خدا کو قدیم لذاتہ مانا جائے خود اس کی ذات ہی اس کو مقتضی ہے کہ وہ ازل میں موجود ہو اس کی نظیر آپ لوگوں کا یہ قول ہے کہ اجزاء مادہ کی حرکت کیلئے کوئی دوسری شئے مقتضی نہیں بلکہ اس کے لئے خود نفس حرکت ہی مقتضی ہے جیسا کہ ہم نے آپ لوگوں کی کتابوں میں دیکھا ہے پس اس بات سے بھی کچھ تعجب نہ کیجئے کہ یہ خدا قدیم لذاتہ ہے یعنی اس کی ذات ہی اس کے وجود کے لئے مقتضی واقع ہوئی ہے) اب اس وقت یہ کہا جائیگا کہ جب تک خدا کی ذات جو اس کے وجود کو مقتضی ہے قائم رہے گی اس وقت تک وہ زوال اور عدم کو ہرگز نہیں قبول کر سکتا ورنہ لازم آئیگا کہ کسی شئے کے وجود کا مقتضی تو موجود ہو اور باوجود اس کے وہ شئے فنا اور معدوم رہے حالانکہ یہ محال ہے پس ثابت ہو گیا کہ اس خدا کا فنا اور معدوم ہو جانا محال ہے اور اس کا باقی رہنا ایک لازمی امر ہے پس وہ ہمیشہ اور غیر محدود مدت تک باقی رہنے والا ہے۔

خدا کا مرید اور مختار ہونا پھر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا جس سے کہ مادہ صادر ہوا ہے یا تو مادہ کا حادث ہونا اس سے بالارادہ اور اختیار کے بطریق علیت اور ضرورت کے ہوگا اور یا بطریق ارادہ اور اختیار کے ہوگا یعنی اسی خدا نے مادہ کے وجود کا ارادہ کیا اور اسے اختیار کر لیا اور اس کے لئے وہی وقت مقرر کر دیا جس وقت کہ وہ پایا گیا لیکن مادہ کا حدوث

---

* یعنی ہم اس قدیم لذاتہ کا نام خدا رکھیں گے۔ ۱

خدا سے بطریق علیت ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خدا تو قدیم ہے اگر اُس سے بطریق علیت اُس کا حدوث ہوتا تو مادہ کا قدیم ہونا لازم آتا اور اس کی وجہ سے تمام تنوعات بھی ضرور قدیم ہوجاتے کیونکہ جب مادہ میں ارادہ اور اختیار ہی نہیں پایا جاتا تو لامحالہ تنوعات کا حدوث اُس سے بطریق معلولیت کے ہوتا۔ پس اس صورت میں ہرگز ممکن نہ تھا کہ مادہ حادث ٹھہرتا اور اپنی علت سے متاخر ہوسکتا حالانکہ مادہ اور اُس کے تمام تنوعات کا حدوث بخوبی ثابت ہوچکا ہے پس نتیجہ یہ ہوا کہ اس خدا سے مادہ کا حدوث بطریق معلولیت نہیں ہوسکتا اب سوائے اس کے کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ مادہ خدا کے ارادہ اور اختیار سے حادث ہوا ہو اور اُسی نے اُس کے لئے وہ وقت پہلے ہی سے مقرر کردیا ہو جبکہ وہ پایا گیا۔ پس اس تقریر سے یہ بات پورے طور سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ خدا کے لئے ارادہ اور اختیار ثابت ہے اُس کی ذات ارادہ کنندہ اور ذی اختیار کہلانے کے شایاں ہے، اُس کے لئے اِس کی ضد محال ہے اور وہ ضد مجبور اور بے اختیار ہوتا ہے۔

پھر اس خدا نے مادہ کے وجود کا ارادہ کرکے اُس کے وجود کو عدم پر ترجیح دیدی اور اُس کے وجود کا ایک زمانہ معین کردیا (اور یہی ترجیح اور تخصیص اختیاری صنع اور فعل ہے) اس لئے یہ مادہ محض خدا کے صنع اور فعل ہی سے ان عجیب وغریب اور حیرت انگیز تنوعات کے قابل حادث ہوا اس موقع پر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ جس خدا نے مادہ (جس کی حقیقت کا سمجھنا انسانی فلاسفروں کی عقول پر نہایت ہی دشوار ہے جیسا کہ اُنکی کتابوں میں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے مادہ کی تعریف بیان کرنے اور اُس کی حقیقت ظاہر کرنے میں کیا کچھ خبط مچایا ہے) بنایا ہے کہ جو سماوی۔ ارضی۔ جمادی نباتی اور حیوانی عجیب وغریب انواع پر متنوع ہوا ہے اور جس میں کہ طرح طرح کی صورتیں یکے بعد

دیگرے قبول کرنے کی قابلیت موجود ہے۔

خدا کے لئے کمال علم وقدرت ثابت کرنا

بیشک وہ خدا نہایت کمال کے ساتھ علم وقدرت رکھنے والا اور پورا پورا قادر اور عالم ہے ہم اس بات سے کہ اُسی نے مادہ سے انواع انواع کے تنوعات کو تنوع کیا ہو اور تمام تعجب خیز کائنات کو باوجود عجیب و غریب استحکام کے اُس سے بنایا ہو جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا عقیدہ ہے اور یا اُس نے مادہ ہی کو اس قابل بنایا ہو کہ وہ اُس کے ذرات بسیطہ کی حرکت اور اُن قوانین فطرت کے موافق جو اُس کے ساتھ قائم ہیں ان تمام تنوعات اور تطورات کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ آپ لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ تمام تنوعات مادہ کے ذرات کی حرکت سے کہ جو خاص خاص قوانین فطرت کے موافق جاری ہے حاصل ہو گئے ہیں پس ہر دو تقدیر پر خدا کے کمال علم اور قدرت پر قطعی دلالت موجود ہے کیونکہ ایسے کی نسبت جو کسی بسیط شے کو پیدا کرے اور پھر بدل بدل کر اُس کے بیشمار انواع بناتا رہے اور باوجود غایت درجہ کے استحکام اور انضباط کے نہایت ہی حیرت افزا اور تعجب خیز اشیاء کو اُس سے نکالتا رہے یا وہ ایسی بسیط شے کو پیدا کر سکے جس میں یہ قابلیت موجود ہو کہ وہ اُن قوانین فطرت کے مقتضا کے موافق ہی سہی جو اُس میں قائم ہوں بے شمار عجیب و غریب انواع کی جانب منقلب ہو سکے تو ایسے کی نسبت کسی عاقل کو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور کامل علم اور قدرت والا ہوگا اور اُس کا عاجز یا ناواقف ہونا سراسر محال ہے۔

گھڑی کی مثال

مثلاً جب ہم کسی گھڑی کو جس سے کہ وقت معلوم ہوتا ہے دیکھیں اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ غایت انضباط اور استحکام کے ساتھ کیسی عجیب اُس کی ترکیب ہوا کرتی ہے جو قواعد ہندسیہ اور کل سازی کے اصول پر سراسر مبنی ہوتی ہے پس جس طرح کہ

اس امر کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس گھڑی کا ضرور کوئی بنانے والا ہے کہ جس نے اُسے بنایا ہے اور
نہایت محکم اصول پر اُس کی بنا رکھی ہے اسی طرح قطعی طور پر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس کا
بنانے والا جبھی اس کو بنا سکتا ہے کہ اُس کے بنانے کی کافی قدرت رکھتا ہو اور نہایت مضبوط
اور مستحکم اصول پر مبنی کرنیکا اُسے پورا پورا علم بھی ہو۔ عام ہے کہ خود اُسی نے اس کے پرزے
بنائے ہوں اور پھر اُنہیں اس طرح خود ہی جوڑا ہو کہ وہ بخوبی کام دے سکتی ہو اور یا اُس نے محض
اُس کے پرزے ہی اس انداز سے بنائے ہوں کہ جس کو مرتب کر کے گھڑی جوڑی جا سکتی ہو اور کام
دینے کے قابل ہو سکتی ہو۔ اگر اس موقع پر ہم سے کوئی یہ کہنے لگے کہ اس گھڑی کو ایک شخص
نے کہ جو اندھا۔ بہرا۔ دست و پا بریدہ۔ ناسمجھ۔ بیخبر۔ علم ہندسہ سے بالکل بے بہرہ اور
کل سازی کے اصول سے محض ناواقف ہے بنایا ہے تو ہم اس قائل کی بڑے شدومد
سے تکذیب کریں گے اور ہماری عقلیں ذرا بھی اس کی بات نہ مانیں گی اور یہ کہیں گی کہ جو
اس بات کی تصدیق کرے اور ایسے شخص کو سچا جانے وہ پرلے درجہ کا احمق ہے۔ یہ تو
آپ نے سنا میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ لوگوں کو اُس کے وجود کا پتہ نہ لگا جس نے
کہ مادہ پیدا کیا ہے اور پھر آپ مادہ کے قِدَم کے معتقد ہو گئے پھر اُس کے مختلف تنوعات
اور تطورات کو آپ نے دیکھا کہ جو پہلے نہ تھے اور پھر حادث ہوتے اور یہاں بھی آپ
اُس کے وجود کو دریافت نہ کر سکے کہ جو ان تمام تنوعات کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے
آپ لوگوں کو یہ ضرورت ہوئی کہ اس سبب سے بحث کریں جس کی وجہ سے یہ سب تنوعات
پیدا ہوئے کیونکہ عقل ہرگز اس کو نہیں تسلیم کر سکتی کہ وہ سب محض مادہ ہی سے حادث
ہو گئے ہوں اس وجہ سے کہ ہر حادث کے لئے ضرور کوئی سبب ہونا چاہیئے کہ جس میں
اُس کے احداث کی صلاحیت موجود ہو اور مجرد مادہ ایسا ہے نہیں پس بڑی سرگردانی کے

بعد آپ لوگ اس امر کے قائل ہو گئے کہ مادہ کے ذرات بسیط جن کی شکلیں مختلف ہیں ازلی
حرکت کے ساتھ متحرک ہیں اور اسی حرکت کے باعث سے یہ اجزاء مختلف ہیئت اور طرح
طرح کی کیفیت پر مجتمع ہونے لگے کہ جس سے یہ جملہ تنوعات پیدا ہو گئے تو آپ لوگوں نے محض
یہ کہہ کر اپنی عقلوں کو سمجھا لیا کہ ان تمام تنوعات کا سبب یہی حرکت واقع ہوئی ہے حالانکہ
آپ لوگوں نے ان اجزاء کو نہ تو محض اپنی آنکھوں ہی سے کبھی دیکھا اور نہ بڑی سے بڑی خوردبین
سے آج تک یہ نظر آئے اور نہ ہرگز آپ لوگ ان اجزاء کو دیکھ سکیں گے، اور نہ کبھی مادہ
کی حرکت کا کسی کو ذرا احساس ہوا اور نہ ہرگز آپ لوگ احساس کر سکیں گے، لیکن جس چیز
نے کہ آپ کو مادہ کے اجزاء اور ان کی حرکت کے قائل ہونے پر مجبور کیا وہ محض یہ ضرورت ہے
کہ آپ سمجھ سکیں کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں اور اس پر بھی آپ نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ
لوگوں نے ان اجزاء کیلئے مختلف شکلیں بھی مان لیں تاکہ آپ اس کہنے کے قابل ہو جائیں کہ
انہیں اجزاء کے اجتماع سے باوجود ان کی اشکال کے اختلاف کے مختلف انواع اور طرح
طرح کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں ان سب باتوں کے تو آپ قائل ہو گئے لیکن ان اجزاء کے
اشکال کا دیکھنا تو در کنار محض ان اجزاء تک کو تو آپ نے دیکھا نہیں بلکہ یہ ساری باتیں
فرضی اور تخمینی ہیں جن کے ماننے پر آپ کو محض اس ضرورت نے آمادہ کیا ہے تاکہ آپ
یہ سمجھ سکیں کہ یہ مختلف انواع کیونکر بن گئیں۔

اہل سائنس کو خطاب: اب اس موقع پر آکر آپ لوگوں نے اپنا وہ قاعدہ بالائے طاق
رکھ دیا جس کی نسبت ہم نے آپ لوگوں کو اکثر ڈینگ مارتے سنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ
لوگ کسی امر کو جب تک کہ اس کا احساس اور مشاہدہ نہ کرلیں ہرگز ماننے ہی نہیں وہ
قاعدہ اب کہاں گیا کیوں اس موقع پر احساس اور مشاہدہ کو چھوڑ کر عقلی دلیل سے استدلال

کرنے پر مجبور ہوئے اس سے یہ خیال نہ کیجئے گا کہ ہم عقلی استدلال کے طریقہ سے انکار کرتے ہیں نہیں یہ تو خاص ہمارا اور تمام معتبر حکماء کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے ہمیں صرف آپ لوگوں کو یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ آپ لوگوں کا یہ قول کہ ہم احساس اور مشاہدہ کے سوا کسی چیز پر اعتماد ہی نہیں کرتے پورا نہ ہو سکا اور آپ اپنے اس قول پر قائم نہ رہ سکے (اور نہ ہرگز قائم رہ سکتے ہیں) اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ موقع ہی ایسا آن پڑا کہ ہمیں استدلال کی ضرورت ہوئی کیونکہ ہم نے اجزاء اور اُن کی حرکت کے آثار مشاہدہ کر لئے اور وہ آثار یہی تموجات ہیں اور انہیں آثار سے اُن کے موثر پر ہم نے استدلال کیا تو ہم آپ سے کہیں گے کہ یہی تو ہم بھی کرتے ہیں خدائے عالم کے آثار مشاہدہ کر کے ہم اور اسی طرح تمام مذاہب والے خدا کے وجود پر استدلال کرتے ہیں اور خدا کے آثار یہی ساری کائنات ہے پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ لوگوں کو ہمارے استدلال کا سمجھنا کیوں مشکل معلوم ہوتا ہے اور اپنے استدلال کو آپ آسان خیال کرتے ہیں حالانکہ اگر انصاف سے پوچھئے تو عقل ہمارے ہی استدلال کو قبول کرتی ہے جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے۔

خدا کے ثابت ہو جانے کے بعد کسی دوسرے موجد کی ضرورت نہیں

اس تمہید کے بعد ہم اپنے اصلی مطلب پر پھر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک جبکہ مادہ کا حدوث اور یہ امر ثابت ہو چکا کہ اس مادہ کے لئے ضرور کوئی محدث اور موجد ہے جس نے کہ اس کو حادث کیا اور عدم سے اس کو اس طرح پر موجود کر دیا کہ وہ تمام تنوعات اور تطورات قبول کرنے کے قابل ٹھہرا اور اس سے اُن کے نزدیک اس موجد کا ارادہ اس کی قدرت اور اس کا علم بھی بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اب اس کے بعد اُن کو اس امر کے سمجھنے کیلئے کہ تمام انواع کیونکر بن گئیں کسی دوسری چیز کے ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہی اسی لئے

وہ قائل ہوگئے کہ جس خدا نے مادہ کو پیدا کیا اُس کو تمام تنوعات قبول کرنے کے قابل بنایا اور جو کہ صفت ارادہ قدرت اور علم کے ساتھ موصوف ہے اُسی خدا نے مادہ پیدا کرنے کے بعد اُس سے ان تمام انواع کو بنایا اور ان نئی نئی صورتوں کو کہ جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ایجاد کیا کیونکہ ان انواع کے حدوث کے لئے کوئی نہ کوئی موجب ضرور ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ اُن کے حدوث کو اُس خدا ہی کی طرف نسبت کرنے کو جس میں کہ ارادہ قدرت اور علم سب کچھ پایا جاتا ہے عقل قبول کرتی ہے اور تعجب پایا جاتا ہے بخلاف اس کے کہ اُن کے حدوث کو اجزاء مادہ کی حرکت کی جانب منسوب کیا جائے کہ جن میں نہ ارادہ ہے نہ قدرت ہے اور نہ کچھ علم ہی پایا جاتا ہے بلکہ صرف اتفاقی طور پر اُس کے اجزا خاص خاص کیفیتوں پر مجتمع بھی ہو جاتے ہیں پھر چند قوانین فطرت کے موافق جن کے لزوم کو عقل نہیں سمجھ سکتی عمل درآمد بھی کر لیتے ہیں اگرچہ ان قوانین میں سے بعض کے لزوم کیلئے عقل کو کوئی نہ کوئی موجب تلاش کر لینا ممکن ہے اور یہ تباینات اصول کے لئے فروع کی وراثت کا قانون ہے جیسا کہ پیشتر آپ کے مذہب کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے لیکن ان قوانین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اُن کی ملازمت کے موجب کا تلاش کرنا عقل کے امکان میں نہیں اور یہ وہ تباینات ہیں جن کی موجودگی ہر فرع میں ضروری خیال کی گئی ہے اور جن کے اعتبار سے ہر فرع اپنی اصل کے خلاف ہوتی ہے کیونکہ ہر عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اصول کے خلاف فروع میں تباینات کا موجود ہونا لازمی ہوگیا؟ اور یہ کیوں نہ ضروری ہوا کہ کسی امر میں تباین ہونے کے بغیر فرع اپنی اصل کے موافق ہوا کرتی حالانکہ عقل یہی امید کر سکتی ہے کہ فروع اپنے اصول کے موافق ہوا کریں اُن کے خلاف نہ ہونے پائیں پس اگر اس موقع پر کوئی ایسی شے جو ان تباینات کو دائمی طور پر

ضروری کرتی ہے موجود نہ ہوتی تو یہ قانون فطرت لازمی نہ ٹھہر سکتا اب رہا کہ محض اجزار کی حرکت ان تباینات کو دائمی طور پر ضروری کردے تو عقل اس کو نہیں تسلیم کرسکتی نہ اس سے اس کا اطمینان ہوتا ہے۔ کیونکہ ان اجزاء میں تو اس استمرار کی صلاحیت کا ذرا بھی پتہ نہیں جیسا کہ ہر فکر سلیم کے لئے یہ امر بخوبی ظاہر ہے۔

ایک دخانی کل کی مثال | اس مقام کے مناسب ایک مثال یاد آئی جس کا بغرض توضیح ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں وہ یہ ہے کہ جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ کسی شخص نے ایک دخانی کل کے پرزے طیار کئے ہیں پھر اسکے بعد ہم دیکھیں کہ وہ دخانی کل اُن سے مرکب ہو کر مکمل ہو گئی اور چلنے لگی اور ہر ہر پرزہ اپنا اپنا کام دینے لگا اب بتلایئے کہ ان دونوں باتوں میں سے عقل کس کو قبول کرسکتی ہے آیا ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ جس شخص نے اس کل کے پرزے بنائے تھے اُسی نے اُن کو جوڑ کر اس کل کو چلایا ہوگا یا یہ قول صحیح ہو سکتا ہے یا یہ قول کہ پرزے اُس حرکت کے ذریعہ سے جو اُن میں پائی جاتی ہے خود بخود مرکب ہونے لگے اور اپنے اپنے موقع پر لگنا شروع ہوئے یہاں تک کہ زمانہ دراز کے بعد یہ کل اس طرح جڑ جڑا کر مکمل ہو گئی اور چلنے لگی اس میں ذرا شک نہیں ہو سکتا کہ عقل بلا تامل پہلی بات کو تسلیم کریگی اور بلا کسی شک و شبہ کے دوسرے امر کو متروک خیال کرے گی اسی پر قیاس کرکے آپ اس کو بھی خیال کریں کہ عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ جس نے مادہ کو ایجاد کرکے اس کو تمام تنوعات کے قابل بنایا اُسی نے اُس سے تمام انواع کو بھی پیدا کیا نہ یہ کہ بلا اس کے کہ مادہ کے ایجاد کرنے والے نے کچھ کیا ہو وہ مادہ اپنے اجزار کی اضطراری حرکت کی وجہ سے قانون وراثت اور قانون تباین کے موافق خود بخود طرح طرح کی انواع میں متنوع ہونے لگا کہ جن کے بننے کے لئے اعلیٰ درجہ کی قدرت نہایت ہی کامل علم و حکمت اور تدبیر کی ضرورت

ہے پس اے عقلمند و ذرا تو انصاف کرو۔

خدا کا علم ارادہ اور قدرت کن کن اشیاء کے ساتھ متعلق ہو سکتا ہے

خدائے عالم کے ارادہ و قدرت اور علم کے ثابت کرنے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ایک بات کے اور قائل ہیں جس کے اوپر تنبیہ کر دینا اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا ارادہ اور اس کی قدرت دونوں صرف ایسی ہی چیز کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہیں کہ جو عقلاً ممکن ہے یعنی وہ ایسی شے ہو کہ عقل جس کے وجود اور عدم کی تصدیق کر سکتی ہے اس کے نزدیک وہ موجود بھی ہو سکتی ہو اور معدوم بھی۔ ممکن ہونے کے بعد کوئی شے کیسی ہی بڑی اور مشکل کیوں نہ معدوم ہوتی ہو لیکن خدا اس کو وجود یا عدم کے ساتھ اور اسی طرح اس کے اور احوال میں سے جن کے ساتھ چاہے اپنے ارادہ سے خاص کر سکتا ہے اور جس کے ساتھ کہ اس نے اپنے ارادہ سے اسے خاص کر لیا ہے اسی کے موافق اپنی قدرت سے پیدا کر سکتا ہے اب رہا وہ امر کہ جو عقلاً واجب ہو یعنی عقل اس کے معدوم ہونے کی تصدیق نہیں کر سکتی مثلاً ہر ذی مقدار شے کا لازمی طور پر کچھ نہ کچھ جگہ گھیرنا۔

خدا کے ارادہ اور قدرت کا تعلق واجب اور محال کے ساتھ نہیں ہو سکتا

اسی طرح وہ امر جو عقلاً محال ہو یعنی عقل اس کے موجود ہونے کی تصدیق نہیں کر سکتی مثلاً اجتماع نقیضین سوائے دونوں قسموں کی اشیاء کے ساتھ خواہ ایجاداً ہو یا اعداماً الغرض نہ تو خدا کا ارادہ ہی متعلق ہو سکتا ہے اور نہ اس کی قدرت اس لئے کہ جو شے عقلاً واجب ہے وہ خود ہی موجود اور حتماً حاصل ہوگی اس کا وجود سے نکل جانا ممکن ہی نہیں پس خدا کا ارادہ اور قدرت دونوں اس کے ساتھ نہ ایجاداً متعلق ہو سکتے ہیں نہ اعداماً۔ ایجاداً تو اس لئے کہ یہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے موجود کا موجود کرنا لازم آتا ہے اور اعداماً

اس لئے کہ اُس کا معدوم ہونا اور وجود سے نکل جانا محال ہے اب رہا امر محال وہ حتماً معدوم ہوتا ہے اُس کا وجود میں آجانا ممکن نہیں پس اُس کے ساتھ بھی وہ دونوں ارادہ اور قدرت نہ اعداماً متعلق ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے اور اس سے معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے اور نہ ایجاداً اس وجہ سے کہ اُس کا موجود ہونا اور وجود میں داخل ہوجانا محال ہے۔

خدا ہر شے کو جانتا ہے لیکن خدا کا علم ہر شے کے ساتھ خواہ وہ شے عقلاً ممکن ہو یا واجب یا محال ضرور متعلق ہوتا ہے جس سے کہ وہ شے خدا کے پاس منکشف ہوتی ہے پس خدا ہر شے کو وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور بھر چاہے وہ حاضر ہو یا گذشتہ یا آیندہ سب کو بخوبی جانتا ہے اُسے تمام چیزوں کا علم ہے شے حاضر کے ساتھ تو اُس کے علم کا تعلق ظاہر ہے عام ہے کہ وہ واجب ہو یا ممکن یا محال کیونکہ محال بھی تصور میں حاضر ہو سکتا ہے پس خدا اُس کو اور اس کے استحالہ کو جانتا ہے۔ اب رہا امر گذشتہ جس کا کہ وجود منقطع ہو چکا وہ ضرور خدا کی پیدا کردہ اشیا میں سے ہوگا جو کہ خدا ہی کے ایجاد سے موجود ہوا تھا اور اُسی کے اعدام سے معدوم ہو گیا اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ جس شخص نے کسی شے کو بنایا ہو اور پھر اُسے معدوم کر دیا ہو اُس کے ساتھ اس شخص کا علم باقی رہ سکتا ہے اور امر آیندہ کے ساتھ بھی جو اب تک موجود نہیں ہوا اُس کے علم کا تعلق ظاہر ہے کیونکہ جبکہ وہ شے حادث ہونے کے قابل ہے اور بغیر اس کے کہ خدا اپنے ارادہ سے اُس کے وجود کی تخصیص کرے اور اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دے وہ ہرگز حادث نہیں ہو سکتی اس لئے کہ کل حوادثات خدا ہی کے افعال کے آثار ہیں پس لازمی امر ہے کہ اُس کے ایجاد کرنے سے پہلے خدا اُسے جانتا بھی ہو کیونکہ اُس نے تو اُس کے وجود کا ارادہ کیا ہوگا جب تو اپنی قدرت سے اُسے موجود کر دیگا۔

اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ جس انسان نے یہ پختہ قصد کر لیا ہو کہ میں ایک خاص قطعہ کا مکان مثلاً ایک ماہ کے بعد تعمیر کرونگا وہ جو کچھ کہ اُس گھر میں بنائیگا اُسے خوب جانتا ہے۔ لیکن اس شخص کے علم میں اور خدا کے علم میں یہ فرق ہے کہ بسا اوقات کسی مانع کی وجہ سے اُس شخص کو وہ مکان بنانا میسر نہیں ہوتا تو اُس کا پہلا علم واقع کے موافق نہیں رہتا لیکن اُس کے افعال سے جن کے کرنے کا اُس نے ارادہ کر لیا ہے کوئی مانع باز نہیں رکھ سکتا وہ ضرور ہی اُنہیں کرتا ہے اس لیئے اُس کا علم ہمیشہ واقع ہی ہوتا ہے اُس کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں۔

اثبات قضا و قدر اس مقام سے آپ شریعت محمدیہ کے اس مسئلہ کو بھی کہ حوادث میں ہر شے خدا کے قضا و قدر سے ہوتی ہے خوب سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ جب یہ امر ٹھہرا کہ عالم میں ہر حادث جس طرح پر کہ اُس کے ساتھ خدا کا علم پہلے سے متعلق ہو چکا ہے اُسی کے موافق اُسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوتا ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کے علم سابق کے موافق اُس کے ساتھ خدا کی قدرت ایجاداً متعلق ہو اور اُسی کا نام قضا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ازل سے اُس کے ساتھ خدا کا علم متعلق ہو اور وہ اس کے لئے ایک حد مقرر کر دے جس کے موافق کہ وہ اسے ایجاد کریگا اور اسی کو قدر کہتے ہیں (قضا و قدر کی جو تفسیر یہاں بیان کی گئی یہ منجملہ انہیں تین تفسیروں کے ہے جنہیں کہ علامہ باجوری نے جوہرہ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے اور یہی تفسیر ماتریدیہ کیا کرتے ہیں)

انبیا اور اولیار کی پیشین گوئی کی حقیقت یہ جو شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل اور اولیار غیب اور آیندہ کے واقعات کی خبر دیا کرتے ہیں اس مقام سے اس کو بھی آپ سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ جب خدا غیب اور آیندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادث

جیسے پیدا ہوا کرتا ہے تو پھر اُسی کے ۔ اُسی کے ارادہ کے متعلق ہونے سے اُسی کے علم سے اُسی کے
اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہی خدا ان رسل اور انبیاء میں سے جسے چاہے اس
غیب یا امر آئندہ کی خبر دیدے اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ نفس فطرت انسانی کا یہ مقتضا نہیں
کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتلا دے تو اُسے
کون روک سکتا ہے پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتلانے ہی سے معلوم ہوتا
ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دے دیتے ہیں اُن میں سے ایسا تو کوئی بھی نہیں جو بذاتہ علم غیب
کا دعویٰ کرتا ہو چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات
میں شمار کرتی ہے اور جو اس کا دعویٰ کرے اُس کو کافر بتلاتی ہے ۔

خدا زندہ ہے | پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ وہ خدائے عالم جس کا ہمارے
نزدیک وجود ۔ قدم ۔ بقا ۔ قدرت ارادہ اور علم ثابت ہو چکا ہے ضرور زندہ ہونا چاہیئے اس
لیئے کہ مردہ کا صفت ارادہ ۔ قدرت اور علم میں سے کسی کے ساتھ موصوف ہونا عقل میں نہیں
آتا جیسا کہ ظاہر ہے ۔ پس خدا کے لئے صفت حیات ثابت ہو گئی اور اُس کا موت کے ساتھ موصوف
ہونا محال ٹھہرا ۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ خدا مادہ کے تمام خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مادہ کے مشابہ
نہیں ہو سکتا عام ہے کہ وہ خواص ایسے ہوں کہ جن کے لزوم کے لئے نفس مادہ کی طبیعت
مقتضی ہو اور وہ اُس سے جُدا نہ ہو سکتے ہوں اور یہ مادہ کے عام صفات ہیں جو اس کے
جمیع انواع کے لئے لازم ہیں اور یا وہ ایسے ہوں جنہیں کہ نفس مادہ کی طبیعت قبول کر سکتی
ہو خواہ وہ اُس کے تمام انواع میں پائے جا سکتے ہوں یا فقط اُس کے بعض مرکبات ہی میں
اور یہ وہ اوصاف ہیں جو کہ مادہ کے جمیع انواع کے لئے عام تو ہیں لیکن لازمی نہیں اور یا وہ

نام ہی نہیں ہیں جیسے کہ جوہریت ۔ جسمیت ۔ عرضیت ۔ متحیز ہونا یعنی کسی قدر جگہ کو گھیر نا ہو کر
ہونا ۔ متجزی ہونا ۔ غیر سے جدا جانا ۔ تغیر ۔ حرکت ۔ اتصال ۔ تعدد ۔ حیوانیت ۔ نباتیت ۔ جگہ
ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ۔ تمام انفعالات نفسانیہ اور اس کے مثل طبعی چیزیں
ہیں ۔ کیونکہ وہ خدا ان خواص میں سے کسی ایک میں بھی اگر مادہ کے مشابہ مانا جائے گا تو وہ بھی
اسی کے مثل مادہ ٹھہریگا اس لئے کہ یہ ظاہر بات ہے کہ جو شئے کسی دوسرے کے ساتھ اس
کی ذات اور طبیعت کے لوازمات اور خواص میں سے کسی خاصہ میں بھی مشابہ ہوگی وہ ضرور
اسی کے مثل اور ویسی ہی ہوگی اور اگر یہ خدا مادہ تسلیم کیا جائے گا تو جو کچھ کہ مادہ کیلئے ممکن
ہے یعنی حدوث وہ خدا کیلئے بھی ممکن ہوگا اور خدا بھی حادث ٹھہریگا کیونکہ جو حکم چند یکساں چیزوں
میں سے کسی ایک کیلئے ثابت ہوگا وہ ویسی ہی اور چیزوں پر بھی صادق آئے گا حالانکہ خدا کے
لئے قدم کے لازمی ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اس کے حدوث کا محال ہونا ثابت ہو چکا
ہے پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس خدا کا مادہ کے مشابہ ہونا ناممکن ہے تو وہ ضرور اس کے
خلاف ہوگا ۔ اور یہی اس مسئلہ کا مقصد ہے جس کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین معتقد ہیں
کہ خدائے عالم کے لئے تمام حوادثات کے خلاف ہونا ضروریات میں سے ہے اور اس
کا ان کے مشابہ ہونا محال ہے اس لئے خدا نہ مادہ ہو سکتا ہے اور نہ مادہ کے خواص میں
سے کسی کے ساتھ اس کا موصوف ہونا ممکن ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ۔

خدا مکان اور محل کا محتاج نہیں

پھر چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ جسم اس لئے اسے
کسی مکان کی بھی ضرورت نہیں جس میں کہ وہ قائم ہو اور نہ وہ عرض
ہی ہے جو اسے کسی محل کی حاجت ہوتی جس میں کہ وہ حلول کرتا اور قائم ہوتا ۔
علاوہ بریں اگر اسے عرض مانا جائے گا اور وہ کسی محل کا اپنے قیام میں محتاج ہوگا تو

وہ ضرور صفت ہوگا اور اگر وہ صفت ہوگا .... تو پھر اُس کا اُن صفات کے ساتھ جن کا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے موصوف ہونا ناممکن ٹھہریگا اور وہ صفات قدرت ارادہ علم اور حیات ہیں حالانکہ خدا کے ان صفات کے ساتھ موصوف ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اس لئے اُس کا صفت ہونا ممکن نہیں ہو سکتا تو پھر وہ عرض بھی جو اپنے حلول اور قیام میں کسی محل کا محتاج ہو نہ ہو سکے گا۔

خدا موجد کا محتاج نہیں | پھر چونکہ خدا کا قدم ثابت ہو چکا ہے تو وہ کسی موجد کا بھی جو اُسے ایجاد کرتا ہرگز محتاج نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ کہ خدا کا مکان۔ محل اور موجد کی جانب محتاج نہ ہونا یہی امور ہیں جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس عقیدہ سے مقصود ہیں کہ خدائے عالم کا بنفسہ اور خود ہی قائم ہونا ضروری ہے اور غیر کے ساتھ اس کا قائم ہونا محال ہے۔ خدا کی اس صفت پر ایک دوسری دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ مکان کا۔ یا محل کا یا کسی موجد کا محتاج ہوتا تو ضرور تھا کہ یہ امور مذکورہ اُس سے قبل موجود ہوتے اور اُس کے بنائے ہوئے نہ ہوتے حالانکہ اس بات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ وہی خدا قدیم اور تمام کائنات کے قبل سے ہے اور کائنات میں ہر شے اُسی کی بنائی ہوئی ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی وہ ان میں سے کسی شے کی جانب محتاج ہو۔

صفات خداوندی اور صفات انواع مادہ میں محض اسمی مشارکت ہے | اس سابق کے مسئلہ میں کہ خدا مادہ کے خواص میں سے کسی شے میں بھی اس کے مشابہ نہیں ہے یہ شبہ نہ کرنا چاہیئے کہ یجیئے خدا ان امور میں تو مادہ کے مشابہ ہو گیا کہ وہ موجود ہے ارادہ کرتا ہے۔ عالم ہے۔ قادر ہے زندہ ہے اور اسی طرح اور صفات ہیں جو کہ اس کے لیے ابھی ثابت ہوئیں کیونکہ مادہ کے انواع ان صفات کے ساتھ تو موصوف ہوتے ہیں۔

اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا کے صفات مذکورہ کے مختص آثار کی مشابہت کی وجہ سے انواع مادہ کے صفات کے ساتھ صرف اسمی مشارکت حاصل ہے حقیقت کے اعتبار سے پورا پورا اختلاف اور مباینت پائی جاتی ہے کیونکہ خدا کی صفات مذکورہ اُن کے نزدیک صفات قدیمہ ہیں۔ عوارض نہیں ہوسکتیں لیکن انواع مادہ کی وہ صفات جن کے ساتھ اُن کو اسمی مشارکت حاصل ہے بلاشبہ اعراض اور مادہ کے حادث اور زائل ہونے والے احوال ہیں اور اس میں ذرا بھی خفا نہیں کہ محض آثار میں مشابہت کا پایا جانا اس امر کو مستلزم اور مقتضی نہیں ہوسکتا کہ حقیقت میں بھی مشابہت ہو خصوصاً جبکہ صفات خداوندی کے آثار میں اور ان صفات انواع کے آثار میں اس اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق بھی موجود ہو کہ صفات خداوندی کے آثار باعظمت۔ محیط اور کامل ہوں اور صفات انواع کے آثار اُن کے مقابل میں حقیر۔ ناقص اور قاصر ہوں جیسا کہ دونوں کے آثار میں مقابلہ کرنے سے صاف صاف واضح ہوتا ہے۔

فلاسفہ جدید کے مقابل میں وحدانیت کی دلیل بیان کرنے کی حاجت نہیں

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین جبکہ خدائے عالم کے وجود پر دلیل قائم کرچکے اور آپ لوگوں پر اُس کے وجود کی تصدیق کرنے کو دلیل سابق کے مقتضا کے موافق لازم کرچکے تو اب انہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے مقابلہ میں اس امر پر دلیل قائم کریں کہ وہ خدا ایک ہے۔ خدائی میں اور عالم کی تخصیص اور ایجاد میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ لوگ تو ایک خدا کو بھی نہیں مانتے تھے اُنہوں نے دلیل سے اُس کے وجود کی تصدیق کرنے کو آپ پر لازم کردیا اب انہیں آپ لوگوں کی جانب سے اس امر کا اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اُس خدا کے سوا اور کسی خدا کے وجود کا دعوے کرنے لگیں گے اس لئے کہ اسے

تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں آپ کے نزدیک تو یہ ظاہر بات ہے کہ آثار خداوندی کی دلالت سے خدائے عالم کے وجود کے ثابت کرنے کے بعد کون سا امر مقتضی ہے کہ کسی دوسرے خدا کے ثابت کرنے کے لئے بھی ہمیں ضرورت پڑے باوجودیکہ اس عالم کے ایجاد کرنے کے لئے صرف ایک ہی خدا جس میں کہ اُس کے ایجاد اور حکم کرنے کے لئے کامل صفات موجود ہوں بالکل کافی ہے۔

مسلمانوں کے عقیدے بلا دلیل نہیں

لیکن چونکہ وہ اس کے معتقد ہیں کہ وہ خدا ایک ہی ہے اُس کی خدائی میں کسی کا شریک ٹھہرانا سراسر محال ہے اور وہ اپنے عقیدوں کو بغیر قطعی دلیل پر مبنی کئے ہُوئے باز نہیں رہ سکتے اُن کے عقیدوں کی بناء ہمیشہ قطعی دلیلوں پر ہوتی ہے خواہ وہ قطعی دلیل عقلی ہو یا نقلی اس لئے لازم ہے کہ وہ اس خدا کی وحدانیت پر عالم کے ایجاد کرنے میں اُس کے منفرد ہونے پر اُس کے سوا کسی خدا کے وجود کے محال ہونے پر ضرور عقلی یا نقلی دلیل قائم کریں۔ علیٰ ہذا القیاس جب وہ اُن فرقوں سے گفتگو پر آمادہ ہوں جو کہ منفرد خدا ماننے والے ہیں اور عالم کے لئے دو یا تین یا زیادہ خداؤں کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اس وقت بھی اُن فرقوں پر خدائے عالم کی وحدانیت کا اقرار لازم کرنے کے لئے وہ اس امر کو اپنے ذمہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت اور اُس کے سوا کسی دوسرے خدا کے محال ہونے پر دلیل قائم کریں لیکن ان فرقوں کے مقابلہ میں اُن کی دلیل ضرور عقلی ہونی چاہیئے نقلی دلیل کو وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اُن کے سامنے اُس کے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا نکلے گا۔

قرآن میں توحید کی ہر قسم کی دلیلیں موجود ہیں۔

رہی خدائے عالم کی وحدانیت پر دلیل نقلی جن پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اعتماد کرتے ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے لائے ہوئے قرآن میں جس کی نسبت اُنھوں نے خدائے عالم کے پاس سے ہونے کی
خبر دی ہے بکثرت موجود ہیں۔ قرآن کی اکثر سورتیں خدا کی توحید اور ایجاد کرنے میں اُس
کے منفرد ہونے کی تصریح کرتی ہیں بلکہ اُن میں اُس کی توحید کی دونوں قسم کی عقلی قطعی بھی اور
اطمینان بخش دلیلیں بھی جو کہ عام لوگوں کی عقل کے موافق ہیں جن میں کہ قطعی برہانی دلیل سمجھنے
کی قابلیت نہیں مذکور ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو توحید خداوندی کے اعتقاد
کے بارے میں محض نقلی دلیل پر بھی اعتماد کر سکتے ہیں، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت
اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں کی حقانیت کی تصدیق خدا کی توحید پر موقوف نہیں ہے۔ اسلئے
کہ آپ کے دعوے کی حقانیت پر متعدد دلائل قائم ہونے کی وجہ سے عالم کے موجد کی جانب سے
آپ کی رسالت کی تصدیق کر سکتے ہیں عام ہے کہ وہ موجد ایجاد کرنے میں منفرد اور ایک مانا جائے
یا نہ مانا جائے پھر جبکہ وہ آپ کی رسالت کی پوری طور سے تصدیق کر چکے تو پھر انہیں آپ کی
یہ خبر بھی ماننا پڑے گی کہ جس خدا نے اُنھیں بھیجا ہے اور رسول بنایا ہے وہ ایجاد کرنے میں منفرد
اور ایک ہے اُس میں اُس کا کوئی شریک نہیں لیکن دلیل عقلی جسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
پیرو اُن فرقوں کے مقابلہ میں جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں۔ خدائے عالم کی وحدانیت پر
قائم کرتے ہیں اور نیز جس پر کہ اُس کی وحدانیت کے اعتقاد کے بارہ میں وہ خود بھی اعتماد کرتے
ہیں اُس کی بکثرت صورتیں اور مختلف طریقے ہیں اس مقام پر بغرض اختصار ان میں سے
ہم ایک ہی دلیل بیان کرینگے۔

وحدانیت کی عقلی دلیل | پس سنیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اس موقع پر یہ کہتے ہیں
کہ اگر عالم کے خدا متعدد مانے جائیں مثلاً دو مانے جائیں (یا اور زیادہ کیونکہ اس استدلال
میں کوئی فرق نہیں آسکتا) تو عالم میں کسی شے کا بھی وجود نہیں ہو سکتا لیکن عالم میں کسی

شے کا نہ پایا جانا باطل ہے اس لئے کہ اُس کا وجود تو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں پس وہ امر بھی (یعنی خدا کا متعدد ماننا) جس سے کہ یہ خرابی لازم آئی ضرور باطل اور غلط ہوگا اور جب خدا کا متعدد ماننا باطل ٹھہرا تو اُس کی وحدانیت ثابت ہوگئی اور یہی ہمارا مقصود تھا اب سُنئے کہ خدا کے متعدد ماننے سے عالم میں کسی شئے کا نہ پایا جانا کیونکر لازم آتا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ دو خدا ہوں تو وہ دونوں یا تو باہم متفق ہو جائیں گے یا مختلف رہیں گے اگر متفق ہو جائیں تو وہ کسی چیز کو ایجاد نہیں کر سکتے ورنہ لازم آئے گا کہ دو موثروں کا فقط ایک ہی اثر ہو اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے لازم ہے کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک کی ایجاد سے اگر عالم کا ایک جدا گانہ اور مستقل وجود ہوگا تو لازم آئے گا کہ عالم دو وجود کے ساتھ موجود ہو حالانکہ وہ صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دونوں ایجادوں سے عالم کا فقط ایک ہی وجود حاصل ہو تو ماننا پڑے گا کہ اُن دونوں میں سے ہر ایک نے بانفرادہ اُسے ایجاد نہیں کیا بلکہ دوسرے کے ساتھ مل کر ایجاد کیا جیسے کہ اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے لڑھکانے کا باعث ہوں ہر ایک اُن میں سے بانفرادہ اُس کے لڑھکانے کیلئے کافی نہ ہو بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت پڑے تو ہر ایک دوسری قوت کی محتاج ٹھہرے گی اور اُس کے ساتھ مل کر مرکب ہوگی اور وہ دونوں قوتیں مرکب ہو کر ایک قوت بنے گی۔ تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ لڑھکانے کی نسبت دونوں کی طرف ہونی چاہئے ان میں سے کسی ایک کی جانب علی الاستقلال نسبت کرنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ پس اس بنا پہ دونوں خدا ایک دوسرے کی ساتھ مرکب ہوں گے اور دونوں بمنزلہ ایک خدا کے قرار پائیں گے کہ جس کی طرف ایجاد کی نسبت ہو گی اور دونوں میں سے ہر ایک کی جانب علی الاستقلال ایجاد کی نسبت نہ ہو سکے گی کیونکہ ہر ایک موجد کا

جزو ہوگا نہ مستقل موجد حالانکہ خدائے عالم اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ جو اس عالم کا موجد ہو اور
اگر یہ کہا جاوے کہ ہر واحد خدا نہیں بلکہ فی الحقیقت دونوں کا مجموعہ خدا ہے تو اس کا
جواب ہم یہ دیں گے کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ خدائے تعالیٰ یعنی موجد عالم کا مرکب ہونا محال
ہے کیونکہ اُس میں اور مادہ اور اُس کی تمام انواع کے مابین جمیع صفات کے اعتبار سے
جو کہ اُن کے ساتھ مختص ہیں مخالفت ہونا ایک لازمی امر ہے اور انہیں صفات میں
سے ترکیب بھی ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک مرکب کے لئے حدوث لازم ہے تو اس بناء پر
خدا کا حدوث لازم آئے گا اور نہ یہ ممکن ہے کہ دونوں عالم کو علی الترتیب اس طرح پر ایجاد
کریں کہ پہلے تو ایک ایجاد کرے اور پھر دوسرا ورنہ تحصیل حاصل لازم آئیگی اور وہ محال ہے
جیسا کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے اور نہ یہی ممکن ہے کہ بعض چیزوں کو ایک ایجاد کرے اور
بعض باقی کو دوسرا کیونکہ اس وقت ان دونوں کا عاجز ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ جب کسی
شے کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کی قدرت متعلق ہو جاوے گی تو لامحالہ اس شے
کے ساتھ دوسرے کی قدرت کے متعلق ہونیکا طریق وہ پہلا مسدود کردیگا پس دوسرا اس کی
مخالفت پر ہرگز قادر نہ ہو سکے گا اور عاجز رہے گا اور اگر دوسرا اُس کے خلاف کر سکا اور
اُس نے اپنی قدرت کے متعلق ہونیکے طریق کو مسدود نہ ہونے دیا تو پہلے کو عاجز ماننا پڑے گا
بہرحال خدا کا عجز لازم آئے گا اور خدا کا عجز محال ہے۔ اور اگر دونوں مختلف ہو جائیں اس
طرح پر کہ ایک تو عالم کے ایجاد کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اُسکے معدوم کرنے کا پس یہ
ممکن نہیں کہ دونوں کا ارادہ نافذ ہو سکے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئے گا اور نہ یہ ممکن
کہ ایک کا ارادہ نافذ ہو اور دوسرے کا نہ ہو کیونکہ جس کا ارادہ نافذ نہ ہو سکے گا وہی عاجز
ٹھہریگا اور دوسرا بھی ویسا ہی قرار پائے گا اس واسطے کہ دونوں میں مماثلت منعقد ہو چکی

ہے اور دونوں یکساں ہیں علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ جب ایک کا ارادہ نافذ ہوگا اور دوسرے کا نہیں تو جس کا ارادہ نافذ ہو جائیگا وہی خدا ٹھہریگا دوسرا نہیں ہو سکتا اب وحدانیت کی دلیل مکمل ہو گئی۔

دلیل تمانع کی تقریر | اور یہی دلیل قرآن مجید میں بھی مجملاً اور علی وجہ الاختصار مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (لو کان فیھما آلہۃ الا اللہ لفسدتا) اگر دونوں میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے یعنی اگر زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے میں اللہ کے سوا اور خدا بھی قائم ہو سکتے اگرچہ اللہ بھی اُن کے ساتھ ہوتا تو وہ دونوں درہم و برہم ہو جاتے۔ یعنی آسمان و زمین کا وجود ہی نہ ہوتا لیکن اُن دونوں کا وجود نہ ہونا باطل ہے اس لئے کہ اُن کا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے پس وہ شے یعنی اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا (یعنی کسی اور خدا کا موجود ہونا) بھی جس سے کہ یہ خرابی لازم آتی باطل ٹھہرے تو اب ثابت ہو گیا کہ زمین اور آسمانوں میں یعنی عالم میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا بلکہ وہی خدائی کے ساتھ منفرد اور یکتا ہے اور یہی مقصود تھا۔ یہ نہیں ہے کہ خدا کی جماعت ہی محال ہو بلکہ خدا کا مجرد متعدد ہونا محال ہے چنانچہ ہم نے اپنے قول جنس خدا سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر سابق میں دونوں خداؤں کے متفق ہو جانے کے احتمال کو جو فرض کیا ہے وہ محض سرسری نظر کے لحاظ سے ہے ورنہ جب غور کیا جائے تو دونوں خداؤں کے متفق ہونے اور صلح کر لینے کا سرے سے احتمال ہی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ خدائی کا مرتبہ عام غلبہ اور کامل استقلال کو مقتضی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے (اذن لذھب کل الہ بما خلق ولعلی بعضھم علی بعض) اب تو (یعنی اگر کئی خدا مانے جائیں) ہر ہر خدا اپنی اپنی پیدا کی ہوئی اشیاء کو لے جاتا

اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا (یہ تو آپ نے سُن لیا اب میں اس امر پر فکر تنبیہ کرتا ہوں کہ یہ دلیل اور اسی طرح اور دلیلیں صرف اُنہیں کے مقابلے میں قائم کی جا سکتی ہیں کہ جو خدائے عالم کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن وہ متعدد خداؤں کے مدعی ہیں پس وہ اس قسم کی دلیلوں سے اپنے تعدد کے دعوے سے باز رکھے جا سکتے ہیں وہ لوگ جو عالم کے لئے کسی خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اُن کے مقابلے میں اس دلیل کو قائم کرنا اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اُن پر اس امر کا ماننا لازم کر دیا جائے کہ عالم کے لئے ضرور کوئی خدا ہے جس نے کہ اُسے ایجاد کیا پھر اُن کو خدائی کے منصب کو اور عظمت اور استقلال کو کہ خدائی کا منصب مقتضی ہے اچھی طرح سے سمجھا دیا جائے ورنہ اسکی کیا پروا ہوگی کہ خدا کا عجز لازم آتا ہے یا اس کے سوا اور محالات جن کا کہ دلیل سابق میں بیشتر ذکر ہو چکا ہے لازم آتے ہیں پس اس سے ذرا آگاہ رہنا چاہیئے) پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے دیکھا کہ اتنی ہی صفات جو کہ خدا موجد عالم کے لئے ثابت ہو چکی ہر چند کہ خدائی کا مدار ٹھہر سکتی ہیں اور وہ صفات وجود۔ قدم۔ بقاء۔ حوادث کے مخالفت۔ اُس کا بنفسہ قائم ہونا یعنی استقلالاً موجود ہونا۔ وحدانیت۔ علم۔ قدرت اور حیات ہیں اور اگر خدا صرف انھیں صفات کے ساتھ موصوف ہو تب بھی وجود کائنات کی علت بننے کیلئے کافی سمجھا جا سکتا ہے اور ہر عاقل اتنے پر قناعت کر سکتا ہے۔

خدا کے لئے دیگر صفات کمالیہ کے اثبات کی تمہید

لیکن اُنھوں نے اس خدائے پاک کی شان میں اور بھی غور کرنا شروع کیا اور اُس کی عجیب وغریب مصنوعات اور ان کی کمال پائداری میں تامل کیا تو کہنے لگے کہ جب اس کی مصنوعات میں یہ کمال موجود ہو تو کیا وہ خدائے پاک صفات کمالیہ میں سے کسی صفت میں خود ناقص

بھی ٹھہر سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ جہاں تک ہم خیال کرسکتے ہیں کسی کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اپنے
مثل کوئی شے ایجاد کرسکے چہ جائیکہ ناقص کسی کامل کو ایجاد کرے یا کامل اپنے سے اکمل کو ایجاد
کرنے کے قابل ہوسکے۔ انہیں حیوانات کو لیجئے کہ وہ کچھ ہی کیوں نہ بنائیں اور ایجاد کریں لیکن
ہم ہمیشہ اُن کو اُس سے عاجز ہی پاتے ہیں کہ وہ حیوانیت میں اپنے مثل یا اپنے قریب قریب
بھی بنا سکیں اور حیوانات کو بھی جانے دیجئے۔ انسان کو لیجئے کہ جو سب سے زیادہ جاننے
والا اور صنعت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا قادر مانا جاتا ہے وہ بھی کچھ ہی کیوں نہ بنالے
اور ایجاد کرے لیکن جب دیکھا جاتا ہے تو وہ اپنے مثل یا اپنے سے اکمل بنانا تو جدا
رہا اُس کے مصنوعات میں اُس کمال کے قریب قریب بھی نمودار نہیں ہوتا جو کہ خود اُس
میں قائم ہے حیوان یا انسان کا بنانا تو بالائے طاق رہا انسان میں نبات بنانے کی تو
قدرت ہے ہی نہیں۔ غایت سے غایت وہ جو کچھ بنا سکتا ہے یہ ہے کہ وہ جمادی صورت
جو کہ حیات سے بالکل خالی ہوتی ہے تراش لیتا ہے یا چند عناصر کو جمع کر کے کیمیاوی ترکیب
دے سکتا ہے کہ جس میں حیات کا ذرہ برابر بھی نشان نہیں پایا جاتا۔ یا کلیں ایجاد کرسکتا
ہے کہ جو قدرتی قوانین جر ثقیلی کے موافق غیر دائمی اور ناپائدار حرکت کرنے لگتی ہیں اور پھر نہ
اُن میں حیات کا نام و نشان ہوتا ہے اور نہ احساس کا۔ اور جب وہ کسی حیوان یا نبات میں
اس کی صورت کے متغیر کرنے کے لئے کسی قسم کا تصرف کرنا چاہتا ہے تو وہ خود ہرگز اس پر
قدرت حاصل نہیں کرسکتا آخر کار بچارہ و ناچار اُنہیں قوانین قدرت کے استعمال کرنے
پر مجبور ہوتا ہے جو تغیر دینے کے لئے اس خدائے پاک کی جانب سے مقرر ہیں۔ اور جو
تغیر کہ اُس سے حادث ہوتی ہے وہ حقیقت میں اُس کا فعل بھی نہیں ہے اُس کو صرف
اسی قدر دخل ہے کہ اُس نے اُس قانون قدرت کو دریافت کرلیا جس سے کہ تغیر پیدا

ہوسکتا ہے اور پھر اُس نے جس شے کو تغیر دینا مقصود ہے اُس پر اُسے مسلط کر دیا اور اگ
یہ تغیر اُس کے بنانے اور اُسکے پیدا کرنے سے ہوتی تو اُس کے ظاہر ہونے سے قبل مز
اُس کو اُس کے تمام حالات کی تفصیلی واقفیت ہوتی وہ اُس کی مقدار اور کیفیت کو پور
تدقیق کے ساتھ جان سکتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بیان اس کا یہ ہے کہ جب کوئی انس
اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ کسی پرند کے بچہ کو اُس کی خلقت میں بدصورت کر د
تو وہ انڈے میں ایک جانب سے قوی حرارت پہنچاتا ہے اور دوسری جانب سے ذ
ضعیف اس سے بچہ میں ایک خاص قسم کی بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے پس یہ بدصور
اس انسان کا فعل ہرگز نہیں ہوسکتی ورنہ انڈے سے نکلنے کے پہلے ہی اس صورت
بدنمائی کی مقدار۔ اس کی کیفیت اور یہ کہ بچہ کے کس موقع پر یہ خرابی پیدا ہوئی پوری تدقیق
کے ساتھ جانتا اور اُس سے واقف ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا غایت سے غایت وہ تجر
سے یا اتفاقی طور پر اُس قانون قدرت پر مطلع ہوگیا جس کی وجہ سے کہ انڈے میں بچہ ک
صورت بدل جاتی ہے اور وہ بدنما ہو جاتا ہے اور اُس قانون کو وہ استعمال کرنے لگا جیسے
کہ کسی شخص کو یہ معلوم ہوگیا کہ پانی سے پیاس بجھ جاتی ہے پھر جب اُسے پیاس لگتی ہے
تو وہ اپنے معدہ میں پانی پہنچا لیتا ہے اُس سے اُسے سیرابی حاصل ہو جاتی ہے او
اُس کی پیاس بجھ جاتی ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے کہ اپنے معدہ می
پانی پہونچایا ہے خود اُسی نے سیرابی کو بھی پیدا کیا اور پیاس کو دفع کر دیا اور کیا یہ اُس ک
مصنوعات میں شمار کیا جا سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں پس اُس کا اتنا ہی فعل ہے کہ اُس
اپنے معدہ میں پانی پہونچا لیا۔ پانی جب معدہ میں پہونچا تو اُس سے معدہ کی حرار
ٹھنڈی پڑی اور پیاس جاتی رہی اب یہ جو کچھ حاصل ہوا اُس میں پانی پہونچانیوا

کی غذا بھی تاثیر نہیں اس موقع سے یہ امر بطریق اولیٰ واضح ہو گیا کہ کھیت کا کاشتکار درختوں کے نکلنے اور اُن کے بار آور ہونے میں اُس کے لئے مقررہ قوانین قدرت استعمال کر کے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے اس کی نسبت یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اُسی نے کھیت کے درختوں کو ایجاد کیا اور بنایا ہے اُن سے پھل نکالے ہیں اور اُن کی عجیب وغریب ترکیب اور حیرت انگیز خواص کا وہی پیدا کرنیوالا ہے کہ اس میں سے فی الحقیقت کوئی شے بھی اُس کی بنائی ہوئی نہیں ہاں اگر مجازی اطلاق کو آپ لیتے ہیں تو اُس میں کوئی مضائقہ نہیں اس کو ہم بھی مانتے ہیں اسی طرح تمام اُن اشیاء کی نسبت جن کے وجود کا سبب انسان عالم کے مقررہ قوانین قدرت استعمال کر کے ہوا کرتا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا انسان بنانے والا اور موجد نہیں صرف اس کا کام اتنا ہے کہ وہ مقررہ قوانین قدرت کو اُن کے مقررہ راستوں میں جاری کر دیتا ہے اُس کے بعد تمام آثار اُن سے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ انسان آثار کو نہیں پیدا کرتا (عنقریب اس کا بیان آتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اس امر کے قائل ہیں کہ یہ تمام آثار قوانین قدرت سے خدائے تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ظہور میں آتے ہیں نہ فقط قوانین قدرت کے ذاتی اثر سے چنانچہ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی) پس جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک یہ بات کہ جس کا پیشتر ذکر ہوا واضح ہو گئی کہ کوئی شے اپنے مثل کے بنانے پر بھی قادر نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ وہ اپنے سے بڑھ کر اور اکمل شے کو بنائے تو وہ کہنے لگے کہ یہ لازمی امر ہے کہ جس خدا نے مادہ کو ان عجیب وغریب قوانین قدرت کے ساتھ ایجاد کیا جن کی وجہ سے کہ اُس میں بیشمار تطورات اور تغیرات کی قابلیت آ گئی اور اُس سے یہ حیرت انگیز بجید انواع وجود میں آئیں ضرور اُس خدا کی جملہ صفات جو کہ اُس کے لئے دلیل سے ثابت ہوئیں

اور جو صفات کمالیہ کہ اُس کی ذات کے شایاں ہیں سب مرتبۂ کمال کو پہونچی ہوتی ہوں
ورنہ وہ اپنے مصنوعات کے مثل یا اُن سے بھی کمتر ٹھہرے گا حالانکہ یہ امر اُس کے خلا
ہے جس کو کہ عقل یقینی طور پر جان چکی اور اُس کی تصدیق کر چکی۔ پس وہ اس کے معتق
ہو گئے۔ کہ وہ خدا ضرور سمیع۔ بصیر۔ متکلم اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ جو اُس کی ذا
کے شایاں ہیں متصف ہے اس لئے کہ یہ بات عقل میں نہیں آ سکتی کہ وہ بہرا۔ اند
گونگا ہو اور پھر اُسی نے قوت سمع کو پیدا کیا ہو آنکھوں کو روشن کیا ہو۔ کلام کے ساتھ
زبان کو جاری کیا ہو اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ صفت کمالیہ میں ناقص ہو حالانکہ اُسی
نے صفت کمالیہ کی نظیر کو اپنے مصنوعات میں نہایت ہی کامل طور پر ایجاد کیا ہے لیکن
جتنی صفات کا کہ وہ خدا کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں اُن کے بارے میں انہیں یقین
ہے کہ نہ وہ حوادث کی سی صفات ہیں اور نہ حقیقت میں اُن کے مشابہ ٹھہر سکتی ہیں
اگرچہ باہم اُن میں آثار کی مشابہت کی وجہ سے مشارکت اسمی پائی جائے اور اس ا
کا بیشتر بیان ہو چکا ہے کہ آثار کی مشابہت سے حقیقت کی مشابہت ضروری نہیں
پس خدا سننے میں ہماری طرح کان کا محتاج نہیں بلکہ یہ اُس کی صفت قدیمہ ہے جو
اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مسموعات اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں
اسی طرح اُس کا دیکھنا آنکھ کی پتلی پر موقوف نہیں بلکہ وہ بھی صفت قدیمہ ہے جو
اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مبصرات اُس کے نزدیک منکشف
ہو جاتے ہیں اُس کا کلام ہماری طرح آواز اور حرف سے نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بھی صف
قدیمہ ہے جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی مخلوقات
میں سے جس کسی کو جو کچھ سمجھانا چاہتا ہے سمجھا سکتا ہے اسی طرح تمام اُن باقی صفات

نی علم - ارادہ - قدرت - حیات وغیرہ کی نسبت جو سابق میں بیان ہوئیں یہی کہا جا سکتا
ہے ۔ پس وہ ساری صفات قدیمہ ہیں جو کہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں جن میں سے
ہر ایک کا اُس کے مقتضا کے موافق اشیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے خواہ بطور انکشاف
کے ہو یا تخصیص کے یا احداث کے ورنہ اگر اُس کی صفات حوادث کی سی صفات مانی
جائیں گی تو وہ بھی انہیں کی طرح حادث ٹھہرے گا حالانکہ اُس کے قدیم کے ضروری ہونے
پر اور اُس کے حدوث کے محال ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اس کا تفصیلی بیان
پہلے گذر چکا ہے ۔

پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اسی خدائے پاک کی جانب سے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی رسالت پر اُن دلائل کی وجہ سے جو آپ کے صدق پر قائم ہو چکی ہیں یقین کر چکے
تو اُنہوں نے دیکھا کہ آپ کی شریعت خدائے عالم کیلئے صفات سابق الذکر جو کہ عقلی دلائل
سے معلوم ہوئیں ثابت کرتی ہے اور یہ وہ صفات ہیں جن پر خدائی کا مدار ہے اور
نیز وہ صفات کمالیہ جن کے لئے کہ اُس کی شان عظیم مقتضی ہے اور سوا اس کے عدل
رحمت - کرم - ہدایت - احسان اور ایسی ہی اور صفات بھی کہ جن کا پتہ نصوص شرعیہ
سے لگتا ہے اسی قبیل سے ہیں باوجود اس کے انہوں نے یہ بھی پایا کہ ان صفات
کے علاوہ اس شریعت نے خدا کے لئے چند ایسی صفات کو بھی ثابت کیا کہ دلیل
عقلی جن کے نہ ثبوت ہی پر دلالت کرتی ہے اور نہ اُن کی نفی پر لیکن شریعت محمدیہ میں چونکہ
اُن کی تصریح کی گئی تھی تو وہ اُن صفات کے بھی معتقد ہو گئے اس لئے کہ اُن صفات
کے خبر دینے والے (اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) صادق ہیں اور اُن کا صدق
اُن دلائل قاطعہ کی وجہ سے جو اُن کے صدق پر قائم ہو چکیں یقینی تسلیم کیا گیا ہے اور عقل

اُن صفات کو محال بھی نہیں سمجھتی کہ اُن کے ماننے میں کچھ پس و پیش کرنے کا موقع ہوتا۔

صفات خداوندی کے بارہ میں متشابہات کا حکم

اسی طرح اس شریعت میں خدائے پاک کے لئے چند ایسی اشیاء کو بھی ثابت کیا ہے جن سے کہ بظاہر جسمیت کا شبہ پڑتا ہے اور یہ اشیاء جیسے کہ چہرہ۔ آنکھ۔ ہاتھ۔ انگلی۔ قدم وغیرہ ہیں پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے ان اشیاء کو خدا کے لئے ثابت تو کیا لیکن چونکہ عقلی اور نقلی دلیل کی رو سے خدا کا جسمیت سے منزہ اور پاک ہونا ثابت ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے اُن کے ظاہری معانی نہیں تسلیم کئے اور یہ اعتقاد رکھا کہ ان کے معانی جو ہوں خدا کی ذات کے مناسب ہیں حوادث میں اُن کے جو معانی سمجھے جاتے ہیں وہ ہرگز نہیں ہو سکتے رہا ان کی حقیقت کا علم وہ انہوں نے اُسی خدائے پاک پر رکھا اور اس کے حوالہ کیا۔ اسی لئے وہ اس امر کے قائل ہو گئے کہ مثلاً خدا کا ہاتھ تو ہے لیکن وہ ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کی آنکھ بھی ہے لیکن ہماری آنکھوں کی طرح نہیں ہو سکتی علیٰ ہذا القیاس اور اشیاء کو بھی سمجھئے اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں باقی اب ان کے مرادی معنی کی حقیقت اُسے خدا ہی خوب جانتا ہے پس اس طور پر وہ خدا کو منزہ مانتے ہیں اور حقیقی علم خدا کے حوالہ کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ جہاں تک کہ عقل کی دلالت اور شریعت محمدیہ سے معلوم ہوا اُس کے موافق وہ خدا کو تمام کمالات کے ساتھ جو اُس کی شان عالی کی سزاوار ہیں موصوف مانتے ہیں اور تمام نقائص سے کہ جو اُس کو زیبا نہیں منزہ اور مبرا اعتقاد کرتے ہیں۔

خدا کے اسماء توصیفی ہیں

پھر اس شریعت نے جیسے کہ خدا کی صفات بتلائی ہیں اُسی طرح اُس کے وہ نام بھی جو اُس نے اپنے لئے خود تجویز کئے ہیں بتلائے اُنہیں میں سے

لفظ "اللہ" ہے جو اُس کا خاص نام ہے دوسرے پر اطلاق نہیں ہوتا اِس لفظ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل بھی اگرچہ عالم کے پیدا کرنے والے پر عربی زبان میں اطلاق موجود تھا لیکن شریعت نے بھی خدائے تعالیٰ پر اسی لفظ کو اطلاق کیا اس لئے اس طرح پر اس میں شرعی حیثیت پیدا ہوگئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کے نزدیک یہ نام شرعی نام سمجھا گیا جس میں کہ انہوں نے شریعت محمدیہ کا لحاظ کیا نہ فقط عربی لغت کا اسی طرح پر خدائے تعالیٰ کے باقی ناموں کو سمجھئے۔

پھر شریعت محمدیہ نے جیسے کہ اپنے پیروی کرنیوالوں کو خدا کے وجود کے اور اُس کے اُن صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے کی تعلیم دی جن کے یا تو ثبوت ہی پر عقل دلالت کرتی ہے یا خدا کے لئے اُن کو جائز رکھتی ہے اور اُس کے نام بتلائے اسی طرح اُس نے خدا کے وجود پر اُس کی عظمت پر اُس کی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہونے پر عقلی دلیل سے استدلال کرنے کا طریق بھی سکھلایا عام ہے کہ وہ دلائل برہانی قطعی ہوں یا اطمینان بخش دلائل ہوں جن سے کہ قلوب کی پوری تسکین ہو جاتی ہے اور دل اُن کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ اس طرح پر اسلامی امور کے اثبات کے لئے نہایت ہی وسیع طریق اُن کے ہاتھ لگا اور عقلی اصول پر اسلامی خوبیاں ثابت کرنے کے واسطے اُن پر بہت بڑا دروازہ کھل گیا چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اُن میں سے چند امور کو ذکر کر دوں جو کہ خدائے عالم کے وجود پر صفات کاملہ کے ساتھ اُس کے موصوف ہونے پر۔ اُس کی اور اُس کی صفات کی عظمت پر اور پھر اُن کے آثار کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں جس سے کہ دلوں میں اُس کی شان عظیم کی عظمت پیدا ہوتی ہے اور ایک سے ایک مصنوعات اور اعلیٰ سے اعلیٰ عجیب و غریب اشیاء کے بنانے پر اُس کو پوری قدرت حاصل ہونے کا دلوں کو یقین ہوتا ہے۔

آثار خداوندی سے خداوندی صفات پر استدلال

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود کے بیان کرنے سے پہلے میں ایک مقدمہ ذکر کردوں جس سے کہ مطلب کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہوجائے اور جو کہ مقصود کے ساتھ اپنے لگاؤ کی وجہ سے بہت کچھ نافع ثابت ہو پس میں کہتا ہوں کہ یہ امر تو مخفی نہیں کہ مادہ اور اُس کے انواع کے لئے کچھ عام صفات ہیں جیسے کہ تحیز (یعنی کسی نہ کسی قدر خلاء کو گھیرنا) جو تمام اجسام میں پایا جاتا ہے اور کچھ خاص صفات ہیں جیسے کہ لوہے کا ہتوڑے کی چوٹ کھا سکنا اور شیشہ کا چور چور ہوجانا یہ دونوں صفات اجسام کی ایک ایک نوع کے ساتھ خاص ہیں اور آپ لوگوں کی علمی (سائنس کی) کتابوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انواع مادہ میں سے کسی سے بھی عام صفات منفک نہیں ہوسکتیں اُن کا منفک اور جُدا ہوجانا محال ہے باقی رہیں خاص صفات اُن کی نسبت آپ لوگوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن میں سے ہر صفت جس جسم میں کہ پائی جاتی ہے کسی نہ کسی طبعی سبب سے اُس سے ضرور جدا ہوسکتی ہے چنانچہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ مثلاً لوہے سے ہتوڑے کی چوٹ سے بڑھنے کی صفت جدا ہو سکتی ہے اور پھر اُس میں اُس کی چوٹ سے ریزہ ریزہ ہوجانے کی صفت جبکہ اُسے فلاں عرق میں بھگو یا جائے تو پیدا ہوسکتی ہے۔ زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس سے لوہے کی کشش کرنے کی قوت جاتی رہتی ہے اسی بنا پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کا قریب الوقوع ہونا دریافت ہوسکتا ہے تاکہ انسان اُس سے محفوظ رہ سکے پس یہ اس امر کی تصریح ہے کہ جسم کی خاص صفات اسباب طبعیہ میں سے کسی نہ کسی سبب سے ضرور جدا ہوسکتی ہیں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیرو اُن عام صفات کی نسبت جن کا ثبوت اُن کے نزدیک مادہ کے جمیع انواع میں مدلل ہوچکا ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں غور کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات دو قسم پر منقسم پائی جاتی ہیں بعض تو ایسی ہیں کہ مادہ کے تمام انواع میں سے کسی سے بھی منفک نہیں ہو سکتیں اُن کا منفک اور جدا ہو جانا محال ہے اور اس قسم کی صفات کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی قدرت باوجود اُن کے متحقق الوجود ہونے کے اُن کے معدوم کرنے کے لیے متعلق نہیں ہو سکتی اس لئے کہ خدا کی قدرت امر واجب یعنی ایسی شے کے اعدام کے ساتھ جس کا وجود ضروری اور معدوم ہونا محال ہے متعلق نہیں ہوا کرتی جیسے کہ جسم کے لئے تحیز یعنی جسم کا کسی نہ کسی قدر خلاء کو گھیرنا پس ممکن نہیں ہے کہ کوئی جسم بغیر کسی قدر خلاء کے گھیرے ہوئے پایا جائے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جمیع انواع سے جس کے منفک ہونے کو عقل جائز رکھتی ہے۔

جسم کی کشش پر ایک محققانہ بحث

پس کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت ایسی صفت کے معدوم کرنے کے ساتھ عام ہے کہ تمام انواع سے ہو یا کسی خاص نوع سے متعلق ہو جائے کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور جو امر عقلاً ممکن ہوتا ہے وہ ضرور خدائے تعالیٰ کی قدرت کے تصرف کے تحت میں آ سکتا ہے جیسے کہ اجسام کی عام کشش جس کی وجہ سے ایک جسم دوسرے کو کشش کرتا ہے اور ایسے ہی کشش اتصال یعنی جس کشش کی وجہ سے کسی جسم کے ایک ہی جنس کے اجزاء فردہ یعنی ذرے جیسے لوہے کے مثلاً باہم ملے رہتے ہیں اور اُن کے ملنے کی وجہ سے جسم بن جاتا ہے اسی قسم کی اور صفات لے لیجئے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا ثبوت اگرچہ اجسام میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے لئے عقلاً لازمی نہیں ہے بلکہ اُس کا ثبوت اجسام میں امکان عقلی کے طور پر ہے یعنی عقل کے لئے یہ ممکن ہے کہ اجسام کا اس قسم کی صفت کے ساتھ تصور کرے یا ان کا تصور بلا اس صفت کے کرے پس اس سے کون سا امر مانع ہو سکتا

ہے کہ اگر ہم کسی جسم کو عام کشش سے خالی تصور کریں یعنی وہ نہ کسی دوسرے جسم کو کشش کرے
اور نہ دوسرا جسم اس کو اسی طرح اس میں بھی کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی کہ اگر ہم کسی جسم کو کشش
اتصال سے خالی تصور کریں اور اس کی ذات کا باہم ملنا کسی دوسرے سبب سے مان لیں
علاوہ بریں آپ لوگوں کا جسم میں کشش اتصال کے ساتھ قوت مدافعت کے وجود کا بھی
قائل ہونا گویا اجتماع نقیضین کرنا ہے۔ قوت مدافعت سے وہ قوت مراد ہے جس کی
وجہ سے جسم کے ذرات پورے طور سے مل نہیں سکتے اور وہ ان کو ملنے سے روکتی ہے
جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم میں خلا اور مسامات باقی رہ جاتے ہیں اور یہی قوت خارجی
قوت کا جبکہ وہ جسم پر دباؤ ڈالتی ہے مقابلہ کرتی ہے جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں
اس کا صریح بیان موجود ہے اگر آپ کہیں کہ بغیر اس قوت کے تو اجسام کا بننا ہی خیال
میں نہیں آسکتا تو ہم جواب دیں گے کہ ہمارے نزدیک خدا کی قدرت سے بغیر اس قوت
کے مانے ہوئے دوسرے طور پر بھی ممکن ہے اور اگر ہم اس موقع پر کسی سبب ہی کے قائل
ہوجائیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سوائے اس قوت مدافعت کے کوئی دوسرا سبب
ہو بھلا بتلائیے اس میں کونسی قباحت ہے کہ یہی اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) جن کے اجسام
میں موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ممکن ہے کہ انھیں کی شکلیں ایسی ہوں کہ ان میں کچھ
ابھار پائے جاتے ہوں اور کسی قدر تجاویف یعنی گڑھے بھی موجود ہوں پس ان اجزاء کے
مجتمع ہونے کے وقت یہی ابھار ان گڑھوں میں گھس کر خوب جم جاتے ہوں پس جب
یہ گڑھے ان ابھاروں پر دباؤ پا کر نہ بیٹھتے ہوں یا کسی سبب سے جیسے کہ حرارت جو کہ
ان ذرات کو پھیلا دیتی ہے دباؤ کم پڑتا ہو تو جسم سیال یا از قسم گیسع بن جاتا ہو اور

ع گیس کی قسم کے وہ اجسام کہلاتے ہیں جو مثل ہوا کے نظر نہیں آتے ۱۲ مترجم

جب یہ ابھار گڑھوں میں دب جاتے ہوں یا کسی سبب سے جیسے کہ برودت دباؤ
شدید پڑتا ہو تو جسم میں بمقدار دباؤ کے سختی آجاتی ہے اور ٹھوس جسم بنتا ہو اب اس موقع
پر قوت مدافعت کی وجہ سے باہم ذرات کی مدافعت کے بجائے یہ علت بیان کی جا
سکتی ہے کہ جب بھی گڑھے ایسے تنگ ہوتے ہیں جس میں کہ یہ ابھار پورے طور
سے نہیں سما سکتے تو ذرات کے مابین خلا باقی رہ جاتے ہیں اور یہی وہ مسامات اور
سوراخ ہیں جو ہر جسم میں پائے جاتے ہیں اور یہ ایسی علت ہے جس سے کہ اجسام
متحد الجنس کے ذرات کے باہم ملے رہنے کی وجہ جس طرح ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل
کے لئے اجسام مختلف الجنس کے باہم ملنے کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے جیسے کہ مابین گوند
اور کاغذ کے ہوتا ہے۔ مراد اس علت سے اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) میں ابھار اور
خلا پائے جانے کی وجہ سے اس امر کا واقع ہونا ہے اور ظہور کی وجہ یہ ہے کہ یہ علت
آپ لوگوں کی اس علت سے جو کہ آپ نے ذروں کے باہم ملنے کیلئے بیان کی ہے یعنی
یہ کہ یہ امر بذریعہ قوت کشش اتصال کے انجام پاتا ہے جو کہ اجسام مختلف الجنس میں موجود
ہوتی ہے عقل سے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا۔ اور جبکہ آپ لوگوں کے نزدیک
ان اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) کی مختلف شکلیں ہیں اور وہ اگرچہ بالفعل قسمت نہیں قبول کرتے
لیکن وہ عقلی قسمت کو ضرور قبول کر سکتے ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے تو
ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم کچھ ابھار اور خلاء فرض کر کے آپ لوگوں کو الزام دیں بخلاف ان
اجزاء بسیطہ کے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نزدیک ہیں کیونکہ ان میں یہ بات نہیں
ہو سکتی۔ اس تقریر سے کہیں یہ نہ سمجھ جائیگا کہ میں اجزاء فردہ (ذرات بسیطہ) میں ابھار اور
خلاء کے وجود کو مانتا ہوں اور اس پر میں نے اپنی علت کو مبنی کیا ہے کیونکہ اس تعلیل پر بھی

شکایت کے وارد ہونے سے ہم مامون نہیں ہو سکتے۔ ہم نے تو صرف سمجھانے کیلئے آپ
کی تعلیم میں ایک احتمال نکالا ہے کہ دیکھئے آپ کی تعلیم جہاں تک اپنے ثبوت کو پہنچی ہے
اور بہ پیرایہ دوسری تفصیل آپ ہی کی تعلیم سے قریب تر ہے۔ ماحصل یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
پیرو یہ نہیں کہتے ہیں کہ صفات تامہ جو بتشریح مذکور ہوئیں اور ایسی ہی اور بھی اجسام میں موجود
نہیں ہیں اور نہ وہ اجسام ہیں اُن کے موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ
کو ان کے ثبوت پر دلائل قائم کرنے کی تکلیف گوارا کرنی پڑے اور آپ ان کے ثبوت دینے لگ کر
صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ عقلاً ضروری نہیں ہیں بلکہ وہ اجسام میں موجود بھی رہ سکتی ہیں اور
ان سے معدوم بھی ہو سکتی ہیں اس سے کہ عقل ان میں نہ ان کے موجود ہونے کو واجب سمجھتی
ہے اور نہ ان سے ان کے معدوم ہونے کو واجب۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی
قدرت کے تحت تصرف ہیں چونکہ تمام ان اشیاء پر جو عقلاً ممکن ہیں قادر ہے ضرور داخل
ہو سکتی ہیں جیسا کہ بثبوت پہنچ چکا ہے پس جیسے کہ اس نے انہیں ایجاد کیا ہے باوجود
اجسام کے موجود رہنے کے وہ ان کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہے یہاں تک کہ کشش
اتصال کے معدوم کرنے پر بھی کیونکہ وہ نفس اجسام کے کھنچنے کیلئے ذاتی نہیں ہے جیسا کہ آپ
لوگوں کے کلام سے مترشح ہوتا ہے بلکہ وہ خدائے پاک یا قوت کشش اتصال سے بھی اجزاء
فردہ و ذرات بسیطہ کے کھینچنے پر کسی سبب کے ذریعہ سے اور بلا وساطت کسی سبب
کے ہر طرح پر قادر ہے۔ اگرچہ وہ لوگ خدائے پاک کی عادت پر جو کہ اُس نے اس عالم میں
عادت کر رکھی ہے قیاس کر کے پہلی ہی بات کے قائل ہوں گے اور وہ عادت یہ ہے
کہ خدا نے اس عالم میں ہر شے کو ایک سبب کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے یعنی اس نے
ایسی یہ عادت ٹھہرائی ہے کہ جب کوئی سبب پایا جاتا ہے تو وہ اس کے مسبب کو بھی

ایجاد کر دیتا ہے۔ اب رہیں صفات خاصہ تو اُن کے بارہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کا قول آپ ہی لوگوں کے مثل ہے کہ وہ اپنے موصوفات کیلئے ضروری نہیں ہیں بلکہ اُن سے جُدا ہو سکتی ہیں لیکن آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ صفات اپنے موصوفات سے اُس وقت جدا ہو سکتی ہیں کہ جب اُس کے ذرات بسیطہ کسی طبعی سبب کی وجہ سے اپنی اصلی وضع سے متغیر ہو جائیں اور پھر آپ کے نزدیک اس مفارقت کیلئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے جو کبھی تو کم اور کبھی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ہزاروں برس تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین جب تک کہ اُن کے نزدیک امر واقعی کی حقیقت مدلل نہیں ہوتی یہی کہتے ہیں کہ صفات خاصہ کا اپنے موصوفات سے جدا ہونا ممکن ہے کہ جسم کے ذرات بسیطہ کی وضع کے متغیر ہو جانے سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے سبب سے ہو اور جب اُن کے نزدیک کوئی امر مدلل ہو جاتا ہے تو وہ بلا تکلف مان لیتے ہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو بہر حال وہ خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہے ۔

قوانین قدرت کا محض عادی اسباب ہونا

اور اُن اسباب کی نسبت جنھیں آپ اُس کے لئے موجب ٹھہراتے ہیں اُن کا یہ قول ہے کہ وہ عادی اسباب ہیں یعنی خدائے تعالٰی کی عادت جاری ہو گئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت وہ اُن کے مسببات کو ایجاد کر دیتا ہے اور وہ اسباب اپنے مسبب کے لئے نہ موجب ہیں نہ مؤثر اگرچہ آپ اُن اشیاء کو اُن کے سبب کی جانب نسبت کرتے سنیں گے لیکن اُن کا یہ اعتقاد ہرگز نہیں ہے کہ اُن اسباب کو اُن کے وجود میں بالطبع کچھ اثر ہے بلکہ اس نسبت کرنے سے اُن کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالٰی اس مسبب کو اُس کے سبب کے موجود ہونے کے وقت اپنی عادت کے موافق

اس عالم میں پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ چاہے کہ سبب کو پیدا کرے اور مسبب عــہ کو نہ پیدا کرے یا مسبب کو بغیر اس سبب کے پیدا کرے۔ تو وہ ضرور کر سکتا ہے اور جب یہ اسباب مؤثر نہ ٹھہرے اور مسببات کا وجود خدا ہی کے پیدا کرنے سے قرار پایا تو وہ اس زمانہ کے بارہ میں جس کو کہ آپ لوگ صفات کے اپنے موصوفات سے جدا ہونے کے لئے لازمی مانتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ اتنا زمانہ محض خدا تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے اعتبار سے ہے اور اگر وہ ایک لحظہ میں موصوفات سے صفات کو جدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے وہ اتنے دراز زمانہ کے ساتھ پابند ہونے کے لئے مجبور نہیں ہے مثلاً جبکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ لوہا فلاں عرق میں جب بھگو یا جاتے تو بوجہ بھگونے کے اس کے ذرات بسیطہ کی وضع متغیر ہو جانے

عــہ اس کی بہت واضح مثال یہ ہے کہ لال جھنڈی دکھلانے سے آتی ہوئی ریل فوراً رک جاتی ہے اور سبز سے برابر چلی آتی ہے تو اہالیان ریل نے جیسے کہ اپنی یہ عادت مقرر کر لی ہے تو کیا وہ بالعکس مقرر نہیں کر سکتے یا بغیر جھنڈی دکھلائے جانے کے ریل کو نہیں لا سکتے اگرچہ عادت مقررہ کے اعتبار سے یہ لازمی بات ہے کہ سرخ جھنڈی سے ہمیشہ ریل رکے گی اور سبز سے آئیگی اور جب وہ اپنی اس عادت کو بدلنا چاہیں تو اس کے خلاف بھی ہو جائیگا۔ یہی مثال خداوندی عادت کی ہے یعنی جو قوانین قدرت یا اسباب طبعی دریافت ہوئے ہیں وہ جھنڈی کے مثل ہیں اور خدا نے انہیں کے موافق تمام عالم کا انتظام کر رکھا ہے جب کوئی طبعی سبب پایا جاتا ہے تو اپنی عادت کے موافق وہ اس کے مسبب کو بھی موجود کر دیتا ہے اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی کر دے۔ چنانچہ جب وہ کسی مصلحت سے مستمرہ قوانین کے خلاف کوئی امر پیدا کرتا ہے تو اس کو خرق عادت کہتے ہیں جو شخص کہ خدا کو مجبور نہ ٹھہرائے گا اور ذی اختیار مانے گا اس کو اس کے سمجھنے میں ذرا دقت نہیں ہو سکتی ۱۲ مترجم

سے اُس سے چوٹ کھا کر بڑھنے کی صفت دور ہو جائے گی اور اس میں بجائے اس کے چوٹ
کھا کر چور چور ہو جانے کی صفت آ جائے گی اور اس کے لیئے ایک کافی زمانہ کی ضرورت پڑیگی
اور یہ عرق اس تبدیلی میں بالطبعہ مؤثر اور موجب ہے اور اتنا زمانہ لازمی ہے یہاں تک کہ
بغیر اس کے یہ امر فوراً ہی نہیں ہو سکتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اس موقع پر کہیں
گے کہ یہ تبدیلی خدا تعالیٰ کے فعل سے اس طرح پر حاصل ہوئی ہے کہ اس نے چوٹ کھا
کر بڑھنے کی صفت کو معدوم کر دیا اور بجائے اس کے چور چور ہو جانے کی صفت کو پیدا کر
دیا ہم یہ کہ یہ بات اس کے ذرات کی وضع کے متغیر ہو جانے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو
یا کسی دوسری وجہ سے جو ہم کو معلوم نہیں ہوئی اور اس تبدیلی میں اس عرق نے بالطبعہ اثر نہیں
کیا اور نہ اس کے لیئے موجب ہوا بات صرف یہ ہے کہ خدا کی اس عرق میں بھگو دینے کے وقت
اس تبدیلی پیدا کرنے کی عادت جاری ہو گئی ہے اور یہ زمانہ جس میں کہ یہ تبدیلی پوری ہوتی کوئی
لازمی شرط نہیں ہے بلکہ خدا اس تبدیلی کے ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ
وہ لوہے کو بغیر اس عرق میں بھگونے کے اس تبدیلی کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اسی
طرح اس قول کے بارہ میں کہ آگ فلاں جسم کو جلاتی ہے اور پانی پیاس کو بجھا دیتا ہے اور
فلاں چیز سے فلاں شے ہوتا ہے وغیرہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم متبعین کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی
شے بھی بالطبعہ مؤثر نہیں ہے بلکہ جو آثار ان اشیاء سے پیدا ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔
حقیقت میں خدا ہی چند شروط اور احوال عادیہ کے ساتھ اُن اشیاء کے پائے جانے کے وقت
ان آثار کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ ان اشیاء میں سے بغیر کسی شے کے پائے جانے کے بھی
جن کو آپ سبب کہتے ہیں اُن آثار کے پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے کہ وہ اُن آثار کو باوجود
اُن کے منشاء کے موجود ہونے اور باوجود تمام شرائط کے پائے جانے اور موانع کے مرتفع ہونے

کے معدوم رکھ سکتا ہے۔

مسلمانوں کے اس اعتقاد کی وجہ

جس چیز نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو اس بات پر جس کا
پیشتر بیان ہوا کہ اشیاء میں بالطبع کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ آثار
خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوا کرتے ہیں آمادہ کر دیا وہ دو امر ہیں۔ اول تو وہ دلیلیں جو اس
بات پر قائم ہو چکیں کہ خدا اُن تمام اشیاء کے پیدا کرنے میں جو اس عالم میں موجود ہیں منفرد
اور مستقل ہے پس اگر اشیاء ان آثار کے وجود میں جو اُن سے ناشی ہوتے ہیں بالطبع موثر
مانی جائیں گی تو وہ اُن کے لئے ضرور خالق ٹھہریں گی حالانکہ خدائے عالم کے سوا کہ جس
کا نام اللہ ہے کسی دوسرے کا خالق ہونا محال ثابت ہو چکا ہے اور اس استحالہ پر دلیل
قائم ہو چکی ہے خصوصاً جبکہ اُن آثار میں سے بعض نہایت منضبط اور مستحکم بھی ہوں جن کو دیکھ
کر عقل صاف یہی حکم کرتی ہے کہ اُن کے اس استحکام کے ساتھ ہونے کے لئے ضروری
ہے کہ اُن کا پیدا کرنے والا صاحب تدبیر۔ پورے علم اور کامل ادراک والا ہو اور ان صفات
کا ان جمادی اشیاء کے لئے ثابت کرنا ایسی بات ہے جس کا کوئی عاقل قائل نہیں ہو سکتا۔
مثال کے لئے آپ ایسے نبات کو لیجئے جس میں کہ عجیب عجیب چیزیں جیسے جڑ۔ تنہ۔ شاخیں
پتے۔ پھول۔ پھل۔ نسل بڑھنے کے اجزاء اور تخم مع قسم قسم کی شکلوں طرح طرح کے رنگوں۔
ذائقوں اور خاصیتوں کے جسے دیکھ کر عقل چکر میں آجاتی ہے اور یہ کہ پھر یہ پیدا کاہے سے
ہوتیں۔ مٹی۔ پانی اور ہوا سے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی عقلیں بلکہ تمام عقول
سلیمہ اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتیں کہ یہ تمام چیزیں جن کے لئے اعلیٰ درجہ کے علم۔
قدرت اور تدبیر کی ضرورت ہے مٹی۔ پانی اور ہوا نے پیدا کر دی ہوں جو ان تمام صفات
سے بالکل خالی ہیں اسی لئے اُن کے ایجاد اور پیدائش کو ذی قدرت اور اعلیٰ درجہ کے

واقعات کا خدائے پاک کے حوالہ کرتے ہیں جس کی نسبت ان کے نزدیک دلیل قائم ہو چکی ہے
کہ اُسی نے عدم سے اصل مادہ کو گوناگوں امور کے قابل پیدا کیا۔

اگر بالفرض خدا کے پیدا کرنے میں مستقل اور متفرد ہونے سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو
دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ انھوں نے اُنہیں اشیاء میں جن سے کہ یہ آثار ناشی ہوتے
ہیں غور کیا اور اُن کی حقیقت کو سوچا تو انہوں نے دیکھا کہ یہ اشیاء ان آثار کے لئے ہرگز
بالذات مقتضی نہیں ٹھہر سکتیں کیونکہ اُن میں سے کوئی شے ایسی نہیں پائی گئی جس کی نسبت
عقل اس امر کے یقین کرنے کو ضروری کردے کہ فلاں فلاں اشیاء فلاں فلاں آثار کے لئے مقتضی
ہونا چاہئیں مثلاً حرارت برف کو پگھلا دیتی ہے اور برودت پانی کو جما دیتی ہے اور جب
ان کی حقیقت میں غور کیا جائے تو عقل کے لئے ان دونوں چیزوں کے انہیں دونوں خاص
اثروں کے مقتضی ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ جیسے کہ اس بات کی وجہ ظاہر ہو جاتی
ہے کہ ہر جسم حیز کو مقتضی ہے (یعنی ہر جسم کسی نہ کسی قدر خلاء کو ضرور گھیرے گا) اور یہ کہ
دو جسم مقتضی ہیں کہ وہ متداخل نہیں ہو سکتے اور ایک ہی حیز یعنی ایک ہی جگہ میں دونوں
کا حلول نہیں ہو سکتا مثلاً جب وہ آپ سے کہیں کہ کیوں صاحب حرارت اور برودت
میں معاملہ بالعکس کیوں نہیں ہوا تو آپ کیا جواب دے سکتے ہیں شاید آپ یہ کہیں کہ ہر
ایک کی خاصیت ہی یہ ہے تو وہ آپ سے دریافت کریں گے کہ ہر ایک کی خاصیت بالعکس
کیوں نہ ہو گئی اب آپ یہی کہیں گے کہ حرارت قوت اتصالیہ کمزور کر دیتی ہے اور برودت
اس کو قوی کرتی ہے پھر وہ آپ سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ معاملہ بالعکس کیوں نہ ہوا کوئی
عقلی وجہ بتلائیے بہرحال اسی طرح چلے چلئے کہاں تک چلئے گا آخرکار آپ کو بجز اس کہنے
کے اور کوئی گنجائش نہیں مل سکتی کہ اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک خاصیت کے ساتھ

کسی خاص کرنے والے نے خاص کر دیا ہے اسی وجہ سے ہر ایک میں ایک خاص خاصیت پائی جاتی ہے پھر وہ آپ کو یہ بتا دیں گے کہ یہ تخصیص کرنیوالا وہی خدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس نے کہ مادہ کو ایجاد کیا ہے اور وہ فاعل مختار ہے اُس نے جس شے کو جس شے کے ساتھ چاہا خاص کر دیا کیونکہ اختیار کی شان ہی یہ ہے بعد ان سب باتوں کے وہ آپ سے کہیں گے کہ جب اشیاء مؤثر بالطبع نہ ٹھہریں اور تاثیر خدا ہی کے پیدا کرنے سے ہوئی پس وہ زمانہ جو آثار کے حصول کے لئے مانا گیا ہے کوئی ضروری شرط نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہ محض عادی شرط ہے پس خدا ایک لحظہ میں جیسے کہ پلک مارنا یا اُس سے بھی کم زمانہ میں اثر کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے کیونکہ دلیل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خدا کی قدرت کامل ہے حوادث کی قوتیں ایسی نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ اُس کے کرنے میں اُسے زمانہ کی احتیاج نہیں جیسے کہ حوادث کی قوتوں کو احتیاج پڑتی ہے یہاں تک کہ وہ جتنی ہی شدید ہوتی ہیں اُن کے عمل کرنے میں اُتنا ہی کم زمانہ صرف ہوتا ہے اور جتنی ہی وہ کمزور ہوتی ہیں اُتنے ہی زیادہ زمانہ کی ضرورت پڑتی ہے علاوہ بریں یہ بھی ہے کہ اگر اُس کی قوت اپنے عمل کرنے میں زمانہ کی محتاج ہوتی جیسے کہ اور قوے محتاج ہیں تو ہم دیکھتے کہ وہ مصنوعات جو کہ عظیم ہوتے ہیں اور جن میں کہ نہایت باریک صناعیاں بکثرت اشکال۔ تراکیب اور خواص موجود ہوتی ہیں ہمیشہ اُن کے بننے میں اُن مصنوعات کے بننے سے زیادہ دراز ہی زمانہ صرف ہوتا جن میں کہ یہ امور نہیں پائے جاتے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً پہلی قسم کی ایک نبات بہت ہی تھوڑی مدت میں نکل آتی ہے اور دوسری قسم کی کوئی نبات پہلی قسم کی مدت سے کئی گونہ طویل مدت میں نکلتی ہے پس یہ امر صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمانہ کا ممد

ہونا خدا کی مخلوقات کے ایجاد کرنے میں کوئی شرط نہیں ہے ورنہ جو مثال ہم نے دی ہے
جس میں ضرور معاملہ بالعکس ہوتا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے اس قول سے
کہ ذی آثار اشیاء کا آثار کے لئے سبب بن جانا محض عادی ہے اور ان آثار کے بننے
کیلئے یہ زمانہ بھی محض عادی شرط ہے کہیں یہ نہ سمجھا جائیگا کہ وہ خلاف عادت امور کے کثرت
وقوع کے قائل ہیں یہاں تک کہ آپ ان سے خرق عادت پر دلالت کرنے والے
واقعات کثیرہ کے بیان کرنے کا مطالبہ کریں کیونکہ وہ یہ بات ہرگز نہیں کہتے وہ تو صرف
یہ کہتے ہیں کہ ان کی سببیت عادی ہے اور وہ زمانہ بھی شرط عادی ہے اور خدا خلاف
عادت کرنے پر قادر ہے اور یہ محال نہیں ہے لیکن خلاف عادت کرنا خدا سے سوائے
چند مخصوص حالتوں کے مثلاً کسی نبی کے معجزہ یا کسی ولی کی کرامت کے لئے اور کبھی ثابت
نہیں ہوا جیسا کہ ان کے یہاں بالتواتر منقول ہے یا انہوں نے اپنے رسول محمد صلی اللہ
علیہ وسلم سے بچشم خود دیکھا ہے جبکہ انہوں نے رسالت کا دعوی کیا تھا اور ان کے
ہاتھ پر معجزات اور خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے۔ پس جب یہ پیشتر بیان کیا ہوا مقدمہ
مستقر ہو گیا اور آپ لوگوں نے اسے اپنے دلوں میں جگہ دے لی تو آیئے ہم اور آپ مل کر
اس عالم کے مادہ اس کے انواع اور ان عجیب وغریب صورتوں میں جن پر وہ مشتمل ہے اور
حیرت انگیز گوناگوں تبدیلیوں میں جو ان میں واقع ہوتی رہتی ہیں غور کریں اور دیکھیں تاکہ
ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ مادہ میں ان امور کا قیام مادہ اور اس کے ذرات کی حرکت
کے فعل سے ہے یا ان چیزوں میں سے باہم ایک کے دوسرے میں تاثیر کرنے کے باعث
سے یا محض خدا کے فعل سے ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا۔ صاحب ارادہ۔ قادر
اور ذی قدرت ہے کہ اپنے ارادہ سے جس کے ساتھ چاہتا ہے اس کی تخصیص کرتا ہے

اور جس طور پر چاہتا ہے اسے مسخر کرتا ہے۔ اور پھر اس کے اعمال بھی ایسے باعظمت
اور انتہا درجے کے استحکام اور تدبیر کے ساتھ ہوتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ اس کی اور اس کی صفات کی عظمت غیر محدود ہے عقل اس کو نہیں پا سکتی: ورنہ
[illegible] کو حاوی ہو سکتے ہیں اس امر کے واضح ہونے کے بعد تو کوئی جس کو عقل جائز
رکھتی ہو حق کی عظمت کو کیوں نہ پہچان سکے اور اس کی کیسی ہی [illegible] اور
استحکام کیوں نہ موجود ہو لیکن اس خدا کی عظمت اور اس کی صفت کے کمال کے
سامنے بالکل ہیچ۔ بالکل آسان اور ظاہر معلوم ہو گا۔ اس پاک ذات کی عظمت کا کیا ٹھکانا
ہے اس کا تسلط عجیب کمال رکھتا ہے پیدائش اور ہر چیز کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے
اسے ہر شے پر پوری قدرت حاصل ہے۔

عالم ہیئت کی عجیب بحث

اب آیئے ہم عالم کواکب کی طرف متوجہ ہوں اب ضرور ہم کو آپ لوگوں
کی کتب ہیئت کی تصریح کے موافق یہ ملے گا کہ ان میں سے ہر ایک
کی ایک جداگانہ خاصیت ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی اور ہر ایک خاص حالت
کے ساتھ مخصوص نظر آئے گا چنانچہ بعض ان میں سے نہایت ہی چھوٹے ہیں اور بعض
بہت ہی بڑے حتی کہ ہماری زمین کو اس کے ساتھ وہی نسبت پائی جاتی ہے جو ایک
بالو کے ذرے کو اس کرہ کے ساتھ ہوتی ہے جس کا قطر ایک ہاتھ یا کچھ اس سے بھی
زائد ہو پس اگر ہماری زمین کا قطر سات ہزار نو سو بارہ (۷۹۱۲) میل کا اور اس کا محیط چوبیس ہزار
آٹھ سو ننانوے (۲۴۸۹۹) میل کا ہے تو آفتاب کا قطر آٹھ لاکھ بانوے ہزار پانچسو اسی (۸۹۲۵۸۰) میل کا اور
اس کا محیط چھبیس لاکھ اٹھتر ہزار پانچسو (۲۶۷۸۵۰۰) میل کا ہے اور اس کا جرم ہماری زمین کے جرم
سے بارہ لاکھ انسٹھ ہزار سات سو گنا (۱۲۵۹۷۰۰) بڑا ہے۔ اور ان میں سے بعض ہم سے بہت ہی

قریب اور بعض لاکھوں میل کے فاصلہ پر ہیں اُن میں سے بعض کا دن اور سال ہمارے یہاں
کے دن اور سال سے چھوٹا ہوتا ہے اور بعض کا ہمارے یہاں کے دن اور سال سے
بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ زحل کا ایک سال ہمارے یہاں کے اُنتیس سال کے
برابر اور اورنس کا چوراسی سال کے برابر اور نیپتون کا ایک سو چونسٹھ اور چند کسور سال
کے برابر ہے۔ بعض اُن میں سے اپنے مدار پر بطئی حرکت کرتے ہیں اور بعض بہت ہی
سریع الحرکت ہیں حتیٰ کہ مشتری کی چال تینتیس ہزار میل فی گھنٹہ ہے پس جتنی دیر میں کہ
انسان ایک مرتبہ سانس لیتا ہے وہ ۹ میل چل جاتا ہے اور اُس کی محوری گردش کے
لحاظ سے اُس کے اجزاء سطحیہ کی حرکت کی سرعت چار سو ستر سٹھ میل ہے۔ ان میں بعض
کا نور سرخ ہے بعض کا زرد بعض کا سفید اور بعض کا کسی اور رنگ کا اُن میں سے بعض
کا نور اصلی ہے جیسے کہ آفتاب اور ثوابت کا اور بعض دوسروں سے نور حاصل کرتے ہیں
جیسے قمر اور باقی ستاروں کا اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن میں ذرا بھی حرارت نہیں
پائی جاتی اور بعض میں بکثرت حرارت موجود ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں میں سے بعض کے قول
کے موافق آفتاب میں اتنی حرارت ہے کہ اگر وہ جمع کی جائے تو وہ اتنی مقدار برف کے
پگھلانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے جس سے تمام روئے زمین چھپ جائے اور اس کی موٹائی
گیارہ میل کی ہو اور جو حرارت کہ اس کی زمین تک پہنچتی ہے وہ اس کی حرارت کے دو ارب
اُنتیس کروڑ دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اُن میں سے بعض ثوابت ہیں کہ جو
شموس (آفتاب) کہلاتے ہیں اُن کی روشنی ہمارے آفتاب ہی کی طرح ذاتی ہوتی ہے
جس سے کہ وہ تمام عالم جو اس کے متعلق ہے روشن ہوتا ہے وہ ثابت اور اپنی جگہ پر
ٹھیرے ہوئے نہیں جیسا کہ اُن کے نام سے شبہ ہوتا ہے بلکہ وہ بھی حرکت کرتے ہیں

لیکن بات صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے چونکہ بہت ہی فاصلہ پر واقع ہیں اس لئے ہم کو اُن
کی حرکت کا پتہ صرف اس وقت لگ سکتا ہے جبکہ صدیوں کی صدیاں گذر جائیں اس لئے
باہم اُن کی دوری کی نسبت قریب قریب وہی باقی رہتی ہے جو پہلے تھی۔ ان میں سے
بعض آفتاب سے دور ہیں اور یوماً فیوماً اُن کی دوری بڑھتی جاتی ہے اور بعض اُس سے
قریب واقع ہیں اور اسی طرح نزدیک ہوتے جاتے ہیں بعض کی حالت بدلتی رہتی ہے کبھی
تو اُن کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے بعض ان میں وقتی ہوتے ہیں یعنی
وہ ایک مخصوص زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ کبھی وہ زمانہ طویل بھی ہوتا ہے اور پھر
چھپ جاتے ہیں اور اس کے بعد ہرگز نہیں نکلتے بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا نور
ہم تک برسوں کے بعد حتی کہ سیکڑوں برس کے گذر جانے پر پہنچ سکتا ہے حالانکہ ہمارے
آفتاب کا نور ہم تک آٹھ منٹ اور چند سکنڈ کے عرصے میں پہنچ جاتا ہے باوجودیکہ یہ آفتاب
ہم سے نو کروڑ میل سے کچھ زیادہ ہی دور ہوگا ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی نسبت
آپ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ آباد ہیں اور بعض کی نسبت آپ لوگوں کا یہ خیال نہیں ہے
اُن میں سے بعض شمالی ہیں بعض جنوبی بعض متوسط بعض کو رات سے خصوصیت ہے۔
بعض کو دن سے بعض کا روشن رُخ کبھی وسیع ہو جاتا ہے اور کبھی تنگ اور بعض میں یہ
بات نہیں پائی جاتی بعض دوسروں کے گہن کا باعث ہوتے ہیں اور بعض میں دوسروں کی
وجہ سے گہن لگتا ہے علیٰ ہذا القیاس بعض کی کچھ حالت ہے اور بعض کی کچھ۔ اور وہ سب
خلا میں عالم کشش کے قدرتی قانون کے باعث قائم ہیں جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں
شاید وہ عالم کے قوانین قدرت میں سے جنھیں کہ اُس کے پیدا کرنے والے نے اُس
میں جاری کر رکھا ہے کسی دوسرے قانون کے باعث سے نہایت ہی انضباط اور استحکام

کے ساتھ اپنے محور اور منزلوں میں طرح طرح کی گردشوں اور حرکتوں کے ساتھ چلتا ہے

جن سے کہ اوقات منضبط رہتے ہیں۔ برسوں۔ مہینوں۔ دنوں اور گھنٹوں کا پتہ

لگتا رہتا ہے مختلف فصلیں متغیر ہو جاتی ہیں اور پھر اُن میں وہ ترتیب موجود ہے جس

سے مختلف حیوانات رہ جاتی ہے اور ان سب کا مرجع کسی فاعل ذی قدرت کی طرف

معلوم ہوتا ہے باوجود ان سب باتوں کے ان میں مخلوقات یعنی نباتات۔ حیوانات۔

معدنیات کے منافع بھی موجود ہیں جن کی پرورش اُن کے انوار کی حرارت سے ہوتی ہے

اور بقدر حاجت ہر ایک کی غذا مہیا کی جاتی ہے اسی طرح بیشمار فوائد ہیں کوئی کہاں

تک بیان کرے انسان کی زبان اس کے پورے بیان سے عاجز ہے فکریں کند اور آنکھیں

خیرہ ہیں پس جب یہ سب باعتبار مادہ کے لحاظ سے برابر اور یکساں ٹھہرے اور ان

کا مادہ اس کو مقتضی نہ نکلا کہ ہر ایک کو اسی خاصیت کے ساتھ جو اس میں موجود ہے مخلوق

کردے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز نے ان میں سے ہر ایک کو اس خاصیت

کے ساتھ جو اس میں موجود ہے خاص کر دیا اور جس نے ان کو باوجود اس قدر استحکام

کے ایسے عجیب و غریب انتظام کے ساتھ مرتب کیا جس کہ مخلوقات کی سراسر مصلحت

اور فائدہ ہی فائدہ ہے کیا وہ یہی مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت ہو سکتی ہے جس میں نہ

تو کچھ تمیز ہی پایا جاتا ہے اور نہ کچھ ارادہ اور تدبیر ہی موجود ہے اور یا یہ کہنا مناسب ہے

کہ جس نے ان کو ایسے عجیب و غریب طور پہ پیدا کیا ہے وہ وہی بڑا جاننے والا صاحب

ارادہ ذی قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت والا یعنی خدا ہے۔

علم کائنات جو | اب آیئے ہم کائنات جو[ع] کی جانب نظر کریں تو اس میں کہیں جوی ہوا

ع جو سے زمین کے اوپر کی فضا مراد ہے جس میں کہ بادل وغیرہ بنتے ہیں ۱۲ مترجم

معلوم ہوتی ہے جس میں کہ نباتات کی اس وجہ سے کہ وہ اُسے چوس لیتی ہیں زندگی ہے
اور حیوانات کی زندگی کا انحصار بھی اسی پر ہے کیونکہ وہ بذریعہ سانس لینے اور پھیپھڑے
میں داخل ہونے کے اُن کے خون کو صاف کرتی ہے چونکہ بہ نسبت اور اشیا کے
ہوا کی زیادہ ضرورت تھی اس لیے وہ وافر مقدار میں موجود ہے نہایت آسانی سے بکثرت
حاصل ہو سکتی ہے اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع بالکل مفت ہیں جن کی وجہ سے وہ
بہت جلد کام میں آ سکتی ہے۔ اس پر کیا موقوف ہے عالم میں یہی حکمت جاری ہو رہی
ہے کہ جس شے کی جس قدر زیادہ حاجت ہوتی ہے اتنی ہی کثرت سے وہ موجود ہوتی ہے
اور اتنی ہی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ یہ امر ہوا۔ پانی۔ غذا۔ دواؤں کی جڑی
بوٹیوں۔ نہایت خوبصورت اور بیش قیمت پتھروں وغیرہ کے حالات میں غور کرنے
سے اسی ترتیب سے واضح ہو جائیگا۔ پھر ہوا میں مختلف ہوائیں ہیں اُن کی رفتار اُن کے
منافع۔ اُن کے اختلاف اور ہر ایک کی جدا جدا خاصیتیں پاتے ہیں کوئی اُن میں سے
شرقی ہوا ہے کوئی غربی۔ کوئی شمالی ہے کوئی جنوبی اور کوئی انہیں کے درمیان چلتی ہے
کوئی تر ہے کوئی خشک۔ کوئی گرم۔ کوئی سرد۔ کوئی سخت ہے۔ کوئی نرم۔ کوئی رات کو
چلتی ہے کوئی دن کو کسی کی چال خاص وقتوں کے اعتبار سے باقاعدہ ہے اور کوئی بالکل
بے قاعدہ چلتی ہے۔ کوئی آہستہ چلتی ہے کسی ہوا کی چال کی تیزی فی گھنٹہ سات میل
سے لیکر اکانوے ۹۱ میل تک ہوتی ہے اور کبھی اس کی تیزی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ فی
گھنٹہ ایک سو بیس میل یا اس سے زائد کے حساب سے چلنے لگتی ہے لیکن ایسا
شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بعض اُن میں سے گردباد و بگولے ہوتے ہیں جن سے کہ زمین
کے رہنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے وہ بادلوں کو بارش کے مواقع پر ہنکا لے جاتے

ہیں۔ بارآور مادہ کو اعضائے تذکیر سے اعضائے تانیث میں منتقل کرکے درختوں کے باردار ہونے
کے باعث ہوتے ہیں ارواح کو راحت پہنچاتے ہیں۔ حرارت کو لطیف کرتے ہیں۔ سمندروں
میں اُن سے جہاز چلتے ہیں۔ نباتات کے تخم اُن کے ذریعہ سے سطح زمین پر پراگندہ ہوتے
ہیں اس کے علاوہ اور بہتیرے فائدے دستیاب ہوتے ہیں جن کو کوئی شمار کرنے والا شمار
نہیں کر سکتا۔ اور نہ تحریر میں آسکتے ہیں۔ اس میں ہم بادل اور اُس کی نہایت عجیب اور
حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہوا اس کو اُٹھا سکتی ہے اور جہاں کہ
بارش کی ضرورت ہوتی ہے وہاں مختلف ہوائیں اُس کو لے جاتی ہیں اور پھر رعد و برق
اُن کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں کہ جن دونوں میں حکمت یہ خیال کی جاتی ہے کہ نور اپنی حرارت
اور حرکات موجیہ کی وجہ سے اور رعد اپنی کپکپانے والی حرکات کے باعث سے پانی کو
پگھلا دیتے ہیں باوجود اس کے ان دونوں سے (رعد و برق سے) جنگل کے رہنے والوں
کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں پانی برس رہا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ سردی سے برف
جم جاتی ہے اور زیادہ تر وہ پہاڑوں ہی پر گرتی ہے تاکہ ایک مدت تک وہاں رہ سکے
اور اس کا پانی پگھل پگھل کر ان کے نشیبوں اور خزانوں میں جمع ہوتا رہے تاکہ مخلوقات کے
منافع کے لئے پانی اُن میں مجتمع ملے اور اُن کے جھرنوں سے نکلتا رہے۔ اسی طرح پر دریا
اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں جن کے پانی سے ایام گرما میں زمین اور حیوانات کو سیرابی حاصل
ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سبزہ زار اور باغات پیدا ہوتے ہیں۔ پس اگر بادلوں سے زمین
پر صرف پانی ہی کی بارش ہوا کرتی تو پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے قبل اس کے کہ اُن کے
خزانے چشموں اور دریاؤں کے جاری کرنے کے لئے کافی مقدار پانی جمع کرنے پاتے
سارا پانی سرعت کے ساتھ بہہ جاتا (کیونکہ پانی کو تو گویا اونچے مکان سے دشمنی ہے

کہ تو وہ وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسکے علاوہ اور بہتیری چیزیں کائنات میں شامل ہیں جن
کے بیان میں جدید کی بلدیں تصنیف ہوئی ہیں۔

روشنی کی حقیقت | اس موقع پر مجھ کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں روشنی کو بیان کروں کیونکہ
جب وہ اسی فضا میں پھیلتی ہے تو کائنات جو ہیں ہم اس کا ذکر کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ اس میں نہایت ہی عجیب و غریب قوتیں قدرت نے رکھی ہیں جس کے لئے
ایک جدا علم بن گیا۔ یہ خاصیتیں جیسے کہ اس کا منعکس ہونا اس کا منحل ہو کر سات رنگوں
میں تبدیل ہونا وغیرہ ہیں باوجود اس کے اس میں حیوانات اور نباتات کے بہتیرے
فائدے موجود ہیں ان کو اسی سے نمو ملتی ہے صحت قائم رہتی ہے روشنی سے بہتیرے
زہریلے حشرات الارض مر جاتے ہیں بذریعہ روشنی ہی کے اشیاء نظر آتی ہیں اسی طرح اس
کے بیشمار فوائد ہیں پھر باوجودیکہ وہ روشنی آنکھ کے سامنے خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں
کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لیکن آپ لوگوں پر اس کی حقیقت مخفی ہی رہی کچھ پتہ نہ لگا اس کے
بیان کرنے میں آپ لوگوں نے عجب خبط مچایا ہے چنانچہ آپ لوگوں میں سے سب سے
بڑے مشہور فلاسفر کا یہ قول ہے کہ بہت چھوٹے چھوٹے ذرے ہوتے ہیں جو کہ روشن
جسم سے چاروں طرف پھیلتے ہیں اور آپ ہی لوگوں میں سے اسکے بعد والے فلاسفروں
نے بہت دلیلوں سے اس کے قول کی تردید کر دی اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ روشنی
کی حقیقت ایتھر کے مادہ کے اجزا کی لہر ہے جو کہ عالم میں پھیلا ہوا ہے یعنی ان کے نزدیک
روشنی انھیں اجزا کی حرکت کو کہتے ہیں اور زمانہ حال میں آپ لوگوں نے عام طور پر
اسی تفسیر پر بھروسہ کر لیا ہے اور اسی بنیاد پر بڑے بڑے قصر کھڑے کئے ہیں اور بہتیرے
مسائل کا اسی کو بنیاد قرار دیا ہے کوئی قائل اس موقع پر کہہ سکتا ہے کہ ان ایتھر کے اجزا

کی عجیب حالت ہے بلور کی کئی ہاتھ موٹی چادر کو تو اُن کی حرکت توڑ کر نکل جاتی ہے لیکن جب
اس کے کسی طرف ایک پتلی تہ مثلاً سیاہی کی لگادی جائے تو وہ حرکت اس کو پھاڑ کر پار
نہیں جا سکتی گویا ہمالیہ کا کوہی سلسلہ حائل ہو گیا کیا وجہ ہے کہ اس نازک اور پتلی سی تہ کو توڑ نہ
پھاڑ سکے اور بلور کے اسقدر دلدار اور سخت تختے کو پھاڑ کر نکل جائے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ
اس رنگ نے بالطبع اُس کی حرکت کو باطل کر دیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہاں بیشک خدا کے
پیدا کرنے سے تو یہ ہو سکتا ہے اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا لیکن ہم تو آپ سے
آپ کی تفسیر کے موافق اس کی عقلی وجہ پوچھتے ہیں ہمارے لئے تو اسی کے موافق بیان
کیجئے کہ اس حرکت کو کیونکر اتنے دبیز اور سخت تختے کو توڑ کر نکل جانے کی قوت حاصل ہو
گئی اور وہ اس قدر پتلی اور نازک تہ کو توڑنے سے کیوں عاجز رہی۔ اگر آپ کہیں کہ یہ رنگ
روشنی کو چوستا ہے تو ہم آپ سے دریافت کریں گے کہ رنگ کے روشنی کو چوسنے کے
(کہ جس کی حقیقت ذرات کی حرکت ہے) معنے کیا ہیں ذرا عنایت کر کے واضح عبارت
میں بیان تو کر دیجئے جس کو عقل قبول کر لے۔ علاوہ بریں آپ ہی لوگوں میں سے بعض صناعوں
نے کچھ تیل ایجاد کئے ہیں کہ جب وہ چند منٹ آفتاب کی روشنی میں رکھ دیئے جائیں تو تمام
رات تاریکی میں روشن رہتے ہیں پس جو آپ نے روشنی کی تفسیر بیان کی ہے اُس کے
موافق اگر آپ کہیں کہ یہ حرکت جو تیل سے تاریکی میں اُٹھتی رہتی ہے روشنی کے انعکاس
کے باعث سے ہے تو ہم آپ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ حرکت تیل سے کیونکر برابر
پیدا ہوتی رہی حالانکہ اصلی حرکت جو آفتاب سے اُٹھی تھی اُس سے منقطع ہو گئی اور چند
ساعتوں ہی میں اُس سے جدا ہو چکی اور یہ امر قدرتی قانون انعکاس کے بالکل خلاف
ہے اور اگر میں بیجا کہہ رہا ہوں تو آپ بیان کر دیجئے بعد اس بحث کے بھی ہم یقیناً آپ کی

تفسیر کو غلط نہیں سمجھ سکتے بلکہ ممکن ہے کہ صحیح ہو اور یہ بھی خدا کی مخلوقات اور اُس کے تحت تصرف میں داخل ہو لیکن ہمارا صرف مقصود یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس امر سے آگاہ کر دیں کہ وہ چیز جس کو آپ زیادہ سے زیادہ یقینی مانتے ہیں وہ بھی لاجیکل (منطقی) طور پر قطعی اور یقینی نہیں ہے اب اس تمام گفتگوئے سابق کے بعد ہم آپ سے انصاف پوچھتے ہیں کہ جس نے کائنات جو کی ہر شے کو اُس کی خاصیت کے ساتھ خاص کر دیا اور اُن میں نہایت ہی کامل صنعت اور پورے ایجاد کے ساتھ منافع مستحکم کیے کہ جن سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اُس کو شادابی بخشی ۔ اُن کو اُس کے سکان کے نمو کا باعث قرار دیا آنکھوں کے نزدیک دیکھنے کی چیزوں کے ظہور کا ان کو ذریعہ ٹھہرایا تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ شے اس اجزا کی حرکت یا اتفاقی امر یا ضرورت ۔ یا اس کے علاوہ دو مہمل اور بے معنی الفاظ جنکی تفسیر بالکل بے پتہ ہوتی ہے قرار پا سکتے ہیں یا وہ اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا ۔ پورا واقف ۔ صاحب ارادہ ذی قدرت (خدا) ہے ؟

زمین کے جغرافیہ طبعی کی دلچسپ بحث

اب آیئے ہم اپنی توجہ کو زمین کی طرف مائل کریں اور اس کی جمادی نباتی اور حیوانی کائنات اور ان امور کی جانب جن کو اُس کا جغرافیہ طبعی حاوی ہے نظر کریں ۔

سمندر کے حالات

ہم سمندر کو دیکھتے ہیں جس کی مساحت کی مقدار سطح زمین کے چار حصوں میں سے تین حصوں تک پہونچتی ہے یعنی جس کا رقبہ ایک کروڑ چوالیس لاکھ اکہتر ہزار دو سو میل مربع ہے اور وہی آبی مخلوق کے گروہ کا مسکن ہے اور دریائی جواہر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے ۔ عام ہے کہ وہ غذا کے کام میں آئیں یا دوا کے یا آرائش کے اور وہ سب چیزیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں جو خشکی میں موجود ہیں جیسے پہاڑ ۔ وادی ۔ سخت

نرم زمین۔ ٹیلے۔ ریگستان۔ پہاڑیاں۔ سنگلاخ زمین۔ ترائی۔ باغات۔ رنگ برنگ کے درخت۔ چھوٹے بڑے حیوانات جن میں نمو ہوتا ہے اور اپنے اجناس۔ انواع اور اصناف کے موافق خاص خاص مقامات میں رہتے ہیں۔ اور سمندر میں بڑے عمیق مواضع ہیں کہ جن میں سے سب سے عمیق موقع کا واقعی طور پر پتہ نہ لگ سکا اور تحقیقی طور پر آپ لوگ نہ دریافت کر سکے۔ غایت درجہ جہاں تک آپ لوگوں کی رسائی ہوئی اُس کے موافق دو میل تک گہرائی قیاس کی جاتی ہے پھر اس کا بھی کوئی قرار نہیں اور سمندر کے عجائبات میں سے مدوجزر۔ سطحی اور زیریں اُبال۔ پہاڑوں کی برابر لہریں۔ برف کے پہاڑ جو قطب شمالی کے نزدیک تیرتے رہتے ہیں۔ اور اُس کا کھارا پن جس میں بڑی حکمت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا پانی ضرور متعفن ہو جاتا اور زراعت اور جاندار ہلاک ہو جاتے اور وہ انسان کے لئے ایسا مسخر ہو رہا ہے کہ لوگ اس کی سطح پر سفر کرتے ہیں اُس میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس میں بڑے بڑے راستوں اور مختلف ہواؤں کا انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پہاڑوں کا دلچسپ بیان پھر ہم خشکی پر نظر ڈالتے ہیں اور اُن اشیاء کو دیکھتے ہیں جو کہ اُس میں پائی جاتی ہیں تو سب سے پہلے ہماری نظر پہاڑوں پر جاتی ہے کیونکہ پانی کے وہی مخزن ہیں جس سے کہ نباتات اور حیوانات کو سیرابی ہوتی ہے اُنہیں میں طیور و وحوش کا ایک بہت بڑا حصہ پناہ گزیں ہوتا ہے۔ اُنہیں میں بڑے بڑے مضبوط اور نہایت ہی بلند درخت اُگتے ہیں جو کہ عمارتوں میں لگانے اور جلانے کے کام آتے ہیں وہی آباد سرزمینوں کیلئے گرم اور سرد ہواؤں سے بڑے محافظ ہیں بعض کا منظر نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے۔ طرح طرح کی نباتات اور رنگ برنگ کے گل بوٹوں سے مزین نظر آتے ہیں اُن میں سے بعض ایسے پہاڑ بھی ہوتے ہیں جہاں برگ و بار کا نام و نشان ہی

نہیں وہاں کی مٹی بھی بارش کے باعث سے باقی نہیں رہی صرف بڑے بڑے پتھروں کے چٹان رہ گئے ہیں جن کی شکل بڑی بڑی تصویروں کے ڈھانچوں سے جن کا کہ گوشت علیحدہ کر لیا گیا ہو کچھ ملتی جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پس اس قسم کے پتھر مکانوں اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں بعض آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں جن سے راکھ اور جلی ہوئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں اس کے تمام اطراف تاریکی کے وقت اُن سے روشن ہوجاتے ہیں اسی طرح بعض کسی قسم کے ہوتے ہیں اور بعض کسی قسم کے جو کہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

سبزہ زاروں اور وادیوں کی کیفیت

دوسرے مرتبہ میں زمین کا وہ حصہ ہے جو نشیب میں واقع ہے وہاں ایک سے ایک حسین درخت اُگتے ہیں قسم قسم کے پھول و پھل دستیاب ہوتے ہیں۔ دلوں کو خوشی اور سرور میسر ہوتا ہے باوجود اس کے اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کو دنیا کی بہشت کہا جاسکتا ہے جس میں جہاں دیکھو وہاں گنجان سایہ اور شیریں چشمے دکھلائی پڑتے ہیں۔ باغات پھولوں سے آراستہ ہیں درخت باردار ہو رہے ہیں نہریں بلندی سے پستی کی جانب اترتی چلی آرہی ہیں اُن کے گرداگرد عجب دلکش آوازیں مسموع ہو رہی ہیں کہیں بلبل کی صفیر کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں کہیں سے قمریوں کی کوکو کی صدا آرہی ہے کسی طرف ہرن اپنی بولی بولتے ہیں کہیں جنگلی کبوتر اتار چڑھاؤ کے ساتھ غٹرغوں کرتے سنائی دیتے ہیں غرض ایسی ایسی چیزیں ہیں جن سے دل کو خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور بعضے مقامات تو گویا جہنم ہی ہیں کہ جہاں سوائے ناگوار موت کے اور کچھ بھی نہیں کہیں بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔

جاوا کی وادیٔ موت کا بیان

جیسے کہ وہ مقام جو جاوا کے قریب وادی موت کے نام سے مشہور ہے جس کے اندر کی زمین بالکل صفاچٹ پڑی ہے جہاں کہ کسی نبات یا جاندار کا نشان نہیں اور اُس میں تپش اور گرمی اس قدر ہے کہ بالکل جلائے دیتی ہے اسی وجہ سے اس میں جہاں کوئی پرندہ اُترا یا جاندار گیا یا کسی وحشی جانور نے وہاں ذرا قیام کیا فوراً ہی اس کو خونریز موت نے دبا لیا اور اس کا کام تمام کر دیا چنانچہ اس میں جا بجا بڑے بڑے جانوروں اور کیڑوں کی پُرانی ہڈیاں پڑی ملتی ہیں اور یہ وہاں کے ایک قسم کے زہریلے درخت کا اثر سمجھا جاتا ہے جس کے سوا نباتات کی قسم سے وہاں کچھ نہیں ہوتا لیکن جو بات آپ لوگوں کے نزدیک صحیح سمجھی جاتی ہے اُس کے موافق اس کا سبب یہ ہے کہ وہ آتش فشاں پہاڑ کے بالکل قریب واقع ہے اس وجہ سے وہ اپنے منافذ سے زائد مقدار کی زہریلی ہوا نکالتا ہے جس سے جاندار مر جاتے ہیں اور نباتات خشک ہو جاتی ہیں۔ اب بتلائیے کہ ان مقامات میں سے کس نے بعض کو گویا جنت اور بعض کو جہنم بنا دیا۔ کیا ذرات مادہ کی حرکت ہو سکتی ہے یا وہ صاحب ارادہ اور اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا جس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس شے میں جو خاصیت چاہے پیدا کر دے (یعنی خدا) بیشک وہ انتہا درجہ کا واقف کار اور صاحب حکمت ہے،

کھوہ اور غاروں کا بیان

تیسرا مرتبہ کھوہ اور غاروں کا ہے جس میں کہ حیوانات پناہ گزیں ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ سے پہاڑ اپنے اندر سے بخارات نکالتے ہیں عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ بعض غار گرمیوں میں تو اتنے سرد ہوتے ہیں کہ اُن کے اندر کا پانی جم جاتا ہے اور جاڑوں میں خوب گرم رہتے ہیں پس بہتیرے حیوانات کہ جو جاڑوں کی سردی نہیں برداشت کر سکتے اُس میں پناہ لیتے ہیں۔ خدائے لطیف و

خیبر کی پاکی کا کیا کہنا ہے اور ان میں سے بعض موت کے غار ہیں کہ جہاں ان میں کوئی جاندار گیا اور فوراً مرا کیونکہ اُن غاروں میں آتش فشاں پہاڑوں کی سانسیں نکلتی ہیں کہ جو اب بجھ گئے ہیں اور اُن کی زہریلی ہوا باقی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے جہاں کسی جاندار نے اُن کا تنفس لیا اور وہ مرا پس بعض غار بمنزلہ قلعہ کے محافظ ہیں اور بعض باعث موت ہیں اُس فاعل مختار کی عجب شان ہے جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے ۔

نرم زمین کا بیان | چوتھا مرتبہ زمین نرم کا ہے اُس میں غالب مادہ ایسا ہوتا ہے جس سے نباتات کا قیام ہے جو کہ حیوانات کی غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر اُس کی مٹی مختلف قسم کی ہوتی ہے اُن میں سے ہر قسم ایک خاص قسم کے نباتات کے مناسب ہوتی ہے پس اگر سب کی مٹی ایک ہی طرح کی ہوا کرتی تو نباتات کی بہت سی اقسام کی پیدائش میں نقصان آجاتا اور اُس کی بہتری قسمیں ہم کو دستیاب نہ ہوسکتیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی نہ تو بہت سخت ہی ہے اور نہ بہت نرم متوسط درجہ رکھتی ہے ۔

پس اگر پتھر کی طرح سخت ہوتی تو اُس میں ان چیزوں کی صلاحیت نہ پائی جاتی اور اگر بالکل ہی نرم ہوتی تو حیوانات کے قدم اُس میں دھنس جایا کرتے اور اُس میں وہ چل نہ سکتے اور نہ اُن کے رہنے کے قابل ہوتی ۔ پس بتلائیے کہ پتھروں کو کس نے اسقدر سختی کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ تعمیر کے کام میں آسکیں اور اس کے سوا اور زمین کو نہ بہت سخت ہی بنایا اور نہ بہت نرم ۔ جس سے حیوانات کی غذا کی زراعت کے قابل ہوسکے ۔ کیا اس کا بنانے والا صاحب حکمت ۔ تمام چیزوں کی خبر رکھنے والے ۔ ذی تدبیر اور اعلیٰ درجہ کے علم رکھنے والے (خدا) کے سوا اور بھی کوئی ہوسکتا ہے ؟ ہرگز نہیں ۔

معادن کا بیان | ہم کائنات زمین میں سے معادن کو دیکھتے ہیں کہ اُن کے اندر مختلف

خواص اور جدا جدا انواع واصناف کی اشیاء پیدا ہوتی ہیں جو کہ باوجود مختلف ہونے کے زمین کے باشندوں کے لیے بہت ہی نافع ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں سے کوئی جامد ہے کوئی سیال۔ کوئی سخت ہے کوئی نرم۔ کسی میں چوٹ کھا کر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے کسی میں نہیں۔ کسی میں پگھلنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور کسی میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ کوئی بھاری ہے کوئی ہلکی۔ رنگوں کے اعتبار سے کوئی زرد ہے کوئی سفید۔ کوئی سُرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ اسی طرح بہت سے اقسام پائے جاتے ہیں۔ پھر اُن سے آدمیوں کو بیشمار نفع پہنچتا ہے مختلف قسم کے آلات طیار کیئے جاتے ہیں جو اکل وشرب وغیرہ کی ضرورتوں میں استعمال کیے جاتے ہیں ہتیار بنتے ہیں مکانات کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں غرضیکہ فلاحت (جوتنے) زراعت (بونے) اور ادویہ سب ہی میں مستعمل ہوتے ہیں اور چونکہ لوہا سب سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور زمین میں بالکل ہی پوشیدہ ہوتا ہے یہاں تک کہ لوہے کی معدن کی طرح کوئی معدن اتنی پوشیدہ نہیں ہوتی جیسا کہ کتب معادن میں موجود ہے اس لئے قرآن شریف میں لوہے کا بالتخصیص ذکر کرکے خدا نے اُس کے پیدا کرنے کا اور نیز اس امر کا احسان جتایا ہے کہ باوجود اس قدر مخفی ہونے کے اس کے دریافت کرنے کے طریقے مقرر کئے اور اُن کی ہدایت کی چنانچہ خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (کہ ہم نے[عہ] لوہے کو اتارا ہے۔ اُس میں بڑی قوت اور لوگوں کے منافع موجود ہیں) اس کے سوا خدا نے کسی اور معدن کی نسبت ایسا ذکر نہیں کیا) لوہے کے ہم عجیب وغریب خواص دیکھتے ہیں جن کی یقینی وجہ اور علت بیان کرنے سے ہماری عقلیں بالکل عاجز ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ جہاں تک ہم اپنی بحث کر اُس کی نسبت گفتگو کرنے میں

عہ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الآیۃ ۱۲

پہنچا سکے وہ اسقدر ہے کہ ہم یہ کہہ کر چپ ہو رہیں کہ اُس کی خاصیت ہی یہی ہے اور کوئی وجہ نہیں بتا سکتے اور اگر آپ کہیں کہ ہم لوگ تو اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ہم کو تو بلاشبہ اُس کی یقینی علت پیدائش حاصل ہے تو ہم آپ سے کہتے ہیں کہ اچھا مقناطیس کو لیجئے جو معدنیات میں عجب چیز ہے اُس میں لوہے۔ فولاد اور مقناطیس کے کشش کرنے کی قوت ہوتی ہے آپ لوگ اس کشش کی وجہ اُس کے ذرات لطیفہ کی حرکت اور اُن کی اوضاع کی خاص ترتیب کو بتاتے ہیں۔

مقناطیس کے خواص | اب میں کہتا ہوں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اگرچہ ممکن ہے کہ یہی واقعی وجہ ہو لیکن آپ نے یہ وجہ بالکل بے بتہ بیان کی جس سے عقل کو تسکین نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ ہمارے آیندہ کے سوالات اُس پر وارد ہوں۔

اوّل سوال یہ ہے کہ ذرات کی حرکت اور اُن کی وضع کا صرف یہی نتیجہ کیوں ہو کہ وہ اشیاء مذکورہ ہی کو کشش کرے اس کی وجہ سے اُس میں بقیہ معادن مثل سونے تانبے وغیرہ کے کشش کرنے کی قوت کیوں نہ پیدا ہوگئی اس کی کوئی صحیح وجہ صاف طور پر بیان تو کیجئے۔

دوسرا یہ کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مقناطیس جب کسی لوہے کی سلاخ سے ملتا ہے اور اُس کو کشش کرتا ہے تو وہ اُس میں بھی بغیر اس کے کہ مقناطیس کی قوت میں کچھ کمی ہو کشش کی خاصیت پیدا کر دیتا ہے اس وجہ سے جب تک مقناطیس اُس سلاخ سے متصل رہتا ہے مقناطیس ہی کی طرح وہ بھی کشش کرتی ہے اور جہاں اُس سے الگ ہوا اور لوہے کی یہ خاصیت گئی اس حالت کو آپ عارضی مقناطیس بننا کہتے ہیں لیکن جب کسی فولادی سلاخ سے مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اُس سلاخ میں کشش کرنے کی

ایسی خاصیت آجاتی ہے کہ مقناطیس اس سے الگ بھی کرلیا جائے جب بھی وہ خاصیت باقی رہتی ہے اسی طرح جب فولادی سلاخ مقناطیس سے رگڑ دی جائے تو اس میں اس کشش کی استمراری خاصیت آجاتی ہے اور اس کو مصنوعی مقناطیس بنانا کہتے ہیں اب آپ صاف طور پر ذرا بیان تو کیجئے کہ لوہے اور فولاد کی سلاخ میں محض مقناطیس کے لگنے سے یہ خاصیت کیسے پیدا ہوجاتی ہے؟ کیا ان دونوں کے ذرات کی وضع بدل گئی جاہے وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں۔ اور جب ایسی ہی بات ہے تو کیا لوہے کی سلاخ میں وہ ذرات اپنی اصلی وضع پر لحظہ ہی بھر میں لوٹ آتے اور فولادی سلاخ میں اُسی طرح رہ گئے یا اس کے علاوہ اور کوئی بات ہے۔ ذرا واضح طور پر لوہے اور فولاد میں یہ فرق ہمیں سمجھا تو دیجئے بلکہ سخت اور نرم لوہے میں بھی تو کوئی چنداں فرق نہیں حالانکہ سخت لوہے کی بھی فولاد ہی کی سی حالت ہے کہ ذرا میں اُس میں یہ خاصیت آجاتی ہے اور مقناطیس کے جُدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

تیسرا[۳] سوال یہ ہے کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ مقناطیسی قطعہ کے دونوں سروں پر کشش کی قوت پائی جاتی ہے اور جوں جوں اُسکے وسط کے قریب ہوتے جایئے یہ قوت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ٹھیک وسط میں یہ قوت ذرا بھی نہیں معلوم ہوتی اور جب اس قطعہ کے ٹھیک بیچوں بیچ سے دو حصے کر دیے جائیں تو اُس سرے میں بھی جہاں سے کہ اُس قطعہ کے ٹکڑے کئے گئے ہیں بہت سی قوت آجاتی ہے جیسے کہ اصلی سرے میں۔ پس وضاحت کے ساتھ اس کی وجہ بیان کیجئے کہ وہ قوت وسط میں ضعیف اور سروں پر اس قدر قوی کیوں تھی اور پھر قطع کرنے کے بعد اُس سرے میں جو وسط میں تھا کیونکر یہ قوت قوی ہوگئی۔ کیا محض قطع کرنے سے اُس کے ذرات کی وضع

بدل گئی حالانکہ اُن کی وضع قوی سے قوی خارجی فاعل سے بھی نہیں بدلی جاسکتی یا کوئی دوسری وجہ ہوئی۔ علاوہ بریں جب لوہے یا فولاد کی سلاخ کے سرے پر مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اُس سلاخ میں مقناطیسی قوت آجاتی ہے پس اس سلاخ کے دوسرے سر پر پوری قوت کا ہونا ایک لازمی بات ہے اور اُس کے وسط میں وہ قوت قریب قریب معدوم ہونے کے ہوتی ہے اب اس وقع پر آپ کیا کہہ سکتے ہیں کیا یہ حرکت اور ذرات کی وضع کا تغیر دونوں بلا وسط میں گذرنے کے دوسرے سرے پر جا پہنچے یا وسط میں گذرتے وقت کمزور ہوگئے تھے اور اُس سے متجاوز ہونے کے بعد پھر قوی ہوگئے اگر ایسا ہے تو پھر بتاؤ یہ کہ اس قوت کے کمزور ہوجانے کے بعد کس چیز نے اُسے پھر قوی کر دیا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ بھی قائل ہیں کہ زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس کی قوت جاذبہ زائل ہوجاتی ہے اور اُس کے گذر جانے کے بعد پھر اس میں یہ قوت آجاتی ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کی آمد کچھ پیشتر ہی سے دریافت ہوجاتی ہے پس اُس سے محفوظ رہنے کا سامان کر لیا جاتا ہے پس اب ذرا زلزلہ کے وقت ذرات کی وضع کے متغیر ہوجانے اور حرکت میں تبدیلی واقع ہونے کا سبب تو بتلایئے اور یہ کہ یہ امر کس طور پر واقع ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ میرے خیال میں تو آپ لوگ ان سوالوں کے شافی جواب دینے پر ہرگز قادر نہیں ہیں بلکہ غایت سے غایت جہاں تک آپ کی نظر پہنچ سکتی ہے آپ یہی کہیں گے کہ مقناطیس کی خاصیت ہی یہی ہے اُس میں آثار ہی ایسے پائے جاتے ہیں۔ اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بھی جب ان چیزوں کو مشاہدہ کر چکے اور اُن کے نزدیک

مدلل ہوگیا تو یہی کہتے ہیں کہ بیشک مقناطیس کی یہی خاصیت ہے اور اُس میں ایسے ہی
آثار پائے جاتے ہیں لیکن وہ آپ سے پوچھیں گے کہ اُس کو ان خاصیتوں کے ساتھ
کس نے مخصوص کر دیا؟ کیا ذرات کی حرکت اس وجہ سے کہ اُس سے اُن کی وضع میں
ایک خاص ترتیب آجاتی ہے۔ اتنے بڑے بڑے کام کرتی ہے؟ جن کی صحیح وجہ جس
کو کہ عقل بھی مان لے بیان کرنے سے آپ لوگوں کی عقلیں بالکل عاجز ہیں۔ یا وہ جس نے
کہ اُس کو ان خاصیتوں کے ساتھ مخصوص کیا اور یہ آثار اُس میں مستحکم کر دیئے۔ ذی قدرت
اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا صاحب ارادہ اور حکمت والا خدا ہے؟ اب بتایئے ان دونوں
باتوں میں کون سی بات ماننے کے قابل ہے (ذرا تو انصاف کیجئے) حق تو یہ ہے کہ مقناطیس
نہایت ہی عجیب شے ہے اور اُس کے فائدے بھی بہت خوب اور کامل درجہ کے ہیں،
کیونکہ مقناطیسی سوئیکے ذریعہ سے بڑے بڑے صحرا اور سمندروں کو طے کیا جاتا ہے۔
سفر کرنے والے خطروں سے محفوظ رہتے ہیں اس لیئے کہ یہ سوئی نہایت ہی امانت دار
راہبر کا کام دیتی ہے اور صاف صاف راہ بتاتی ہے وہ ذات عجب پاک و ذی شان
ہے جس نے انسان کو جمادات میں سے ادنی معدن کے ٹکڑے سے راہیں دریافت
کرنے کی رہنمائی کی۔

علم نباتات کی کسی قدر تفصیلی بحث

منجملہ کائنات ارض کے ہم نباتات کو دیکھتے ہیں اس نباتی دنیا کے حالات
جس میں کہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امور بکثرت موجود ہیں اور اس وجہ
سے کہ اُس میں مستحکم انتظامات۔ اسرار اور حکمتیں رکھی گئی ہیں نہایت ہی عجیب و غریب ہیں
اور اُس کے عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ زمین پانی اور ہوا کے اجزاء کو اپنے ہی طرح
کر لیتی ہے اور اُنہیں اپنے طور پر بنا لیتی ہے۔ چنانچہ کہاں تو ان اشیاء میں نمو اور حیات

کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا پھر دفعتہً ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں یہ اشیاء نباتی ترکیب میں داخل ہوئیں اور انہوں نے جسم نباتی کی صورت قبول کر لی تو بڑھنے لگا غذا حاصل کرنے لگیں نباتی حیات کے ساتھ موصوف ہو گئیں وہ وہ خواص انہوں نے حاصل کر لئے جو ان میں اس سے پہلے نہ تھے پھر ہم اس نباتی جسم کو دیکھتے ہیں تو ایک جہت سے تو ہم اُسے بلا ارادہ اور مفقود الادراک پاتے ہیں اور وہ جمادات سے بہت ہی مشابہ معلوم ہوتی ہے اور جب دوسری حیثیت سے ہم نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ غذا حاصل کرنے کے لئے اس کی جڑیں زمین کے اندر گھس گئی ہیں پس وہ حیوان کی طرح اپنی غذا طلب کرنے کے لئے اگرچہ قدموں پر نہیں چلتی لیکن وہ زمین کے اندر وہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں کہ حیوان نہیں پہنچا کرتا اور ہم اس کی شاخوں کو دیکھتے ہیں کہ بلند ہو جاتی ہیں یا وہ اپنے خار اور بیلوں کے ساتھ آفتاب کی روشنی سے نفع حاصل کرنے کے لئے مرتفع مقامات پر قیام کرتی ہے جیسے کہ حیوانات پھلوں کی تلاش میں درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

شکاری نبات کا ذکر کہاں تو ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ نبات سوا اجزاء ارضی۔ پانی اور ہوا کے اور کسی شے سے غذا حاصل نہیں کرتی اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نباتات مفترس یعنی دوسروں کو چیر ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اور ایسی وہ نباتات ہیں جو دوسری نباتات میں اُگتی ہیں اور اُن کے عرق سے غذا حاصل کرتی ہیں جیسے کہ بعض حیوانات بعض پر بسر کرتے ہیں اور انہیں میں اُس نبات کا بھی شمار ہے جس کے پتوں پر ایک قسم کا عرق ہوتا ہے جس پر مکھیاں نہایت حرص کے ساتھ گرتی ہیں اور جہاں اُس کے کسی پتہ پر کوئی مکھی گری اور فوراً ہی اُس نے محسوس کیا اور اُس کے ساتھ ہی اُس کو

،کہ وہ بند ہوگیا پھر جب تک وہ اُس کا عرق بالکل چوس نہیں لیتا اس کو نہیں چھوڑتا اور
،اُس وقت چھوڑتا ہے کہ جب وہ مردہ ہو کر مثل چھلکے کے رہ جاتی ہے۔ پس یہ
بات اپنی غذا حیوان سے حاصل کرتی ہے گویا اُس نے تو نباتی دنیا کا حیوانی دنیا سے
مقام لے لیا کیونکہ حیوان نبات کو کھاتے ہیں۔

ہوائی نبات کا ذکر

اور گو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات کے لئے اُس کی جڑوں کا زمین یا
دوسرے درخت سے متعلق ہونا جس میں کہ وہ چیر کر گھس جائے ضروریات سے ہے لیکن
نہیں بعض نبات ہوائی بھی ہوتی ہیں اور یہ وہ بیلیں ہیں کہ جو دوسری چیزوں پر معلق رہتی
ہیں زمین میں اُن کی جڑ نہیں ہوتی وہ اپنی غذا ہوا ہی سے حاصل کرتی ہیں اور تعجب کی
بات یہ ہے کہ اُن کے پھول مکھی کی قسموں میں سے پروانہ۔ شہد کی مکھی وغیرہ کے
مشابہ ہوتے ہیں اور جب ہوا اُن کو حرکت دیتی ہے تو دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے
کہ درخت پر پروانے چکر لگا رہے ہیں یا شہد کی مکھیاں ہیں کہ جو پھولوں سے شہد جمع
کرتی ہیں۔ دوا فروش کر رہی ہیں اور بعض کی کلیاں بھونرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔

انسانی شکل رکھنے والی نبات

اور بعض ایسی بھی ہیں کہ جن کی شکل بالکل انسان کی سی ہوتی ہے اور
جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اگرچہ نباتات ہوائی
میں سے نہ تھی بلکہ اُس کا شمار اُن نباتات میں تھا جو کہ پیاز کی طرح زمین میں اُگا
کرتی ہیں۔ لیکن وہ ایسی نبات تھی جس کے اُوپر ایک پھول لگا ہوا تھا جو کہ زرد چڑیا
کی صورت پر تھا اُس کے سر۔ آنکھیں۔ چونچ گردن بھی تھی اُس کے بازو کسی قدر
پھیلے ہوئے تھے اور قدمیں اوپر کو اٹھی ہوئی جیسے کہ مرغ کھڑا ہوا کرتا ہے اور اُس
کے پیٹ کے نیچے ایک سنجابی رنگ کی شہد کی مکھی کی صورت تھی جو کہ اپنے مُنہ کو اُس کے

پیٹ پر اس طرح رکھے ہوئے تھی گویا کہ اس میں سے کچھ چوس رہی ہے اس کے بھی مہ دونوں آنکھیں موجود تھیں۔ پیٹھ پر نقش ونگار بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور اس چڑیا کی رانوں کی جڑ سے اس کے بازو جھک کر نکلے تھے پس گویا کہ وہی اس مکھی کے بازو ہو سکتے تھے اور رہی اس چڑیا کی رانیں اور یہ سب اعضاء اس میں بالکل صاف صاف نظر آتے تھے یہ بات نہ تھی کہ ان اعضاء کے ساتھ دیکھنے میں مشابہت ہی مشابہہ معلوم ہوتی ہو۔ یہ ایسا تماشا تھا کہ وہاں سے نظر ہٹتی نہ تھی اور اس کے پیدا کرنے والے کی وحدانیت۔ اس کی قدرت اور اس کے استحکام کی کھلی کھلی شہادت دے رہا تھا۔ یہ پھول بیروت کے جنگلوں میں سے اس مقام پر پایا جاتا ہے جس کو کہ ظہور اشرفیہ کہتے ہیں اور اس اطراف کے بعض لوگ اسے چڑیا کا پھول اور بعض شہد کی مکھی کا پھول بھی کہتے ہیں میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو دیکھا ہے کہ حیوانات کی صورت پر اس قسم کے پھولوں کے بننے کی عجب واہی تباہی وجہیں بتاتے ہیں۔ میں ان سے اسی پھول کے بننے کی ایسی وجہ پوچھتا ہوں جس کو عقل مان لے۔ میں تو خیال نہیں کرسکتا کہ آپ لوگ اس پر قادر ہوں گے اور نہ میرے خیال میں سوائے اس طرح کے اور کسی طور پر عقل کی تسکین ہوسکتی ہے کہ اس کے بننے کو ذی قدرت۔ صاحب ارادہ۔ اعلیٰ درجہ کے علم اور حکمت رکھنے والے (خدا) کے فعل کے حوالہ کیا جائے نہ یہ کہ ذرات مادہ کی حرکت۔ قانون نباتات یا اسی کے مثل اور بے پتہ ٹھوس اور اندھا دھند باتوں کو اس کا مدار قرار دیا جائے۔

حساس اور متحرک نباتات | پھر خیال کیجئے کہ کہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نبات کو کیسی ہی سختی سے کیوں نہ چھوا جائے لیکن اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اسی بنا

ہم حکم لگاتے ہیں کہ نبات اور حیوان میں جہاں اور فرق ہیں یہ بھی ہے کہ حیوان میں
احساس کرنے کی قوت پائی جاتی ہے اور نباتات میں نہیں لیکن یکایک ہم بعض
بات کو ذی حس بھی پاتے ہیں چنانچہ منجملہ اُن کے چھوئی موئی کا درخت ہے کہ جب
سے چھوا جاوے یا حرکت دی جائے تو اس کے چھوٹے چھوٹے پتے باہم مل جاتے
ہیں اور باقی پتے کچھ کر رہ جاتے ہیں اور کوئی کوئی نبات حیوان کا شکار کرتی ہے
چنانچہ ہم اُس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب اس پہ مکھی گرتی ہے تو اُسے محسوس
کر کے پکڑ لیتی ہے اور اُس کو بالکل چوس جاتی ہے کہاں تو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات
جب تک کہ اُسے کوئی خارجی فاعل مثل ہوا یا حیوان کے حرکت نہ دے تو وہ حرکت
نہیں کرتی لیکن ہم دیکھتے کیا ہیں کہ بعض نبات بلا کسی ظاہری قاسر کے خود بخود بھی
حرکت کرتی ہے پس یہ نبات خود بخود ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ اُن سے ہوا میں ہندسہ
کی مخروطی شکلیں بن جاتی ہیں۔ اُس کا پتا تین چھوٹی چھوٹی پتیوں سے مل کر بنا ہوتا ہے
جن میں سب سے بڑی پتی بیچوں بیچ میں اوپر کو ہوتی ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی پتیاں
اُس کے نیچے دونوں طرف واقع ہوتی ہیں اور وہ دونوں پتیاں جب تک رہتی ہیں اس
وقت تک رات و دن۔ گرمی میں۔ جاڑے میں۔ دھوپ میں سایہ میں۔ خواہ آسمان
صاف ہو یا بارش ہوتی ہو ہر حال میں برابر متحرک رہتی ہیں اُن کی حرکت کبھی رُکتی ہی نہیں
لگاتار حرکت مستدیرہ کے ساتھ اُن میں سے ایک اوپر کو اُٹھتی ہے اور دوسری نیچے کو
جھکتی ہے۔ ان کے خلاف اوپر کی درمیانی پتی سوائے صبح و شام کے اور کسی وقت
نہیں حرکت کرتی ۔

نباتی گھڑی | اور آپ ہی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے ہندیں دریافت

گنگ کے کنارہ پر ایک گھاس دیکھی ہے جس کی پتیاں اکثر ہر منٹ میں ساٹھ حرکتیں کرتی ہیں پس وہ تو ایک زندہ اور بڑھنے والی گھڑی ہے جو بند ہی نہیں ہوتی اور اپنے دیکھنے والے کو اپنے لئے کسی قسم کے حرکت کرنے کی تحریک دیتی ہے جن کے مشرک اس گھاس کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی طرف خداوندی قوت کی نسبت بتلاتے ہیں حالانکہ وہ تو اپنے پیدا کرنے والے کی ربوبیت کے ساتھ منفرد ہونے پر شاہد ہے ۔

سورج مکھی کا پھول: بعض نباتات کی یہ حالت ہے کہ اس کا پھول آفتاب کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا اور پھرتا جاتا ہے جس کو ہند میں سورج مکھی کہتے ہیں ، وہ ہماری طرف کے شہروں میں بکثرت پایا جاتا ہے لوگ اس کو ولک اور عابد شمس کہا کرتے ہیں کیونکہ اس کا مستدیر پھول جس میں کہ عجیب و غریب رنگوں کے دائرے پائے جاتے ہیں جو کہ نہایت مضبوطی کے ساتھ بنے ہوتے ہیں وہ چاروں طرف سے ریشوں سے گھرا ہوتا ہے جو کہ مثل ریشمی ڈوروں کے معلوم ہوتے ہیں اس کے بعض اقسام میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کے بیچ میں گھڑی کے کانٹے کے مثل ایک شے ہوتی ہے جس وقت آفتاب نکلتا ہے اس وقت یہ پھول بالکل اس کے آمنے سامنے ہوتا ہے اور جوں جوں آفتاب اپنے مدار پر بلند ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی اسی طرف منہ کئے ہوئے اٹھتا جاتا ہے حتیٰ کہ دوپہر کے وقت یہ پھول مسطح نظر آتا ہے اور پھر آفتاب جتنا کہ غروب کیلئے جھکتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی جھکتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہونے کے وقت اس سے مفارقت ہو جاتی ہے ۔ ایسی نادر اشیاء کے بنانے والے اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والے کی عجب شان ہے اس کی پاکی کا کیا کہنا ہے ۔

پھر نباتات کے اقسام میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس سے تو عقول حیرت میں رہ جاتی ہیں اور وہ اختلاف صاف صاف اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا کوئی فاعل مختار ہے کوئی قدرتی قانون اُس پر حکم نہیں چلا سکتا اور نہ اُس کی قدرت کی کچھ حد معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ محدود ہونے سے اُس کا مضطر اور بے اختیار ہونا ظاہر ہوتا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ بعض درختوں کو ہم اس قدر بڑا اور بلند دیکھتے ہیں جس کی کوئی حد ہی نہیں جیسے کہ کوہ لبنان اور امریکا کی بڑی ترائی میں ایک قسم کا درخت دیکھنے میں آیا ہے اُس درخت کی لمبائی تین سو سے چار سو قدم تک ہوتی ہے اور بعض بعض کا قطر تو زمین کے قریب تیرہ قدم تک پایا گیا ہے اور پوست کی موٹائی اٹھارہ قیراط تک کی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض بعض درخت تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر اُس کا تنہ اندر سے خالی کرکے ڈال دیا جائے تو اُس میں سے سوار اپنے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اس طرح پر نکل سکتا ہے کہ اُس کا بدن اُس سے چھونے بھی نہ پائے۔ اور اسکاٹلینڈ میں ایک درخت ہے جس کا محیط نوے قدم کا ہے اور اسی نوع کے چھوٹے سے چھوٹے درخت سے مقابلہ کرکے اُس کی عمر کا حساب لگایا گیا ہے اس حساب سے اُس کی عمر پانچ ہزار برس کی معلوم ہوتی ہے اور کالیفورنیا میں ایک صنوبر کا درخت ہے جس کا طول تین سو قدم کا اور محیط اُنیس قدم کا ہے عمر چھ ہزار برس کی ہے اور ان سب سے عجیب و غریب ایک عندم کا درخت ہے جو کہ بحر اوقیانوس (اٹلانٹک اوشن) کے جزائر کناریا میں سے ایک میں موجود ہے اُس کا تنہ اتنا موٹا ہے کہ اگر دس آدمی ہاتھ پھیلا کر اس طرح کھڑے ہوں کہ ایک کی انگلیوں کے سروں سے دوسرے کی انگلیوں کے سرے ملے رہیں

جب بھی اس کو گھیر نہیں سکتے۔ قریب چار سو برس کے زمانہ گذرا ہوگا جب سے کہ یہ جزیرہ دریافت ہوا ہے آج تک اس درخت میں بظاہر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اس قسم کے درخت کا نمو بہت ہی آہستہ آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ اس نوع کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے اس لئے جانے کتنی صدیاں اُس پر گذر چکی ہوں گی اور بعض لوگ تو اُن میں سے بعض یہاں تک کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تو انسان کی پیدائش سے بہتیری صدیوں کے پہلے سے وہ درخت بڑھ رہا ہے۔

اُن نباتات کا بیان جو بذریعہ خوردبین کے دریافت ہوئیں

نباتات میں سے ہم ایک نہایت ہی چھوٹا عالم بھی دیکھتے ہیں جس کا پتہ بذریعہ خوردبین (مائکرسکوب) کے لگتا ہے جیسے کہ کائی جو پانی کی سطح پر تیرتی ہے یا دیواروں وغیرہ پہ جم جاتی ہے بذریعہ خوردبین کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ وہ باغ یا مرغزار یا ایک گنجان جنگل ہے جس پر کہ باوجود اس قدر چھوٹے اور دبلے ہوئے ہونے کے پھول اور تخم سب ہی کچھ موجود ہوتا ہے۔ مجلد اور غبارات کے ہوا میں وہ بھی منتشر ہوتے ہیں۔ دیواروں وغیرہ پر گر پڑتے ہیں پس جب اُس کے موافق زمانہ آتا ہے وہ جم کر بڑھنے لگتے ہیں پھر پھول اور تخم پیدا ہوتے ہیں اگرچہ خالی آنکھوں کو تو محض ایک سبز غبار سا نظر آتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ہم نباتات میں ایسی صفات دیکھتے ہیں جن کے اعتبار سے وہ باہم ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہیں اُن کی اور اُن کے پتوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں پھول پھل تخم۔ بو اور ذائقہ کے اعتبار سے اُن میں نہایت تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان کے منافع اور مضرتیں بیشمار ہیں بہرحال یہ امور جن کے لحاظ سے اُن میں باہم فرق کیا جاتا ہے بے حد قسم کے ہوتے ہیں۔ پھر بعض نباتات کے تنہ دار درخت ہوتے ہیں بعض

کی بیلیں پھیلتی ہیں بعض گھاس کی طرح اُگا کرتے ہیں۔ فصل کے لحاظ سے کوئی گرمی میں ہوتی ہے کوئی جاڑے میں۔ کوئی ربیع میں کوئی خریف میں۔ بعض نباتات نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض پہاڑوں ہی پر۔ کسی کے لئے فقط بارش کا پانی کافی ہوجاتا ہے۔ کسی کو نہر پانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کو کسی ایک ولایت کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے کوئی تمام ولایتوں میں رہ سکتی ہے۔ پتوں کو دیکھئے تو کسی کے گول کسی کے لمبے۔ کسی کے نکیلے کسی کے چوڑے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ اُن کا رنگ سبز ہوتا ہے لیکن سبزی میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک نوع کی سبزی دوسری نوع کی سبزی کے بالکل مشابہ دیکھی ہی نہیں گئی۔

پھولوں کو لیجئے تو ان میں بھی بڑا اختلاف ہے اُن کے رنگ اور شکلوں کے بیان میں بڑا طول ہوسکتا ہے۔ چنانچہ کوئی پھول گول ہوتا ہے کوئی لمبا۔ کوئی اکہرا۔ کوئی دُہرا۔ اسی طرح بیشمار شکلیں ہوتی ہیں۔ رنگوں کو دیکھئے تو سفید۔ سرخ۔ زرد۔ نیلگوں سبز اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش نظر آتے ہیں پھر کسی میں دو ہی رنگ ہیں۔ کسی میں بہت متخالف رنگ جمع ملتے ہیں ہر ایک کی خوشبو میں تو خاصیت ہی جدا ہوتی ہے کوئی خوشبو نہایت پاکیزہ اور دل خوش کن ہوتی ہے کوئی نہایت ہی ناگوار کہ جان ہی لے لیتی ہے۔ خوشبو کے اختلاف کی نسبت اس قدر آگاہ کردینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوع کے پھول کی خوشبو کو دوسرے نوع کی خوشبو کے ساتھ پورے طور سے ہم ملتے ہوئے پاتے ہی نہیں اور پھلوں میں شکل۔ رنگ۔ بو۔ ذائقہ اور مقدار کے لحاظ سے تو اتنا اختلاف ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چنانچہ بڑے چھوٹے۔ چوڑے۔ لمبے۔ گول۔ کڑوی۔ تیکھے ہوئے نوکدار وغیرہ اقسام کے پائے جاتے ہیں

پھر اُن کا رنگ بھی سُرخ، زرد، سفید، سیاہ، بینگنی، بنفشئی وغیرہ دیکھا جاتا ہے۔
بعض پھلوں میں ایسی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے کہ وہ نہ تو اُن کے پھولوں میں پائی جاتی ہے
نہ پتوں میں۔ اور اُن کے مزوں پر دوسرے قسم کی اشیا کے قریب قریب خوشبو ہوتی ہے
ذائقہ کو لیجئے تو شیریں، ترش، چاشنی دار، تلخ۔ اسی طرح سے اتنے ذائقے ہوتے ہیں کہ شمار
میں نہیں آسکتے۔ پھلوں میں ایک نہایت عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ اُن کے چھلکوں
میں جو مزہ، رنگ اور بو پائی جاتی ہے وہ اُن کے گودے میں نہیں ہوتی اور اُن میں
سے جو ہم گودہ میں دیکھتے ہیں اُس کا پتہ تخم میں نہیں ملتا اور جو تخم میں پایا جاتا ہے
وہ درخت کے کامل اجزا میں نہیں پایا جاتا۔ بعض پھلوں کے اندر مختلف شکلوں کے
بیج طرح طرح کی خوشبوئیں مزے اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ بعضے بیج سے بالکل خالی
ہوتے ہیں پھر کسی پر ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے کسی پر زیادہ اور کسی پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔
کوئی پھل ہوتا تو چھوٹا ہے لیکن اُس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے جیسے کہ انجیر یا برگد۔ بعض
پھل بڑے ہوتے ہیں اور پیدا بیلوں سے ہوتے ہیں جیسے کہ خربزہ۔ بعض مہینہ بھر میں
بار آور ہوتے ہیں بعض اس سے بھی کم مدت میں بعض کا پھل برسوں کے بعد ہاتھ آتا ہے
بعض کے ریشوں۔ جڑوں۔ پتوں۔ پھول۔ پھل۔ تخم۔ پوست یا عرق سے فائدہ حاصل
کیا جاتا ہے۔ بعض کی فقط دو ہی چیزیں کام میں آتی ہیں بعض کی زیادہ بعض کی کل چیزیں
بعض کی جڑ مفید ہے اور پھل یا پتے یا پھول ضرر رساں۔ بعض کی اس کے خلاف
حالت ہے پس ایک ہی نبات میں مرض اور دوا دونوں ہی مجتمع پائے جاتے ہیں مختصر
یہ کہ ہم ایک ہی درخت کو دیکھتے ہیں کہ اُس کے ریشہ۔ تنہ۔ پوست۔ پتے۔ پھول۔ پھل
اور تخم میں جُدا جُدا خاصیتیں موجود ہوتی ہیں پس ایسا آپ ہرگز نہیں پا سکتے کہ اُن میں

سے ایک خاصیت دوسری خاصیت پر پوری پوری منطبق ہو جائے - پھر باوجود اس قدر اختلافات کے تعجب یہ ہے کہ تمام اقسام کی نباتات ایک ہی پانی سے سینچی جاتی ہیں ایک ہی مٹی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور ایک ہی ہوا جذب کرتی ہیں جو اُن کیلئے ضروریات سے ہے اُن کے اعضاء دو قسم کے ہوتے ہیں بعض کا شمار تو اعضاء نمو میں ہے جیسے کہ جڑ۔ تنہ - پتے اور بعض کا شمار اُن اعضاء میں کیا جاتا ہے جن سے نسل چلتی ہے جیسے کہ پھول پھل - بیج - پھر انھیں تھوڑے سے اعضاء بسیطہ سے ہزاروں ہی قسم کے نباتات مرکب ہوتے ہیں جن کا شمار اُس حساب سے جہاں تک کہ علم نباتات کے جاننے والوں کی رسائی ہوئی ہے اسی ہزار اقسام سے کچھ زیادہ ہی ہے - انھیں کی بدولت ہمارے پہاڑ ٹیلے - ترائیاں - باغات سبز نظر آتے ہیں - اپنے پھولوں سے یہ انہیں زینت بخشتی ہیں ہمارے خزانوں کو اپنے میوے اور دانوں سے پُر کر دیتی ہیں - ہمارے جسموں کے لئے پوشش مہیا کرتی ہیں - ہمارے گھروں اور کشتیوں کی تعمیر میں صرف ہوتی ہیں - ہمارے مرضوں کے علاج کے کام میں آتی ہیں - ہماری آگ کو مشتعل کرتی ہیں - ہمارے مال و متاع کی حفاظت کرتی ہیں - کہاں تک کوئی بیان کرے ان کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ قلم اُن کے تحریر کرنے میں روانگی سے عاجز آکر چلتے چلتے کاغذ پر سر رکھ دیتا ہے اور زبان کی گویائی مفقود ہوئی جاتی ہے -

نباتی دنیا سے خدا کی صفات کمالیہ پر استدلال

کیا ان تمام صورتوں اتنی نوع بنوع کی چیزوں اور پھر ان پر اس قدر منافع کے مرتب ہونے اور اتنے اسرار ظاہر ہونے کی وجہ باوجودیکہ اُن کا اصل مادہ بھی ایک تمام اسباب جو ہر یہ بھی متفق ہیں محض ذرات مادہ کا حرکت ذاتی سکتی ہے اور وہ بھی اندھا دھند ضرورت کے ساتھ یا مجرد اتفاق

جو کہ بالکل بے معنی ہے اس کی وجہ ٹھہر سکتا ہے یا وہ قوانین قدرت جو کہ نہ تو کچھ جانتے ہی ہیں اور نہ کچھ ارادہ ہی کر سکتے ہیں۔ اس کا باعث سمجھے جا سکتے ہیں؟ یا یہ بات ہے کہ یہ سب اشیاء کسی ذی قدرت اور عجیب طور پر پیدا کرنے والے۔ غالب۔ صاحب حکمت۔ اتنے بڑے جاننے والے کے پیدا کرنے سے جس کو کہ جتنی چیزیں ہو چکی ہیں یا ہونے والی ہیں سب کی خبر ہے موجود ہوئی ہیں؟ بیشک یہ سارے عجائبات غرائب پکار پکار کے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ضرور عالم کا کوئی بڑا واقف کار خدا اور ذی حکمت بنانے والا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے کر گذرتا ہے۔ پھر ہر چند کہ نباتات کی ہر نوع خداوندی نعمت ہے جس کے ساتھ خالق سبحانہ نے اپنی خلق پر احسان کیا ہے۔ لیکن بعض کا شمار نہایت عظیم نعمتوں میں کیا جاتا ہے۔ اور اُن سے خدا کا بڑا احسان ظاہر ہوتا ہے۔ اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں گو سب ہی تعجب انگیز ہیں لیکن ان میں سے کسی کسی کا تعجب کے اعتبار سے نمبر بہت ہی بڑھا ہوا ہے چنانچہ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی کچھ تفصیل ذکر کریں۔

روئی کا درخت پس سُنئے کہ نباتی دنیا کی حیرت خیز نعمتوں میں سے روئی کا درخت ہے جو بحر الکاہل (پیسیفک اوشن) کے جزائر میں پایا جاتا ہے اُس میں کروی شکل کے پھل لگتے ہیں جن میں سے چھوٹے سے چھوٹے پھل کا قطر چار قیراط کا اور بڑے سے بڑے کا قطر سات قیراط تک کا ہوتا ہے اُس کا وزن چار سو بیس درہم یعنی ایک ہزار چار سو ستر ماشہ کا ہوتا ہے اور ہر سال آٹھ ماہ تک برابر اُس میں سے پھل توڑے جاتے ہیں۔ اُن جزائر کے لوگ اُس قدرتی روٹی پر بسر کرتے ہیں جیسے کہ ہم لوگ مصنوعی روٹی پر گذر کیا کرتے ہیں وہی اُن کی ساری غذا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے بلا کسی مشقت کے جو

ہم کو اپنی روٹی کے طیار کرنے میں اٹھانا پڑتا ہے اُسی کو جھیا کر دیا ہے ۔ اس درخت سے
اُن کو اور بہت سے منافع حاصل ہوتے ہیں اُن کے نوان اِس کی لکڑی کے ہوتے ہیں ۔
اُس کی چھال سے وہ اپنے کپڑے بناتے ہیں ۔ اُس کے تنہ کی اُن کی ڈونگیاں بنتی ہیں ۔

دُودھ کا درخت | اسی قبیل سے دودھ کا درخت ہے اُس کے اقسام میں سے جو قسم سپیا تھیا[۱]
کہلاتی ہے ہند میں بھی پائی جاتی ہے اُس کے تنہ میں شگاف دیتے ہیں پھر اُس سے بہت
عمدہ دودھ گائے کے دودھ سے ذرا گاڑھا نکلتا ہے ۔ برازل میں ایک درخت ہوتا ہے
جس کا نام (ماساراندوبا) ہے وہ ماہ شباط[۲] میں پھولتا ہے اور اُس میں پھل لگتے ہیں جن کا
ذائقہ شربت لیموں کا ہوتا ہے اور اُس کے تنہ سے سفید رنگ کا دودھ نکلتا ہے ، جو
مرغوب الطبع اور بکری کے دودھ سے اچھا ہوتا ہے وہاں کے باشندے اُسے بطور غذا
کے استعمال کرتے ہیں اور اُسی سے اُن کو مادہ حیات حاصل ہوتا ہے ۔

بالائی کا درخت | اسی قبیل سے بالائی کا درخت ہے جو کہ ہند اور افریقہ میں پیدا ہوتا ہے
اُس میں ایسا پھل لگتا ہے جس کے اندر کا گودا قوام اور ذائقہ میں بالکل بالائی کی طرح ہوتا
ہے ۔ گرم ملکوں میں مہینوں برتنوں میں رکھا رہتا ہے نہ اُس کے رنگ میں کچھ فرق آتا ہے
اور نہ ذائقہ ہی بگڑتا ہے ۔

ناریل کا درخت | اسی قبیل سے جوز ہندی یعنی ناریل کا درخت ہوتا ہے اُس میں اتنے
منافع پائے جاتے ہیں کہ وہ سب کسی ایک درخت میں مشکل سے ملیں گے چنانچہ کہا
جاتا ہے کہ اُس کے پھل سے پکنے کے قبل شراب بنائی جاتی ہے اور پکنے کے بعد جو

---

[۱] شاید تاڑ یا کھجور کا درخت مراد ہے ۱۲ [۲] شباط ایک رومی مہینہ کا نام ہے جو کہ
قریب قریب مارچ کے ہوتا ہے ۱۲

اس سے بنتا ہے بالکل دودھ کے مشابہ ہوتا ہے مثل ترکاری کے اس کے پتے پکتے ہیں۔
اس کے پھول کے عرق سے شکر بنتی ہے اس کی لکڑی۔ درا اس کے پھل کے چھلکے سے
برتن۔ پیالے۔ کٹھرے تیار ہوتے ہیں گھروں میں اس کی لکڑی کی دھنیاں بھی لگائی جاتی
ہیں۔ اس کے پتوں کے ٹاٹ اور سائبان بُنے جاتے ہیں۔ اس کی چھال کے ریشوں سے
کپڑے۔ چھلنیاں۔ بورے اور رسی تیار کئے جاتے ہیں اس کے پھلوں کی گری کا تیل
نکلتا ہے اس کی لکڑی کے برادہ سے لکھنے کی روشنائی بنتی ہے۔ اس کے پتوں سے
لکھنے کا کاغذ بنایا جاتا ہے کھجور کا درخت بھی کثرت منافع کے لحاظ سے اس سے کچھ کم
نہیں۔ چنانچہ ہم اس کے پھل کو دیکھتے ہیں کہ کلی سے لیکر گدرا۔ ادھ کچا۔ پکا ہوا۔ اور
خشک سب طور پر کھایا جاتا ہے وہ میوہ کا میوہ ہے اور غذا کی غذا۔ ذخیرہ بنا کر رکھے
جب بھی رہ سکتا ہے۔ اس کی لکڑی شاخیں۔ ڈالیاں۔ چھال یہاں تک کہ اس کی
گٹھلی کو پیس کر اونٹوں کو کھلاتے ہیں پس اس منعم حقیقی کی عجیب پاک ذات ہے جو اپنے
بندوں کو عجیب و غریب نعمتیں عنایت کرتا ہے ان پر طرح طرح کے احسانات کرتا
ہے انواع انواع اور قسم قسم کی اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

علم نباتات کے جاننے والے خداوندی عظمت و قدرت پر استدلال کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں

نباتی دنیا کے بیان میں آخری بات ہم ضرور کہیں گے کہ بلا شک نباتات
کے عجائب حالات کو دیکھ کر ذی حکمت۔ صاحب علم اور بڑے ہی قادر صانع کے وجود
پر استدلال کرنے کے سب سے زیادہ مستحق علم نباتات کے جاننے والے ہیں جنہوں نے
مجلدوں کی جلدیں اس کے حالات کے بیان میں بھر دی ہیں آپ انہیں دیکھیں گے کہ اس
کے احوال سے بحث کرنے میں ایسے مستغرق ہیں کہ اس کے کلہ کے پھوٹ نکلنے اسکے بڑھنے

اور اُس کے تمام تغیرات سے جو کہ اُس کے بونے کے وقت سے لے کر انتہا کو پہونچنے تک
اُس پر طاری ہوتے ہیں سب سے بحث کرتے ہیں۔ اُس کی نسل کے چلنے اور اُس
پیدائشی مادہ سے باروار ہونے کی کیفیت جو کہ اُس میں حیوان کی منی کے قائم مقام ہوتا
ہے بیان کرتے ہیں۔ اُس کی جڑ۔ تنہ۔ شاخوں۔ پتوں۔ اُس کے پھل کے غلافوں پھولوں
پھلوں اور بیجوں کی ساخت کی تشریح کرتے ہیں۔ اور ان سب چیزوں کے اعضاء اور
ان انتظامات کو ظاہر کرتے ہیں جو اُن میں قائم ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے خواص۔
کام۔ منافع۔ تغیرات۔ مدت حیات۔ اُن کے انواع کے اختلافات کو ذکر کرتے ہیں
اُن کو قطار۔ گروہ۔ انواع۔ اجناس اور افراد وغیرہ کی جانب منقسم کرتے ہیں۔ ان کا
باہمی فرق ظاہر کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جس سے عقل دنگ
رہ جاتی ہے اور اُن کے پیدا کرنے والے کی قدرت کی عظمت اور اس کی صورت بنانے
والے کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ پس خدا یعنی پروردگار عالم کی عجب بابرکت ذات ہے۔
علم طبعیات کے جاننے والوں میں سے علماء نباتات کی نسبت تو عقل مشکل سے تصدیق
کرے گی کہ اس فرقہ میں بھی خدا کے منکر موجود ہیں اور کیونکر نہ ہو وہ لوگ تو نباتی دُنیا
کے بہت سے تفصیلی حالات دریافت کر چکے ہیں اس کی پیدائش کی ایک سے ایک
باریکیاں دیکھ چکے ہیں جن کے لئے کسی ذی قدرت صانع اور کسی صاحب حکمت۔ اعلیٰ
درجہ کے علم رکھنے والے مدبّر کی بڑی ضرورت ہے بغیر اس کے ایسی باریکیاں ہو ہی
نہیں سکتیں۔

علم حیوانات کا بیان | پھر اس زمین کے رہنے والوں میں ہم حیوانی دُنیا کو دیکھتے ہیں یہ
وہ مصنوع ہے کہ عجب وغریب ہونے کے اعتبار سے جس کا درجہ بہت ہی عالی ہے۔

استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے جس کا مرتبہ بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ کہاں تو ہم نے نبات کو دیکھا تھا کہ زمین میں جم کر غذا حاصل کرنے اور نمو پانے کے ذریعہ سے جمادی مادوں کو اس نے اپنے نباتی ساخت کے مثل بنا لیا پھر دفعتہً ہم دیکھتے کیا ہیں کہ حیوان اُس کو مُنہ میں رکھ گیا اور اُس نے اُسے اپنے مُنہ کے آلات کے حوالہ کر دیا۔ انھوں نے اُس کو چبا کر پیسا اور اس طرح کچھ ہضم کیا پھر اُس نے اپنے لعاب دہن کے ساتھ ملا ڈالا تاکہ کسی قدر اور ہضم حاصل ہو جائے اس کے بعد اُس نے نگل کر اپنے معدہ اور امعاء میں پہنچا لیا وہاں پہونچکر حرارت اور ہاضم عرقوں کے باعث سے وہ بالکل منہضم ہو گیا اور اُس سے ایک غذائی یا پرورش کنندہ مادہ جُدا ہوا اور پھر وہ وہ کام وہاں ہونے لگے جن سے عقل کو حیرت سی ہو گئی اس کے بعد یہ پرورش کن مادہ معدہ اور امعاء سے اور اعضاء کی طرف چلا اور اُن اعضاء کے فعل کی وجہ سے طرح طرح پر صورت بدلتا رہا۔ آخرکار وہ خون بن گیا پھر اپنے دوران کی وجہ سے صاف ہو کر بدن حیوان کے حصّوں پر منقسم ہونا شروع ہوا اور ہر عضو کی ساخت میں اُس کے ذرے بدل ما یتحلل بننے کے لئے داخل ہونے لگے۔ اُس میں سے ایک حصّہ حیوان کی منی اور اُس کے تخم کی شکل میں بھی تبدیل ہو گیا۔ پھر حمل قرار پانے کے بعد اُس کی خون بستہ کی شکل ہوئی پھر گوشت کا لوتھڑا بنا اور اُس میں مختلف شکلیں اور صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ اُس کے اعضا میں نمو ہوا اور ہر ایک اپنا اپنا کام دینے لگا یہاں تک کہ وہ مکمل ہو کر اُسی حیوان کے مثل ہو گیا جس کے بدن کے اندر یہ سارے تغیرات ہوتے رہے تھے اور اُس میں حیوانی حیات بھی جو باعث حس ہے حلول کر چکی پھر تو وہ اپنی اصل کے موافق قوت سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ رکھنے والا حیوان بن گیا اس کے بعد وہ وقت آتا ہے کہ جدا ہوتا ہے اور اپنی

نوع کے موافق اپنی روزی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے اُسے اپنی زندگی بسر کرنے کی تدبیر کے لئے جس قدر ادراک کی ضرورت ہوتی ہے اُسی قدر اُس میں قوت ادراک بھی بڑھتی جاتی ہے اور کبھی یہ قوت اس قدر ترقی کرتی ہے کہ وہ حیوان اُس کی بدولت عاقل۔ عالم۔ حکیم اور مدقق بن جاتا ہے ہر شے میں اپنی عقل دوڑاتا ہے اور کائنات عالم میں سے بہتیری چیزوں میں تصرف کرنے لگتا ہے وہ باعظمت پیدا کرنے والا بڑا بابرکت ہے جو اس مخلوق کو مٹی اور پانی سے پیدا کرتا ہے اور یہ عجیب الخلقت مخلوق باوجودیکہ نبات کے ساتھ بعض خواص جیسے کہ نمو۔ اغتذا۔ اور توالد میں شارکت رکھتی ہے لیکن اُس سے اور نبات سے اس بات میں کہ ادراک اور حواس ظاہری و باطنی سے احساس کرنے کی قوت ہوتی ہے اور نبات میں نہیں۔ امتیاز بھی ہے اور ان سب سے بڑھ کر جو شے اُس کے لئے باعث امتیاز واقع ہوئی ہے اُس کی عقلی قوت ہے جس کے ذریعہ سے وہ استدلال اور استنباط کر سکتا ہے پھر اُس کی مختلف اجناس انواع اور اصناف کی جانب تقسیم کی جاتی ہے جن کی صفات میں بہت ہی بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اُس میں سے بعض بہت ہی بڑے ہوتے ہیں جیسے کہ ہاتھی جس میں سے بڑے ہاتھی کی بلندی بارہ قدم کی ہوتی ہے۔

جو حیوانات خوردبین سے نظر آتے ہیں اُن کا بیان

اور بعض نہایت ہی چھوٹے ہوتے ہیں حتی کہ بلامدد خوردبین کے جس کے ذریعہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے جانداروں کی کائنات کا پتہ لگتا ہے نظر ہی نہیں آسکتے اس مخفی مخلوقات کا نام نقاعی[عہ] رکھا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ اُس پانی میں دریافت ہوئے تھے جس میں کہ سبز گھاس بھیگ رہی تھی اور

عہ نقاعی عربی لفظ نقاعہ کی جانب منسوب ہے جس کے معنی خیساندہ کے ہیں ١٢

وہ ہزاروں اور لاکھوں ہی ایک قطرہ پانی میں بلا کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے تیرتے رہتے
ہیں پھر باوجودیکہ وہ اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں تب بھی اُن میں حیات ہوتی ہے تمام
حیات کے آلات پائے جاتے ہیں۔ وہ اجناس۔ انواع اور اصناف پر منقسم ہوتے
ہیں۔ اُن کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں اُن کی بعض قسموں میں فاسفورس کا مادہ پایا جاتا
جن میں سے بیشمار سمندر کے سطح پر جمع ہوتے ہیں۔ اور اس طرح پر چمکتے اور روشن ہوتے
ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا سیلاب اُٹھ رہا ہے وہ سب رات دن جاگتے
ہی رہتے ہیں کسی وقت سوتے ہی نہیں اور نہ کبھی آپ اُن کو حالت سکون میں دیکھ سکتے
ہیں ہاں جب وہ اپنی اصل سے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس وقت ساکن ہوں تو
ہوں۔ اور علماء علم حیوانات کی بحث و تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ ان چھوٹے
چھوٹے کیڑوں میں سے سو کروڑ کیڑوں کا وزن بھی ایک دانہ گیہوں کے برابر نہیں
پہونچ سکتا اور روئے زمین پر جتنے آدمی بستے ہوں گے اُن سے شمار میں کہیں زیادہ
یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے صرف ایک قطرۂ پانی میں موجود ہوتے ہیں اور اُن لوگوں نے
دیکھا ہے کہ ذراسی دیر میں ہزاروں کے ہزاروں ہی بچے اُن میں سے ایک ایک
کیڑے کے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُن کیڑوں میں قسم قسم کے اعضاء بکثرت پائے جاتے
ہیں اُنہیں اپنی غذا حاصل کرنے کی سمجھ ہوتی ہے انہیں اتنا تمیز ہوتا ہے کہ نافع
چیز کی طرف مائل ہوں اور ضرر رساں سے بھاگیں اور اسقدر ہوشیاری اُن میں
پائی جاتی ہے کہ وہ خطروں سے بچتے ہیں ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں اور
کوئی کسی سے مزاحمت کرتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں کروڑوں ہی ایک قطرۂ پانی میں
تیرا کرتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں وہ بڑی تیزی سے حرکت کرتے ہیں

وہ یہاں تک چھوٹے ہوتے ہیں کہ بعضوں کے قول کے اعتبار سے اُن میں سے ایک نوع ایسی ہوتی ہے کہ جن میں سے ایک کیڑا اگر دیکھا جائے تو وہ ایک بال کے حجم کے دو ہزار حصّوں میں سے ایک حصہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ٹھہر سکتا اور اس پر بھی ہر ایک میں اُس کی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے کافی اعضاء موجود ہوتے ہیں پس وہ ذی قدرت پیدا کرنے والا بڑا ہی بابرکت ہے۔

جانوروں کی عمروں کے اختلاف اور توالد و تناسل کی تشریح

اور حیوانات میں سے بعض کی عمر بہت ہی بڑی ہوتی ہے اور بعض کی بہت تھوڑی اس طرح پر اُن کی عمروں میں عجیب اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک مدت کے ساتھ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ عقل اُس کے لئے اُسی خاص مدت کے ہونیکی کوئی قطعی وجہ نہیں بتلا سکتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے سینگ کے جانوروں کی عمر سینگ والے جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح حرارت والے جانور بودے جانوروں سے زیادہ مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ پانی اور خشکی کے جانور ہوائی جانوروں سے زیادہ عمر والے ہوتے ہیں۔ لیکن گدھ۔ کرگس۔ طوطے اور کوّے اتنے ہی دن زندہ رہتے ہیں جتنے دن کہ انسان اور یہ بات تو مشہور ہے کہ ایک قسم کا کرگس ہوتا ہے جو دو سو برس تک۔ کچھوا دو سو بیس برس تک۔ ہاتھی سو برس سے زائد زندہ رہتا ہے اور خشکی میں رہنے والا اور آبی مینڈک اُن جانوروں سے جو اُس کے برابر ہوتے ہیں زیادہ دن تک جیتا ہے اور کسی نے تو ایک مینڈک کی چھتیس سال تک نگہداشت کی تھی اور اسمیں ضعیفی کی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ گھوڑا غالباً تیس سال تک زندہ رہتا ہے اور اب تک تو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ کوئی گھوڑا ساٹھ برس کی عمر تک پہونچا ہو۔ بکری

کی اوسط عمر پندرہ برس کی اور کتے کی اوسط عمر بیس برس کی ہوتی ہے۔ اسی طرح کیا چھوٹے
اور کیا بڑے ہر حیوان کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اور اُن کی عمر کی درازی اور کوتاہی اُن
کے مسکن اور طریقۂ گذران پر یا جسم کے بڑے اور چھوٹے ہونے پر یا اس کے علاوہ
کسی اور شے پر موقوف نہیں ہوتی جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے۔ پس اب ضروری ہے
کہ کوئی مخصص پایا جائے جو اُن میں سے ہر ایک کو ایک عمر کے ساتھ خاص کر دے
اور وہ اُن کا پیدا کرنے والا ہی ٹھہر سکتا ہے۔ جس نے اُن کو عدم سے وجود کی طرف
نکالا اور پہلے ہی سے اُن کی تخصیص کر دی وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور جس چیز کا
ارادہ کرتا ہے اُس کو حاکم کر دیتا ہے۔ حیوانات میں سے بعض ہوا میں زندگی بسر کرتے
ہیں بعض پانی میں رہتے ہیں بعض سطح زمین پر بعض دونوں میں پھر کوئی اپنے دو پیروں
پر چلتا ہے اور اُس کے دونوں ہاتھ غذا کے تناول کرنے اور کام کاج کرنے کے آلات
ہوتے ہیں یا وہ اُس کے دونوں بازو قرار پاتے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ہوا پر اُڑ سکتا
ہے بعض کے چلنے کے لئے چار پیر ہوتے ہیں اور بعض کے اس سے بھی زیادہ کسی کسی دہائی
تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ جیسے کہ کنکھجورا اور بعض اپنے پیٹ کے بل اُن چھلکوں
کے ذریعہ سے جو اس پر لگے ہوتے ہیں چلتے ہیں۔ درختوں اور دیواروں پر چڑھ جاتے
ہیں جیسے کہ سانپ۔ بعض اپنی غذا کو اپنے ہاتھوں سے لیتے ہیں بعض اپنے منہ
بعض چونچ سے۔ بعض ناک سے جیسے کہ ہاتھی۔ بعض اپنی زبان سے لیتے ہیں جیسے
کہ گرگٹ۔ وہ اپنی لمبی زبان میں ایک لسدار مادہ لگا کر نکالتا ہے۔ اسی طرح وہ مکھی
وغیرہ کو ہوا سے پکڑ لیتا ہے۔ بعض حیوانات کے شکم کے اندر ہی بیضہ ٹوٹ کر بچہ
نکل آتا ہے اور وہ وہیں تمام الخلقت بھی ہو جاتا ہے اس کے بعد پیدا ہوتا ہے جیسا

شیر دُودھ پلانے والے حیوانات کا حال ہے اور بعض انڈے دیتے ہیں انڈے کے
اندر بچّے کی غذا وغیرہ کا پورا سامان مہیا رہتا ہے اور اُس کے اندر اُس کی خلقت کی تکمیل
ہوتی ہے۔ یہ حالت پرندوں بعض سانپوں اور چھپکلی کی دیکھی جاتی ہے بعض کی یہ
حالت ہے کہ جب تک نر کی منی ہوا سے محفوظ رہ کر شکم میں نہ پہونچے حمل قرار ہی نہیں
پا سکتا کیونکہ ہوا کے لگنے سے اُس میں خرابی آجاتی ہے۔ بعض کی یہ کیفیت ہے کہ جب
مادہ اپنے بیضہ کو اپنے جسم سے نکال کر باہر ڈال دیتی ہے اُس کے بعد نر اپنی منی کو
اُس پر گرا دیتا ہے اور اس طرح پر بچّہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں میں دیکھا گیا ہے۔
کیونکہ اُن کی منی پانی یا ہوا سے خراب نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات اپنے بچّوں کو اپنے دو
زیادہ پستانوں سے دودھ پلاتے ہیں جس کو کہ اُن کا پیدا کرنیوالا اُس میں مہیا کر دیتا ہے۔
بعض اپنے بچّوں کو دانہ بھراتے ہیں جیسے کہ کبوتر بعض اپنے بچّوں کو اپنے ساتھ لئے
پھرتے ہیں اور اُن کی غذا اُن کو بتلاتے ہیں جیسے کہ مرغی۔ بعض حیوانات میں نر اور مادہ
دونوں شریک ہو کر بچّہ کی پرورش کرتے ہیں اور یہ اُس وقت ہُوا کرتا ہے جبکہ بچے ابتدائی
پیدائش میں چلنے پر قادر نہیں ہوتے جیسے کہ چڑیوں۔ کبوتروں اور انسان میں دیکھا
جاتا ہے کیونکہ صرف ایک ہی کا بچّہ کی پرورش میں مشغول ہونا اور اپنی روزی بھی تلاش
کرنا اُس کے لئے اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا اور بعض کی صرف
مادہ ہی اپنے بچّوں کی پرورش کر لیتی ہے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ بچّے اپنی ماں
کے ساتھ چلنے پھرنے پر قادر ہوتے ہیں جیسے کہ مرغی اور چکور۔ بعض اپنے بچّوں کے
لئے عجیب کیفیت کا گھونسلا بناتے ہیں خواہ درختوں میں کھود کر یا مٹی سے یا کسی اور
طور پر۔ بعض اپنے بچّوں کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرتے ہیں جیسے کہ ایک جانور امریکا

تیز ہوتا ہے جو چیونٹوں کا شکار کرتا ہے۔ بعض اپنے بچوں کو ایک تھیلی میں لئے پھرتے ہیں
جو کہ اُن کے پیٹ کے پاس ہوتی ہے۔ غذا تلاش کرنے کے وقت اُس میں سے نکالتے
ہیں اور سونے کے وقت پھر اُسی میں رکھ لیتے ہیں وہ آسٹریلیا میں ایک قسم کا جانور ہوتا
ہے۔ بعض کے نطفہ اور بیضہ کے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ بعض کی یہ کیفیت
نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات کے جفتی کھانے کا ایک وقت معین ہوتا ہے بعض کی جفتی
کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ بعض جفتی کے وقت مادہ کے اوپر آجاتے ہیں۔ بعض
اپنی مادہ کی دُم سے دُم ملا کر جفتی کھاتے ہیں۔ بعض اپنی مادہ کے پہلو سے پہلو ملا کر
رگڑتے ہیں یہاں تک کہ وہ انڈے دے دیتی ہے اور اُن کے اوپر نر اپنی منی کو گرا دیتا
ہے۔ اس طرح پر بچہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں کا حال ہے۔ بعض کے انڈوں کے
نقوش اُن کے رنگوں کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے کہ چکور اور بعض ہندی مرغیاں کیونکہ
اُن کے بیضوں میں رنگ برنگ کے خطوط ہوتے ہیں جو کہ اُن کے پروں کے رنگ
کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بعض کے انڈے سفید یا کسی اور رنگ کے ہوتے ہیں
جن کو اُس کے پروں کے ساتھ ذرا بھی مشابہت نہیں ہوتی۔ پھر یہ انڈے شکل۔
مقدار اور ہیئت کے اعتبار سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض گول ہوتے
ہیں بعض لمبے بعض بڑے بعض چھوٹے۔ بعض کسی اور طرح کے۔ بعض حیوانات کے
ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے بعض کے زیادہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی تعداد نہایت
ہی عظیم ہوتی ہے۔ بعض کا بدن پروں سے ڈھکا ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ گرمی اور سردی
سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ اپنی مضبوط ساخت کے سبب سے اُس کے اُڑنے کے لئے
بھی موزوں ہوتے ہیں۔ آئیے ہم کسی طائر کے دونوں بازوؤں کے پروں کو دیکھیں جو کہ

ِدوں کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اُڑنے میں اُن کے بدن کے اُٹھانے کے لئے کافی
قدار پھیلیں۔ اس لئے آگے کے دبیز پر پولے بنائے گئے ہیں تاکہ اُڑنے میں ہلکے معلوم
دں لیکن باوجودیکہ وہ پولے ہوتے ہیں اُن کا مادہ ایسا مضبوط اور لوچدار ہوتا ہے
س کی وجہ سے وہ صدمات کے متحمل ہو سکتے ہیں اور آسانی سے ٹوٹتے نہیں اور ان
ہیں سے پچھلے پر ایک نہایت ہلکے گودے کے مثل مادّہ سے بھرے ہوتے ہیں جن
ا اُٹھانا کوئی گراں نہیں گذرتا۔ یہ عجیب حیرت انگیز انتظام کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر
عقل اُس کے بنانے والے کی حکمت کا یقین کر لیتی ہے۔ علاوہ بریں ایک جانور ایسا
بھی ہوتا ہے جس کے باوجودیکہ پر نہیں ہوتے لیکن اُسے بھی اُڑنے کی قوت عنایت ہوئی
ہے اس جانور کے بدن پر روئیں ہوتے ہیں اور اُس کے دونوں بازو پتلی جھلّی کے بنے
ہوتے ہیں جن سے کہ وہ اڑا کرتا ہے۔ تمام پرندوں کے خلاف اُس میں یہ بات بھی دیکھی
گئی ہے کہ اُس کے بجائے چونچ کے منہ ہوتا ہے جس میں دانت موجود ہوتے ہیں اور
اُسکے دونوں بازوؤں پر ہتیلیاں بھی لگی ہوتی ہیں اس جانور کا نام چمگادڑ ہے جس میں کہ
دُودھ پلانے والے جانوروں کے خواص پائے جاتے ہیں چنانچہ اُس کو اُن کے ساتھ
شکل اور مینی کے اعتبار سے مشابہت حاصل ہوتی ہے اُنہیں کی طرح بچّہ دیتا ہے
دودھ پلاتا ہے اور اُن سے فرق اس بات میں ہے کہ وہ اور پرندوں کی طرح ہوا
میں اُڑتا ہے۔ وہ ذات نہایت برّا اور بے مثل ہے جس پر اُس کی مصنوعات کے
بارہ میں کوئی قانون حکومت نہیں کر سکتا اور نہ اُس کی قدرت عمل کے طریقوں میں
سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ محدود ہو سکتی ہے تاکہ اُسے اُسی کی پابندی کرنا پڑتی
اور وہ اس کی مخالفت کرنے پر قادر نہ ہو سکتا بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی

مخلوقات کو جس طور پر ارادہ کرتا ہے بنا دیتا ہے۔ حیوانات میں سے کسی کا بدن اُون سے چھپا ہوتا ہے کسی کا بالوں سے کسی کا رؤوں سے کسی کا ہڈی سے جیسے کہ کچھوا۔ کسی کا چھلکوں سے اور کسی کی کھال پر کچھ نہیں ہوتا صاف نظر آتی ہے۔ پھر حیوانات کی شکل اور ہیئت میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس سے عقل دنگ ہو کر رہ جاتی ہے چنانچہ بعض لمبے ہوتے ہیں۔ بعض گولائی لئے ہوئے۔ بعض کی شکل نصف کرہ کی سی ہوتی ہے بعض کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں اور پیر چھوٹے جیسے کہ زُرّافہ[ع] ۔ بعض کی شکل اس کے خلاف ہوتی ہے۔ جیسے کہ خرگوش۔ بعض کی گردن چھوٹی ہے۔ بعض کی لمبی یہاں تک کہ کسی کسی کی تو گردن اتنی لمبی ہوتی ہے کہ وہ رسی کی طرح اپنی گردن کو لپیٹ لیتا ہے اس قسم کا طرابلس کے اطراف میں ایک پرند پایا جاتا ہے جو عصفور سے ذرا بڑا ہوتا ہے۔ بعض کے دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں بعض کے بہت زیادہ جیسے کہ بعض بعض مکڑیوں میں پائی جاتی ہیں بعض کے دم ہوتی ہے۔ بعض کے چکنی۔ بعض کے کان لمبے ہوتے ہیں بعض کے گول۔ پھر حیوانات میں سے بعض کے سُم ہوتے ہیں۔ بعض کے کھُر۔ بعض کے خف جیسے کہ اونٹ کے۔ بعض کے قدم۔ بعض کے پنجے بعض حیوانات میں اوجھڑی دیکھی جاتی ہے تاکہ نباتی غذا جس کی زیادہ مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اُس میں پرورش کے لئے کافی طور پر رہ سکے یہ بات نبات خور جانوروں میں ہوا کرتی ہے اور بعض کے فقط معدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ اُن کی حیوانی غذا اُن کی پرورش کے لئے بہت تھوڑی مقدار میں کافی ہو جاتی ہے بعض حیوانات

ع زرافہ بضم اوّل و تشدید ثانی و فا و نزد بعضے بفتح اوّل حیوانیست کہ اُشتر گاؤ و پلنگ نام دارد چہ گردنش بگردن شتر ماند و سُمش بہ گاؤ و رنگش بہ پلنگ و دُمش بدُم آہو و دندانش بدندان خرو ہر دو دست دراز و ہر دو پائے کوتاہ ۱۲ غ

کے ایسے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ گوشت کو جوکہ اُن کی غذا ہوتی ہے پارہ پارہ کرسکیں۔ بعض کے دانت اپنی غذا یعنی نباتات کے چبانے کے لائق ہوتے ہیں پھر دانتوں کی ساخت کو ملاحظہ کیجیے خصوصاً انسان میں اور جس ترتیب سے کہ وہ رکھے گئے ہیں اُس کے دیکھنے سے اہل نظر کو تو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے چنانچہ کاٹنے والے دانت مُنہ میں سامنے کو رکھے گئے ہیں جو اپنی تیزی کی وجہ سے اُن چیزوں کو جن کے کہ کاٹنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے بخوبی کاٹ سکتے ہیں اُس کے پاس ہی نوکدار کچلیاں ہوتی ہیں جو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے لئے نہایت موزوں ہیں چنانچہ ان کی شکل ہی کہے دیتی ہے کیونکہ وہ بالکل کداری کے مثل ہوتے ہیں اور اُن سے ملی ہوئی داڑھیں واقع ہوئی ہیں جو کہ نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس وضع کی بنائی گئی ہیں جن سے باریک کرنے اور پیسنے کا بخوبی کام نکل سکے۔ پس اب دیکھئے کہ اگر اُن کی یہ ترتیب بدل دی جاتی داڑھیں منہ میں سامنے کو ہوتیں اور کاٹنے والے دانت پیچھے کو تو غذا کے کھانے میں کیسی دقت پڑتی اور مُنہ بھی عجیب بدصورت نظر آتا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا بڑا ذی حکمت اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والا (خدا) بے مثل ہے۔ اُس میں ذرا بھی نقص نہیں۔ پھر اگر حیوانات کے آلات کے اختلافات پر نظر ڈالئے تو عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ پنجے۔ دانت۔ سینگ۔ سونڈ۔ ڈنک۔ زہر قاتل اور نہایت ہی ناگوار بُو جیسے کہ ظربانؔ میں دیکھی جاتی ہے پائے گئے ہیں۔ پھر حیوانات کے غذا حاصل کرنے کے مختلف طریقوں اور تدبیروں کو اگر دیکھا جائے تو سمجھنے والے کو عجب حیرت ہوتی ہے چنانچہ بعض تو اپنے بدن سے

ؔ ظربان ایک جانور بلّی کے برابر ہوتا ہے جس سے سخت بدبو آتی ہے ۱۲

ایک مادہ نکالتے ہیں اور اُس کو جال کے مثل بنا کر مکھی وغیرہ کے پھانسنے کے لئے لگا دیتے ہیں اس طرح پر اُس کا شکار کر لیتے ہیں جیسے کہ مکڑی بعض جانور ہیں گڑھا کھود کر اُس کے نیچے چھپ رہتے ہیں اور جب اُن کے شکار کے اقسام میں سے کوئی جانور اُس میں گر پڑتا ہے تو وہ فوراً شکار کر لیتے ہیں اور جب اُس میں کوئی ایسی چیز گر پڑتی ہے جو اُن کی غذا کے قابل نہیں تو اُس کو عجیب طرح کی حرکات سے گڑھے کے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس قسم کا ایک چھوٹا جانور ہوتا ہے جو ریت میں پایا جاتا ہے اُس کو بعض لوگ اسد النمل کہتے ہیں بعض مکھی کے مثل چھوٹے چھوٹے جانوروں کو جو ہوا میں اُڑا کرتے ہیں جھپٹ لیتے ہیں جیسے کہ ابابیل بعض اپنی غذا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے زمین کھودتے ہیں بعض درخت پر چڑھ جاتے ہیں بعض پانی میں غوطہ لگاتے ہیں بعض میدانوں میں چکر لگایا کرتے ہیں بعض اپنے شکار کے مسکن کے در پر کھڑے رہتے ہیں اور ایسی سخت بدبو اور ہوا نکالتے ہیں جس سے کہ وہ مر جاتا ہے پھر اُسے کھا لیتے ہیں جیسے کہ ظربان کا گوہ کے ساتھ حال ہے پھر حیوانات کی غذا کے اختلافات کھانے اور جمع کرنے کی کیفیت کو دیکھئے تو نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض تو دانے کھاتے ہیں بعض پتے۔ بعض پھل بعض گوشت بعض کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں بعض کی غذا نہایت ہی نفیس ہوتی ہے۔ بعض کو نہایت ہی خراب گندی اور ناپاک غذا اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ سؤر کو۔ بعض اپنی غذا کو یونہیں نگل جاتے ہیں بعض چباتے ہیں۔ بعض اپنی خوراک کو جمع کر کے نہیں رکھتے بعض جاڑوں کے لئے اپنی غذا گرمیوں میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر جمع بھی عجیب تدبیر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہ شہد کی مکھی اور چیونٹی کا حال ہے چیونٹی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جب اس کی ذخیرہ کردہ اشیاء کو زمین کی رطوبت کا اثر پہنچ

جاتا ہے تو وہ اُسے آفتاب کی روشنی میں نکال لاتی ہے یہاں تک کہ اُس کی رطوبت خشک ہوجاتی ہے وہ دانہ میں سوراخ کردیتی ہے تاکہ رطوبت کے باعث سے جم کر وُہ اُگ نہ آئے اور بعض بعض دانوں میں کئی کئی سوراخ کردیتی ہے کیونکہ اُسے اتنا ادراک حاصل ہے کہ ایک آدھ سوراخ نہیں اُگنے سے روک نہیں سکتا جیسے کہ دھنئے کا حال ہے۔ پس وہ پیدا کرنیوالا بڑا ہی بیمثیل ہے جس نے یہ امر کھلے طور پر سمجھا دیا پھر اُن کے رنگوں کے اختلاف نظر کو بڑے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں اور اُن سے عقل حیرت میں رہ جاتی ہے چنانچہ وہ سفید۔ سرخ۔ زرد۔ نیلگون۔ سیاہ اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش دیکھے جاتے ہیں پھر اگر ہم ایک نوع کو دیکھتے ہیں کہ اُس کے تمام افراد ایک ہی رنگ یا ایک قسم کے نقش رکھنے کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ جیسے کوّا۔ چکور۔ اور عصفور کی ایک مختلف اقسام تو دوسری نوع کو کیا دیکھتے ہیں کہ رنگوں یا نقوش کے لحاظ سے اُس کے افراد مختلف قسم کے ہوتے ہیں جیسے کہ گھوڑا اور مرغی بعض کے نقوش ایک ہی کیفیت پر انتظام کے ساتھ واقع ہوتے ہیں جیسے کہ چیتے اور طاؤس کا حال ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی جیسے مرغی کبوتر اور بلّی میں دیکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایک بات سے دوسری بات پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

چیتے کے منقش ہو جانے کی عجیب وجہ

چنانچہ اے اہل سائنس میں نے آپ ہی لوگوں میں سے بعض لوگوں کو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہ یوں بیان کرتے سُنی ہے کہ وہ گذشتہ زمانہ میں عرصہ تک درختوں سایہ میں بیٹھا کرتا تھا اور شاخوں میں سے گذر کر آفتاب کی شعاعیں اُس پر پڑا کرتی تھیں اس لئے اس کی جلد پر اس طرح کے نقش بن گئے مجھے امید ہے کہ یہ معلل صاحب اس کی بھی کوئی وجہ بیان کرسکیں

گئے کہ طاؤس کے پروں پر سبز مہری سبز نیلگوں سیاہ سرمئی وغیرہ رنگوں کی باقاعدہ شکلیں اور نہایت پائیدار لکیریں کیونکر بن گئیں اور اس کی کیا وجہ ہوئی کہ مرغی کے ہر ہر فرد کے نقش ونگار ایک نئے طرز کے نظر آتے ہیں جس کی نظیر اسی نوع کے بکثرت افراد کی دیکھ بھال سے بھی مشکل سے ملے گی۔ اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں اس شخص نے جو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہ بیان کی ہے میں یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتا کہ غلط ہے کیونکہ شاید خدا تعالیٰ نے اسی سبب سے اس میں یہ رنگ پیدا کر دیا ہو جیسے کہ اس کی عادت ہی جاری ہو گئی ہے کہ وہ اسباب پر مسببات کو مرتب کر دیتا ہے لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام امور کو محض طبعی ہی نہ قرار دے لیا جائے اور پھر اُن کے لئے واہی تباہی وجہیں تراشی جائیں بلکہ ہر غایت کو خالق سبحانہ کے فعل کی طرف راجع کرنا چاہئے ورنہ پھر میں ان سب کی وجہیں پوچھتے پوچھتے ناک میں دم کر دوں گا اور آپ لوگوں کو اپنے عجز کا اقرار کرنا پڑے گا پھر میں کہتا ہوں کہ حیوان کے عجائبات میں سے اُس کی آواز اور صورت کا مختلف ہونا ہے چنانچہ بعض کی آواز تو ایسی طرب انگیز ہوتی ہے جس کو سُن کر دل بھر آتا ہے اور بعض کی ایسی ناگوار آواز ہوتی ہے جس کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ کان بہرے ہوئے جاتے ہیں بعض ایسے خوبصورت ہوتے ہیں کہ اُن پر نظر پڑتے ہی جم کر رہ جاتی ہے۔ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی جیسے کہ طاؤس۔ تدارفہ اور بعض بعض مرغ اور سچ پوچھئے تو نوع انسان میں سے جو حسین ہیں وہ ان سب سے خوبصورت اور خوشنمائی میں بے نظیر ہوتے ہیں کیونکہ یہاں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نظر ہے وہ بھی حیران رہ جاتی ہے۔ ہوش جُدا اُڑ جاتے۔ دل قابو میں نہیں رہتے۔ بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں جواب دے دیتی ہیں۔ بڑے بڑے زبردست اور حکومت والوں کی شان و شوکت بھی کام نہیں آتی۔ اُن پر بھی حسینوں کا رعب اپنا قبضہ

کر ہی لیتا ہے بھلا بتلا تے تو سہی کہ بندروں میں بھی اس کا نام ونشان کہیں پایا جاتا ہے؟
قسم اُس کے حق کی جس نے آنکھوں کو ایسا جادو بھرا بنایا اور پیشانی کو گیسوؤں سے
زینت بخشی ۔ ہرگز نہیں۔ اب ان لوگوں کی عقلوں کو آفرین کہئے جو انسان اور بندروں کو
کو ایک ہی اصل سے بتلاتے ہیں ۔ اور بعض حیوان تو ایسے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر بدن
کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپ جاتے ہیں جیسے کہ بھڑ۔ اژدہا ۔ جنگلی سؤر وغیرہ
بعض کو مادہ کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے بعض کو نہیں ۔ بعض اپنی غذا تنہا رہ کر تلاش
کر لیتے ہیں ۔ بعض کے گروہ کے گروہ مل کر جستجو کیا کرتے ہیں بعض کا مجتمع ہونا جمہوری انتظام
کی حیثیت رکھتا ہے بعض کا اجتماعی حالت میں شاہانہ انتظام ہوا کرتا ہے ۔ اُن میں سے
کچھ پہرے پر مقرر ہوتے ہیں ۔ کچھ راہبر اور جستجو کرنے والے ۔ پانی اور گھاس کی تلاش میں
آگے آگے جاتے ہیں ۔ حیوانات کے اخلاق اور عادات میں بھی عجب اختلاف پایا جاتا
ہے اس بارہ میں تو متعدد کتابیں بھی تالیف ہوئی ہیں ۔ چنانچہ کوئی تو بڑا دلیر ہوتا ہے ،
کوئی بودا ۔ بعض انسان سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں بعضوں کیلئے مدتیں درکار ہوتی ہیں ایسی
ہی اور بہت سی باتیں ہیں ۔ اسی طرح اُن میں قوت اور ضعف کے لحاظ سے اختلاف
ہوا کرتا ہے ۔ بعض کو اگر غذا نہ ملے تو اُس کو بھی برداشت کر سکتے ہیں بعض ایسے نہیں
ہوتے بعض خارجی صدمات کا پورا مقابلہ کر سکتے ہیں بعض اس کے متحمل نہیں ہو سکتے چنانچہ
بعض کی تو یہ حالت ہے کہ اگر اُن کے حرام مغز میں ذرا سی سوئی بھی چبھو دی جائے تو وہ
فوراً مر جائیں اور زندگی رخصت ہو جائے جیسا کہ انسان کی نسبت کہا جاتا ہے ۔

ہیڈرا جانور کا ذکر اور کسی کی یہ حالت ہے کہ اگر اُس کے تین تین ٹکڑے بھی کر دیئے
جائیں ۔ سر الگ دھڑ الگ ۔ دم الگ اور پھر چند روز تک اُسے یونہیں چھوڑ دیا جائے

تو آپ دیکھیں گے کہ سر میں دھڑ اور دم نکل آتی ہے۔ دھڑ میں سر اور دم اُگ آتے ہیں اور دُم میں سر اور دھڑ دونوں کے دونوں لگ گئے ہیں اور اُن میں ہر ایک ٹکڑا پورا جانور بن گیا ہے اور سب سے پہلے سر میں باقی چیزیں لگ کر پورا جانور بن جایا کرتا ہے اِس قسم کا چھوٹے چھوٹے جانوروں میں ایک جانور ہوتا ہے جس کا نام ہیڈرا ہے۔

ساری بحث گزشتہ کا خلاصہ

پس یہ سارے اختلافات اِس بات کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں کہ اِس حیوانی دنیا کے بنانے والے پر کوئی قدرتی قانون حکومت نہیں چلا سکتا اور نہ کوئی ضرورت اِس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی ایجاد میں کسی ایک طریقہ کا پابند ہو جائے بلکہ وہ نہایت ہی وسیع القدرت اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا اور بڑا ہی مدبّر اور منتظم ہے وہ اگر ایک نوع کو کسی کیفیت پر پیدا کرتا ہے جو اُس کی زندگی اور نظامِ حیات کے قائم رکھنے کے لئے کافی ہو اور اُس سے اُس کی صورت کی پوری زینت ہو گئی ہو تو وہ دوسری نوع کو ایسی کیفیت پر بناتا ہے جو پہلی کیفیت کے بالکل مخالف ہو اور پھر وہ اُس کی زندگی کے قائم رکھنے اور اُسکے مکمل بنانے کے لئے ویسی ہی کافی ہوتی ہے۔ اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ عقلیں متنبہ ہو جائیں اور لوگوں کے اوہام کو چونکا دیا جائے کہ یہ سمجھ لو کہ عالم کا بنانے والا فاعل مختار ہے اُسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور نہ اُس کے کامل علم سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ بات چھپی رہ سکتی ہے۔ وہ تمام اُن بیجا باتوں سے جنھیں جاہل لوگ بکا کرتے ہیں بالکل پاک اور مبرّا ہے۔

پھر حیوان کی جو چیز دیکھئے اُس کی عجیب و غریب ترکیب اُس کے ظاہری اور باطنی جواہر اور اعضاء کی ساخت ہر عضو کا ایک خاص فعل۔ اُسکے بناوٹ کے اختلافات۔ اُنکی باریکیاں اور پھر

بیشمار فوائد اور مصلحتوں پر مشتمل ہونا جو بالکل حکمت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ المختصر یہ سب ایسے امور ہیں جن سے عقل کو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے۔ افہام حیران و پریشان رہ جاتے ہیں اور ہر عاقل کو یہ بات واضح طور پر معلوم ہونے لگتی ہے کہ اس عالم کا ضرور کوئی ایسا بنانے والا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا مدبّر ذی حکمت اور صاحب قدرت ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اُسے ایجاد کر دیتا ہے۔

اناٹمی اور فزیالوجی کے موافق حواس خمسہ میں سے آنکھ کی تشریح

اب میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر کروں جن پر کہ علم تشریح اور علم فزیالوجی جاننے والوں کو آگاہی ہوئی ہے جن کا کام یہ ہے کہ اعضاء حیوانات کی حقیقت اُن کی ساخت اُن کے افعال اور اُن کے فوائد و اغراض سے بحث کریں۔ پس میں کہتا ہوں کہ جب تمام حیوانات خصوصاً انسان کے حواس خمسہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مضبوطی اور استحکام کے اعلیٰ درجوں پر پہنچے ہوتے ہیں جس وضع پر کہ وہ موجود ہیں اُس کے اعتبار سے وہ سراسر حکمتوں اور کھلے کھلے فائدوں پر مشتمل معلوم ہوتے ہیں کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ اتفاقی طور پر یا علی وجہ الضرورت بن گئے ہوں۔ بلکہ وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ جس نے حیوانات کو وہ حواس دیئے ہیں اُس نے اپنی مخلوقات پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

بصر اور اُس کے طبقات وغیرہ کی تشریح

چنانچہ بصر ایک قوت ہے جو آنکھ کے ایک مجوف پٹھے میں رکھی ہوئی ہے اور وہ دماغ سے جا کر مل گیا ہے تاکہ جو چیزیں دیکھی جائیں اُن کی صورت وہاں تک پہنچا دے اور پھر نفس ان کا ادراک کر لے۔ پھر آنکھ کو دیکھئے وہ اس بات کا آلہ ہے جس میں روشنی کے ذریعہ سے صورتیں مرتسم ہوں وہ تمام

آلات بصری سے مضبوطی اور صحیح ہونے میں زیادہ مکمل ہے کیونکہ وہ غلطیاں جو تمام آلات بصری میں واقع ہوا کرتی ہیں اس میں نہایت ندرت اور مشکل سے واقع ہوسکتی ہیں کسی چیز کے صاف طور پر دیکھ لئے جانے کا فیصلہ خود اسی سے ہو جاتا ہے وہ اس ہڈی کے جوف میں رکھا ہوتا ہے جس کو حلقۂ چشم کہتے ہیں۔ اس کی ترکیب میں تین طبقے اور تین رطوبتیں شامل ہیں لیکن رباط و رید اور شریان کی رگیں جھلی اور عضلے جن کی اس کو ضرورت ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔

اب طبقات کا حال سنئے۔ پہلے کا نام صلبیہ ہے وہ ایک لچک دار مضبوط اور دھندلا پردہ ہے جس کے آرپار روشنی نہیں جاسکتی اور نہ اس کے ادھر کی کوئی چیز نظر آسکتی ہے۔ وہ باقی طبقوں اور ساری رطوبتوں پر اس لئے محیط ہوتا ہے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ ان کی اوضاع اور ترتیب کے نظام کی حفاظت ہوتی رہے۔ ہاں اس کے آگے کے حصہ میں ایک شفاف قطعہ ہوا کرتا ہے جس کی شکل اس اعتبار سے کہ وہ باہر سے محدب اور اندر سے مقعر ہوتا ہے بالکل گھڑی کے شیشہ کی سی ہوتی ہے اور وہ اس پردہ میں اس طرح اترا ہوا ہوتا ہے جس طرح کہ گھڑی کا شیشہ پیتل کی چوڑی میں اترا رہتا ہے اس قطعہ کا نام قرنیہ ہے۔

دوسرے طبقہ کا نام مشیمیہ ہے۔ وہ سیاہ رنگ کا مخمل کی طرح نرم پردہ ہوتا ہے صلبیہ اور شبکیہ کے بیچ میں رہتا ہے۔

تیسرا طبقہ شبکیہ کہلاتا ہے اس کی ساخت آنکھ کے اس پٹھے کے پھیل جانے سے حاصل ہوتی ہے جو کہ دماغ سے نکل کر آنکھ کے پچھلے حصے سے اس میں داخل ہو جاتا ہے اب رطوبتوں کو لیجئے پہلی رطوبت کو رطوبت مائیہ کہتے ہیں وہ پتلی صاف اور

شفاف ہوتی ہے اور قرینہ کے اُدھر ایک گڑھے میں بھری ہوئی ہوتی ہے اور اس گڑھے کو اِدھر اُدھر سے ایک پردہ گھیرے ہوئے ہوتا ہے جس کے بیچ میں ایک سوراخ پایا جاتا ہے۔ اور اس پردہ کا نام قزحیہ ہے اُس کا رنگ سیاہ یا نیلگوں یا سیاہ مائل بسرخی یا کسی اور طرح کا ہوتا ہے اور اس سوراخ کو عربی میں بوء بوء کہتے ہیں۔ دوسری کا نام رطوبت بلوریہ ہے وہ ایک لچک دار چکنا اور مسور کی طرح دونوں طرف سے محدب جسم ہوتا ہے وہ کناروں کی بہ نسبت بیچ میں زیادہ کثیف ہوتا ہے اور قزحیہ کے اُدھر رکھا رہتا ہے۔ تیسری رطوبت کو رطوبت زجاجیہ کہتے ہیں وہ ایک انڈے کی سفیدی کی طرح شفاف اور لیسدار جسم ہوتا ہے اور آنکھ کے اندر رطوبت بلوریہ کے اُدھر جس قدر خالی جگہ بچتی ہے اُس کو بھرتا ہوا شبکیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر جس چیز کی وجہ سے دیکھی ہوئی چیزوں کی صورتیں آنکھ میں مرتسم ہوتی ہیں وہ روشنی ہے جو کہ اُن چیزوں پر جنھیں کہ ہم دیکھتے ہیں گرتی ہے اور اُن سے منعکس ہو کر آنکھوں کے اندر پہنچتی ہے۔ روشنی میں فطرتی طور پر چند قوانین پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے روشنی صورتوں کو لیجاتی ہے اور پھر اُنھیں مرتسم کر دیتی ہے لیکن خداوندی حکمت آنکھ کے ترتیب دینے میں مختلف تدبیروں سے کام نہ لیتی تو روشنی کے بعض قوانین کے مقتضا کے موافق ہم پورے طور سے نہ دیکھ سکتے اور دیکھی ہوئی چیزوں کی صورتیں آنکھ پر پھیل کے رہ جاتیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ روشنی جب کسی کثیف اور کھُر کھُرے جسم پر گرتی ہے تو اُس سے منعکس ہو جاتی ہے اور اس کی صورت مقابل کی شے پر مرتسم کر دیتی ہے خصوصاً جبکہ وہ مقابل کا جسم جلا کردہ بھی ہو لیکن روشنی جب خطوط مستقیمہ میں حرکت کر کے مقابل کے جسم تک پہنچتی ہے تو صورت کو اُس پر غیر واضح طور پر مرتسم کرتی ہے کیونکہ روشنی کی شعاعیں جس قدر دراز ہوتی جاتی ہیں

اُسی قدر وہ پھیلتی جاتی ہیں اور خطوط شعاعیہ ہیں اتنی ہی دوری بڑھتی جاتی ہے اس لیئے مقابل کے جلا کردہ جسم پر اس کی صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ خطوط شعاعیہ وہاں تک پہنچنے کے وقت مجتمع رہیں پھر یہ سمجھیئے کہ یہ نوری خطوط اسی وقت مجتمع ہوتے ہیں جبکہ کسی مسور کی شکل کے شفاف جسم سے گذریں یعنی مسور کی طرح اس کی دونوں جانب محدب اور اُبھری ہوئی ہوں یا ایک جانب محدب اور دوسرا برابر ہو۔ یا ایک جانب محدب اور دوسرا مقعر ہو۔ پھر ایسی شکلوں میں گذرنے کی وجہ سے جو ان خطوط میں اجتماع آجاتا ہے وہ زیادہ تر وسط میں پایا جاتا ہے۔ ان اشکال کے کناروں پر اس درجہ کا اجتماع موجود نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ وسط کناروں سے زیادہ دبیز بھی ہو۔ اسی طرح یہ نوری خطوط اس وقت بھی مجتمع ہو جاتے ہیں جبکہ وہ کسی لطیف جسم میں سے گذرنے کے بعد کسی کثیف اور شفاف جسم پر سے گذریں اور یہ بات اس وقت نہیں پائی جاتی جبکہ پہلے وہ کسی کثیف جسم سے گذر کر پھر ایسے جسم سے گذر جائیں کہ جس میں پہلے سے کسی قدر کم کثافت پائی جاتی ہو کیونکہ اس وقت یہ نوری خطوط پھیلنے لگتے ہیں اور باہم اُن میں دوری آجاتی ہے۔ پھر یہ دیکھیئے کہ سیاہ رنگ کے علاوہ جتنے رنگ ہیں سب سے نور منعکس ہوتا ہے ہاں سیاہ رنگ سے منعکس نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو پی جاتا ہے اور جذب کر لیتا ہے اس لئے اُس سے انعکاس نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ جسم جو سیاہ یا اُس کے قریب قریب کوئی رنگ رکھتا ہو تو اسکے آر پار نور نہیں جا سکتا ہے لیکن یہ سارے رنگ نور کو چوستے اور اُس کو ہلکا کر دیتے ہیں۔ جن میں سے سیاہ رنگ نور کے جذب کرنے اور چوس لینے میں سب سے بڑھا ہوا ہے پھر نوری خطوط کے مجتمع ہونے کے بعد واضح طور پر اُس وقت صورت مرتسم

ہو سکتی ہے جبکہ وہ جسم جس پر صورت مرتسم ہوتی ہے اُس جسم سے کہ نور منعکس ہو رہا ہے یا جس کے اندر سے وہ نفوذ کر رہا ہے ایک خاص دوری پر واقع ہو۔

دیکھنے کی کیفیت کی تشریح

جب یہ جاہ اور قرار پا چکے اور آپ نے روشنی کے قوانین مذکورہ سے واقفیت حاصل کر لی تو اب آیئے ہم دیکھنے کی کیفیت کی تشریح بیان کریں پس ہم کہتے ہیں کہ جب روشنی اُن چیزوں پر پڑتی ہے جو کہ نظر آتی ہیں تو اُن سے منعکس ہوتی ہے اور اُس کے خطوط آنکھوں میں جا کر طبقۂ شبکیہ پر اُن کی صورتوں کو مرتسم کر دیتے ہیں اور وہ ان کو احساس کر کے دماغ تک پہنچا دیتا ہے لیکن شئے مرئی سے منعکس ہونے کی وجہ سے نوری خطوط مستقیم ہوا کرتے ہیں پس اگر بغیر اجتماع کے اسی طرح پر شبکیہ تک پہنچتے تو ضرور وہاں پہونچنے کے وقت منتشر اور پھیلے ہوئے ہوتے اور واضح طور پر اُس کی صورت کو مرتسم نہ کر سکتے اس لئے خداوندی حکمت نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ نور آنکھوں میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے قرنیہ سے ملتا ہے اور اُس سے نفوذ کر کے آگے جاتا ہے اور چونکہ اس کا بیرونی رُخ محدب اور اندرونی مقعر ہوتا ہے اس لئے نوری خطوط میں کسی قدر اجتماع حاصل ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ نور رطوبت مائیہ سے نفوذ کرتا ہے اس میں بھی چونکہ کثافت پائی جاتی ہے اس لئے اس میں نفوذ کرتے وقت بھی نوری خطوط میں زیادہ اجتماع آجاتا ہے اور وہ باہم مل جاتے ہیں تاکہ صورت مرتسم کرنے کی اُن میں قابلیت آجائے لیکن جبکہ طبقہ شبکیہ جس پر صورت مرتسم ہوا کرتی ہے مقعر ہوتا ہے پس وہ سارے خطوط جو رطوبت مائیہ سے گذرے ہیں اگر اسی قدر اجتماع کے ساتھ شبکیہ تک پہنچتے تو ضرور تھا کہ وہ اُس کے وسط اور دونوں جانب صورت کو مرتسم کرتے پس اُس وقت وہ پھیلی ہوئی اور

منتشر ہوتی خصوصاً اس حالت میں جبکہ نور بکثرت ہوتا اور اپنی کثرت کی وجہ سے نگاہ میں چکاچوند ڈال دیتا۔ اس لئے باحکمت خدائے پاک نے اس بات کا انتظام کیا اور رطوبت مائیہ کے پیچھے پردہ قزحیہ کو رکھ دیا جس کے وسط میں حلقہ کے شکل ایک سوراخ پایا جاتا ہے جس کو عربی اصطلاح میں بؤبؤ کہتے ہیں اور اُس کے وسیع اور تنگ ہونے کو ان عضلات کے سبب سے جن کے ساتھ یہ پردہ لگا ہُوا ہے دیکھنے والے کے ارادہ کے تحت میں کر دیا ہے تاکہ دیکھنے والا اُس نور میں سے جو کہ رطوبت مائیہ سے نفوذ کرتا ہے جس مقدار کی ضرورت ہو داخل کر سکے چنانچہ جب نور کم ہو تو اُسے وسیع کر لے اور پھیلا لے تاکہ کافی مقدار نور کی داخل ہو سکے اور جب نور بکثرت پایا جائے تو وہ اُسے تنگ کر لے تاکہ صورت پراگندہ نہ ہونے پائے پھر اطراف قزحیہ کا رنگ کبھی سیاہ ہوتا ہے کبھی نیلگوں کبھی سیاہ مائل بسرخی یا اس کے علاوہ بہرحال وہ ایسا ہُوا کرتا ہے۔ جو نور کے نافذ ہونے کو روکے اور اس کو جذب کر کے خفیف بنا دے تاکہ وہ نوری خطوط جو بؤبؤ کے گرد اطراف قزحیہ پر واقع ہوں وہ نفوذ نہ کر سکیں کیونکہ اگر وہ اطراف شبکیہ تک پہنچ جائیں گے تو صورت پریشان ہو جائے گی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں پھر یہ خطوط رطوبت بلوریہ میں سے جس کی دونوں جانب محدب ہوتی ہیں نفوذ کرتے ہیں اسکی وجہ سے بھی اُن میں پہلے سے اور زیادہ اجتماع آجاتا ہے خصوصاً وسط میں کیونکہ بلوریہ کا وسط اُس کے اطراف سے زیادہ کثیف ہوتا ہے اور ذی حکمت اور خبیر خدا نے اس بلوریہ کو بھی دیکھنے والے کے ارادہ کے تابع بنایا ہے تاکہ اُسکے تحدب یعنی اُبھار کو بڑھا گھٹا سکے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس جسم سے کہ یہ خطوط نفوذ کرتے ہیں اُس کا تحدب جس قدر بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر اِن نوری خطوط میں اجتماع آتا جاتا ہے اور جتنی کہ اُسکے تحدب میں کمی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی ان کے اجتماع میں بھی کمی

واقع ہوتی جاتی ہے پس دیکھنے والے کو جس قدر ضرورت پڑتی ہے اُتنا ہی اُس میں تصرف کرلیتا ہے کبھی اُس کے تحدب کو بڑھا لیتا ہے کبھی کم کر لیتا ہے اس کے بعد یہ خطوط رطوبت زجاجیہ میں سے ہو کر گذرتے ہیں اس کی وجہ سے اُن میں اتنا زیادہ اجتماع آ جاتا ہے جو کہ صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے کافی ووافی ہے اور اس رطوبت کی دبازت کی مقدار اس مسافت کے لئے جن میں کہ نور قرنیہ میں داخل ہونے اور اُس سے اور اُسکے بعد والی رطوبت وغیرہ سے لے کر شبکیہ تک پہنچنے کے وقت تک ممتد ہوتا ہے بالکل کافی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ خطوط ان اجتماعات کے بعد شبکیہ تک پہنچتے ہیں اور اس پر صورت کو مرتسم کرتے ہیں تو باعث اُس کی شفافیت کے اُس میں سے ان خطوط کی ایک مقدار نفوذ کر کے صلبیہ پر جا کر واقع ہوتی ہے اور اس غرض سے کہ وہ خطوط اُس سے منعکس ہو کر کہیں ان شعاعوں سے متصادم نہ ہو جائیں جو کہ باہر سے آ رہی ہیں اور اس طرح پر صورت پراگندہ ہو جائے خدائے حکیم نے جس کی قدرت بہت بڑی ہے صلبیہ کے اندر کا رنگ سیاہ بنایا ہے تاکہ شبکیہ کے اندر سے نفوذ کرنے والے خطوں کی اس مقدار کو وہ جذب کرلے اور اُنہیں منعکس نہ ہونے دے پھر ان وسائط و وسائل کا متعدد ہونا جنھوں نے کہ اپنے کثیف ہونے اپنی شکل کے محدب ہونے شبکیہ اور اس جسم کے درمیان کی مسافت معین کرنے جس میں سے کہ نور نفوذ کرتا ہے اور شعاعوں کے گذرنے کے راستہ کو کشادہ اور تنگ کرنے پر اور تیز تحدب کے زیادہ اور کم کرنے پر ارادہ کے مسلط ہونے کے سبب سے نوری خطوط کو رفتہ رفتہ اجتماع کے ایسے درجہ پر پہنچا دیا جو کہ صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے بالکل کافی ہو اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ بذریعہ مختلف رنگوں کے پراگندگی بھی نہیں ہونے پائی اور یہ سب کچھ ایک نہایت عظیم حکمت

پر مبنی ہے چنانچہ بعض لوگ اس کے قائل بھی ہیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ نور جب کسی محدب
اور شفاف جسم سے نفوذ کرتا ہے تو وہ اپنے مختلف رنگوں میں جو کہ فن طبعیات میں مشہور
ہیں منحل ہو جاتا ہے اور وہ قوس قزح کے رنگ ہیں۔ پس وہ صورت جس کو کہ نور محدب
جسم کے اندر سے نفوذ کر کے لے جاتا ہے انہیں رنگوں سے رنگی ہوئی معلوم ہونے لگتی ہے
اس کو خطاء لونی یعنی رنگ کی غلطی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

دیکھنے میں خطاء لونی کیونکر اٹھ گئی

اور آلات بصری کے صناع پہلے جسم کے ساتھ ایک شفاف
اور محدب جسم کو ملا کر کہ جو نور کو پہلے جسم کے خلاف منحل کر دیتا
ہے اس غلطی کو رفع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح پر وہ نور اپنے سفید رنگ کی طرف
لوٹ آتا ہے اور صورت کو بغیر رنگے ہوئے پہنچا دیتا ہے اور خطاء لونی اٹھ جاتی ہے
پس ان بعض لوگوں کے قول کی بنا پر اس بات میں کہ وسائط و وسائل مذکورہ متعدد
بنائے گئے ہیں۔ اور ایک چیز پر اکتفا نہیں کیا گیا جو کہ نوری شعاعوں کو دفعتاً مجتمع کر
دیتی منجملہ باری تعالیٰ کی اور حکمتوں کے ایک یہ بھی حکمت ہے کہ یہ خطاء لونی اٹھ جائے
پس جب نور مثلاً قرنیہ سے نافذ ہوا اور اپنے مختلف رنگوں میں منحل ہو گیا تو باقی
اور وسائط یعنی رطوبت مائیہ بلوریہ۔ اور زجاجیہ جو کہ نوری خطوط کو مجتمع کرتے ہیں قرنیہ کے
خلاف اس کو اسکے ہی رنگ کی طرف منحل کر دیتے ہیں اس طرح پر کہ وہ پھر اصلی رنگ
کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جو چیز سفید ہوتی ہے وہ سفید ہی نظر آتی ہے اور یہ غلطی
اٹھ جاتی ہے ایسا ہی بعض لوگ خیال کرتے ہیں اور یہ صحت کے قریب بھی معلوم ہوتا ہے

روشنی کے خواص کے موافق ہم کو چیزیں الٹی نظر آنی چاہئیں

اب میں کہتا ہوں کہ حکماء اس بات کے قائل ہیں
کہ ان اجتماعات کا جو کہ نوری خطوط میں بذریعہ وسائط

مذکورہ یعنی قرنیہ مائیہ بلوریہ۔ اور زجاجیہ کے حاصل ہوتے ہیں یہ مقتضا ہے کہ شعاعیں
شبکیہ تک اس وقت تک پہنچیں جبکہ اُن میں تقاطع ہوچکے اور جو شئے کہ نظر آتی ہے
اُس کے اوپر کی جانب سے جو شعاعیں منعکس ہوتی ہیں وہ شبکیہ کے نیچے کے کنارہ پر
واقع ہوں اور جو شعاعیں اس کے نیچے کے کنارہ سے منعکس ہوں وہ شبکیہ کے اوپر کے
کنارہ پر پڑیں اور اُس وقت جو شئے نظر آئے گی اُس کی صورت اُلٹی ہوگی لوگ اس
کی وجہ بیان کرنے میں بڑے چکرائے ہیں کہ باوجودیکہ شبکیہ میں صورت الٹی مرتسم ہوتی
ہے لیکن پھر بھی جو چیز ہم کو نظر آتی ہے اُس کی صورت سیدھی ہی معلوم ہوتی ہے اور
جتنی وجہیں کہ لوگوں نے بیان کی ہیں اُن سب میں مشہور وجہ یہ ہے کہ عقل کو تمام
چیزوں کے سیدھے ہی دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے کیونکہ جتنی چیزیں نظر آتی ہیں اس الٹے
ہوئے ہونے میں سب کی سب یکساں ہیں اور اس وجہ کے بیان کرنے میں جو تقریر انہوں
نے کی وہ بالکل لچر ہے۔

اشیاء کے سیدھی نظر آنے کی قرین قیاس وجہ

میرے خیال میں جو اس کی وجہ آئی ہے وہ یہ ہے کہ نوری شعاعیں ہوا سے ہو کر قرنیہ۔ مائیہ۔ بلوریہ میں سے جو کہ وسط میں شدت
کے ساتھ دبیز ہیں نفوذ کرنے کے بعد صورت کے واضح طور پر مرتسم کرنے کے لئے متقاطع
ہونے سے پہلے ہی کافی طور پر مجتمع ہوجاتی ہیں پھر جب زجاجیہ سے منفوذ کرتی ہیں تو شاید
اس وجہ سے کہ وہ بلوریہ سے کسی قدر کم دبیز ہے تو یہ شعاعیں اُس مسافت میں جس میں
کہ انہیں زجاجیہ کے اندر چلنا پڑتا ہے پھیلنے لگتی ہیں جیسا کہ پیشتر بیان ہوچکا ہے کہ نور
جب کسی لطیف جسم میں سے گذرنے کے بعد کسی دوسرے جسم سے جو کہ اُس سے زیادہ
لطیف ہو نفوذ کرتا ہے تو اُس کی شعاعیں پھیل جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح شبکیہ

تک جا پہنچتی ہیں پس اُس پر سیدھی صورت مرتسم کر دیتی ہیں اس لئے کہ وہ شبکیہ تک
اُسی کیفیت کے ساتھ پہونچتی ہیں جس پر کہ وہ قرنیہ میں پہلے پہل داخل ہونے کے وقت
تھیں یعنی جو چیز نظر آتی ہے اُس کے اوپر کی جانب جو شعاعیں منعکس ہوئی تھیں وہ
شبکیہ کے بھی اُوپر کے کنارہ پر واقع ہوتی ہیں اور جو اُس کے نیچے کی جانب سے
منعکس ہوتی ہیں وہ شبکیہ کے نیچے کے کنارے پر پڑتی ہیں اور چونکہ شعاعوں میں
تقاطع نہیں واقع ہوا اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت شبکیہ پر سیدھی ہی صورت
مرتسم ہو۔ میں احتمالی طور پر ایسا خیال کرتا ہوں اور اس طرح پر اعتراض بھی اُٹھ جاتا ہے
اور زجاجیہ کا فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے جو کہ اس سے پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آیا
ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے آنکھ کے پچھلے حصّہ کو چیر کر دیکھا تو شبکیہ پر الٹی ہوئی
صورت مرتسم پائی گئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کا صحیح ہونا میرے نزدیک اب تک محقق نہیں
ہوا اور اگر یہ امر میرے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا تو اُس وقت میں اُس میں گفتگو کروں گا۔
پس یہیں تک دیکھنے کی کیفیت سے بحث کرنے والوں کی رسائی ہوئی ہے اور اس میں
انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ وہ لوگ نظر آنیوالی چیزوں کی صورت کا شبکیہ تک مرتسم ہونا دریافت
کر سکے اور یہاں تک اُنہوں نے بحث کو پہنچا دیا اور پھر اس بات کے قائل ہو گئے کہ وہ شبکیہ
صورتوں کو دماغ تک پہنچا دیتا ہے لیکن رہی یہ بات کہ نفس ان صورتوں کا کیونکر ادراک
کرتا ہے یا ان لوگوں کی رائے کے موافق جو نفس کے منکر ہیں عقل یا دماغ کو ان صورتوں کا
کس طرح پر ادراک ہوجاتا ہے اس امر کی نسبت ہمیں اُن کی جانب سے کوئی شافی کلام نہیں
ملا بلکہ ہم نے اہل سائنس میں سے بہتروں کو دیکھا ہے کہ جب اس کی حقیقت کی تحقیق
میں گفتگو کی گئی ہے تو وہ متحیر ہو کر رہ گئے۔

آنکھ اور دیکھنے کی کیفیت سے خدا پر استدلال

پس جب ہم آنکھ کی ترکیبات عجیبہ اور تدابیر مختلفہ میں جن کی وجہ سے اُس کی بینائی اور بصارت کی تکمیل ہوتی ہے غور کریں تو کیا ادنے سے ادنے عقل کے لئے بھی اس بات کے یقین کرلینے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ آنکھ کی ایسی عجیب وغریب ساخت بغیر ارادہ اور بلا کسی حکمت اور تدبیر کے خود بخود ہوگئی یا محض ضرورت اُس کو مقتضی ہوگئی اور اتفاق نے اُس کو ایجاد کردیا اور انتخاب طبعی نے اُس کو ضائع اور ہلاک ہونے سے روک رکھا؟ ہرگز نہیں۔ اس بات کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کرسکتا ہاں جن کی عقل کمزور ہو وہ جو چاہیں یقین کرلیں اور میرا تو یہ خیال ہے کہ جو شخص ذرا بھی غور کرنے کی قابلیت رکھتا ہوگا اور اُسے کچھ بھی سمجھ ہوگی تو وہ آنکھ کی اس عجیب وغریب ساخت کو دریافت کرنے کے وقت ضرور اسی بات کا یقین کرے گا کہ بے شک اس کا بنانے والا کوئی ذی ارادہ۔ صاحب علم وحکمت اور بہت ہی بڑا مدبر ہے جو کہ استحکام اور مضبوطی کا پورا انتظام کرسکتا ہے اور وہ خدا ہے۔ اُس کے منکرین بیہودہ باتوں کے قائل ہیں اُن سے بالکل منزّہ اور مبرّا ہے اور پھر ہم اگر اس امر کی طرف نظر ڈالیں کہ باوجودیکہ آنکھ کا قطر ایک قیراط سے بھی کم ہے لیکن پھر بھی اُس کے شبکیہ پر اتنی بڑی زمین کی صورت سخت ونرم زمین۔ پہاڑوں وادیوں۔ چٹانوں۔ دریاؤں۔ درختوں مکانات اور حیوانات کی جملہ اقسام کے ساتھ مرتسم ہو جاتی ہے پس گویا شبکیہ ایک دریا کا کنارہ ٹھہرا جس کی طرف نوری موجیں چاروں طرف سے چلی آتی ہیں اور کروڑہا کے کروڑوں ہی اُس کے پاس آکر ٹوٹتے جاتے ہیں اور اپنا اپنا نقش بناتے جاتے ہیں تو اس صورت کی باریکی کے سمجھنے میں جو کہ شبکیہ پر مرتسم ہوتی ہے ہماری عقلیں چکرا جاتی ہیں اور خوبی یہ کہ باوجود اس کے حجم کے اس قدر چھوٹے ہونے کے بھی اتنی بڑی زمین

اور اُن تمام اشیاء کے ساتھ جو اُس میں پائی جاتی ہیں پوری مشابہت موجود ہے حتیٰ کہ ذراسی شے بھی اُس میں سے چھوٹنے نہیں پائی اب اس موقع پر سمجھئے کہ اُس کی کتنی بڑی قدرت ہے جس نے کہ اُس کو ایجاد کیا اور اپنی حکمت سے اُس کی تدبیر کی بیشک اس خدا کی بہت بڑی شان ہے اور وہ تمام نقائص سے بالکل مبرّا ہے اور جب ہم آنکھ کی تشریح کی طرف متوجہ ہوں اور اُس کے طبقات و اعصاب کو دیکھیں جو کہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور اُس کی شرائین اور وریدوں سے واقف ہوں جن سے کہ اس کی پرورش ہوتی ہے اور اس کے علاوہ رطوبات اور صلوبات وغیرہ سے آگاہی حاصل کریں تو ان سب سے ہمارا تعجب اور ہماری حیرت اور بڑھ جاتی ہے۔ پھر جب ہم آنکھ کے باہر تک پہونچتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ نے آنکھ کی حفاظت اور اُس کے کام کے باآسانی انجام پانے کے لئے جو تدبیریں کی ہیں وہ نہایت ہی مضبوط اور اعلیٰ درجہ کی صناعی پر مبنی ہیں۔

مژگاں اور ابرو سے کیا فائدہ ہے

بیان اس کا یہ ہے کہ آنکھ جبکہ لطیف شے تھی اور خارجی اجسام سے اگرچہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس کو صدمہ پہنچ جانیکا بہت اندیشہ تھا اسلئے اسکے بنانے والے نے سوائے اُس جہت کے جدھر سے کہ اُس میں صورت کے مرتسم کرنے کے لئے نور داخل ہوتا ہے اور تمام اطراف سے محفوظ رکھنے کیلئے اُس کو استخوانی حلقہ کے اندر رکھ دیا ہے اور اُس کا پہلا طبقہ جسے کہ صلبیہ کہتے ہیں مع قرنیہ کے لوچدار بنایا ہے تاکہ صدمات خارجیہ کا تھوڑا بہت مقابلہ کرنے کے قابل ہوسکے۔ علاوہ بریں اُس کو پپوٹوں سے بھی چھپا دیا ہے تاکہ وہ تمام اوقات خصوصاً سونے کے وقت محفوظ رہ سکے اور اُس سے زینت بھی حاصل ہو پھر پپوٹوں

کے کنارے پر اُس نے مژگاں کو اُگا دیا ہے۔ اور وہ سیاہ رنگ کے کسی قدر دبیز لوچدار اور کھڑے ہوئے بال ہوتے ہیں جن میں سے اوپر والے ذرا اوپر کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور نیچے والے نیچے کی جانب کو اور اُن کے رنگ کے سیاہ ہونے میں یہ حکمت ہے کہ وہ اُس نور میں سے جو کہ باہر سے آنکھ پر آکر پڑتا ہے کسی قدر چوس لیں خصوصاً جبکہ نور میں زیادہ قوت بھی پائی جاتے دونوں بھویں دونوں آنکھوں کے اوپر سیاہ یا اُس کے مشابہ رنگ کی بغرض زینت رکھی گئی ہیں اور نیز اس لئے کہ جو نور باہر سے آنکھ پر آکر پڑے اس میں سے کسی قدر چوس لیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی بھوؤں اور مژگاں کے بالوں کا رنگ سفید ہوتا ہے اُس کی آنکھ چوندھیا جاتی ہے اور وہ اپنی آنکھوں کو ذرا بند کرکے دیکھتا ہے۔ رہی یہ بات کہ نور کی مقدار کے کم کرنے اور ہلکا کرنے کا کام صرف سوراخ ترجیہ کے تنگ رکھنے ہی سے کیوں نہیں لیا گیا تو اُس کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ تنگ ہی رہتا تو ضرور دونوں آنکھیں ہمیشہ چندھی رہا کرتیں اور دیکھنے میں بھی بدنما معلوم ہوتیں اور پلک کے بالوں کے دبیز اور باوجود لوچدار ہونے کے قائم رکھے جانے میں یہ حکمت ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے اجسام کا جو آنکھ پر گریں مقابلہ کرسکیں کیونکہ مثلاً آنکھ پر جب کوئی مٹی کا ریزہ گرتا ہے تو اکثر وہ مژگاں پر واقع ہوتا ہے اور وہ بال جو کہ تیروں کے مثل بلند رہتے ہیں اُس کو اندر جانے سے روکتے ہیں بلکہ اپنی لچک سے اُس کو دور پھینک دیتے ہیں۔ اب یہ امر کہ اُوپر کی پلکوں کے بال اوپر کی طرف اور نیچے کی پلکوں کے نیچے کی طرف کیوں مائل رکھے گئے اس کی یہ وجہ ہے تاکہ جب پلکوں کا کھولنا منظور ہو تو آسانی سے کھل سکیں کیونکہ بالفرض اگر مژگاں کے بال بالکل سیدھے ہوتے تو پلکوں کے بند کرنے کے وقت ایک

دوسرے پر منطبق ہو جایا کرتے اور آنسو کی تری سے چپٹ کر رہ جاتے تو پھر اُن کے جُدا
ہونے میں بڑی دقت پڑتی اور اگر کہیں وہ اس طرح پر قائم ہوتے کہ اوپر اور نیچے کے
پلکوں کے بال ایک دوسرے میں داخل ہو جایا کرتے تب تو آنسوؤں کی رطوبت سے
چپٹ جانے کی وجہ سے اُن کے جُدا کرنے میں اور بھی زیادہ دقت پڑا کرتی علاوہ بریں
اس طرح پر ہونے سے وہ نور کے طریق میں حائل ہو جاتے پس شبکیہ تک اُن کی
بھی صورت منتقل ہوتی۔ اور اس لئے جو چیزیں نظر آتیں اُن کی صورتوں میں پراگندگی
واقع ہو جاتی۔ پس ان دونوں کا اس طرح پر ہونا کہ کسی قدر اوپر اور نیچے کے جانب اُن
میں میلان پایا جاتا ہو عین حکمت اور غایت درجہ استحکام پر مبنی ہے اس کے سوا اور
کوئی صورت مناسب ہی نہیں ہو سکتی ان سب فوائد سے اگر قطع نظر بھی کیا جائے
تو مژگاں سے زینت حاصل ہونا ایک ایسا امر ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو
سکتا۔ ہاں کسی کو ذوق سلیم ہی نصیب نہ ہو تو بات ہی دوسری ہے پھر جب آنکھ سے
غبار نہ تو حلقہ چشم کی وجہ سے دفع ہو سکتا تھا اور نہ پپوٹوں ہی سے کیونکہ دیکھنے کے وقت
اُن کے کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ مژگاں ہی اس کی دافع ہو سکتی تھیں اور غبار
پڑنے کی وجہ سے قرنیہ کی شفافیت میں فتور پڑتا تھا اور جو غرض اس کے شفاف رکھنے
سے ہے وہ باطل ہوئی جاتی تھی علاوہ بریں آنکھ میں غبار کے جم جانے سے اُس کا ضرر بھی
متصور تھا اس لئے خدائے حکیم نے اُس کے صاف کرنے کا یہ انتظام کر رکھا ہے کہ آنسو
کی گلٹیوں سے جو کہ پلکوں کے اندر آنکھ کے ڈھیلے کے چاروں طرف پائی جاتی ہیں کسی
قدر آنسو نکلا کرے اور اس کی وجہ سے آنکھ میں تراوٹ باقی رہے اور پلکوں کو کھلنے
اور بند ہونے کے اعتبار سے تو خدا نے ایسا سریع بنایا ہے کہ اُن کی سرعت ضرب المثل

ہو رہی ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ دیکھنے میں حرج واقع نہ ہو اور پراگندگی نہ آنے پائے پس آنسو تو اُس غبار کو جو پتلی پر واقع ہوتا ہے دھو دیتا ہے اور پلکیں اپنی حرکت سے اُس کو صاف کرتی ہیں اور غبار آلودہ آنسو کو دفع کر دیتی ہیں۔ پھر یہ آنسو جو کہ غبار سے مل کر میلا ہو گیا ہے اُس کا آنکھ سے کسی مناسب طریقہ سے نکلنا بھی ضروری ہے پس اگر وہ پلکوں کے باہر نکل کر گالوں پر بہا کرتا تو چہرہ نہایت بدنما معلوم ہوتا اور گویا کہ چہرے پر دو گندے نالے ہر وقت بہا کرتے اس لئے خدائے حکیم نے ایسے گرد آمیز آنسوؤں کے پتلی سے دور کرنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ اُس نے اندر سے پلکوں کے کنارے اس ڈھب سے بنائے ہیں جن سے یہ آنسو اس گوشۂ چشم کی طرف جو ناک سے ملا ہوا ہے بآسانی بہ سکیں پھر اُس نے اس مقام پر ذرا اوپر کو سوراخ بنایا ہے جو کہ ناک کے اندر آر پار واقع ہے۔ اُس کو قنات دمعیہ یا آنسو کے بہنے کی نالی کہتے ہیں۔ یہ آنسو اس کی راہ سے ہو کر ناک کے اندر پہنچتے ہیں اور اس کی رطوبت سے مل کر وہاں جم جاتے ہیں پھر حیوانات اُس کو ناک چھنک کر یا کسی اور طریقہ سے نکال ڈالتے ہیں۔

قنات دمعیہ کے بننے کے لئے مادہ کی غیر ارادی حرکت وغیرہ کافی نہیں

اب میں کہتا ہوں ان ساری تدابیر سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو فقط قنات دمعیہ یعنی آنسو کے بہنے کی نالی ایک ایسی چیز ہے جس کی نسبت میری عقل تو اس امر کو کسی طرح نہیں تسلیم کر سکتی کہ یہ اتفاقی طور پر یا علی وجہ الضرورت بن گئی ہو بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ کونسی ضرورت اس کو مقتضی ہو گئی تھی اس موقع پر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ وہ ذی حکمت اور پوری واقفیت رکھنے والا خدا نہایت منزّہ ہے جس کی قدرت کے یہ سارے کارخانے نظر آتے ہیں۔

بینائی کے اجمالی طور پر منافع

اگر ہم ان منافع کی طرف نظر ڈالیں جو حیوانات کو آنکھ سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ اُس کے ذریعہ سے اپنے معاش کے طریقے دریافت کرتا ہے خوفناک چیزوں سے نجات پاتا ہے خوش آیند چیزوں کو دیکھتا ہے اُس کے ذریعہ سے اُس کو لاکھوں میل کی دوری کی چیزوں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ قریب کی اور ایسے ہی اور فوائد کو سمجھتے ہیں ان سب باتوں سے ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ جس نے آنکھ عنایت کی ہے اُس نے بہت ہی بڑا احسان کیا اور بہت کچھ بخش دیا اور اپنی مخلوقات کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے سلوک سے پیش آیا وہ نہایت ہی مقدس ذی شان اور بڑی قدرت والا ہے۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جب ان اوضاع اور ان قوانین قدرت کے ساتھ نظر آنے کی کیفیت کے انتظام کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں اور اسی بات کا انھیں یقین ہوتا ہے کہ نظر آنا تو محض خدا کے پیدا کرنے سے ہوا کرتا ہے۔

محض خدا کی رویت پیدا کرنے سے ہمیں نظر آتا ہے

ہاں یہ اوضاع اور یہ قوانین قدرت جن پر کہ دکھلائی دینا مشروط سمجھا جاتا ہے وہ صرف عادی شروط ہیں یعنی خدا نے یہ اپنی عادت جاری کر رکھی ہے کہ ان شرطوں کے پائے جانے کے وقت وہ نظر کو پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے چیزیں دکھلائی دینے لگتی ہیں اور اگر وہ اُس کو بغیر ان شرطوں کے پیدا کرنا چاہے تو بھی پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ باوجود ان ساری شرطوں کے پائے جانے اور موانع کے مرتفع ہونے کے بھی اگر وہ اُس کا پیدا کرنا نہ چاہے تو ہرگز اس کا وجود نہ ہو اور کوئی چیز بھی نظر نہ آئے اور اس امر کی ان کے پاس بہت سی قاطع اور یقینی دلیلیں موجود ہیں جو کہ اُن کی کتابوں میں مذکور

ہیں اور حق کا اس موقع پر ذکر کرنا طوالت سے خالی نہیں اور خدائے عالم کی صفات کے ثابت کرنے کے مقام پر پیشتر ہمارا بیان گذر چکا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم میں کوئی اثر بغیر خدائے پاک کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کے ہرگز نہیں پایا جا سکتا اور ظاہر ہے کہ نظر آنا بھی منجملہ آثار کے ہے تو اس کی بھی یہی حالت ہونا چاہیئے اور اے اہلِ سائنس اور اے مادہ کے قدیم ماننے والو تمہارے طرزِ استدلال کے موافق وہ دلیل جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ساری شرطیں عادی ہیں اور یہ کہ نظر آنے کی تمام شرائط کی اصل اصول اور سب سے قوی شرط یعنی روشنی کے معدوم ہونے کی حالت میں بھی نظر آنا ممکن ہے وہ مشہور واقعہ ہے جو تمہارے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے اور جس کو کہ بڑے بڑے فلاسفروں کی جماعت کثیر نے ذکر کیا ہے چنانچہ اس زمانہ کے مصنفوں میں سے بھی بعض بعض نے اس کو نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امریکا میں ایک جوان عورت کو کوئی مرض ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ سوتے میں جاگنے والوں کی طرح سے کام کیا کرتی تھی۔ اُٹھتی تھی اور باتیں کرتی رہتی تھی۔ پھر جب رفتہ رفتہ مرض کی یہاں تک شدت پہنچی کہ دن و رات وہ اس میں مبتلا رہا کرتی تھی جب مرض کا اس کو دورہ ہوتا تھا تو اس کی آنکھ عجیب قسم کی ہو جاتی تھی کہ اس سے عجیب تر کبھی دیکھنے میں نہیں آئی اس وقت وہ بڑی شدید تاریکی میں نہایت ہی باریک حرفوں کو پڑھ لیتی تھی اور خوبی یہ کہ اس کی دونوں آنکھیں اس حالت میں بند رہا کرتی تھیں۔ یہ واقعہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کا بالکل مؤید ہے کہ نظر آنا محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے ہوا کرتا ہے جیسا کہ دیگر احساسات کا بھی یہی حال ہے اور نظر آنے یا کسی دوسرے احساس کے لئے جتنی شرطیں کہ مقرر ہیں وہ سب عادی ہیں جیسا کہ

ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور اگر ہم سننے۔ سونگھنے چکھنے اور چھو کر دریافت کرنے کے
اعضاء سے بحث کرنے والوں کے تمام بیانات اس موقع پر ذکر کریں اور اُن عجیب
غریب تراکیب و انتظامات کو جو قوانین قدرت کے موافق ہر ایک کے مکمل ہونے
کے لئے کئے گئے ہیں بیان کریں اور اُن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کی کیفیت سے
بحث کریں اور یہ دکھائیں کہ اُن حواس سے حیوان کو کیا منافع حاصل ہوتے ہیں
اور یہ کہ ہر ایک کو اُتنے ہی حواس دیئے گئے ہیں جن سے کہ اُسے اپنے محفوظ رہنے
اور اپنی زندگی کے ضروریات دریافت کرنے کے لئے ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں
صاف طور پر یہ معلوم ہونے لگے کہ مصنوعات میں کس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے اور بلا تامل
خلوص قلب سے ہم اس امر کی شہادت دینے لگیں کہ جس نے یہ حواس عنایت کئے
ہیں وہ بیشک پوری قدرت۔ نہایت وسیع علم اور اعلیٰ درجہ کی حکمت والا ہے۔
اُس کی عطیات بکثرت ہیں اور اُس کی نسبت جو کچھ ناواقف کہا کرتے ہیں وہ
ان تمام خرافات سے بالکل مبرا اور منزہ ہے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے
کہ ان سب مباحث کے ذکر کرنے سے کلام میں نہایت طوالت ہو جائے گی۔ اور عجب
نہیں کہ ناظرین اکتا جائیں اور اصل مقصود ہاتھ سے جاتا رہے۔ اس لئے میں اپنے
قلم کو روکتا ہوں نمونہ کے طور پر میں نے کچھ بیان کر ہی دیا ہے۔

جسم حیوانی کا بیان

اگر ہم ساخت انسانی اور اُس کے بدن کے باقی اعضاء پر نظر کریں اور
اُن میں سے ہر ایک کے کام کو دیکھیں اور جتنی چیزیں کہ حیوانی بدن
میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ بہنے والی ہوں خواہ بستہ ہوں اور اُن کے منافع کو لحاظ
کریں تو ہمیں یہ امر کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگے گا کہ ان سب چیزوں کے لئے ضرور

کوئی ذی حکمت۔ منتظم اور اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا خالق ہے۔ اب مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو اشارۃً ذکر کردوں پس میں کہتا ہوں کہ کیا دیکھنے والوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور کیا بحث کرنے والے غور و فکر سے ذرا بھی کام نہیں لیتے اور اُنہیں عالم کے پیدا کرنے والے کے وجود کا یقین نہیں ہوتا جب وہ اُن چیزوں کو جو انسانی جسم میں پائی جاتی ہیں جیسے کہ گردا۔ گردے دار ہڈی پٹھے۔ دل دو پھیپھڑے۔ جگر۔ طحال۔ دو گردے۔ معدہ۔ آنتیں ورید۔ شرائین۔ اوتار۔ عضلے۔ غدود۔ کری ہڈیاں سخت ہڈیاں۔ جالی دار ہڈیاں۔ سائل اشیاء جیسے کہ خون۔ صفرا۔ لعاب معدہ آنتوں اور پینکریاس عــہ گلٹی کے عرق۔ مختلف گیس وغیرہ دیکھتے ہیں اور ان چیزوں کے افعال۔ تحریکات۔ اور وہ اعمال جو اُن سے بدن میں مثل ہضم کرنے۔ پرورش کرنے سانس لینے اور اشیا کو باہم جُدا کرنے کے انجام پاتے ہیں اُن پر مطلع ہوتے ہیں اور اعضاء تولید اُن کے افعال اُن کا استحکام اور توالد و تناسل اور اُن انتظامات کی کیفیت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو کہ امر توالد کے انجام پانے۔ بچہ کے محفوظ رکھنے۔ اس کے نشو و نما وغیرہ کے لئے ضروری ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی بہتیرے امور ہیں جن کی تفصیل سے جلدیں کی جلدیں بھری جاسکتی ہیں۔

اور وہ علماء جو ان مباحث پر تفصیل کے ساتھ واقفیت حاصل کرتے ہیں اور اُن پر ان سب	علم کائنات جاننے والے خدا کے وجود پر استدلال کرنیکے زیادہ مستحق ہیں

کی باریکیاں۔ اسرار اور حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں اس بات کے مستحق ہیں کہ عالم کے لئے ذی علم مدبر با حکمت پیدا کرنے والے خدا کا تمام لوگوں سے اور بھی زیادہ قوی یقین کریں اور اگر

عــہ پینکریاس معدہ سے متصل ایک گلٹی ہوتی ہے جس سے عرق ہاضم نکلتا ہے جس کو لبلبہ کہتے ہیں ع ا

ہم کہیں کہ یہ لوگ اُن علماء علم کلام سے بھی جو خدا کے وجود پر اجمالی دلیلیں قائم کرتے ہیں بڑھ کر خدا پر ایمان لانے اور اُس کے وجود کو ماننے کے مستحق ہیں تو کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ لوگ تو عالم کے پیدا کرنے والے کی مصنوعات میں سے عجیب سے عجیب اشیاء کے تفصیلی حالات پر واقف ہوتے ہیں اور کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ خدائے پاک کے وجود پر سوائے اس کے کہ اُس کی مصنوعات اور عجائبات قدرت سے اُس پر استدلال کیا جائے اور بھی کوئی عقلی دلیل ہو سکتی ہے پس جب کوئی انہیں مصنوعات میں غور کرے گا۔ اور اُن کی تفصیلی حالت پر اُسے اطلاع ہوگی اُن کا استحکام اور یہ امر کہ اُن کے بنانے میں ضرور ارادہ اور حکمت سے کام لیا گیا ہے اُس پر ظاہر ہوگا اور ضرورت اور اتفاق اُس کے نزدیک ساقط الاعتبار قرار پائیں گے تو اُس وقت آپ دیکھیں گے کہ ایسے شخص کے دل میں ایمان نے پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم جما لیا ہے اور آپ کو نظر آئے گا کہ ضلالت و گمراہی کی دست درازیوں سے وہ کوسوں دور جا پڑا ہے اُس پر اُس کا جادو ہرگز نہیں چل سکتا۔

کالجوں میں تعلیم پانے والوں کے عقائد فاسد کیوں ہوتے ہیں اور اسکی اصلاح کی کیا تدبیر ہے

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو لوگ اُن کالجوں میں داخل ہوتے ہیں جن میں کہ علوم کائنات کی تعلیم ہوتی ہے خصوصاً جن میں کہ علم طب وغیرہ میں کام آنے کی غرض سے علم نباتات یا علم حیوانات پڑھایا جاتا ہے تو اُن میں سے اکثر کی ہم یہ حالت دیکھتے ہیں کہ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد وہ کالج سے کیا نکلتے ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ہی دائرۂ اسلام سے بھی خارج ہو جاتے ہیں اُن کے عقائد اسلامی عقائد سے کوسوں دور معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ موجد عالم کے اعتقاد کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وجود

کائنات اور تمام موجودات کے آثار کو مادہ اجزاء مادہ کی حرکت طبیعت قوانین
قدرت فطرت وغیرہ اشیاء کے حوالہ کرتے ہیں اُن کے نزدیک خدا کوئی چیز ہی نہیں
ہوتا اگر کچھ ہے تو نیچر ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی بے شعور نا سمجھ نیچر سے ہو جاتا ہے۔
پس جب انہوں نے اتنا بڑا اسلامی رکن منہدم کر دیا تو انہوں نے دین اسلام میں
سے اعتقاد ہی کس بات کا کیا ہے؟ اب اُن سے کس عبادت کی اُمید ہو سکتی ہے؟
اور اُن کی کونسی خصلت کونسا ادب قابل ستائش ٹھہر سکتا ہے خصوصاً جب وہ فن
طبعیات بھی پڑھ لیتے ہیں۔ جب انہیں کائنات کے قوانین قدرت پر اطلاع
حاصل ہو جاتی ہے اور جب وہ ان کے اثر کرنے کی کیفیت سے واقف ہو جاتے
ہیں تب تو اُن کے ملحدانہ خیالات کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا پس جب ایسی کیفیت
ہو تو یہ کہنا درست رہا کہ جو لوگ ان علوم کو تفصیل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں وہ خالق
کائنات کے وجود کے یقین کرنے اور اُس کے وجود کے نہایت ہی قوی اعتقاد رکھنے
کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس اشکال کا جواب مجھ سے سُنئے انشاء اللہ میں اس اعتراض کا
شافی وکافی جواب دونگا اور میں اپنے جواب سے اپنے اسلامی بھائیوں کو متنبہ کر کے
اس امر کی طرف متوجہ کروں گا کہ وُہ اُس بلائے بے درماں کے دُور کرنے کی جانب
راغب ہو جائیں جو کہ اُن کی نسل کے نوجوانوں میں سرایت کرتی چلی جاتی ہے ورنہ آیندہ
نسلوں میں جا کر اس کا علاج قریب قریب ناممکن کے ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ
اس باوقعت اور قابل قدر دین کی حمایت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور اس کے
تدارک کرنے کی طرف ابھی سے نہایت سرگرمی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔ پس سُنئے
کہ یہ علوم مذکورہ یعنی علم نباتات وعلم حیوانات اور اسی طرح علم فلکیات۔ علم کائنات جو

ایسے ہی اور علوم طبعیہ جن ہیں کہ کائنات کے قوانین قدرت سے بحث کی جاتی ہے جن میں کہ روشنی۔ پانی ہوا۔ قوت کہربائی وغیرہ کے خواص بیان کئے جاتے ہیں اس میں تو ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ ان علوم کے مباحث خالق کائنات کے وجود پر جن کے احوال سے ان علوم میں بحث کی جاتی ہے نہایت قوی دلیلوں کے ساتھ دلالت کرتے ہیں اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا بہت ہی بڑا صاحب قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت رکھنے والا ہے کیونکہ ساری کائنات اُسی خالق کے آثار ہیں اور موثر پر اُس کے آثار ہی کو دیکھ کر استدلال کیا جاتا ہے اور پھر چونکہ ان علوم کے مباحث میں عقل پر کائنات کے اسرار اور حکمتیں منکشف ہو جاتی ہیں اور اُس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ضرور یہ چیزیں کسی ذی اختیار نے اپنے قصد اور ارادہ سے بنائی ہیں اور اُن کے بنانے میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر اور انتظام سے کام لیا گیا ہے اس لئے ان مباحث سے خدا پر بخوبی استدلال ہو سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ مؤثر پر استدلال کرنا بالکل آسان امر نہیں ہے اس استدلال کے طریقہ میں بسا اوقات بڑی دشواری درپیش ہو جایا کرتی ہے یہاں قدم ذرا مشکل سے جمنے پاتے ہیں اس موقع پر محقق کا لغزش سے بچا رہنا بڑا کام رکھتا ہے اس لئے کہ انسانی عقل جب آثار کو دیکھتی ہے اور اُن کے اسباب کے دریافت کرنے کے درپے ہوتی ہے اُس وقت اگر اُس نے باریک بینی سے کام نہیں لیا ہے تو وہ ظاہری سبب تک پہنچکر رہ جاتی ہے اور اُسی کو مؤثر حقیقی اور سبب واقعی گمان کرنے لگتی ہے اور پھر اپنی رفتار کو وہیں ختم کر دیتی ہے اس وجہ سے جو لوگ علوم طبعیہ میں مشغول ہوتے ہیں اُن میں سے بعضوں کو جب ان آثار پر جن سے کہ ان علوم میں

بحث کی جاتی ہے اطلاع حاصل ہوئی اور وہ بغیر اس کے کہ باریک بینی سے کام لینے
اور بحث میں غور و فکر کرتے اُن آثار کے اسباب سے بحث کرنے لگے اور چونکہ انہیں
کسی سچے دین کا اعتقاد یا ایسا ہی کوئی امر جو اُن کی فکروں کو متنبہ کرتا اور مؤثر حقیقی
اور سبب واقعی تک اُن کی رہنمائی کرتا حاصل نہ تھا اس لئے اُن کی عقلیں مادہ اور
قوانین قدرت تک کہ جو اُن آثار کے ظاہری اسباب تھے پہنچکر رہ گئیں اور انہوں
نے فرض کرلیا کہ مادہ کے اجزاء بسیطہ کی حرکت ہی سب کچھ کرتی ہے پس وہ اُسی کے
وجود کے معتقد ہوکر رہ گئے اور چونکہ ان کی نظریں باریک بینی سے قاصر تھیں اس لئے
ان کی عقلیں اس امر سے متنبہ نہ ہوسکیں اور انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ
آیا مادہ اور ان قوانین قدرت میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ان تمام عجائبات
عالم کے حقیقی سبب قرار پائیں یا ایسا نہیں ہے اور نہ انہوں نے اسی کو سوچا کہ
دیکھیں مادہ میں یہ قابلیت موجود بھی ہے کہ اُسی سے ساری چیزیں صادر ہوں
اور وہ مادہ کسی سے صادر نہ ہوا ہو یا اُس کو اس وجہ سے کہ اس کا حدوث لازمی
امر ہے کسی دوسری شئے کی بھی ضرورت ہے جس سے کہ وہ صادر ہوا ہو اس سبب
سے یہیں پر وہ ٹھہر کر رہ گئے اور انہوں نے اپنی عقلوں سے اس سے آگے کچھ
کام نہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس امر کا تو اعتقاد کرلیا کہ تمام کائنات
کے صادر ہونے کا حقیقی سبب مادہ۔ قوانین قدرت اور اُس کے ذرات بسیطہ
کی حرکت ہی ہے اور خدائے عالم کے وجود کے منکر ہوگئے اور اس انکار کے
ایسے عادی ہوئے کہ عالم میں جس اثر کو انہوں نے دیکھا مادہ اُس کی حرکت اور
اُن قوانین قدرت کی جانب جو اس میں پائے جاتے ہیں منسوب کرنے لگے پھر اُس کو

اُنہوں نے مختلف عنوانات سے تعبیر کرنا اختیار کیا جس سے وہ صرف اپنی ہی سمجھوتی
کر لیتے ہیں پس کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ اثر طبیعت کے فعل سے ہوا کبھی کہتے ہیں قوانین
قدرت کا فعل ہے اسی طرح پر اور مختلف عنوانات بھی ہیں خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اس
ناتمام تحقیقات کے بڑے شد و مد سے معتقد بن گئے۔ پھر بعض کی یہاں تک نوبت
پہنچی کہ انہیں علوم کی رنگ آمیزیوں کی وجہ سے اُن مدارس میں سے جن میں کہ ان
علوم کی تعلیم ہوتی ہے کسی مدرسہ کے ٹیچر ہو گئے اور اُن کے پاس نوجوان ناواقف طالبعلم
ان علوم کے حاصل کرنے کے لئے آئے جنھیں اسلام کے سچے عقائد کی اطلاع تک
نہیں اور نہ انہوں نے اسی سے واقفیت حاصل کی کہ کائنات کے بننے اور ان آثار
کے حادث ہونے کی کیفیت کی نسبت مسلمانوں کو کیا اعتقاد کرنا چاہیئے اور نہ اُنہوں
نے اسی کو سمجھا کہ ساری کائنات زمین و آسمان کے موجد کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی
ہے اب ان علوم کے پڑھانے والوں کو موقع ملا کہ اپنے ان ناواقف شاگردوں
میں اپنے باطل خیالات اور غلط اعتقادات جو اُن کے دلوں میں ناتمام تحقیقات
کی وجہ سے جم کر رہ گئے تھے علمی تحقیقات کے پیرایہ میں پھیلائیں۔ پس جب کبھی
اُنہیں عجائبات میں سے کسی عجیب چیز پر اطلاع ہوئی یا اسرار کائنات میں کوئی
راز ان کو معلوم ہوا یا مصنوعات کی حکمتوں میں سے کسی حکمت پر اُن کو واقفیت
حاصل ہوئی تو بجائے اس کے کہ اپنے شاگردوں سے یہ کہتے کہ اس عجیب اثر کے
ایجاد کرنے میں خدا کی حیرت انگیز صنعت کو دیکھو اور اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکمت
میں غور کرو اُنہوں نے اُن سے یہ کہا کہ تم نے دیکھا طبیعت کا کیسا تعجب خیز
فعل ظاہر ہوا اور فلاں قدرتی قانون کا کیسا عجیب و غریب اثر ہے علیٰ ہذا القیاس

ایسی ہی اور مخرب عقائد باتیں کہنا شروع کیں کاش اس موقع پر وہ یوں کہتے کہ تم نے فلاں قدرتی قانون کو دیکھا کیسا عجیب و غریب ہے اب اس سے سمجھ لو کہ جس نے عالم میں ایسے قدرتی قوانین[ع] جاری کئے ہیں وہ کیسا باحکمت اور قادر مطلق ہوگا؟ لیکن اُنہوں نے یہ تو کیا نہیں بلکہ قوانین فطرت تک پہنچ کر رہ گئے اور اُسی کی طرف تمام چیزوں کو مستند کیا بیٹھے اور برابر اسی طریقہ کا اُن کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے یہاں

ع اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کو ظاہر کردوں کہ قدرتی قانون نام کس چیز کا ہے۔ میرے نزدیک قانون فطرت کسی با اختیار کام کرنے والے کے طرز عمل کا نام ہے اور اس کی مثال ریل کی پٹڑی کی سی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریل جب چلتی ہے وہ اسی طرف کو جاتی ہے جدھر کہ اس کی پٹڑی بچھی ہوتی ہے اسی طرح عالم میں جو اثر ظاہر ہوتا ہے وہ قانون قدرت کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور جیسے کہ ریل کے چلنے کے لئے محض پٹڑی کا ہونا کافی نہیں بلکہ کسی ڈرائیور کی ضرورت ہے جو اس کو آگے لیجائے اسی طرح یہاں بھی کوئی ذی اختیار ہونا چاہئے جو اپنے افعال قانون قدرت کے موافق کرے اور جیسے کہ ریل کی پٹڑی بچھانے والے کو اختیار ہے کہ وہ جدھر چاہے اس کا رُخ بدل دے اسی طرح خالق کائنات کو بھی اختیار ہے کہ جیسے کہ اُس نے اپنا طرز عمل ایک طور پر مقرر کرلیا تھا جس کو کہ قانون قدرت کہتے ہیں وہ بجائے اس کے کوئی دوسرا قانون مقرر کردے۔ پس جیسے کہ ریل کے چلنے میں موثر اسٹیم یا ڈرائیور سمجھا جاتا ہے اور پٹڑی کو کوئی موثر نہیں کہتا اسی طرح اہل اسلام کے نزدیک حقیقت میں خدا موثر ہے اور قانون قدرت اُس کا طرز عمل ہے جس کو کہ اُس نے اپنے اختیار سے مقرر کر رکھا ہے اسلئے قوانین قدرت حقیقی موثر نہیں ہوسکتے اہل اسلام کے نزدیک قانون قدرت کا نام عادت اللہ ہے ۱۲

تک کہ یہی کیفیت اُن کے دلوں میں بخوبی جاگزیں ہوا کی اور اسی قسم کے خیالات اُن
کی عقلوں میں بھی منقوش ہوتے رہے خلاصہ یہ کہ مدارس میں رہنے کا زمانہ ختم بھی
نہیں ہونے پاتا کہ اُس سے پہلے ہی اُن کے دلوں میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ عالم
میں سوائے طبیعت مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت اور قوانین قدرت کے کوئی فاعل
ہے ہی نہیں اور اُن کا یہ اعتقاد کہ عالم کا پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے بالکل زائل
ہو جاتا ہے پس جس وقت وہ مدرسہ کو چھوڑتے ہیں تو اُن کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ
اس کے ساتھ ہی بلکہ اُس سے پہلے ہی اپنے آبائی دین کو بھی خیرباد کہہ چکتے ہیں
اور اہل اسلام کو اُن سے یہ امید ہوتی ہے کہ جماعت اسلام میں تعلیم یافتہ اشخاص کی
تعداد میں ترقی ہوئی یہ لوگ دین سے واقف ہوں گے ان سے اسلام کو نفع پہنچیگا،
شریعت محمدیہ کی حمایت کریں گے۔ اپنے ہم وطنوں کے کام آئیں گے اُن کے کامیاب
ہونے کی تدابیر بتلائیں گے لیکن حقیقت میں اُن کی یہ ساری امیدیں خاک میں مل
جاتی ہیں اُن کی کوششیں بے سُود ثابت ہوتی ہیں اور اُن کو ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی
جماعت سے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ جن کی نسبت وہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی
ہمیں لوگوں میں سے ہیں ہمارے تعلیم یافتہ دینی بھائی ہیں اور واقع میں دیکھئے تو وہ
دین۔ سلطنت اور وطن سب کے پکے دشمن ہوتے ہیں عقائد اُن کے اہل اسلام کے
خلاف ہوتے ہیں اُن کے طرز۔ رفتار۔ گفتار۔ برتاؤ وغیرہ جس میں دیکھئے کسی میں اسلامی
بوتک نہیں پائی جاتی اُن کے مقاصد۔ اور ارادے اسلامی شان کے بالکل خلاف
ہوتے ہیں اُن کی حالت دیکھ کر تو بڑا جی دکھتا ہے اور بے ساختہ سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ
رَاجِعُوْنَ نکل جاتا ہے خدا اُن کو ہدایت کرے۔ پس ہی خواہان اسلام کے ذمہ یہ امر

ضروری ہے کہ اس مصیبت عظیمہ کا تدارک کریں خصوصًا ان لوگوں کو تو اس کا پورا انتظام کرنا چاہیئے جو جماعت اسلام میں سے صاحب حکومت اور ذی اختیار بھی ہیں اُن کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ان مدارس کے لئے حتی المقدور صرف ایسے ہی اشخاص معلم قرار دیے جائیں جن کے عقیدے اسلام کے موافق صحیح صحیح ہوں طبیعت میں سلامت روی پائی جائے اسلامی تعلیمات کے صدق دل سے معتقد ہوں صرف نام ہی کے مسلمان نہ ہوں بلکہ باوجود درستی عقائد کے شریعت محمدیہ کے آداب و اخلاق سے بھی آراستہ ہوں اور حتی الامکان شریعت کے پورے پابند ہوں اس لئے کہ شاگرد کی مثال اپنے اُستاد کے اعتبار سے بالکل آئینہ کی سی ہے پس جیسے کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آتی ہے اُسی کی صورت اُس میں منقش ہو جاتی ہے اور نظر آنے لگتی ہے اسی طرح جو اُستاد کی حالت ہوتی ہے وہی شاگردوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اُستاد کے خیالات کا شاگردوں پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے اور دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ طالب علم ان مدارس (علوم طبعیہ کے مدارس) میں اُس وقت تک ہرگز داخل نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ پہلے ایک کافی زمانہ تک دینی مدارس میں قیام نہ کر چکے ہوں اور وہاں رہ کر اُنہوں نے اپنے اسلامی عقیدے پورے طور سے صحیح نہ کر لئے ہوں تاکہ اُس کے بعد شبہات لایعنی سے اُن میں تزلزل نہ آنے پائے اور لوگوں کی بے سر و پا باتیں اور رنگ آمیزیاں اُن کو پس و پیش میں نہ ڈال سکیں آداب حسنہ سے اُن کی اصلاح ہو جائے اور عبادتوں کی بجا آوری کے عادی ہو جائیں اور اگر یہ خیال ہو کہ اس امر کے التزام کرنے سے وہ وقت جو ان دنیوی علوم کی تحصیل کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا تو پھر یہ امر ضروری

بلکہ نہایت ضروری ہے کہ انہیں مدارس میں ایسے علماء رکھے جائیں کہ ان کو اسلامی عقائد اور احکام کی تعلیم دیا کریں اور اس ضرر کا مقابلہ کر سکیں ان مدارس میں داخل ہونے کے وقت سے لیکر ان کے چھوڑنے کے وقت تک دینی عقاید اور احکام کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے چاہے تھوڑی ہی دیر کیوں نہ ہو لیکن ہو بلاناغہ اور جب تک ان کا ان مدارس میں قیام رہے اس زمانہ تک برابر یہ علماء ان کے عقائد۔ آداب عبادات وغیرہ کے نگران رہیں اور ان کی اصلاح کرتے رہیں اور جہاں کہیں دینی احکام بظاہر ان عقلی علوم کے مخالف معلوم ہوں ان میں باہم تطبیق دیں اور دینی امور کو عقلی دلائل سے طلبہ کو ثابت کر دکھائیں بس اگر ان دونوں شرطوں کی رعایت کی جائے گی جن میں اوّل تو یہ کہ جو اساتذہ ان مدارس کے لئے انتخاب کئے جائیں وہ اسلام کے پابند ہوں اور ان کے عقائد اسلامی تعلیم کے موافق صحیح صحیح ہوں اور دوسرے یہ کہ ان طالب علموں کو اسلامی احکام کی عموماً اور عقائد اسلام کی خصوصاً کافی نگرانی کے ساتھ تعلیم دی جائے عام ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کا انتظام کیا جائے یا عقلی علوم کے تحصیل کی ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی جاری رکھی جائے تو پھر یہ تعلیم یافتہ اشخاص کجروی سے ضرور محفوظ رہیں گے ان کے دینی خصائل و آداب میں فتور نہ آنے پائے گا عبادات میں ان سے بے پرواہی ظاہر نہ ہوگی بلکہ ان کے عقیدے پکے اور نہایت ہی پختہ ہوں گے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان عقلی علوم کی تحصیل کے زمانہ میں ان کو خداوندی مصنوعات اس کے حیرت انگیز افعال۔ اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ بھی حاصل ہوتا جائے گا کیونکہ اس تقدیر پر جب کبھی وہ کوئی عجیب صنعت یا عجائبات قدرت میں سے کوئی راز مشاہدہ کریگے

تو اپنے مسلمان اساتذہ کو یہی کہتے ہوئے سُنیں گے کہ خداوندی صنعت کو دیکھو اور اس عجیب و غریب مصنوع میں جو اُس نے اپنی اعلیٰ درجہ کی پائدار اور محکم حکمت سے کام لیا ہے اُس میں غور کرو پس اُس وقت بلا تامل اُن کی زبان سے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا نکلے گی اُس کی تسبیح اور تنزیہ میں مشغول ہو جائیں گے اس طرح خداوندی عظمت اُن کے دلوں میں روز افزوں ترقی کرتی رہے گی اور اُس کی قدرت اُن کی نظروں میں نہایت ہی عظیم معلوم ہوگی پس ان مدارس میں اُن کے قیام کا زمانہ گذرنے بھی نہ پائے گا کہ اس سے قبل ہی اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور موحدین میں سر برآوردہ اور افضل شمار کئے جانیکے مستحق ہو جائیں گے اس وقت بیشک مسلمانوں میں ایسے تعلیم یافتہ اشخاص پیدا ہو سکیں گے کہ اسلامی دین کی حمایت کریں اور اپنی قوم ملک اور سلطنت کے کام آویں (اور[ع] جب تک یہ کیفیت نہ ہوگی اس وقت تک ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ علوم عقلیہ حاصل کر کے تعلیم یافتہ اشخاص میں شمار کئے جانے لگے اُن سے اسلام یا مسلمانوں کو کچھ بھی نفع پہنچ سکتا ہے کیونکہ جب ان کے عقائد جو اسلام کا رکن اعظم ہے وہ ہی درست نہ ہوں گے تو اہل اسلام کو اُن سے کیا امید ہو سکتی ہے جب وہ خود ہی اسلامی تعلیم سے ناآشنا ہو رہے ہیں تو اہل اسلام کو بحیثیت اسلام کے کیا نفع پہنچا سکتے ہیں رہے دنیاوی فوائد تو دین کے مقابل میں دنیاوی فوائد کی اُس شخص کی نظروں میں جو مسلمان ہے ہرگز وقعت نہیں ہو سکتی یہ امر اسلامی مقتضیٰ کے بالکل خلاف ہے۔ بالفرض محال اگر اُن سے اس حالت میں دنیاوی نفع کی امید بھی کی جاوے تو یہی ضرر کے مقابلہ میں جو اُن سے پہونچے گا اُس کی کوئی قدر نہیں کی جا سکتی علاوہ بریں اس امر میں ان کی خصوصیت ہی کیا ہوئی دنیاوی نفع کے پہنچانے

[ع] خط و صدا [illegible]

ہیں انسانی ہمدردی کے موافق تو غیر تو میں بھی برابر ہیں۔ میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرا مقصود اعتراض کرنا ہے۔ میری اسلامی ہمدردی مجھ کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو ذرا متنبہ کر دوں) اب میں خدائے پاک سے اس امر کی التجا کرتا ہوں کہ ہمارے حکام کو ایسے امور کی توفیق دے جسمیں امت محمدیہ کی بہتری ہو اور اُن کو اپنے فضل وکرم کی برکت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس کا اجر جزیل عنایت فرمائے۔ آمین۔

روح حیات، عقل وغیرہ کے مباحث میں خالق کائنات کے وجود پر نہایت ہی قوی دلائل

اے اہل سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والو اب میں تم سے کہتا ہوں کہ محسوسات کے احوال میں تو ہم نظر کر چکے اس سے تو سابق میں بحث ہو چکی۔ اب اگر حیات۔ روح۔ عقل۔ قوت۔ متذکرہ وغیرہ نفس کی قوتوں میں ہم غور کریں تو ہم کو ایک بہت وسیع میدان نظر آئے گا جس کو دیکھ کر بجز متحیر رہ جانے کے اور کچھ نہ ہو سکے گا اور بجائے اس کے کہ ان حقائق کی حقیقت اور اس امر سے ہم واقف ہو جائیں یعنی یہ کہ اشیاء کی صورتیں انسان کے نزدیک کیونکر محفوظ رہتی ہیں بھولنے کے بعد اُسے کیونکر یاد آجایا کرتی ہیں اُس کے صفحۂ فکر سے کس طرح پر چیزیں بالکل زائل ہو جایا کرتی ہیں اور کس طور پر وہ معقولات کا تصور کرتا ہے کلی اور جزئی کے احکام کیونکر اُس کے ذہن میں قائم رہتے ہیں تو ہم ایک بحر عمیق میں غوطہ کھاتے رہیں گے اور اس قسم کے جس مسئلہ کو آپ لیجئے گا اس کی نسبت یہی دریافت ہو گا کہ علماء اور حکماء کی عقلیں اُس کو حل نہ کر سکیں اُس کا راز کسی کی سمجھ میں پورے طور سے نہ آیا یہ معما کسی پر نہ کھلا اور حقیقت حال تک شاید کسی کی بھی رسائی نہیں ہوئی غایت سے غایت یہ ہوا کہ جو لوگ ان چیزوں کی

حقائق کے دریافت کر لینے کے مدعی ہیں وہ چند ایسی دقیق اور مبہم باتیں کہہ دیتے ہیں
کہ جس سے سننے والے کی ذرا بھی تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ کچھ سمجھ ہی سکتا ہے پس
انسانی عقلوں سے ان حقائق کے مخفی رکھنے میں عجب نہیں کہ خداوند تعالیٰ کو ان کا
عجز ظاہر کرنا مقصود ہو تا کہ اپنے کو ان اشیاء کی حقائق کے دریافت کر لینے سے
عاجز پا کر اس امر پر متنبہ ہو جائیں کہ جب فکر انسانی اپنی اور اپنی عقل اور اپنی قوتوں
کی حقیقت پورے طور سے دریافت نہ کر سکی۔ تو وہ اس کی حقیقت کے دریافت
کر لینے پر کیونکر قدرت رکھ سکتی ہے کہ جس نے ان حقائق کو پیدا اور ایجاد کیا ہے
اس موقع پر تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ انسان کہ جس نے اپنی عقل سے زمین و آسمان
کے قلابے ملا دیئے۔ افلاک اور سیارات کو دریافت کیا۔ جمادی۔ نباتی اور حیوانی
دنیا پر اطلاع حاصل کی وہی اپنے نفس اور اپنی اور ان قوتوں کی حقیقت دریافت
کرنے سے عاجز رہا اور تمام عقلاء سر پٹک کر مر گئے اور آج تک اس بات کا فیصلہ
نہ ہوا کہ ان چیزوں کی حقیقت کیا ہے ہر فلاسفر نے اپنی ایک نئی فلاسفی قائم کی
جس سے کہ دوسروں نے انکار کیا بہر حال قطعی فیصلہ ان امور میں سے کسی میں بھی نہ ہو
سکا اب اس مُبرا اور منزّہ خدا کی قدرت کو دیکھئے کہ جس نے تبلانے کو تو انسان کو
عقل دے کر وہ وہ چیزیں بتلائیں کہ جن سے وہ بالکل ناواقف تھا لیکن پھر بھی
اس کو اس کے نفس اور اس کی قوتوں کی حقیقت پر آگاہی نہیں بخشی اس موقع پر
پہنچکر تو انسان کا ناطقہ بالکل بند ہو گیا اور تحیّر کی وجہ سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ
گویا اس کو چشم و گوش سے کچھ بہرہ ہی نہیں ملا ہے۔

اہل سائنس کو متنبہ کرنا | پس اے مادہ کے قدیم ماننے والو اور اے میرے انسانی

بھائیو کیا جب میں تمام کائنات کے حادث ہونے اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے واجب الوجود ہونے پر اتنے دلائل آپ لوگوں کے سامنے قائم کر چکا تو کیا اس کے بعد بھی آپ مادہ کے قدیم ہونے پر اصرار کریں گے اور یہی کہے جائیں گے کہ مادہ کے ذرات بسیط کی حرکت ہی تمام کائنات کو بنانے والی ہے اور خدائے عالم کا جس نے کہ اپنے وجود پر روز روشن کے مثل کھلی کھلی دلیلیں قائم کر دی ہیں انکار ہی کرتے رہیں گے میں آپ کے لئے اس امر کی دعا کرتا ہوں کہ آپ کی عقلیں مختل ہونے سے محفوظ رہیں اور آپ تمام اشیاء کو انصاف کی نگاہ سے دیکھیں میں بمقتضائے انسانی ہمدردی کے آپ لوگوں سے اس امر کی درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فکروں سے آزادانہ طور پر غور کریں اور سوچیں اور ان مغالطہ آمیز باتوں اور واہی تباہی شبہوں سے دھوکا نہ کھائیں جن کی وجہ سے خدانخواستہ آپ کو سخت مصیبت اٹھانا پڑے کیونکہ زندگی کی مدت بہت ہی تھوڑی ہے چند روز میں گذر جائے گی اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کہتے ہیں اس کے صحیح ہونے کی صورت میں آپ کو اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد سخت ہولناک چیزوں سے سامنا پڑے گا اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی اور اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس کرنا پڑے گا اور عاقل کو تو چاہیے کہ ایسا طریق اختیار کرے کہ جو زیادہ تر احتیاط پر مبنی ہو اور اس امر کا بھی لحاظ رکھے کہ جس کا واقع ہونا ذرا مشکل ہی کیوں نہ ہو چہ جائیکہ اگر کسی شئے کا وقوع بالکل آسان بھی ہو اور اس کے وجود میں آ جانے کی امید بھی پائی جاتی ہو۔

اہل اسلام اور اہل سائنس کی مثال

بھلا اپنے اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور کیجئے اگر آپ ذرا بھی غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ آپ

کی مثال اُنکے ساتھ اُن دو شخصوں کی سی ہے کہ جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے ہوں جس میں کہ متعدد مستحکم کمرے اور نشستگاہیں پائی جاتی ہوں وہ دروازوں اور جنگلوں سے آراستہ ہو اُس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت اہتمام اور استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں اور ان کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوں بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں۔ نہایت بیش قیمت برتن اُس کے چاروں طرف قرینہ سے رکھے ہوں۔ مختلف گھڑیوں۔ متعدد مقیاس الحرارت اور مقیاس الہوا کے ذریعہ سے اُس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو اُس میں بودوباش کرنے کے لئے جتنے سازو سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں اُس کے چاروں طرف نہایت خوبصورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں گرداگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جس میں درختوں کا صف باندھ کر ایستادہ ہونا نگاہوں کو بہت خوش آیند معلوم ہوتا ہو قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اُس کی نہروں اور جدولوں میں پانی شوخی سے بہ رہا ہو۔ اُس کی مستحکم بنی ہوئی حوضیں لبالب بھری ہوں خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہوں کہ جو اُنہیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں چیز فلاں حکمت پر مبنی ہے۔ اس چیز سے یہ فائدہ ہے اس کا بنانے والا کیسا ذی اختیار اور مُدبّر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینہ سے بنائی اور جس شے کے لئے جو مقام تجویز کیا اُس کے لئے وہی مناسب تھا اب ایسے مقام پر پہنچکر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ ساری صناعی خود بخود تو ہو نہیں سکتی ضرور کسی بڑے صناع نے اس کو بنایا اور اُس کی تمام اشیاء کو مستحکم کیا ہے صاحب اس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا اُس کے تالیف و ترتیب

کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت رکھتا تھا جب تو اُس نے انتہا درجہ کی حکمت
کے موافق اس کو اس قدر مضبوط و مستحکم بنایا اور خوبی یہ کہ اُسکے تمام ہی لوازمات
کامل طور پر اُس نے مہیا کر دیئے تاکہ یہاں رہنا اور کما حقہٗ عیش و آرام سے بسر
کرنا ممکن ہو کوئی امر آسائش میں مخل نہ ہونے پائے اس کا بنانے والا اگرچہ ہماری
نظروں سے غائب ہے ہم نے اُس کو دیکھا نہیں اور نہ ہماری عقل کی یہاں تک
رسائی ہوتی کہ ہم اُس کی حقیقت دریافت کر لیتے لیکن تاہم اس بات میں تو ذرا
بھی شک نہیں کہ وہ ہے ضرور اور اُس میں علم۔ قدرت۔ تدبیر۔ حکمت وغیرہ ایسے
اوصاف جن کی کہ اِس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑ سکتی ہے سب موجود ہیں اور
یہ ضروری نہیں کہ جس شے کے وجود کا اور اُس کے اوصاف کا ہم یقین کرتے ہوں
اُس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا ہو کیونکہ اگر کسی شئے کا کوئی اثر ہم کو
معلوم ہو جائے تو ہم یقیناً سمجھ لیں گے کہ وہ شے بھی ضرور موجود ہے۔ چنانچہ اس
موقع پر اس کوٹھی کے بنانے والے کے اثر کا (یعنی یہی کوٹھی اور جو جو صناعیاں اس
میں پائی جاتی ہیں) دیکھ لینا اُس کے بنانے والے اور اُس کے خاص خاص اوصاف
کے اعتقاد کے لئے بالکل کافی ہے اور عقل کی اس سے بخوبی تسکین ہو جاتی ہے
پھر وہی شخص کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض ایسی چیزیں
بھی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اُن میں بھی کوئی نہ
کوئی حکمت ضرور ہو گی اگرچہ میں اس کو دریافت نہیں کر سکا۔ کیونکہ جن اشیاء
کی حکمت میری سمجھ میں آ گئی میں نے اسی سے اس امر کو نہایت اطمینان کے ساتھ
سمجھ لیا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اُس نے بلا کسی حکمت کے اس

کو نہ بنایا ہوگا اور دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کے بنانے والے کا تو نے جو اعتقاد کر لیا میں نے تو اس کو اپنی آنکھ سے اس کوٹھی کو بناتے ہوئے دیکھا نہیں پس میں تو اس کے وجود کا ہرگز اعتقاد نہ کرونگا اور نہ اُن صفات ہی کو مانوں گا جن کا کہ تو نے اس کوٹھی کو دیکھ کر اُس کی نسبت اعتقاد کر لیا ہے لیکن ہاں اس کوٹھی کے اس استحکام کیساتھ موجود ہونے کے لئے ضرور کوئی ایسی چیز ہونا چاہیئے کہ جس سے یہ تیار ہوئی ہو یہ کہہ کر وہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا اور اس کی نظر ایک پہاڑ پر جا پڑی جو اُس کوٹھی کے پاس ہی ایستادہ تھا اور اُس کی جڑ سے پانی کا ایک چشمہ جاری تھا جس کا پانی اُس کوٹھی کی نہروں میں آتا تھا یہ دیکھ کر وہ شخص کہنے لگا کہ میری عقل نے اُس شے کو دریافت کر لیا جس سے کہ یہ کوٹھی واقع میں بنی ہے اور جو اس کی اور جتنی اشیاء کہ اس میں پائی جاتی ہیں اُن سب کی حقیقی علت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانۂ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے پس لاکھوں ہی برس کا زمانہ گذرا جبکہ یہ ہوا مٹی پتھروں کو پہاڑ سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اُس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین میں جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اُس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہوگئی اور کبھی کچھ اس طرح کبھی وہ سب چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور اُن کی اوضاع اور شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی گو کبھی یہ تبدیلی بدانتظامی کے ساتھ ہوئی اور کبھی انتظام کے ساتھ یہاں تک کہ کروڑوں ہی برس کے زمانہ کے گذرنے کے بعد اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی۔ جس میں کہ کمرے نشستگاہیں۔ دروازے۔ جنگلے۔ برآمدے۔

راستے حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں مٹی کے ڈھیلے اور پتھر بارش کے پانی سے جو مٹی گیلی ہوگئی تھی اُس کی خاصیت کی وجہ سے جم گئے ہیں اس طرح پر اس قدر مستحکم اور مضبوط کوٹھی مع تمام صناعیوں کے تیار ہوگئی رہا نہروں کا جاری ہونا اُس کی یہ صورت ہوئی کہ اسی چشمہ سے جو کہ اس پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہ بہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا کبھی بدانتظامی کے ساتھ اور کبھی باقاعدہ اس لئے کہ پانی سے اس کی مٹی گلتی رہی ہوا اور بارش کا اُس کے راستہ میں اثر ہوتا رہا۔ شدہ شدہ لاکھوں ہی برس کے زمانہ کے گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں بن گئیں اور اُس میں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔ اب اُس کے برتن۔ فرش۔ گھڑیوں اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجیے۔ اُن کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر یا اس زمین میں اترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں اور ہوا ان کو مختلف طرح پر ادہر ادھر منتقل کرتی رہی کبھی کوئی چیز نزدیک آگئی کبھی دور چلی گئی کبھی کوئی شے کمرہ کے اندر چلی آئی کبھی باہر ہوگئی خلاصہ یہ کہ کروڑوں برس کے زمانہ کے بعد یہاں تک نوبت پہنچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے۔ برتن قطاروں میں آراستہ ہوگئے گھڑیاں اور مختلف قسم کے مقیاس دیوار پر آویزاں ہوگئے یہی حالت اُن درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں اُن کے بیج ہوا میں اُڑ کر یہاں تک پہنچ گئے اور اس زمین پر جم کر اُگ آئے اور ہوا کی وجہ سے ادھر اُدھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ وہ موجودہ حالت پر نظر آنے لگے خلاصہ یہ کہ ہواؤں کی آمد و رفت

اور بارش کے اثر سے کبھی کوئی چیز ادھر ہوئی کبھی اُدھر کبھی اُس کی صورت مناسب وضع پر ہوئی کبھی اُس کے خلاف اس طرح پہ مختلف صورتیں بدلا کیں یہاں تک کہ ان اسباب نے اس کو موجودہ ساخت پر پہنچا دیا اور جب وہ (کوٹھی) استحکام اور باقاعدگی کے اس مرتبہ کو پہنچ گئی تو اب اُس میں ہوا اور بارش کے مقابلہ کرنے کی پوری قوت آ گئی اس کی وجہ سے ان سب چیزوں میں جو تبدیلیاں اس سے پہلے واقع ہوا کرتی تھیں اب نہیں ہوتیں اور اُس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے کی شکلوں میں اسقدر استحکام نہیں آیا تھا جتنا کہ اب موجود ہے اور میرے نزدیک اس کوٹھی کا مع سارے ساز و سامان کے انہیں اسباب مذکورہ کی وجہ سے موجود اور مرتب ہو جانا کچھ مستبعد نہیں ہے کیونکہ ہوا اور بارش میں اگرچہ نہ کچھ عقل ہے اور نہ علم اور نہ وہ دونوں کوئی کام اپنے قصد و ارادہ سے کرتے ہیں لیکن اُن کی حرکات اور تصرفات کا بکثرت واقع ہونا اور اُن میں فرق کا لگاتار پایا جانا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے کہ اس کوٹھی اور اس کے سارے ساز و سامان کو حالت موجودہ پر پہنچا دیا اور اس میں اسقدر استحکام آ گیا اور میرے نزدیک اس بات کی دلیل کہ یہ کوٹھی کسی نے اپنے مقصد سے نہیں بنائی اور نہ کسی حکمت کی اُس میں رعایت کی گئی یہ ہے کہ اُس میں بعض ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جن میں ارادہ اور حکمت کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا پس اے اہل سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والو ان دونوں شخصوں میں سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو پہلے شخص کی سی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس نے یہ تمام کائنات ایجاد کی ہے وہ صاحب ارادہ۔ ذی قدرت۔ علم اور حکمت

رکھنے والا خدا ہے اگرچہ یہاں تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی کہ خدا کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے لیکن اُس کے مصنوعات کو دیکھ کر انہوں نے اُسکے وجود اور اُس کے صفات پر استدلال کر لیا اور اگر کہیں اس کی کسی مصنوعات کی حکمت اُن کی سمجھ میں نہیں آئی تب بھی انہوں نے اس امر کو تسلیم کیا کہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے جو ہم پر پوشیدہ رہی ہے اور کیونکر نہ تسلیم کرتے وہ اس کی باقی مصنوعات میں بے انتہا حکمتیں مشاہدہ کر ہی چکے تھے اور دوسرے شخص کی مثال آپ لوگوں کی سی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مادہ کی حرکت ہی نے تمام کائنات کو زمانہ دراز میں اس طرح پر بنایا ہے کہ وہ حرکت اجزاء مادہ کی طرح طرح کی صورتیں بدلتی رہی حتی کہ تمام کائنات موجودہ حالت پر پہنچ گئی اور انتخاب طبعی کے قانون کے موافق وہ ایسے درجہ پر جا پہنچی جس پر کہ اس کو قرار ہو سکے اور یہی قانون کائنات کے نظام کا حافظ ہے اور یہی نہایت عمدہ اشیاء کو باقی رکھتا ہے اس عالم میں حکمت اور قصد کے نہ پائے جانے پر آپ کا استدلال یہ ہے کہ بعض چیزیں عالم میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن میں حکمت اور قصد کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا اور آپ لوگ ہزاروں لاکھوں حکمتوں سے جو اس امر کی کھلی کھلی شہادت دے رہی ہیں کہ اس کائنات کا بنانے والا بڑا ہی ذی حکمت ہے غافل رہے۔ پس ذرا غور تو کرو کہ ان دونوں شخصوں میں سے کون اس امر کا مستحق ٹھہر سکتا ہے کہ عقول سلیمہ اُس کی بات مانیں اور نفسانی تعصبات اور شیطانی خواہشات سے آزاد عقلیں اُسے تسلیم کریں۔ اے عقلمندو ایسا اندھیر کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اُسکے ساتھ روگردانی سے کام لیا جائے اور امر محسوس کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی

اپنی ہٹ کی جائے ۔ شرم ! شرم ! ہم سب کی ہدایت کا خدا ہی مالک ہے جسے
چاہے وہ ہدایت کرے ۔

اہلِ سائنس کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

اب جبکہ میں صانع عالم کے وجود پر اُس کے تمام صفات کمال کی ساتھ متصف ہونے پر تمام
نقائص سے منزہ ہونے پر اور اس امر پر کہ مادہ مادیات اور جمیع کائنات کا پیدا
کرنے والا وہی خدا ہے آپ لوگوں کے لئے ایسے دلائل قائم کر چکا جن سے مجھے
امید ہے کہ انشاء اللہ آپ کی عقلوں کی تسکین ہو جائے گی اور وہ دلائل آپ لوگوں
کے لئے راہ ہدایت میں چلنے کا باعث ہو جائیں گی تو اس کے بعد مجھے آپ لوگوں
سے کچھ اور عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے آپ لوگوں کی کتابوں میں چند
شبہے دیکھے ہیں کہ اگر آپ لوگ اُن کو قطعی دلائل سے دفع نہ کریں تو وہ آپ کے
ایمان میں ضرور رخنہ اندازی کا باعث واقع ہوں اور اُن کا نتیجہ نہایت برا ہو لیکن
ہاں اگر آپ لوگ اہتمام کے ساتھ حق تک پہنچنے کے طالب ہو جائیں اُن دلائل
کو جو میں نے آپ لوگوں کے لئے قائم کی ہیں اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ اس خدا کی عظمت
کو پیش نظر کر لیں ۔ طریق معرفت میں اپنے عجز کا اعتراف کریں اور تسلیم کر لیں کہ
خدائے پاک اور اس کے تمام اعمال کے احاطہ کرنے سے ضرور ہم لوگ قاصر ہیں
تو پھر یہ سارے شبہے ساقط ہو جائیں اور اس امر کا اعتقاد کر لینا کہ خدا موجود ہے
اور اُسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے آپ لوگوں پر بالکل آسان ہو جائے اور
ذرا بھی دقت نہ پڑے ۔ اب اُن شبہوں میں سے جو آپ لوگوں کی (یعنی اہل سائنس
کی) کتابوں میں مذکور ہیں نہایت ہی مشہور شبہوں کو ذکر کرتا ہوں اور انشاء اللہ

ثابت کر دوں گا کہ وہ بالکل ہی لچر ہیں پس سُنئے۔ پہلا شبہ۔ آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شے موجود تو ہو لیکن نہ وہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو نہ جسم کی صورت ہو نہ کوئی ایسا مادہ ہو کہ کسی معقول صورت میں سمجھ میں آسکے نہ اُس کی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے حصے ہو سکتے ہوں۔ اس کا فعل تو اسی سے صادر ہوتا ہو لیکن اُس کے ساتھ متصل نہ ہو اور اس سے آپ کا مقصود خدائے پاک کی ذات ہے۔ دوسرا شبہ۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آئے یعنی پہلے نہ ہو اور پھر موجود ہو جائے اور اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ مادہ کا عدم سے وجود میں آجانا ہماری عقل نہیں سمجھ سکتی۔ تیسرا شبہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نظام کائنات میں قصد اور حکمت کی رعایت ہوتی تو ہر شے میں قصد اور حکمت کے پورے پورے آثار موجود ہونا ضروری امر تھا حالانکہ عالم میں ایسی اشیا بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قصد اور حکمت پر وہ منطبق نہیں ہوتیں بلکہ قصد اور حکمت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے علی وجہ الضرورت ہی ان کا انطباق ہوگا یعنی تمام اشیاء میں جب قصد اور حکمت کے آثار ہماری سمجھ میں نہیں آئے تو بس یہی کہنا چاہیئے کہ تمام چیزیں علی وجہ الضرورت ہو گئیں اب میں کہتا ہوں کہ سابق کی تمام بحث سے آپ اس بات کو جان چکے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو خدائے عالم اور اُس کی تمام صفات پر اسی کائنات سے استدلال کرتے ہیں اس واسطے کہ کائنات کے حادث ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اُس کا خود بخود پایا جانا محال ہے۔ اور یہ کائنات عظمت عجیب صنعت استحکام اور مضبوطی کے اعتبار سے ایسے بڑے مرتبہ پر پہنچ گئی ہے کہ اُن سب پر حاوی ہو جانا

اور سب کو احاطہ کر لینا انسانی عقل کا کام نہیں وہ اس سے بالکل عاجز ہے پس اس وقت یہ کائنات اپنے پیدا کرنے والے کی صفات اور خود اس کی ذات کی عظمت پر اور اس کی حکمت کے نہایت ہی عالی ہونے پر کہ جس کا حصر کر لینا ممکن ہی نہیں اور نہ افکار اس کو حاوی ہو سکتی ہیں۔ بہت اچھی طرح سے دلالت کرتی ہے اور انسانی عقل کا یہی خاصہ ہے کہ آثار کی عظمت سے موثر کی عظمت پر استدلال کیا کرتی ہے اور جسقدر کہ آثار عظیم ہوا کرتے ہیں اسی قدر موثر کی عظمت معلوم ہوتی ہے چنانچہ ہم اور آپ گذشتہ قوموں کی قدر و منزلت پر اُن کے آثار کی عظمت ہی دیکھ کر استدلال کیا کرتے ہیں۔

پھر اگر آپ علمی تحقیقات میں غور کریں اور جتنی چیزیں کہ آپ کو دریافت ہو چکی ہیں اُن اشیاء سے اُن کا مقابلہ کریں کہ جو ابتک معلوم نہیں ہو سکیں اور جن پر کہ اب تک پردہ پڑا ہوا ہے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کائنات میں آپ کی معلومات بہت ہی کم ہیں حتی کہ جو نسبت ایک قطرہ کو سمندر کے ساتھ یا ایک ذرّہ کو ریگستان کی ساتھ ہوتی ہے وہ بھی مشکل سے نکل سکے گی اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کا آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے دیکھئے علم طب۔ علم کیمیا۔ علم تشریح۔ علم فزیالوجی (وہ علم جس میں اعضاء حیوانات وغیرہ کے افعال اور حکم سے بحث ہوتی ہے) علم باٹلوجی۔ علم جیالوجی (علم طبقات الارض) علم فلکیات۔ علم کائنات جو۔ اور جو اس کے علاوہ اور علوم ہیں جن میں کہ آپ لوگوں کو خوب مہارت ہے اور جن کی کہ بڑی بڑی ضخیم جلدیں کی جلدیں آپ لوگوں نے تالیف کر ڈالی ہیں اور اُن کے بیان میں آپ نے بڑی طوالت سے کام لیا ہے۔ ان سب علوم کو لیجئے ان کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے قریب قریب کوئی صفحہ

ایسا نہ ہوگا کہ جسمیں آپ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے نہ پاتے ہوں کہ فلاں امر کی حقیقت ہمیشہ نامعلوم رہی یا اُس شے کی حقیقت کے کافی طور پر بیان کرنے تک علماء کی رسائی نہ ہو سکی اس میں اُنہوں نے بڑا اختلاف کیا۔ فلاں شے کے بارہ میں کوئی قطعی رائے قائم نہ ہو سکی۔ فلاں شے کا فعل ہمیشہ مخفی رہا۔ فلاں شے کے فائدے کی اطلاع ہی نہ ہوئی علاوہ اس کے اسی طرح کی اور عبارتیں پکار پکار کہہ رہی ہیں کہ کائنات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جن کی حقیقت سے ناواقفیت کے آپ لوگ خود قائل ہیں اور آپ لوگ تو ہمیشہ ہی اسی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں کہ کسی طرح اشیاء عالم کی حقیقتوں کو دریافت کریں۔ چنانچہ آپ علمی مجالس میں برابر اشیاء کائنات کی نسبت اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور بہتیروں کو اپنی رائے کی غلطی بھی جو اُنہوں نے ایک زمانہ صرف کر کے حقائق اشیاء کی نسبت قائم کی تھی واضح ہو جایا کرتی ہے اور یہ ایک ایسی ظاہر بات ہے جس سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کیا آپ اور کیا علماء جو اس زمانہ میں تحقیقات علمیہ کے درپے رہتے ہیں اس امر سے خوب واقف ہیں۔ اس کی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ اگر شاید آپ لوگ۔ اس امر سے انکار کریں اور بکثرت اشیاء سے اپنی ناواقفی اور اپنے علم کی قلت کا ہٹ دھرمی سے اقرار نہ کریں تو میں آپ سے کہوں گا کہ اس بات کی بہت ہی بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ لوگ مادہ کی حقیقت سے جسے کہ آپ رات دن دیکھنے اور چھوتے رہتے ہیں ابتک ناواقف ہیں اور آج تک فلسفی دنیا میں مادہ کی حقیقت کی نسبت کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہوئی حالانکہ مادہ ہی آپ لوگوں کے نزدیک تمام کائنات کی اصل ہے۔ اسی طرح دیکھنے سُننے

چکھنے چھونے اور سونگھنے سے جن اشیاء کا ہم کو ادراک ہوا کرتا ہے آج تک اس کی حقیقت دریافت نہ ہو سکی کہ دماغ ان چیزوں کا کیونکر ادراک کر لیتا ہے۔ غایت سے غایت آپ اس بارہ میں یہ کہیں گے کہ پٹھا اشیاء کی صورتوں کو دماغ تک پہنچا دیا کرتا ہے اور وہ ادراک کر لیتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس ادراک کی حقیقت کیا ہے اور اس کا کافی ووافی بیان تو وہ آج تک پورے طور سے آپ لوگوں سے نہیں ہو سکا اور نہ کبھی ہوگا)

حیات اور عقل کی حقیقت سمجھنے سے اہل سائنس کا عاجز رہنا

اسی طرح حیات یعنی زندگی کی حقیقت کو لیجئے اس کی نسبت آپ اپنے خیال کے موافق یہی کہتے ہیں کہ ذرات مادہ میں باہم جو فعل واقع ہوتا ہے اور اس سے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں انہیں میں سے یہ بھی ایک اثر کا ظہور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس عقل کی بھی یہی کیفیت ہے وہ بھی آپ کے نزدیک منجملہ آثار کے ایک اثر کا ظہور ہے۔ رہا اس ظہور کی حقیقت کا شافی وکافی بیان کرنا تو یہاں تک آپ کی رسائی ہو ہی نہ سکی اور نہ شاید کبھی ہوگی۔ منجملہ اور مسائل کے ایک جزئی مسئلہ کو دیکھئے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی تحقیق کے موافق روشنی اپنی رفتار اور آنکھ کے مختلف طبقوں میں نفوذ کرنے کے لحاظ سے قوانین فطرت کے موافق دیکھی ہوئی چیزوں کی شبکیہ پر اُلٹی صورت مرتسم کرتی ہے اب آپ لوگ اس امر کی تحقیق نہ کر سکے کہ عقل اس کو سیدھا کیوں دیکھتی ہے اس مسئلہ کی نسبت پیشتر میں ایک احتمال بیان کر چکا ہوں شاید اس سے یہ اعتراض دفع ہو جائے۔ اور جس امر میں کہ میں گفتگو کر رہا ہوں اس میں بہت بڑی گنجائش ہے اگر میں اُن تمام اشیاء کو جن سے کہ آپ

اپنے علمی مباحث میں ناواقفی کا اظہار کیا کرتے ہیں شمار کرنا شروع کروں تو کلام میں
ضرورت سے زیادہ طوالت ہوجاتی ہے۔ میں اتنے مختصر بیان کو بھی منصف کے لئے
کافی خیال کرتا ہوں اور ٹھکانے کی بات تو یہی ہے کہ موجوداتِ عالم کی نسبت آپ
لوگوں کی ناواقفی اعلیٰ درجہ پر ہے۔ اور بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ جب یہ حالت ہو اور
پھر اُس وقت آپ خدائے عالم کی عظمت کا اُس کے آثارِ قدرت سے استدلال کرکے
خیال باندھیں اور حقائقِ اشیاء کی نسبت اپنی ناواقفی کے مرتبہ کو بھی پیشِ نظر رکھیں
تو اُس وقت حق اور انصاف کی بات تو یہی ہے کہ اس خدائے عظیم کی حقیقت دریافت
کرنے کی ڈینگ سے اپنے آپ کو باز رکھیں۔ اگر انصاف اور شرم بھی کوئی چیز ہے تو کس
مُنہ سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خداوند عالم کی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں
جبکہ اُس کی مصنوعات میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ چیزوں کی حقیقت سے آپ ناواقف
ہیں بقول شخصیکہ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی ۔۔۔۔۔ کہ با آسماں نیز پرداختی

اور وجہ یہ ہے کہ جو شخص فرض کیجئے کہ ایک گھڑی کی تمام چیزوں کی حقیقت کے دریافت
کرنے سے بھی عاجز رہے اور اس کا عجز ظاہر ہوگیا ہو تو اُس کو کس طرح سزاوار ہوسکتا
ہے کہ وہ محض اُس گھڑی کو دیکھ کر جس سے کہ صرف یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی
بنانے والا ہے اُس کے بنانے والے کی حقیقت دریافت کرلینے کی ڈینگ مارنے لگے اور
یہ کہنے لگے کہ میں گھڑی ہی کو دیکھ کر بتلا سکتا ہوں کہ اُس کے بنانے والے کی کیسی شکل و
صورت ہے وہ سفید ہے یا سیاہ دراز قد ہے یا پستہ قد۔ موٹا ہے یا دُبلا۔ اسی طرح اور
چیزیں بھی۔ جو کوئی ایسے شخص کو محض گھڑی دیکھ کر اُس کے بنانے والے کی حقیقت

دریافت کر لینے کی ڈینگ مارتے ہوئے سُنے گا یہی کہے گا کہ کیا تیری عقل جاتی رہی ہے جو ایسی بیہودہ باتیں بکتا ہے عقل کے پورے ذرا سمجھ تو سہی کہ اس گھڑی کے دیکھنے سے صرف یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کو کسی ایسے بنانے والے نے بنایا ہے جو اس کا بنانا جانتا ہے اور اُس کے بنانے پر اُس کو قدرت بھی حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ اُس گھڑی کے دیکھنے سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بنانے والے کی حقیقت کیا ہے اور اُس کی شکل و صورت کیسی ہے محض گھڑی کے دیکھ لینے کا تو ہرگز یہ مقتضا نہیں ہو سکتا کہ اُس سے یہ سب کچھ بھی معلوم ہو جائے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ تو اُس کے تمام پرزوں کی بھی پورے طور سے حقیقت نہ جان سکا۔ حالانکہ وہ تیرے سامنے موجود ہیں تو پھر اس کے بنانے والے کی حقیقت دریافت کر لینے کے لئے جو کہ تیری نظروں سے غائب ہے ناحق اپنے نفس کو تکلیف دیتا ہے۔ یہ امر نہایت بیجا اور سراسر بے انصافی پر مبنی ہے۔ اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم محض کائنات کو دیکھ کر اُس کے بنانے والے خدا کی حقیقت دریافت کر لیں گے بلکہ اس بات کو تو ہم بھی جانتے ہیں کہ محض کائنات کا دیکھ لینا اُس خدا کی حقیقت پر دلالت نہیں کر سکتا اور نہ اُس سے اس کی حقیقت ہمیں معلوم ہو سکتی ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو خواص آپ نے ذکر کئے ہماری عقلوں میں یہ نہیں آتا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہو سکے جو ان کے ساتھ موصوف ہو کر پائی جائے بلکہ ہماری عقلوں کو تو اس بات کا یقین ہے کہ ایسی کوئی شے نہیں پائی جا سکتی کہ جو اُن خواص مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو یعنی نہ وہ جسم ہو نہ مادہ جسم ہو۔ علی ہذا القیاس اور خواص بھی کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں۔ تو اُس کے جواب میں میں

کہوں گا کہ اگر آپ کی عقلوں کو اس کے خیال کرنیکی قدرت نہ ہو تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ شے واقع میں بھی موجود نہ ہو کیونکہ بکثرت ایسے حقائق ہیں کہ جنکو آپ پورے طور سے خیال نہیں کر سکتے اور پھر بھی وہ نفس الامر میں موجود ہیں۔ اور صرف اس لئے کہ ان کے وجود پر دلیل قائم ہے اُن کا وجود مانا جاتا ہے۔ اور آپ لوگوں کا یہ یقین کر لینا کہ ایسی شے کا جو ان خواص کے ساتھ موصوف ہو پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ قیاس عہ تمثیل سے ناشی اور اُسی پر مبنی ہے جیسا کہ آپ کے اس قول سے (کیونکہ جتنی چیزیں موجودات عالم میں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس میں خواص مذکورہ پائے گئے ہوں) ظاہر ہوتا ہے۔ پس آپ لوگوں نے جتنی اشیاء کہ مشاہدہ کیں اُن پر قیاس کر کے یہ گمان کر لیا کہ ہر شئے موجود کا ان خواص مذکورہ کے اضداد کے ساتھ موصوف ہونا لازمی ہے۔ اور یہ قیاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ محض دھوکے کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات یہ دلیل انسان کو دھوکا دے کر غلطی میں ڈال دیتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک شے کے احکام کو دوسری شے پر جاری کرنے لگتا ہے حالانکہ وہ احکام اس دوسری شے پر بوجہ کسی امر فارق کے کہ جس کی اطلاع مستدل کو نہیں ہوئی جاری نہیں ہو سکتے اس وقت آپ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ایسا خدا جو نہ جسم ہو نہ جسم کا مادہ ہو یہاں تک کہ تمام مادی خواص سے منزہ ہو اگر موجود مانا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے اور اُس کے ماننے سے کونسا امر مانع ہے۔ آپ لوگوں کا اس کی حقیقت کے تصور کرنے پر قادر نہ ہونا یہ کوئی استحالہ کی دلیل نہیں بن سکتی اسی طرح ان چیزوں پر جو مادی عالم میں آپ لوگوں نے مشاہدہ کیں اُس خدا کو قیاس کرنا کہ جس کی وجہ سے

عہ ایک جزئی پر دوسری جزئی کو قیاس کر کے اُس کا حکم دریافت کرنا قیاس تمثیل کہلاتا ہے۔ ۱۲ مترجم

آپ نے یہ یقین کر لیا کہ ایسے خدا کا وجود ناممکن ہے محض مغالطی قیاس ہے کیونکہ ان دونوں میں فرق کی وجہ موجود ہے اور وہ دونوں ہرگز یکساں نہیں ہیں یہاں تک کہ ایک کے احکام دوسرے پر جاری کرنا صحیح ٹھہر سکے۔ اور اگر آپ کہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت کیا ہے اور کونسی شے ہمارے ذمہ اس امر کو لازم کرتی ہے کہ ہم اُس خدا کے وجود کو مان ہی لیں تو اس کا جواب ہم سے سُنئے کہ وہ شے اُس کے آثارِ قدرت ہیں کہ جو اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ اچھا اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس خدا کو جسم مادہ جسم اور مادہ کے تمامی خواص سے منزہ مانیں تو ہم کہیں گے کہ اس کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس بات پر دلائل قائم ہو چکے ہیں کہ مادہ اور مادہ کے آثار خواص سب کے سب حادث ہیں قدیم نہیں ہو سکتے اور خدائے سُبحانہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ہو کیونکہ اگر مادہ یا مادی ہوگا یا اُس میں مادہ کے خواص پائے جائیں گے تو وہ بھی مادہ ہی کی طرح حادث ٹھہرے گا اور یہ محال ہے چنانچہ شروع بحث میں بالتشریح اس کا بیان آچکا ہے۔

اور اگر آپ کہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی دلیل مل جائے جس کے ذریعہ سے ہم اُس خدا کی حقیقت تک پہنچ جائیں تو ہم آپ سے کہیں گے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک غایت درجہ کی بحث و تدقیق سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ خدا کی حقیقت تک پہنچ جانا اور اُس کو دریافت کر لینا انسانی عقل کی طاقت سے باہر ہے چنانچہ شریعت محمدیہ کی تصریحات سے بھی صاف صاف یہی ظاہر ہوتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ خدائے سبحانہٗ غایت درجہ کی عظمت والا ہے اور انسانی عقلوں کا ادراک اُس کی عظمت کے لحاظ سے انتہا درجہ کی پستی میں واقع ہُوا ہے اور ظاہر ہے کہ جو ادراک

کی حیثیت سے پستی میں پڑا ہوا ایسی حقیقت کے دریافت کرنے تک کہ جو انتہا درجہ عالی اور
باعظمت ہو اُس کی رسائی ہونا ناممکن ہے اور اُن کی شریعت نے اُن کو سمجھا دیا ہے کہ اُس
خدا کی جانب سے اُن کو اُسی قدر اُس کی معرفت کی تکلیف دی گئی ہے جہاں تک کہ اُس
کے آثار قدرت سے پتہ چل سکتا ہے اور وہ اس امر کا یقین کر لینا ہے کہ وہ موجود ہے ۔
زندہ ہے ۔ ذی قدرت ہے ۔ صاحب ارادہ ہے اسی طرح تمام اُن صفات کے ساتھ
موصوف ہے جن کا کہ بیشتر ہم ثبوت دے چکے ہیں اور اُن کی نسبت سابق میں ہم
سے اور آپ سے گفتگو ہو چکی ہے اور اُن کی شریعت نے خدا تعالیٰ کے لئے بعض ایسے
صفات کے اعتقاد کرنے کی بھی تکلیف دی ہے کہ نہ جن کے ثبوت پر کوئی دلیل عقلی قائم ہے
اور نہ اُن کی نفی پر ۔ اس لئے شریعت محمدیہ نے خود وہ صفات اُن کو بتلا دیے ہیں پس
انھوں نے اس کا اعتقاد کر لیا اور ذات خدا کی حقیقت میں خوض و بحث کرنے سے شریعت
نے اُن کو منع کر دیا ہے اس لئے کہ وہ اُس کے ادراک سے عاجز ہیں اور نیز اس خوف سے
کہ کہیں اُس کو وہ اپنی عقلوں میں جیسا کہ وہ واقع میں ہے اُس کے خلاف نہ خیال کر لیں
اور پھر قابل مذمت جہل میں جا پڑیں اور خلاف واقع کا اعتقاد کرنے لگیں چنانچہ بعض
پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث و تفتیش سے بچانے کو یوں کہا ہے ۔
(کہ جو عہ چیز تیرے (یعنی انسانی) دل میں آسکے وہ ضرور ہلاک ہونے والی ہے اور
اللہ اُس کے خلاف ہے) پھر سُنئے جیسے کہ یہ خدا انتہا درجہ کی عظمت رکھنے والا ہے
اُسی طرح اُس کے اعمال بھی غایت درجہ کے عظیم ہوتے ہیں اور یہ بات اسی کائنات
اور اُن عجائب و غرایب میں جو اس میں پائے جاتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے

عہ کل ما خطر ببالک فهو هالک والله اجل من ذالک ۱۲

چنانچہ اُن عجائب میں سے قدرے قلیل ہم بھی پیشتر بیان کر چکے ہیں اور اس میں تو کچھ شک نہیں کہ آپ لوگ اُس کی مصنوعات میں سے بکثرت اشیاء کے سمجھنے اور ان کی حقیقت دریافت کر لینے سے عاجز ہیں گو اس کو پہلے بھی ہم نے بیان کیا ہے لیکن یہاں پر کچھ اور بھی بیان کئے دیتے ہیں چنانچہ آپ لوگ اپنی تحقیقات جدیدہ میں یہ کہتے ہیں کہ حرکت قوت کہربائی کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور قوت کہربائی حرارت کی جانب اور حرارت روشنی کی جانب۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تصوّر کر لینا اور سمجھنا آپ کی وسعت میں ہے کہ اشیاء مذکورہ بعض بعض کی جانب کیونکر منتقل ہو جاتی ہیں اور پھر سمجھ کر کیا آپ کسی عبارت سے جس کو آپ نے سمجھا ہے بیان کر سکتے ہیں کہ انتقالات کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہو جاتے ہیں تو کسی طرح خیال نہیں کر سکتا کہ اس میں سے کچھ بھی آپ کی وسعت میں ہو غایت سے غایت آپ یہ کہیں گے کہ یہ انتقالات ذرات مادہ کی حرکات اور اوضاع کے تغیر سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس تغیر کا واضح کر دینا اور اذہان کا اس کی حقیقت کو دریافت کر لینا پھر پہلے اور دوسرے انتقال میں اسی طرح دوسرے اور تیسرے وغیرہ انتقالات میں فرق بیان کر دینا ذرا کام رکھتا ہے کچھ آسان نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ اُس کے تصور کرنے اور حقیقت بیان کرنے سے آپ بالکل عاجز ہیں پس جب اس خدا کی مصنوعات میں بکثرت ایسی چیزیں موجود ہوں کہ جن کی نسبت آپ لوگوں کا عجز ظاہر ہو چکا ہے تو پھر اس میں آپ کو تعجب ہی کیا ہوتا ہے اگر آپ اس بات کو تصور نہ کر سکیں کہ اُس خدا نے عالم کو عدم محض سے کیونکر پیدا کر دیا۔ حالانکہ آپ لوگوں کا کسی واقعی شے کو تصور نہ کر سکنا اُس شے کے فی نفسہ معدوم ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور

اگر آپ کہیں کہ ہماری عقلیں اس امر کو محال سمجھتی ہیں کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں آ جائے یعنی یہ ہماری عقل میں نہیں آتا کہ کوئی شے پہلے تو بالکل نیست و نابود ہو پھر وہ کسی وجہ سے موجود ہو جائے کیونکہ جتنی چیزیں ہم نے مشاہدہ کیں اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں دیکھی جو عدم محض سے پیدا ہو گئی ہو اور نہ کوئی ہم میں سے کسی شے کو عدم محض سے پیدا کر سکا اسی واسطے ہم اُس کے محال ہونے کا حکم کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ لوگوں کے کسی شے کو عدم محض سے پیدا ہوتے ہوئے مشاہدہ نہ کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ خدا بھی اس کی قدرت نہ رکھتا ہو پس آپ لوگوں کا اس امر کے محال ہونے کی نسبت حکم لگانا بھی قیاس تمثیل ہی پر مبنی ہے جو کہ قطعی الدلالت نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات سخت غلطی میں ڈال دیا کرتا ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے اور آپ لوگوں نے تو خدا کی قدرت کو اپنی قدرت پر خدا کے علم کو اپنے علم پر۔ خدا کے اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس کر لیا ہے۔ اس قیاس کا ضعیف ہونا تو جدا رہا یہ تو دیکھ لیجئے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں کیسا ظاہر فرق پایا جاتا ہے۔ بھلا کہاں آپ لوگ اور کہاں وہ خدا جس نے تمام کائنات کو اس استحکام کے ساتھ بنایا ہے اس فرق کا کچھ ٹھکانا ہے اگر کچھ انصاف ہو تو زمین و آسمان کا فرق صاف صاف نظر آتا ہے۔ آپ لوگوں کی کیا بات ہے آپ لوگ باوجودیکہ علم کیمیا میں بڑے فضل و کمال کی ہانکتے ہیں لیکن آج تک آپ کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ عناصر کی تحلیل کر لیتے۔ یا کسی جسم کو ترکیب دے کر جاندار بنا لیتے جس میں کہ زندگی کے تمام خواص پائے جاتے اور جانداروں کی سی اس کی صورت ہوتی۔ ان دونوں بسیط امروں کے بنانے سے آپ لوگوں کا عاجز رہنا اسی طرح اور خداوندی اعمال میں سے بکثرت اعمال پر آپ

کا قدرت نہ رکھنا ایسا امر ہے جس کی دلیل بیان کرنے میں کلام کو طوالت دینے کی حاجت نہیں تو کیا اس کے بعد بھی آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ آپ اپنے نفسوں کو اُس خدائے قادر کی ذات پاک پر اور اپنے اعمال کو اُس کے اعمال پر قیاس کرنے کی جرأت کرتے ہیں علاوہ بریں اگر آپ غور سے کام لیں اور اپنے اعمال کو سوچیں تو آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں اُن میں بھی آپ کا حقیقی فعل نہیں پایا جاتا چنانچہ آپ مثلاً فلاں معدن کی جو اُس کے عناصر کی جانب تحلیل کرتے ہیں یا فلاں مرکب کو دو یا زیادہ عنصروں سے ترکیب دیتے ہیں تو اس کو دیکھئے۔ آپ کو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ آپ نے تحلیل یا ترکیب میں اُنہیں اسباب سے کام لیا جو خدا کے پیدا کردہ ہیں اور انھیں کو جاری کر دیا۔ جن پر کہ آپ کو اطلاع حاصل ہو گئی کہ فلاں چیز کیلئے فلاں شے سبب ہے مثلاً ایک شئے کو دوسرے میں ملا دینا یا گرم کرنا یا بجھا دینا وغیرہ یہاں تک کہ اس طرح پر تحلیل یا ترکیب حاصل ہو گئی۔ باقی رہی عناصر کے متمیز ہو جانے کی حقیقت اور یہ کہ کیونکر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں یا ذرات مادہ کے خاص طور پر مل جانے کی کیا حقیقت ہے کہ جس سے شئے مطلوب حاصل ہوتی ہے واقعی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ ان سب باتوں کو پورے طور پر تصور کرنے سے عاجز ہیں اور نہ ان کا صاف صاف بیان ہی کر سکتے ہیں چہ جائیکہ آپ ان سب کے عمل کرنے پر بھی قادر ہوں اور یہ کر سکیں کہ دوسرے عناصر کے ذرات بسیطہ سے ہر عنصر کے ذرات بسیطہ کو تحلیل کر کے بالکل جدا کر لیں یا ہر عنصر کے ذرات بسیطہ کو دوسرے کے ذرات بسیطہ کے ساتھ خاص اوضاع پر کہ جو لازمی ہیں ملا کر ترکیب دے لیں۔ اور اس سے آپ لوگوں کا صناعت اور عمل میں بھی عجز ظاہر ہو گیا،

جیسے کہ ادراک اور معرفت میں ظاہر ہوچکا ہے پس اے عقلمندو! کیا اس کے بعد بھی اس خدا کے اعمال کو اپنے اعمال پر اور اُس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرنے کی ڈینگ مارتے رہوگے اور یہی حکم لگاتے جاؤ گے کہ جب تم کسی شے کو عدم محض سے پیدا نہ کرسکے تو وہ خدائے قادر بھی اس سے عاجز رہے گا۔ آپ لوگوں کی غلط فہمی سے خدا کی پناہ! باوجودیکہ علم اور عمل دونوں میں آپ کا عجز ظاہر ہوچکا پھر بھی آپ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی زبردستی سے باز نہیں آتے اگر دنیا میں انصاف بھی کوئی چیز ہے تو آپ لوگوں کو تو لازمی طور پر وہ طرز و روش اختیار کرنا چاہیئے تھا جس پر کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں کیونکہ یہ طریق بالکل سیدھا بے انصافی سے خالی اور سراسر انصاف پر مبنی ہے اس طرز کے اختیار کرنے میں انہوں نے دوراندیشی بیدار مغزی اور انتہا درجہ کی احتیاط سے کام لیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک خدائے عالم کے وجود پر۔ اس کی قدرت کے عجیب و غریب اور باعظمت آثار کے مشاہدہ کرنے سے قطعی دلیل قائم ہوچکی۔ اور اُن پر بحث و تدقیق سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ اس خدائے پاک کی عظمت کے مقابلہ میں اُن کے قوائے ادراکیہ بالکل قاصر ہیں اس وجہ سے اُس کی حقیقت کا سمجھنا اور تصور کر لینا اُن کے امکان سے باہر ہے اور اس سے وہ سراسر عاجز ہیں اور اس عاجز رہنے سے خدا کا وجود جو آثار قدرت کی دلالت سے اُن کے نزدیک ثابت ہوچکا ہے منتفی نہیں ہوسکتا اور نہ یہ خدا کے وجود پر جو قطعی دلیل سے ثابت ہوچکا ہے ایمان لے آنے کے منافی پڑ سکتا ہے۔

پھر اُن کے نزدیک دلائل سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ عالم پہلے

بالکل نیست تھا اور اُس کے بعد حادث ہُوا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم سے اُس کو حادث کرنے کیلئے کسی نہ کسی محدث کا ہونا لازمی ہے اور اُسی کو وہ خدا کہتے ہیں لیکن وہ اس احداث اور پیدا کرنے کی کیفیت کے تصوّر کرنے سے عاجز ہیں اور اس عاجز رہنے سے اس کا محال ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ عاجز رہنا عالم کے اسی طور پر پیدا ہونے کے یقین کے منافی ہے کہ جو قطعی دلیل سے اُن کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔

پس اس موقع سے آپ لوگوں میں سے بعض کا وہ قول بھی ساقط ہو گیا کہ جو ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں جبکہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد کرنا ذکر کیا جاتا ہے کہ جو نہ جسم ہے اور اس کے لئے اجسام کے صفات ہی ثابت ہیں اور نیز یہ اعتقاد کہ اُس خدا نے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے اور وہ قول یہ ہے (کہ صاحب اس اعتقاد میں تو بہت ہی قوی ایمان کی ضرورت ہے اس میں علم کو کوئی بھی دخل نہیں)

ایمان علم ہے | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کے کہنے والوں نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایمان کسی شے کے محض سیدھے سادے طور پر یقین کر لینے اور بلا کسی قطعی دلیل کے اندھا دُھند کسی بات کے مان لینے کا نام ہے اور ان بھولے بھالے عقلمندوں کو یہ پتہ نہ لگا کہ شریعت محمدیہ میں ایمان جب تک کہ کسی قطعی دلیل سے نہ ہو کامل ہو ہی نہیں سکتا اور اس شریعت میں ایمان کامل کے یہ معنی ہیں کہ قطعی دلیل کے ذریعہ سے اُن ساری چیزوں کا یقینی علم حاصل ہو جن کی نسبت یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور اُس کے ساتھ ہی شریعت کا اپنے آپ کو مطیع اور منقاد بھی بنا دیا جائے۔ پس ان لوگوں کا خدائے عالم

کے وجود کے ساتھ اور اس بات کے ساتھ کہ اُس نے عالم کو عدم محض سے پیدا کیا ہے
اسی قسم کا ایمان ہے جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے لیکن وہ ذات خداوندی کی حقیقت
اور نیز اس امر کے ادراک سے کہ اُس نے عدم محض سے عالم کو کیونکر پیدا کیا عجز کا اقرار
کرتے ہیں اور کسی شے کی حقیقت کے تصور کرنے سے عاجز رہنا جس کے کہ نفس الامری
وجود پر دلیل قائم ہو چکی ہے اس شے کے وجود کے اعتقاد جازم کے منافی نہیں ہو
سکتا۔ پس اُن بعض لوگوں کا کیسا لچر خیال ہے۔ حق بات کے بیان کرنے میں انہوں
نے کیسی اپنی جہالت ظاہر کی ہے اور علم اور ایمان کے درمیان فرق کرنے میں کیسی غلطی
کھائی ہے۔ یہ نہ سمجھ سکے کہ علم کی تمام انواع میں سب سے کامل نوع کو ایمان
کہتے ہیں۔ ناواقفی بھی کیا بُری چیز ہے۔ خدا اس ناواقفی اور جہل کا ستیاناس کرے۔
اور سُنئے کہ پھر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعات خداوندی میں طرح طرح
کے اسرار اور ایک سے ایک بڑھ کر بے شمار حکمتیں مشاہدہ کیں اور روز بروز جو حکمتیں برسوں
تک اُن پر مخفی رہی تھیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اس سے اُن کے نزدیک
یہ بات اور بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ خدائے پاک بہت ہی بڑی حکمت والا ہے
لوگوں کی عقلیں اس کی حکمتوں کو ہرگز حاوی نہیں ہو سکتیں اس کے بعد کائنات میں
سے جب اُنہوں نے کسی شے کو مشاہدہ کیا کہ جس کی حکمت اُن کو ظاہر نہ ہوئی تو
انہوں نے اس کی نسبت یہ اعتقاد نہیں کیا کہ وہ شے محض عبث اور بلا کسی حکمت
کے پائی گئی بلکہ یہی کہنے لگے کہ اس کا پیدا کرنے والا حکمت والا ہے اس دلیل سے
کہ ہم نے اُس کی کائنات میں اتنی حکمتیں مشاہدہ کیں ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔
اور ان میں سے بہت سی ایسی حکمتیں ہیں کہ جو ہم پر مدتوں تک مخفی رہیں اور پھر اس

کے بعد ظاہر ہوئیں پس جس شے کی نسبت بھی جس کی کہ حکمت ہمارے نزدیک ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے ہمیں یہی کہنا چاہیے کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے جو ہم پر مخفی رہ گئی ہے نہ یہ کہ وہ شے بلا کسی حکمت کے پائی گئی اور اس بارہ میں جس امر سے کہ ہماری عقلوں کی تسکین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ خالق نہایت ہی عظمت والا ہے۔ چنانچہ ہم اس کے صفات اسرار اور حکمتوں کی عظمت اس کی خلق میں دیکھتے ہی ہیں اور انسانی عقلوں میں کتنی ہی وسعت کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ اس کی نسبت نہایت ہی حقیر ہیں اور اس کی عظمت پر قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ادراک کی اس کے مقابل میں کوئی ہستی نہیں پس اے اہل سائنس آپ لوگوں کے حق میں امر صواب یہی ہے کہ آپ بھی اسی سرتاپا منصفانہ طریق پر جس پر کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہیں چلنا اختیار کریں پس آپ لوگوں کی عقلیں ان بے شمار حکمتوں کی وجہ سے کہ جو آپ کے نزدیک ظاہر ہو چکی ہیں اور نیز ان کی وجہ سے کہ جو برسوں تک آپ لوگوں پر مخفی رہنے کے بعد وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں گی اس بات کو مان لیں گی کہ تمام کائنات حکمت پر مبنی ہے اور کوئی شے بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور یہیں سے آپ لوگ یہاں تک پہنچ جائیں گے اور سمجھنے لگیں گے کہ عالم کے لئے ضرور کوئی ذی حکمت صانع ہے اور عالم میں کوئی شے اندھا دھند ضرورت کی وجہ سے بلا ارادہ موجود نہیں ہوئی۔ اور جب آپ کسی ایسی چیز کو دیکھیں گے کہ جس کی حکمت آپ کو ظاہر نہ ہو تو بجائے اس کے کہ آپ اس کو تمام کائنات کی بلا حکمت اور بغیر کسی ارادہ کے پیدا ہونے کی دلیل ٹھہرائیں اور اس کو خالق عالم کے وجود سے انکار کرنے کا ذریعہ بنانے کے درپے ہوں آپ یہ کہیں گے کہ اتنی بے شمار حکمتیں جو ہم کو ظاہر

ہو چکی ہیں ان پر قیاس کر کے ہم کو یہی حکم لگانا چاہیے کہ اس شے میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے کہ جو ہم سے مخفی رہ گئی۔ اور اس بارہ میں جو شے آپ لوگوں کی عقلوں کو تسکین بخش سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس خدا کی عظمت اور کائنات میں جو اس کے بڑے بڑے اعمال ہیں اُن کی عظمت کا تصور کریں اور ان بے شمار حکمتوں کے علو قدر کو دیکھیں کہ جن پر آپ کو اطلاع حاصل ہو چکی ہے اس کے بعد یہ بھی لحاظ رکھیں کہ انسانی عقلیں خدائے تعالیٰ۔ اُس کے افعال اور حکمتوں کے اعتبار سے نہایت ہی قاصر ہیں اور ان کا ادراک اُس کے مقابل میں کسی شمار میں نہیں اور نہ کچھ ہستی رکھتا ہے۔

اب بعد اس کے کہ میں آپ لوگوں کے ان تینوں شبہوں کو باطل کر چکا ہوں چاہتا ہوں کہ ایک مثال ذکر کروں جس سے کہ ان شبہوں کی طرف ذہن منتقل ہونے میں جو آپ کو دھوکہ ہو گیا ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے۔

خدا کی عظمت کے مقابل میں انسان کی مثال

پس اے اہل سائنس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذرا تکلیف فرما کر اُن کیڑوں میں جو کہ بذریعہ مائکراسکوپ (خوردبین) پانی کے ایک ذرا سے قطرہ میں ہزاروں اور لاکھوں ہی نظر آتے ہیں غور کریں کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ یہ کیڑے باوجودیکہ اُن کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے جس قدر ادراک کی ضرورت پڑ سکتی ہے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی حقیقت کا تصور کر سکتے ہیں؟ اور کیا اس ساری تفصیل کو سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے اعضا کیسے ہوتے ہیں اُن کے کیا افعال ہیں۔ اُس کے سننے۔ دیکھنے۔ سونگھنے۔ چکھنے اور چھو کر دریافت کرنے کی کیا کیفیت ہے۔ وہ غذا کیونکر حاصل کرتا ہے اُس کے اعضاء غذا کیا کیا افعال کیا

کرتے ہیں۔ دوران خون کیونکر انجام پاتا ہے۔ اُس کے خیالات اور ادراکات کے بارہ میں دماغ سے کیا افعال سرزد ہوتے ہیں اسی طرح یہ کیڑے کیا انسانی مصنوعات اور اعمال کو جان سکتے ہیں یعنی یہ کہ دخانی کلیں کن اصول پر مبنی ہیں کیونکر اپنا کام انجام دیتی ہیں۔ مختلف قسم کے کپڑے انسان کس طرح بُنا کرتا ہے اس کی اشیا ء خورد و نوش اور ادویہ کیسی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اس کی تالیفات اور مطبوعات میں کیا ہے۔ ٹیلیگراف۔ فوٹوگراف۔ ٹیلیفون فونوگراف وغیرہ کے آلات کس قسم کے ہوا کرتے ہیں اُس نے اُن کو کیونکر ایجاد کیا۔ کس چیز سے بنایا۔ لوہے اور باقی معدنیات کو اُس نے زمین کے اندر سے کیسے نکال لیا اور اُس سے ایسے عجیب و غریب آلات کیونکر بنائے اور یہ کہ انسان کے بنائے ہوئے آلات اور کلوں کے ہر ہر پرزے میں کیا حکمت مدنظر رکھی گئی ہے اور وہ اسی طرح کیوں بنایا گیا مثلاً جب یہ کیڑے ٹیلیگراف کی بلیوں کو دیکھیں جن پر کہ تار لگا ہُوا ہے تو کیا اب وہ اس کی حکمت کے جان لینے پر قادر ہو سکتے ہیں اور اس پر کہ وہ اسی طرح کیوں لگایا گیا ہے اور کیا وہ ٹیلیگراف کی اور دوسری کلوں کو سمجھ سکتے ہیں جس حالت میں کہ انہوں نے سوائے اُن بلیوں اور لوہے کے تاروں کے جو اُن پر لگے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں دیکھا پس جب فرض کر لیا جائے کہ انسان کے اعمال عظیمہ پر اُن کو اطلاع ہو گئی اور یہ کہ اس سے انہوں نے انسان کے وجود اور اُس کی عظمت پر استدلال کر لیا اور انسان کے بکثرت اعمال اور اُسکے عمل کرنے کی کیفیت اُن پر مخفی رہی اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انہوں نے اُس کی مصنوعات کی بہت سی حکمتیں بھی دریافت کر لیں اور اس سے

انھوں نے اس بات پر استدلال کر لیا کہ وہ نہایت کامل حکمت والا ہے۔ پس کیا ان کیڑوں میں سے ہر ایک کو یہ کہنا ضروری نہ ہوگا کہ میں اتنے سے ادراک کو پا کر جس کا کہ انسان اور اس کے اعمال کی عظمت اور اس کی حکمت کی وسعت کے مقابلہ میں ذکر کرنا بھی نامناسب ہے اس کی حقیقت کے ادراک کر لینے کا دعوے کر سکتا ہوں مجھے اس کی حقیقت کے دریافت کرنے سے سراسر عجز کا اقرار ہے غایت سے غایت مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ میں اس کے وجود اس کی قدرت اس کی حکمت کا یقین کر لوں اسلئے کہ میں نے اس کے افعال مشاہدہ کئے ہیں اور اس کی مصنوعات کے بنانے کی جو کیفیت ہو اس کے بہت بڑے حصہ کے سمجھنے سے اپنے عجز کا اقرار کروں اور محض اس وجہ سے کہ میری عاجز فکر اس کا ادراک نہ کر سکی اس کے وجود سے انکار نہ کروں اور جب میں اس کی مصنوعات میں سے کسی ایسی شے کا مشاہدہ کروں جس کی حکمت مجھ پر ظاہر نہ ہو تو میرے اوپر یہ بات لازم ہے کہ اس کی حکمت دریافت کرنے سے اپنے عاجز رہنے کا اقرار کر لوں کیونکہ اس کے افعال کی بکثرت حکمتوں سے اس کا ذی حکمت ہونا ثابت ہو چکا ہے اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ ضرور اس میں کوئی حکمت ہے لیکن وہ میری فہم قاصر پر مخفی رہ گئی ہے پس یہ کیڑے جب مثلاً ٹیلیگراف کی بلیوں کو دیکھیں گے اور نیز یہ کہ اُن کے اوپر تار لگے ہوئے ہیں تو وہ یہ نہ کہیں گے کہ یہ سب راستوں میں بغیر کسی حکمت اور فائدے کے بارش اور آفتاب کی گرمی سے تلف ہو جانے کے لئے لگے ہیں بلکہ کہیں گے کہ ضرور ان میں کوئی حکمت مد نظر رکھی گئی ہوگی اگرچہ وہ ہم پر مخفی ہے۔

پس اے اہل سائنس آپ لوگوں کے علوم اور ادراکات اس خدا کی عظمت اُسکے

اعمال کی عظمت اور اُس کے علم اور حکمت کی وسعت کے سامنے ایسے ہی ہیں جیسے کہ ان
مائکرا سکوپی کیڑوں کے ادراکات کو انسانی عظمت کے ساتھ اور نیز اُس کے اعمال میں جو
قدرت علم اور حکمت پائی جاتی ہے اس کے ساتھ نسبت ہے بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ
اس سے بھی کہیں زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے انسانی ادراک کی خداوندی عظمت کے
سامنے کوئی ہستی ہی نہیں۔ جب یہ حالت ہو تو آپ لوگوں کا اپنے آپ کو نہایت عظیم
خیال کرنا اور اپنے معلومات اور معارف کی کثرت پر ناز کرنا کیا حقیقت رکھ سکتا ہے

اہلِ سائنس کی مثال معتزلہ کی سی ہے

میں اپنے خیال میں آپ لوگوں کو اسلامی گروہ میں سے ایک
گمراہ اور مبتدع فرقہ (معتزلہ) کے بالکل مشابہ پاتا ہوں انھوں
نے خدائے تعالیٰ کے سامنے بھی اپنے آپ کو بہت کچھ عظیم سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ
خدا پر بھی اُس کے خلق کے بارہ میں اپنی جانب سے طرح طرح کی شرطیں لگانے لگے اور
اُس پر بھی مختلف احکام کی تعمیل کو واجب ٹھہرانے لگے۔ چنانچہ وہ اس بات کے قائل
ہوگئے کہ انسان کے حق میں جو امر بہتر ہو خدا کے ذمہ اس کا کرنا واجب ہے اور
اس سے وہ بالکل غافل رہے کہ خدا کے سامنے وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ مائکرا سکوپی
کیڑے انسان کے سامنے بلکہ اس سے بھی انتہا درجہ حقیر اور ذلیل ہیں۔ اس امر سے بھی
انہوں نے غفلت کی کہ خدائے پاک وہی ہے جس نے کہ اُنہیں عدم سے پیدا کیا ہے
وہ اُن کا اور اُن کی جانوں کا علی الاطلاق مالک ہے اور وہ فاعل مختار ہے اپنی
مملوک چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے وہ اپنی مملوک میں کیسا ہی کیوں
نہ تصرف کرے لیکن اس کی طرف ظلم کی ہرگز نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ یہ نہیں
دیکھتے کہ اگر کوئی بہت ہی بڑا بادشاہ پانی میں سے جس کا کہ وہ مالک ہو ایک قطرہ

رہے ہے حالانکہ اُس میں ان مائکر اسکوپی کیڑوں میں سے ہزاروں ہی موجود ہوں اور پھیر وہ اُسے آگ میں ڈال دے جس سے کہ وہ قطرہ اور سارے کیڑے جو کہ ایک قطرہ میں بسا اوقات اتنے ہوتے ہیں جتنے کہ تمام روئے زمین پر آدمی آباد ہوں گے سب کے سب بالکل نیست و نابود اور ہلاک ہو جائیں تو کیا اس موقع پر کسی کے دل میں یہ بات گذر سکتی ہے کہ اس بادشاہ نے کسی امر ممنوع کا ارتکاب کیا اور اپنے اس فعل سے ان بیچارے حیوانات پر ظلم کیا اور کیا کوئی اس بادشاہ سے اس بارہ میں منازعت کر سکتا ہے حالانکہ وہ بادشاہ اس قطرہ کا اور نیز اُن تمام جانداروں کا جو کہ اس قطرہ میں تھے مالک تھا میرے نزدیک تو اس بارہ میں بادشاہ سے سوائے اُس شخص کے جو کہ خبطی اور ایسے امور سے ناحق تعرض کرنے کا عادی ہو جس میں کہ اُس کا کوئی بھی ساتھ نہ دے اور کوئی منازعت نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس خدا نے محض اپنی رحمت اور فضل سے اپنی تمام مخلوق کو بیشمار نعمتیں دے کر مالا مال کر دیا ہے لیکن خدا کا یہ نعمتیں دینا بطور وجوب کے نہیں ہے بلکہ محض اُس کی مہربانی اور احسان ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ نعمتیں نہ دیتا اور بجائے اس کے طرح طرح کی مصیبتیں اُن پر مسلّط کر دیتا تو یہ فعل بھی اُس کی جانب سے مستحسن ہی شمار ہوتا اس لئے کہ وہ اپنے ملک میں تصرف کرتا اُس سے منازعت کرنے کا کسی کو حق نہیں وہ جو چاہے سو کرے اور جو اُس کا ارادہ ہو وہ حکم کرے۔ پس اے اہل سائنس بعد اس کے کہ حق آپ پر ظاہر ہو گیا اور آپ کے واہی تباہی شبہے ساقط ہو گئے تو آپ کو چاہیئے کہ جب آپ کے نفوس آپ سے خدا کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے منازعت کریں آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہماری انسانی عقلیں اس امر سے بالکل قاصر ہیں۔ ہم کو اُس کی اُسی قدر معرفت کافی ہے۔

جس پر کہ اس کے آثار قدرت دلالت کرتے ہیں یعنی یہ کہ وہ موجود ہے اور نیز تمام اُن
صفات کے ساتھ موصوف ہے جو کہ اُس کے آثار قدرت سے معلوم ہوتی ہیں اسی طرح
جب آپ کے نفوس اس بات کو دریافت کرنا چاہیں کہ اُس نے عالم کو عدم سے کیسے
پیدا کر دیا تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ہم نے خدا کے تمام اعمال کو تو جانا نہیں اور نہ یہ کہ
وُہ اُن اعمال کو کیونکر کرتا ہے تو جہاں اور بہت سی چیزوں کو ہم نہیں سمجھ سکے وہاں یہ
بھی سہی اور ہم لوگوں کا اُس کو تصور نہ کر سکنا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ ہم اُس کا انکار
کر دیں اور جب آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز آئے کہ جس کی حکمت آپ نہ سمجھ سکیں تو
آپ کو یہ کہہ دینا چاہیئے کہ عالم کا بنانے والا حکیم ہے کیونکہ اُس کی مصنوعات میں بکثرت
حکمتیں ہم دیکھ چکے ہیں پس اگر اس شے کی حکمت کو ہم نہیں سمجھ سکے تو اس سے یہ
لازم نہیں آتا کہ اس میں کوئی حکمت ہی نہ پائی جاتی ہو کیونکہ ہمارا نہ سمجھ سکنا حکمت کے
نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے یہی لازم آتا ہے کہ ہم عالم میں حکمتوں کے
پائے جانے سے ایک سرے سے انکار کر دیں اور اندھا دھند ضرورت کو مان لیں
کہ اُسی سے سب چیزیں ہو جاتی ہیں۔ خدا ہم کو اور آپ کو ایسے طریق کی رہنمائی
کرے جس سے آخرت میں نجات ملے آمین۔

اے اہل سائنس یہاں تک تو میں نے آپ کے ساتھ عالم اور اُس کے تمام متنوعات
کے حدوث ثابت کرنے میں گفتگو کی اور اس پر دلائل قائم کئے کہ کوئی خدا بھی ہے کہ جس
نے عالم کو عدم سے ایجاد کیا اور یہ کہ وہ تمام اُن صفات کے ساتھ جو اُس کی ذات کے
شایاں ہیں موصوف ہے اور نیز آپ کے بہت ہی مشہور شبہوں کا جواب دیا اب
آپ کے بیان کردہ مذہب میں سے چند چیزوں میں اور گفتگو باقی ہے اور وہ گفتگو چار ہم

مسئلوں پر مشتمل ہوگی۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عالم میں سے خواہ سماوی ہوں یا ارضی تمام اشیاء کے حادث ہونے کا طریقہ نشوء ہے یعنی پہلے ایتھر کے اجزا[1] سے ایک بہت چھوٹے چھوٹے غیر قابل قسمت ذرے بنے پھر اُن سے آفتاب بن گیا اس کے بعد آفتاب سے تمام ستارے جدا ہونے لگے۔ چنانچہ منجملہ اس کے ہماری زمین بھی ہے۔ پھر اُس زمین میں عناصر بنے اُس کے بعد معدنیات پیدا ہوئیں اور کون اول یعنی برٹوپلاسم[2] بنا۔ پھر یہ ترقی کرنے لگا اور اس میں توالد و تناسل شروع ہوا یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ادنیٰ درجہ کی نبات یا حیوان تک پہنچ گیا۔ پھر یہ حیوان اور نبات اُن چار قوانین قدرت یعنی قانون تباینات۔ قانون وراثت۔ قانون تنازع لِلبقا (جس کے موافق قوی ضعیف کو ہلاک کر ڈالتے ہیں وغیرہ) اور قانون انتخاب طبعی کے موافق برابر ترقی کرنے لگے اور طرح طرح کی انواع میں منقسم ہوتے رہے پھر اُن انواع سے اور انواع نکلنے اور پیدا ہونے لگیں یہاں تک کہ وہ دونوں (یعنی نبات۔ حیوان) حالت موجودہ تک پہنچ گئے اور یہ سب کچھ ذرات مادہ کی اضطراری حرکت اور انہیں قوانین قدرت کی وجہ سے ہوتا رہا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان بھی منجملہ اور حیوانات کے ایک قسم کا حیوان ہے بطریق نشو کے پیدا ہوا ہے خوبی اور عمدگی میں قانون انتخاب طبعی کے موافق ترقی کر کے حالت موجودہ تک پہنچ گیا۔ اور چونکہ

---

[1] اجزاء دیمقراطیسیہ ۱۲ [2] برٹوپلاسم ایک قسم کا زلالی مادہ ہے جو متعدد عناصر سے مل کر بنتا ہے اُس میں غذا حاصل کرنے منقسم ہونے اور توالد و تناسل کی قوت موجود ہوتی ہے اُسی سے وہ خول تیار ہوتے ہیں جن سے کہ عضوی جسم کی ساخت حاصل ہوتی ہے فلسفہ قدیمہ کی اصطلاح میں اس کو نفس نباتی کے فیضان کا محل قابل کہہ سکتے ہیں ۱۲

وہ بندر کے ساتھ بہت کچھ مشابہت رکھتا ہے اسلئے کچھ بعید نہیں کہ وہ اور بندر دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور پھر ترقی کرکے اپنی اصل پر فوقیت لے گیا ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیات اور انسانی عقل صرف مادہ کے ذرات متحرکہ اور اس کے عناصر ممتزجہ کے باہم تاثیر اور تاثر کے آثار ہیں سے ایک خاص قسم کے ظہور کا نام ہے اگرچہ اصل مادہ حیات اور ادراک دونوں سے خالی تھا اور یہ کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں کے ساتھ صرف مقدار میں مخالفت رکھتی ہے حقیقت کے اعتبار سے اس میں اور دیگر حیوانات کی عقل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آپ لوگ شریعت کے باقی مسئلوں سے جیسے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا۔ آسمانوں کا موجود ہونا وغیرہ انکار کرتے ہیں۔ اور آپ لوگوں کا یہ گمان ہے کہ آپ کے علوم میں اس قسم کے مسائل کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ بعض کو تو آپ کے علوم رد کرتے ہیں اور اُن کے محال ہونے پر دال ہیں۔

اہل سائنس کے مذہب پر گفتگو کرنے کے لئے دو مقدمے بیان کرتا

اب انشاء اللہ میں آپ کے ساتھ ان مسائل میں بتوفیق خداوندی گفتگو کرتا ہوں۔ سُنئے ان مسائل میں آپ سے گفتگو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے میں دو مقدمے بیان کرلوں۔

پہلا مقدمہ | پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جو نصوص اور اقوال شریعت میں وارد ہوتے ہیں اور جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں بھروسہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اُن پر اعمال اور احکام کے بارہ میں بھی بھروسہ ہوتا ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہیں ایک متواتر۔ دوسرے مشہور۔ متواتر اُسے کہتے ہیں جن کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے

جن سے کہ اُس کے شریعت میں وارد ہونے کا یقینی طور پر علم حاصل ہوتا ہو قطعی طور پر ثابت
ہو۔ اور مشہور وہ ہے جس کا شریعت میں وارد ہونا ایسے اسباب کے کثرت پائے جانے
کی وجہ سے جن سے کہ قلب کو اُس کے وارد ہونے کا اطمینان حاصل ہوتا ہو قریب قریب یقینی
کے ہو اور اس کا مرتبہ گمان غالب سے بڑھا ہوا اور یقین سے کچھ گھٹا ہوا ہے۔ پھر متواتر
اور مشہور میں سے ہر ایک یا تو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہو گا جس کے سوا کسی اور معنی
پر دلالت کرنے کا اُس میں احتمال ہی نہ ہو پس وہ کسی دوسرے معنی کی طرف نہیں پھیرا جا
سکتا اور اُس میں تاویل نہیں ہو سکتی یہ قسم شریعت میں جتنے مقامات پر کہ وارد ہوئی
ہے، اُن میں سے کہیں بھی کوئی قطعی دلیل عقلی اُس کے معنی کی مناقض نہیں واقع ہوئی
اس قسم کا نام ہم متعین المعنی رکھے لیتے ہیں اور یا مشہور اور متواتر ایسا ہو گا کہ اول نظر
میں گو ایک خاص معنی پر اُس کی دلالت ہو لیکن اُس میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو
سکتا ہو اگرچہ وہ کسی قدر بعید ہی ہو۔ یہ قسم شریعت محمدیہ میں کہیں کہیں اس طور پر بھی
واقع ہوئی ہے کہ قطعی دلیل عقلی اُس کے ظاہری معنی کی مناقض ہے۔ ان کا نام ہم
ظاہر المعنی رکھے لیتے ہیں۔ پھر سُننے کہ شریعت محمدیہ میں نص متعین المعنی کا یہ حکم ہے
کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُسکے وارد ہونیکی اور اسکے معنی متعین کی تصدیق کرنا ضروری ہے
اور اُس کے وارد ہونے کا انکار کرنا یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنا موجب کفر ہے،
یعنی اسلامی دین سے خارج ہو جانے کو مستلزم ہے۔ اُس کی تاویل کرنا اور کسی دوسرے
معنی کی طرف پھیر دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اُس میں تاویل کا احتمال ہی نہیں
اور نہ کوئی قطعی دلیل عقلی اس کی مناقض ہے یہاں تک کہ اُس کی تاویل کرنیکی ضرورت
پڑے اور اگر وہ نص متعین المعنی مشہور ہے تب بھی اُس کے وارد ہونے اور اُس کے

معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُس کے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنیوالا گمراہی اور نافرمانی میں شمار ہوتا ہے اُس کی تاویل کرنا اور اُس کو کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا اُسی دلیل سے ناجائز ہے جس سے کہ متواتر متعین المعنی کا تاویل کرنا ناجائز ہے۔ اور نص ظاہر المعنی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ متواتر ہو تو اُس کے وارد ہونے اور اُس کے ظاہری معنی کی تصدیق کرنا ضروری ہے اُس کے وارد ہونے سے انکار کرنا یا اُس کے معنی کی بلا کسی تاویل کے تکذیب کرنا بھی کفر ہے اور جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے ظاہری معنی کے خلاف پر دلالت نہ کرتی ہو۔ اُس کی تاویل کرنا بھی جائز نہیں اور کسی قطعی دلیل کے متناقض ہونے کی صورت میں اُس کے ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی جانب احتمالی طور پر پھیرینگے اور اُس کی تاویل کریں گے اس طرح پر کہ اُس میں اور اُس امر میں جس پر کہ قطعی دلیل عقلی دال ہے موافقت ہو جائے اور اگر نص ظاہر المعنی مشہور ہے تو اُس کا حکم بھی نص ظاہر المعنی متواتر کا سا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اُس کے وارد ہونے کے انکار کرنے سے یا اُس کے معنی کی تکذیب کرنے سے کفر نہیں لازم آتا بلکہ گمراہی اور نافرمانی ہی سمجھی جاتی ہے خلاصہ یہ کہ نص متعین المعنی متواتر اور مشہور دونوں میں سے شریعت میں کوئی بھی ایسی نہیں جس کے مناقض عقل میں کوئی امر پایا جائے اور نہ اُس کی تاویل ہی جائز ہے۔ اور نص ظاہر المعنی خواہ متواتر ہو یا مشہور اُن میں سے بھی کسی کی تاویل کرنا اور اُس کے ظاہری اور متبادر معنی سے کسی دوسرے معنی کی طرف پھیرنا جائز نہیں البتہ جس حالت میں کہ عقل کے نزدیک کوئی قطعی دلیل اس کے ظاہری معنی کے خلاف قائم ہو جائے اُس وقت بیشک اس کی تاویل جائز ہے کیونکہ اُسکے متبادر معنی کے اعتقاد پر جمے رہنا اور اُس امر کو

جس پر کہ قطعی عقلی دلیل دلالت کرتی ہے چھوڑ دینا اصل اور بنیاد ہی کو گرا دینا ہے اور وہ اصل عقل ہے جس سے کہ اُس رسول کی جس نے کہ یہ تمام نصوص شرعیہ بتلائی ہیں رسالت ثابت ہوئی ہے کیونکہ اگر عقل نہ ہوتی تو ہم اُس رسول کے دعوے رسالت میں صادق ہونے پر استدلال نہ کر سکتے پس جب یہ اصل ہی منہدم ہو جائے گی تو فرع کا بھی لامحالہ انہدام ہو جائے گا۔ پس عقلی دلائل کو چھوڑ دینا نقلی دلائل کو بالکل برہم کرنا ہے اور یہ خلاف مقصود ہے اس لئے ہر نص ظاہر المعنی کا جبکہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے مناقض ہو یہی حکم ہے یعنی اس میں تاویل کی جائے گی اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ کلیہ قاعدہ ہے (ایسا ہی بکثرت اسلامی کتب میں موجود ہے جیسے کہ تفسیر رازی میں آیت لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا کی تفسیر میں مذکور ہے اسی طرح مقاصد اور مواقف میں بھی ہے) مثلاً قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں واقع ہوا ہے "حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدہا تغرب فی عین حمئۃ" یعنی یہاں تک کہ جب (سکندر ذوالقرنین) آفتاب کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا تو اُس نے اُسے ایک دلدل والے چشمے میں ڈوبتا پایا۔ پس اس نص متواتر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ آفتاب زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں ڈوبا کرتا ہے۔ پس اگر عقلی قطعی دلیل اس ظاہری معنی کے خلاف اور مناقض نہ قائم ہوتی تو شریعت محمدیہ میں اسی تبادر اور ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا ضروری ہوتا اور اُس کی تاویل جائز نہ ہوتی۔ اور اُس وقت یہ کہا جاتا کہ ایک سچے شخص کی خبر نے اپنے ظاہری معنی سے اس بات پر دلالت کی کہ آفتاب زمین کے چشموں سے کسی چشمہ میں غروب ہوا کرتا ہے اس لئے اس کا اعتقاد کرنا ضروری ہے لیکن چونکہ عقلی قطعی دلیل اس بات پر قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب زمین سے بہت بڑا ہے اور بڑے جسم کا

چھوٹے جسم میں سما جانا باوجودیکہ وہ دونوں اپنی مقدار ہی پر باقی بھی رہیں محال ہے
اور علاوہ اس کے اس بات پر بھی عقلی قطعی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ آفتاب خود زمین ہی
میں نہیں ڈوبتا پس اس وقت اس نص کی احتمالی طور پر تاویل کرنا اور اُس کو اُس
کے ظاہری معنے سے پھیر دینا واجب ہے یوں تو اللہ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے۔
لیکن مثلاً یوں کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ مطلب ہو کہ ذوالقرنین جب
مغرب کے شہروں میں سے اُس مقام پر پہنچا تو اُسے دیکھنے میں ایسا معلوم ہوا جیسے
آفتاب ایک دلدل والے چشمے میں غروب ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص مغربی بلاد کے سواحل
پر آفتاب کی جانب نظر کرے گا تو اس کے خیال میں یہی آئے گا کہ آفتاب مغربی
سمندر میں جو اُن بلاد کو گھیرے ہوئے ہے ڈوب رہا ہے اور اس سمندر میں سیاہ رنگ
کی کیچڑ اور تاریکی بھی بکثرت پائی جاتی ہے اور وہاں گرمی بھی بہت ہے اور یہ اُس
جانب اشارہ ہے کہ زمین کے مغربی کنارے کو سیاہ سمندر گھیرے ہوئے ہے خواہ
ہم اس کو مغربی افریقہ کا کنارہ کہیں یا مغربی امریکہ کا اور یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ آفتاب
حقیقۃً زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں غروب ہوتا ہے (یہ تاویل تفسیر رازی۔
جلالین۔ اور تفسیر کواشی سے ماخوذ ہے جیسا کہ اس کو شیخ مرعی الحنبلی نے کتاب عجائب المخلوقات
میں نقل کیا ہے اور بعض اہل قصص نے جو یہ کہہ دیا ہے کہ آفتاب حقیقۃً چشمہ ہی میں
غروب ہوتا ہے یہ بالکل بے ٹھکانے بات ہے۔ اور امور یقینی کے بالکل خلاف۔ اور
خدا کا کلام ایسی تہمتوں سے بالکل مبرّا ہے پس سوائے تاویل کی طرف رجوع کرنے
کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہی ایسا ہی تفسیر رازی میں ہے) اور اس طرح پر تو لوگ
بول چال میں کہا ہی کرتے ہیں کہ میں نے فلاں مقام پر آفتاب کو دریا میں ڈوبتے ہوئے

پایا اور فلاں مقام پر آفتاب کو پہاڑ کے پیچھے یا فلاں وادی میں ڈوبتے ہوئے دیکھا حالانکہ قائل کا یہ ہرگز اعتقاد نہیں ہوتا کہ ان مواقع مذکورہ میں سے کسی میں بھی آفتاب ڈوبتا ہو بلکہ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے میں جیسا معلوم ہوتا ہے اسی کو بیان کر دیا جاتے لیکن جب کوئی عقلی غیر قطعی یعنی ظنی دلیل شریعت کی کسی نص کے متبادر معنی کے مناقض واقع ہو تو اس نص کی تاویل کرنا اور اس کو متبادر معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی طرف راجع کر دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ اس کے ظاہری معنی کا اعتقاد کرنا اور اس کو اپنی حالت ہی پر باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ دلیل خود ضعیف ہے اس کی وجہ سے ہم کو کوئی وجہ مجبوری کی نہیں ہے اور یہ امر تو واضح ہے کہ قطعی دلیل عقلی وہی ہو سکتی ہے۔ جو اپنے مدلول پر یقینی طور پر دلالت کرے اور اس میں اپنے مدلول کی نقیض کا احتمال بھی نہ ہو۔ اور ظنی دلیل عقلی اسے کہتے ہیں جو اپنے مدلول پر رجحان کے ساتھ دال ہو اور اس میں مدلول کی نقیض کا بھی احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ وہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو پس وہ اسی احتمال کے باعث سے یقینی کے درجہ سے گھٹ جاتی ہے اور اسلامی اعتقادات میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اسی لئے ظنی دلیل شریعت کی کسی متواتر یا مشہور نص کے ظاہری معنی کے معارض بھی نہیں ٹھہر سکتی اور نہ اس دلیل ظنی کی وجہ سے نص کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرنا جائز ہے۔ پھر شریعت محمدیہ میں بعض ایسی نص بھی موجود ہیں جن کے لئے وہ شرائط جن سے کہ وہ متواتر یا مشہور کے درجہ کو پہنچ جاتیں کامل طور پر نہیں پائی جاتیں اس لئے اُن کے وارد ہونے کا ثبوت یقینی نہیں ہے اور اس قسم کا نام آحاد ہے یہ بھی متعین المعنی اور ظاہر المعنی کی طرف منقسم ہوتی ہے اور اسلامی شریعت میں

اس کا یہ حکم ہے کہ شرعی اعمال میں اُس پر وجوبًا اعتماد کر لیا جائے کیونکہ اعمال کے حق میں فقط ظن کافی ہوتا ہے لیکن اسلامی معتقدات کے بارے میں اُن پر استقلالاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُس کے وارد ہونے کا ثبوت ظنی ہے یقینی تو ہے ہی نہیں اس لئے اس کے شریعت میں وارد ہونے یا اس کے معنی کا منکر کافر نہیں سمجھا جاتا (چنانچہ اصول کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن ہاں آحاد کو جب قابلِ اعتماد اشخاص نقل کریں اور مجتہدین نے عبادات کے بارے میں اُن پر اعتماد کر لیا ہو تو پھر جب تک کہ کوئی قطعی دلیل عقلی اُس کے معارض نہ ہو اُس کا انکار کرنا ہرگز جائز نہیں تا کہ کہیں اس طرح پر متواتر اور مشہور کے انکار کرنے تک نوبت نہ پہنچ جائے خدا پناہ میں رکھے) ہاں جب خبر آحاد کے ساتھ بھی ایسے ہی امور پائے جائیں جن سے اُس کی تقویت ہو جائے اور یقینی علم اُس سے حاصل ہو سکے اس وقت البتہ اسلامی معتقدات میں بھی اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اعتقادات کے بارے میں متواتر اور مشہور پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

دوسرا مقدمہ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شریعت محمدیہ بلکہ تمام شریعتوں کا مقصود ایسے امور کا بیان کرنا ہوا کرتا ہے جن سے کہ خلق خدا کو خدا کی معرفت کی جانب ہدایت ہو۔ اُس کے موجود ہونے اُسکے صفات کمال کے ساتھ متصف ہونے کا اعتقاد حاصل ہو اُس کی عبادت کرنے کا طریق معلوم ہو اُسکے شکر ادا کرنے کی کیفیت سے آگاہی ہو اور ایسے احکام پر واقفیت حاصل ہو جائے جن سے کہ معاش کا انتظام درست ہو، معاد اور عاقبت کی خوبی حاصل ہو جائے۔ رہے علوم کائنات

عہ البتہ بلا دلیل شرعی یہ انکار بوجہ ترک واجب کے موجب معصیت ہوگا ۱۲

وطبعیات وغیرہ) کے مباحث اور ان کا بتلانا جن سے کہ عالم کے پیدا ہونے کی کیفیت اور وہ قوانین قدرت جو ارضی یا سماوی اشیاء میں قائم ہیں اور اسی طرح کے اور امور۔ پس اس قسم کی چیزیں شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ سارے مباحث اس قسم کے معلومات ہیں جن کو سمجھ دار لوگ اپنی عقلوں سے دریافت کر سکتے ہیں۔ پس کبھی تو اُن سے اپنے دنیاوی مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کبھی محض اُن کا دریافت کر لینا ہی اپنی خوش قسمتی شمار کرتے ہیں اور شریعتیں اُن امور کی جانب اول تو مقصودیت کی حیثیت سے التفات ہی نہیں کرتیں اور نہ اُن کی تفاصیل ہی کا کچھ خیال کرتی ہیں۔ ہاں کبھی اجمالی طور پر ان میں سے بعض چیزوں کو اس قدر ذکر کر دیا کرتی ہیں جتنے کو کہ اُن کے مقاصد میں دخل ہوتا ہے چنانچہ اُن میں مثلاً مختلف آسمان و زمین کی پیدائش کا اُن کو عدم سے وجود میں لانے کا تنوعات کے لحاظ سے انواع مخلوقات کے مختلف ہونے کا۔ کائنات کی تدبیر کا اُس کے انتظام کی کیفیت کا اجمالی طور پر ذکر موجود ہے تاکہ یہ لوگوں کے لئے خدائے عالم کے وجود پر اُس کے علم قدرت۔ اور حکمت وغیرہ صفات کے ساتھ متصف ہونے پر عقلی دلیل بن جائے اور کبھی کسی مقتضا کی وجہ سے کہ جس کا مرجع اُن کے مقاصد ہی کی جانب ہوتا ہے بعض مباحث کی تفصیل بھی بیان کر دیا کرتے ہیں

تحقیق عالم کے بارہ میں نصوص شرعیہ کا بیان

جب آپ نے ان دونوں مقدموں کو سمجھ لیا تو اب سُنئے کہ شریعت محمدیہ میں جو نصوص متواترہ یا مشہور وہ اس قبیل کی وارد ہوئی ہیں جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں خصوصاً کائنات کی پیدائش اور اُسکے انواع انواع میں متنوع ہونے کے بارے میں اعتماد کیا جاتا

ہے وہ صرف ایسی نصوص ہیں جن میں کہ پیدائش اور اس کی کیفیات کے تفصیلی حالات کا بیان نہیں اور وجہ اس کی وہی ہے جو ہم نے آپ سے بیان کی کہ اس قسم کی اشیاء شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں ہوا کرتیں لیکن ان مباحث میں سے شریعت میں اسی قدر مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمان کی جانب اُس حالت میں متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا پس اُس نے اُس کے سات آسمان بنا دیے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب اس حالت میں قصد کیا جبکہ وہ پانی کا بخار تھا جیسے کہ تفسیر جلالین میں مذکور ہے) اب پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ دنوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور ہر شخص شرعی دلائل میں سے کسی نہ کسی دلیل کے ساتھ تمسک کرتا ہے پس اکثر علماء اسلام نے تو یہی کہا ہے۔ کہ یہ ان ہمارے ہی دنوں کی طرح ہیں یعنی وہ مدت زمانی مقدار میں ہمارے چھ ایام کے برابر تھی کیونکہ اس وقت تو نہ آفتاب ہی تھا اور نہ آسمان۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان دنوں سے آخرت کے دن مراد ہیں کیونکہ شریعت کی اصطلاح میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ آخرت کا ایک دن ہمارے یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے (ایک دن کے ہزار برس کے ساتھ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ دراق کی مبایح الفکر میں موجود ہے) اور بعضوں نے کہا ہے کہ دن کا اطلاق شرعی اصطلاح میں پچاس ہزار برس پر بھی آتا ہے باوجود ان سب باتوں کے وہ سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین اور اُن کے اندر کی تمام چیزوں کو ایک

لحظے سے بھی کم میں پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اُس کی قدرت کے عظیم ہونے کے دلائل قائم ہو چکے ہیں اور اُس نے جو صرف چھ ہی دن میں تمام عالم کو پیدا کیا اُس میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے جسے وہی خوب جانتا ہے۔ اور بعضوں نے اپنی سمجھ کے موافق اس کی حکمت بیان بھی کی ہے وہ یہ ہے کہ عالم کی پیدائش کی کیفیت رسولوں کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو پہنچا کر انہیں سکھا دے کہ جلدی کرنے سے ٹھہر کر کام کرنا بہتر ہوتا ہے اگرچہ کام کرنے والے کو یہ بھی کیوں نہ معلوم ہو کہ جلدی کرنے سے بھی وہ غلطی سے محفوظ رہے گا۔ انہیں نصوص میں سے ایک نص میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آسمان[عہ] اور زمین پہلے پیوستہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو شگافتہ کر دیا۔ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض نے اس نص کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ وہ دونوں بالکل ایک شے متصل واحد کی طرح تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو جدا جدا کر دیا اور آسمانوں کو وہاں تک بلند کیا جہاں کہ وہ اب ہیں اور زمین کو اُس کی جگہ پر رہنے دیا۔ اس کو عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے ایسے ہی عطاء وضحاک اور حسن سے بھی منقول ہے اور یہی سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے۔ جیسے کہ جلالین کے حاشیہ جمل اور کلام رازی سے ماخوذ ہوتا ہے اور رازی نے اس کو وجوہ تاویل میں سب سے اولیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر سورۂ انبیا میں انہوں نے بیان کیا اور بعضوں نے اس کی دوسری بھی تفسیر کی ہے۔

عہ قرآن شریف میں اس مضمون کو یہ آیت ادا کرتی ہے۔ اِنَّ السمٰوٰت والارض کانتا رتقاً ففتقنا ہما ۱۲۔

اور بعض پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصوص شریعت سے یہ سمجھے ہیں کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوئی لیکن وہ بچھی ہوئی یعنی پھیلی ہوئی اور بود و باش کے قابل نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور وہ اس وقت تک ایک دھواں تھا جو اس کے قبل پیدا ہو چکا تھا پھر اس کے سات آسمان بنا دیے اس کے بعد زمین کو بچھا دیا یعنی پھیلا کر بود و باش کے قابل بنا دیا اور جو اس امر کا قائل ہوا اس نے اس نص کی جس کا ظاہر اس کے خلاف تھا تاویل کر دی اور بعض یہ سمجھے کہ سب آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے اور جس نص کا ظاہر اس کے خلاف معلوم ہوا اس کی انہوں نے تاویل کر دی۔ سورۂ فصلت کی تفسیر میں جمل نے اس کو خطیب سے اور خطیب نے رازی سے نقل کیا ہے پھر اس کے بعد میں نے (مصنف حمیدیہ نے) اس میں اس کو دیکھ بھی لیا اور اس بارہ میں ہر ایک نے ایسا طرز اختیار کیا ہے جو شریعت محمدیہ کے اصول کے موافق ہے۔ شریعت کی نصوص مذکورہ میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا کیا اور انہیں آسمان دنیا (یعنی اس آسمان کے لئے جو زمین سے بہ نسبت اوروں کے قریب ہے) زینت بنا دیا۔ پس بعض نے تو یہ کہا کہ وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں (یہ جمہور مفسرین کا قول ہے جیسا کہ وراق کی میاہج الفکر میں منقول ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ آسمان کے نیچے زمین و آسمان کے درمیان میں ہیں (اس کو سورۂ تکویر کی تفسیر میں قاضی صہاجی نے اپنی تفسیر کنز الاسرار میں مکی سے نقل کیا ہے اور بہجۃ النفس کے مصنف نے وہب سے نقل کیا ہے اور قرمانی نے اپنی کتاب مختصر الہیئۃ السنیۃ میں مفسرین اور ان کے علاوہ اور علماء کی

کثیر نے اس سے نقل کیا اور ایسا ہی شیخ مرعی الحنبلی مقدسی نے اپنی کتاب عجائب المخلوقات میں
بیان کیا اور ایک آحادی حدیث بھی نقل کی ہے جو اس امر پر دال ہے اسی طرح اس حدیث کو
ابو جعفر محمد بن عبد اللہ کسائی نے کتاب الملکوت میں ذکر کیا اور رازی نے تو کعب سے نقل
کر کے سورۃ الصافات کی تفسیر میں اس امر کو تصریحاً بیان کر دیا کہ آفتاب آسمان دنیا سے نیچے ہی
ہے) اور ان کا ستاروں کا آسمان دنیا کے لئے زینت ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ آسمان
میں گڑے ہی ہوئے ہوں کیونکہ جائز ہے کہ اس کی زینت ہم لوگوں کے دیکھنے کے اعتبار
سے ہو اگرچہ ستارے نیچے ہی کیوں نہ ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ شاید وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے
اس قول کی کہ (و القمر فیھن) چاند کو ان میں (یعنی آسمانوں میں) نور بنایا ایسی تاویل کریں
بعضوں نے تو اس کو جسم عـــہ بتایا ہے جو کہ ان کا حامل ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس
سے مراد ستاروں کی حرکت کا مدار ہے یعنی وہ خلاء عـــہ جس میں کہ وہ چلتے ہیں (یہ ضحاک کا
قول ہے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اور نصوص اس امر پر دال ہیں کہ آسمان موجود ہیں اور
یہ کہ وہ ستاروں کے علاوہ ہیں جیسا کہ گذشتہ نصوص سے سمجھا جاتا ہے اور آگے بھی اس
موقع پر جہاں کہ آپ سے ان چیزوں کے بارے میں گفتگو ہوگی جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی
ہیں اور آپ ان سے انکار کرتے ہیں۔ اس کا بیان آتا ہے۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ
وسلم میں سے جمہور تو اسی بات پر ہیں کہ آسمان ہم کو نظر آتے ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی کہا
ہے کہ وہ نہیں دکھلائی دیتے اور جو کچھ کہ نظر آتا ہے وہ ہوا ہے (عجائب المخلوقات میں
قاضی ابو بکر بن عربی سے یہی نقل کیا ہے۔ اور شاید وہ اس نص کی جس سے بظاہر

عـــہ پس ان لوگوں نے افلاک اور سموات کو ایک سمجھا ہے اور جسمانی مانا ہے۔ ۱۲ عـــہ ان لوگوں نے
افلاک کو سموات کا مغائر مانا ہے کہ سموات کا وجود تو جسمانی ہے اور افلاک کا وجود خطی یا سطحی۔ ۱۲

معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظر آتے ہیں کوئی مناسب تاویلؑ کریں ۔

آسمان و زمین اور ستاروں کی پیدائش کے اعتقاد کے بارے میں جن نصوص شرعی پر کہ اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اُن نصوص کے معانی سمجھنے میں جو علماء کے اقوال ہیں یہ اِن سب کا یہ خلاصہ ہے ۔ باقی رہی اُن کی پیدائش کی تفصیل یا آفتاب ۔ ستاروں اور زمین کے رفتہ رفتہ بننے کی کیفیات جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے کہ سب کی اصل مادہ کے غیر منقسم ذرات ہیں پھر اُن سے آفتاب بنا ۔ اُس کے بعد اُس سے ستارے جُدا ہونے شروع ہوئے ۔ چنانچہ اُنہیں میں سے ہماری زمین ہے جس میں کہ متعدد قوانین قدرت پائے جاتے ہیں جن کا کہ آپ لوگ اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں یا کسی دوسرے طریق پر اُن کی پیدائش ہوئی ۔ اس کی نسبت شریعت محمدیہ نے کچھ تصریح نہیں کی اور نہ اُس کی نصوص میں سے کسی نص سے آپ کی تحقیق کا نفیاً یا اثباتاً پتہ چلتا ہے لیکن ہاں قرآن شریعت کی عبارت سے اشارۃً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے بحث کرنا کچھ اچھا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے وقت ان کو حاضر نہیںؑ کر لیا تھا ۔

علوم طبعیہ میں کائنات کے بننے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے محض تخمینی ہے

اور جب ہم اُن تفصیلوں میں جنہیں آپ لوگ آفتاب ستاروں اور زمین کے تدریجی طور پر بننے کے بارے میں ذکر کیا کرتے ہیں انصاف کی نظر سے غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ

ع مثلاً یہ تاویل کر سکتے کہ نظر آنے سے مراد غور کرنا لیا جاوے یعنی جہاں یہ وارد ہوا ہے ۔ کیا تم آسمانوں کو دیکھتے نہیں ۔ اس کے معنی یہ کیے جائیں کہ کیا تم آسمانوں میں غور نہیں کرتے ۔

عہ وہ آیت یہ ہے ۔ ما اشہدتہم خلق السموات والارض ۱۲

باتیں فرضی اور تخمینی ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کی کتابوں میں آپ کے بیانات کو تامل کی نگاہ سے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے پس ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسی طریق سے جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں عالم کو پیدا کیا ہو اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے طریقہ سے پیدا کر دیا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ تخمینی باتیں گمان کے درجہ پر ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے اعتقاد میں ان کا ہرگز یقین نہیں کر سکتے اور اُن کے لئے اُسی قدر کافی ہے جتنا کہ اُن کی شریعت میں اس بارے میں وارد ہوا ہے اور اُس سے جو کچھ ان کی شریعت کے علماء سمجھے ہیں ہاں جب تخمینی امور قطعی دلیلوں سے ثابت ہو جائیں جن میں کہ نقیض کا احتمال نہ ہو اور عقل کو اُن کے ترک کرنے کی گنجائش نہ رہے (لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے) اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلیں اُن کو مان لیں تو اُس وقت بیشک یہ لوگ اس کے قائل ہو جائیں گے یعنی اس اعتقاد کے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو ایجاد کیا پھر اُس سے ستاروں اور زمین کو اُسی کیفیت سے جس کو کہ آپ بیان کیا کرتے ہیں پیدا کیا اور قوانین قدرت جن کے کہ آپ لوگ عالم کی پیدائش کے بارے میں قائل ہیں وہ محض اُن کے نزدیک اسباب عادی ہیں ذاتی طور پر اُن میں کوئی بھی تاثیر نہیں جیسا کہ وہ قوانین قدرت جنہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر کائنات کی پیدائش کے لئے مقرر کیا ہے پس نباتات مثلاً بذریعہ پانی اور روشنی اور مٹی کے بن جاتی ہے اور نباتات کے پیدا کر دینے میں ان کو ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہاں اُس کی عادت جاری ہو گئی ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت اُن کے مسببات کو بھی پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اور اس وقت یہ امر بخوبی واضح ہے کہ سابق میں جو نصوص مذکور ہوئیں اُن میں سے کوئی بھی اُس طریقۂ پیدائش کے منافی نہیں جس کے کہ آپ لوگ قائل

ہیں جیسا کہ غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔ بہرحال ہر تقدیر پر ہمارا مقصود حاصل ہے اور وہ
آثار کو دیکھ کر ان کے مؤثر پر استدلال کرنا ہے۔

اہل سائنس کیلئے نجات کا راستہ

اے اہل سائنس جب آپ اسلامی دین کو قبول کرلیں اور اس امر
کے معتقد ہوجائیں کہ اللہ تعالےٰ کے پیدا کرنے سے مادہ حادث
ہوا ہے جیسا کہ میں نے بیان سابق میں آپ لوگوں کے لئے اس امر پر دلیل قائم کر
دی ہے اور نیز اس امر کا اعتقاد کرلیں کہ سات آسمان موجود ہیں جیسا کہ آپ لوگوں کے
لئے اس کا بیان آئندہ آتا ہے اور آپ لوگوں کے نزدیک آفتاب کا بنا اور پھر اس سے
ستاروں اور زمین کا جدا ہونا اس طریقہ پر جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں قطعی دلیلوں سے
ثابت ہوجائے تب بھی آپ لوگوں کو ممکن ہے کہ شریعت محمدیہ کی ان نصوص کے موافق
جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نیز اس کے موافق جیسا کہ اُسے
شریعت کے بعض علماء سمجھے ہیں اپنے اعتقاد کی تقریر کریں۔ پس اس وقت آپ لوگ
یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے عالم کا مادہ پیدا کیا اُسی کو مادۂ آسمان کے ذکر
کرنے کے وقت اُس نے دخان یعنی دھوئیں سے موسوم کیا ہے جس کی تفسیر علماء نے
پانی کے بخار کے ساتھ کی اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے غیر منقسم ذرّے ہیں جو خلاء میں منتشر تھے
پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو علٰحدہ کیا یعنی مادۂ آسمان کو اُس مادہ سے متمیز کرلیا
جس سے کہ اُس کا ارادہ آفتاب۔ ستارے اور زمین بنانے کا تھا۔ (رتق اور فتق کی تفسیر
میں ابن عباس اور اُن کے ساتھیوں سے جو کچھ منقول ہے اُسی کے موافق یہ تقریر چل
سکتی ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے) اس کے بعد مادۂ آسمان کو اُس نے اشیاء مذکورہ
کے مادہ کے اوپر اٹھایا پھر اُس نے آفتاب بنایا اُس سے ستاروں اور زمین کو جدا کیا

یہ تقریر برہان کے قول کے موافق ہو سکتی ہے جو فلک کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ وہ کواکب کے
مدار کا نام ہے یعنی اُس مدار کا جس میں کہ وہ کواکب (ستارے) دورہ کرتے ہیں۔ لیکن
زمین جس وقت پیدا ہوئی تھی وہ اُس وقت پھیلی ہوئی نہ تھی یعنی اُس صورت پر نہ تھی کہ
بود و باش کے قابل ہوتی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب قصد کیا اور ابھی تو دھواں
ہی تھا یعنی پانی کا بخار تھا۔ اور یہ وہی چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو تمام خلا میں منتشر
پائے گئے ہیں۔ پھر اُس نے اُس کے سات آسمان بنا دیئے اور آسمان دکھلائی نہیں
دیتا اور جو کچھ نظر آتا ہے یہ کرہ ہوا ہے۔ یہ تقریر ابوبکر بن عربی کے قول کے موافق ہے
جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ پھر اُس کے بعد اُس نے زمین کو پھیلا دیا یعنی اُس کو
بود و باش کے قابل بنا دیا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خاص خاص قوانین قدرت
کے موافق کیا اور وہ سب عادی اسباب ہیں اور اس میں ایک طویل زمانہ صرف ہوا
جس کو کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ وہ خدا قادر ہے کہ
بغیر ان قوانین قدرت کے بھی اور ایک لحظہ سے بھی کم میں تمام چیزوں کو پیدا کر دے
پس اس تقریر پر آفتاب۔ ستارے اور زمین آسمان کے نیچے قدرتی قانون کشش کے
ذریعہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس میں رکھ دیا ہے۔ قائم ہیں اور یہ بھی عادی سبب
ہے اور فاعل حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ پس اس تقریر سے آپ لوگوں کا مذہب
شریعت محمدیہ کی نصوص سابقہ پر اور نیز بعض علماء شریعت کے اقوال پر جو کہ آفتاب
ستاروں اور زمین کی پیدائش کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ پورے طور سے منطبق
ہو گیا اور اس طرح پر آپ کے مذہب اور اسلامی دین کے مابین کوئی ایسی مخالفت
باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے آپ لوگوں کا اہل اسلام میں شمار نہ ہو سکے اور اسلام

دین سے آپ لوگوں کا خارج ہونا لازمی قرار پائے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو جب تک کہ یہ تفصیل جس کے کہ آپ لوگ آفتاب کے بننے اور ستاروں اور زمین کے اُس سے جدا ہونے کے بارے میں قائل ہیں قطعی دلائل سے اُن کے نزدیک ثابت نہ ہو جائے ہرگز اس کا التزام نہیں کر سکتے۔

ہاں اگر قطعی ثبوت مل گیا تو بے شک اس کا التزام کرلیں گے ورنہ اعتقاد کے بارے میں انہیں نصوص سابقہ پر جو شریعت محمدیہ میں اسبارے میں واقع ہوئی ہیں اقتصار کریں گے اور اجمالی طور پر سمجھنے کے لئے اپنے یہاں کے جمہور علماء کی رائے کا اتباع کرینگے اور اس تفصیل کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیں گے کیونکہ اس تفصیل سے بحث کرنے کی انہیں تکلیف نہیں دی گئی ہے اور جب اُن سے ایسے امر یا اسی کے مثل اور امور کی نسبت جن کی کہ اُن کی شریعت میں تصریح نہ وارد ہوئی ہو اور نہ اُن پر قطعی دلیلیں قائم ہو چکی ہوں بلکہ ان کے دلائل ظنی ہوں سوال کیا جائے گا تو وہ دیکھیں گے کہ وہ امور اُن کی شریعت کے منافی ہیں یا نہیں اگر وہ منافی ہوئے تو وہ ان کو ترک کر دیں گے اور ہرگز قائل نہ ہوں گے اور اگر وہ منافی نہ ہوئے تو وہ کہیں گے کہ ہاں ممکن ہے کہ یہ صحیح ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہوں کیونکہ یہ امر مظنون ہے۔

پھر کائنات کے بارے میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یقینی اعتقاد اس قدر ہے کہ تمام کائنات حادث ہے اور اس لئے اس کے واسطے ضرور کسی محدث کی ضرورت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اُسے حادث کیا اور عدم سے ایجاد کر دیا اور اُس کو اُن انواع پر منقسم کر دیا جو کہ بالفعل مشاہدہ کی جاتی ہیں اور یہ سب کچھ طبیعت یا کسی قدرتی قانون کی ذاتی تاثیر سے نہیں ہوا۔ ہاں جو قوانین قدرت کائنات میں سے

بعض کے بننے میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں وہ صرف عادی اسباب ہیں جن کو کہ اللہ تعالیٰ
نے اس مقصد کے لئے مقرر کیا ہے تاہم خدا اُن قوانین قدرت سے بالکل بے نیاز ہے
وہ بغیر ان قوانین قدرت کے بھی کائنات کے پیدا کرنے پر پورے طور سے قادر ہے اور
اسی قدر یہ یقینی علم خدا کے وجود پر۔ اُس کی قدرت۔ علم اور تمام اُن صفات کے ساتھ
موصوف ہونے پر جن پر کہ اُس کے آثار دلالت کرتے ہیں استدلال کرنے کے لیئے
کافی ووافی ہے پس اس اعتقاد کے مقتضا کے موافق جب وہ خاص کر زمین کے تین عالم
یعنی معدنیات۔ نباتات اور حیوانات کے بننے کی جانب التفات کریں گے تو ظاہر ہے
کہ ان کے نزدیک یہ دونوں صورتیں تحت قدرت ہونے میں برابر ہیں۔ ایک صورت
یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں کو بطریق خلق کے ایجاد کیا ہے یعنی اُس نے ان میں سے
ہر نوع کو دوسرے سے جداگانہ اور مستقل طور پر ایجاد کیا کوئی نوع دوسری سے مشتق اور نکلی
ہوئی نہیں عام اس سے کہ اُس نے اس کو دفعۃً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ اس طرح پر بنایا ہو کہ
اُس نے مادہ کو اُس کی ابسط حالت سے ترقی دیتے دیتے حالت موجودہ تک پہنچا دیا ہو
اور دفعۃً بنانا یا رفتہ رفتہ پیدا کرنا ان میں سے ہر ایک عقلی ممکنات میں سے ہے کہ جو
اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ خدائے پاک فاعل مختار ہے جو
طریق چاہے اختیار کر سکتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور دوسری صورت یہ کہ
اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں کے انواع کو بطریق نشو کے ایجاد کیا ہو یعنی اُس نے بسیط
مادہ کو ایجاد کر دیا ہو پھر اُس کو عناصر تک ترقی دی ہو پھر معادن یا سب سے بسیط
ذی حیات جسم (پروٹوپلاسم) تک پھر ادنیٰ درجہ کی نباتات یا حیوان تک ترقی دیکر پہنچا دیا
ہو پھر اُس پر باقی انواع کو متفرع کیا ہو اور ایک کو دوسرے سے نکالا ہو اور بعض کو

باقی رکھا ہوا در بعض کو نیست و نابود کر دیا ہو اور بہ سبب اُن قوانین قدرت کے موافق انجام پایا ہو نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ میں رکھ دیا ہے اور انہیں کی وجہ سے ترقی ہونے لگی اور مختلف انواع بننے لگیں حتیٰ کہ یہ تینوں عالم موجودہ انواع تک پہونچ گئے پس یہ دونوں صورتیں یعنی طریق خلق اور طریق نشو جس حالت میں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی تاثیر قدرت کی جانب نسبت کیا جاوے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خدا تعالےٰ کے وجود و صفات کمال پر استدلال کرنے کے لئے کافی ہیں اسی کو دوسری عبارت میں یوں سمجھئے کہ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت مانی جاوے یعنی خواہ انواع ہی کو ابتدائی مخلوق مانا جاوے جس میں جنس کا وجود محض ذہنی وانتزاعی ٹھہریگا اور خواہ جنس کے مادہ کو اولاً موجود مانا جاوے اور انواع کو انہیں سے متفرع ہوتا ہوا کہا جاوے اور ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہنچتا ہوا کہا جاوے دونوں صورتیں اللہ تعالےٰ کے وجود و صفات کمال پر استدلال کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں لیکن وہ نصوص جن پر کہ اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ کائنات ارض کی پیدائش کے بارے میں جو شریعت محمدیہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اُن کا خلاصہ یہ ہی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات شئے کو پانی سے بنایا۔ اور یہ کہ اُس نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اُس نے پراگندہ کیا۔ یعنی اُس نے زمین میں جانداروں کو پھیلا دیا۔ اور یہ کہ اُس نے ہر ایک سے جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور یہ کہ اُس نے چوپایوں سے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ (یعنی نر اور مادہ جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑوں کو پیدا کیا ہے۔ (یعنی تمام اصناف و اقسام کو جیسا کہ تفسیر میں ہے) اور یہ کہ اُس نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ (یعنی دو صنف یا دو قسمیں جیسا کہ تفسیر میں ہے)

ثمرہ واحد۔ اور یہ کہ اس نے زمین میں ہر ایک ثمرات جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔
(یعنی ہر قسم کے جیسا کہ تفسیر میں ہے) پس اول کی تینوں نصوص میں تو اس تفسیر کا احتمال
ہے کہ جن کی تفسیر طریقۂ خلق کے موافق کی جاوے یا طریقۂ نشو کے۔ اور اس سے اہل سائنس
پہلے کی دو تین نصوص کے تو آپ ہو گزرا کا جدید قول کہ زندگی حیات مادہ پانی سے
حاصل ہوتا ہے بالکل موافق ہے۔ اب رہیں باقی نصوص مذکورہ ان کے تبادر
اور ظاہری معانی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عالموں (معدنیات نباتات
حیوانات) کی انواع کو بطریق خلق کے ایجاد کیا۔ یعنی اس نے ہر نوع کو جداگانہ
اور مستقل طور پر ایجاد کیا ہے۔ دوسرے سے نہیں نکالا ہے۔ عام ہے کہ اس نے دفعتاً ایجاد
کیا ہو یا رفتہ رفتہ جیسا کہ یہ امر اس شخص پر مخفی نہیں جو عربی کلام کے طرز سے واقف ہے
کیونکہ مثلاً جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے مہمانوں کے سامنے کھانے کی مختلف انواع
کو پیش کیا تو اس کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہر نوع کو مستقل طور پر
طیار کیا اور اسے اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔ رہا یہ امر کہ اس نے پہلے سادہ کھانا
ایک ہی جنس کا طیار کیا ہو پھر طباخی کی صنعت کے موافق اس کو ترقی دے کر اس سے
اور انواع کو نکال لیا ہو یہ معنی ارادہ سے دور ہیں اور اس کا دنیا میں خیال بھی نہیں
گذرتا اگرچہ یہ ممکن الوقوع ہے اور بعض آحادی نصوص کہ جو مدار اعتقاد نہیں قرار
پا سکتیں ان نصوص کے ظاہری معانی کی تائید کرتی ہیں لیکن باوجود اس کے کوئی ایسی
نص نہیں وارد ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو مستقل طور پر ایجاد
کیا ہے خواہ دفعتاً ایجاد کیا ہو یا رفتہ رفتہ۔ ہاں بعض آحادی نصوص میں (مسلم کی حدیث
میں) یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں سے جن میں کہ اس نے آسمانوں

اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ درخت کو فلاں دن پیدا کیا۔ پھر اُسکے بعد حیوانات کو فلاں
دن پیدا کیا لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ حیوان کی پیدائش
درخت کے بعد ہے رہا یہ امر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نوع کو دفعتاً ایجاد کیا یا رفتہ
رفتہ اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ پس بنا بر نصوص مذکورہ کے بوجہ اُس قاعدہ
سابق الذکر کے کہ بدون ضرورت معارضہ دلیل عقلی قطعی کے نصوص مشہورہ و متواترہ
کے معانی حقیقیہ و معانی ظاہرہ کو چھوڑنا جائز نہیں۔ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ذمہ یہی اعتقاد رکھنا ضروری ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ارض کے تینوں عالموں
(معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات) میں سے ہر نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا ہے،
بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ ایک نوع کو دوسرے سے نکالا اگرچہ وہ دونوں
صورتوں پر بخوبی قادر ہے۔ رہا یہ امر کہ ہر نوع کو اُس نے دفعتاً پیدا کیا ہے یا
رفتہ رفتہ موافق اُن قوانین قدرت کے جنھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کیا
ہے تو ان دونوں امروں میں سے وہ کسی کی نسبت قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ
وہ توقف کریں گے کیونکہ اُن کی شریعت میں کوئی ایسی نص نہیں وارد ہوئی جس
سے ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک خاص طریقہ کا یقین ہوجائے اور حکم
شریعت کے مقتضا کے موافق اُن کو یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس ظاہری معنی
(طریق خلق) کے اعتقاد سے عدول کرکے اُس کے خلاف ایک نوع کے دوسر
نوع سے نکلنے اور بطریق نشو کے پیدا ہونے کا اعتقاد کرلیں جیسا کہ آپ لوگ قائل
ہیں کیونکہ یہ امر نصوص سابق الذکر کے ظاہری اور متبادر معنی کے خلاف ہے اور کوئی
قطعی دلیل جو اُن کو اُن کی تاویل کرنے پر مضطر کردے قائم نہیں ہوئی اور جو دلیلیں

آپ لوگ طریقِ نشو پر اپنی کتابوں میں ذکر کیا کرتے ہیں وہ محض ظنی اور فرضی ہیں احتمالی کے دائرے سے جس سے کہا استدلال (یقینی ساقط ہو جایا کرتا ہے) خارج نہیں ہیں جیسا کہ خود غرضی کو چھوڑ کر ان دلیلوں کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے اور جب تک یہ کیفیت رہے گی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروان نصوص کو ان کے ظاہری معانی سے ہرگز نہیں پھیریں گے۔ اگرچہ یہی اعتقاد کیوں نہ رکھنا پڑے کہ طریق نشو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہے بلکہ جب تک یہ حالت رہے ان کو تاویل کرنا جائز بھی نہیں ہے ہاں اگر عقلی قطعی دلیل ان نصوص کے ظاہری معانی کے خلاف قائم ہو جاتی اس وقت ان کے ذمہ سابق الذکر قاعدہ کی بنا پر ان نصوص کو عقلی قطعی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے اور دونوں میں موافقت ثابت کرنے کیلئے تاویل کر دینا واجب ہوتا اور میرے خیال میں یہ امر ناممکن ہے) پس اے اہل سائنس اگر فرض کر لیا جاوے کہ آپ لوگوں نے جو طریق نشو پر دلیلیں بیان کی ہیں وہ یقین کے درجہ کو پہنچ گئیں اور آپ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اعتقاد کرنے کی جس کی بنیاد اس پر ہے کہ کسی شے کے لئے سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی خالق نہیں ہے ہدایت ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ لوگ ان نصوص کی تاویل کریں اور ان کو ان کے ظاہری معانی سے پھیر دیں اور اس طرح ان کو طریق نشو کے جس پر کہ قطعی دلیلیں (بالفرض) قائم ہو چکی ہیں موافق بنالیں اور اس کے ساتھ یہ بھی اعتقاد رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہیں اور جب یہ حالت ہو تو اس میں کوئی منافات نہیں کہ آپ کا شمار بھی اہل اسلام میں کیا جاتے اور اس طرح پر اس کائنات کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کے وجود اور اس کی قدرت۔ علم اور حکمت کے کامل ہونے پر استدلال کرنے میں

آپ لوگوں سے کوئی چیز وہ مخفی نہیں سکتی لیکن میں آپ کو اس غلطی سے ڈرائے دیتا ہوں کہ آپ ظنی دلیل کو جو آپ کے نزدیک قائم ہوں کہیں یقینی نہ گمان کرنے لگیں اس لئے آپ کو اس بارے میں بڑی باریک بینی سے کام لینا چاہیئے۔ خدا ہی ہم سب کا ہادی ہے۔ کائنات ارض کی پیدائش کی نسبت جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ وہ انسان سے قطع نظر کرکے تحریر کیا ہے اس کی پیدائش کی نسبت میں مستقل طور پر گفتگو کرتا ہوں۔

انسان کی پیدائش کا ذکر پس میں کہتا ہوں کہ شریعت محمدیہ کی ان نصوص میں سے جن پر کہ انسان کی پیدائش کی نسبت اعتقاد کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا اور یہ کہ اس[ع] نے اسی مٹی سے چپکتے ہوئے گارے سے۔ متغیر[ع] ہوئے گارے سے۔ سڑی[ع] ہوئی سیاہ مٹی سے۔ ٹھیکرے[ع] کے مثل مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اس نے اُسے پانی[ع] سے پیدا کیا۔ پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء (امام رازی) نے یہ کہا ہے کہ انسان کی اصل مٹی اور پانی ہے یعنی خدا نے اس کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے نصوص میں کہیں پانی کا ذکر ہے کہیں مٹی کا اور وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ[ل] نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی پیدائش تمام کائنات سے ایک

ع آیت یہ ہے بدأ خلق الانسان من طین ۱۲ ع آیت یہ ہے خلقہ من تراب ۱۲ ع انا خلقنا ہم من طین لازب ۱۲ ع ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ۱۲ ع ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون ۱۲ ع خلق الانسان من صلصال کالفخار ۱۲ ع واللہ خلق کل دابۃ من ماء ۱۲ ل ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی ۱۲

حسب از صورت پر ہوئی ہے اور وارد ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ[لہ] پاک نے آدمی کو نفس (آدم) سے
پیدا کیا اور اس سے اس کی زوجہ (حوا) کو بنایا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں
کو پھیلا دیا۔ ان نصوص سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک
مستقل نوع بنایا ہے بطریق نشو کے نہیں پیدا کیا اور نہ اس کو کسی دوسری نوع سے نکالا
جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں خصوصاً وہ نص جس کا یہ مضمون ہے کہ اللہ[عہ] تعالیٰ نے انسان
کی پیدائش مٹی سے شروع کی ہے۔ اور بعض آحادی نصوص میں تو اس کی بخوبی تشریح
موجود ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی وہ کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آحادی نصوص گو بانفرادہا مدار اعتقاد نہیں ہیں لیکن اس سے
بھی گئی گذری نہیں کہ ان نصوص کے ظاہری معانی کی جو کہ مدار اعتقاد ہیں تائید و تقویت
کر دیں۔ علاوہ بریں یہ امر غایت درجہ مستبعد ہے کہ انسان کی اصل مادہ بسیطہ ہو پھر اس نے
عناصر تک ترقی کی ہو پھر جاندار مادہ تک اور وہ پرٹوپلاسم ہے پھر ادنیٰ حیوان تک پھر
اس کے بعد ترقی کر کے بندر تک پہنچا ہو پھر بندر سے انسانی بندر تک اور پھر اس سے
ترقی کر کے انسان بن گیا ہو جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان
سب کا بیان چھوڑ دیا ہو اور صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کر لیا ہو کہ انسان کی پیدائش
کو اس نے مٹی سے شروع کیا ہے بلکہ اس کی حکمت کا تو مقتضا یہ تھا کہ ان تطورات
اور تبدیلیات کی تشریح کرتا اور اس کی تفصیل بیان کرتا جیسے کہ اس نے نسل انسان کی پیدائش
کی تفصیل بیان کی ہے چنانچہ نصوص شرعیہ میں اس نے اس تفصیل کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

لہ یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منہا زوجہا و بث منہما رجالاً کثیراً و نساءً

عہ آیت یہ ہے بدأ خلق الانسان من طین ۱۲

نے انہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی) اس لئے کہ اُن کے باپوں کی غذا جس سے منی بنتی ہے اُس
کی اصل مٹی ہی ہے ایسا ہی تفسیر رازی سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری تفسیر میں خدا کے
اس قول کے معنی کہ اُس نے (خدا نے) اُنہیں مٹی سے پیدا کیا یہ لکھے ہیں کہ اُن کے باپ
آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اوروں کو اُن کے نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے
ٹکڑے سے پھر اُس کے بعد اُن کو بچہ بنا کر نکالا پس بیشک منقس کے بارے میں یہ تفصیل
خالق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے کے لئے عقل کے نزدیک بہت با وقعت
معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں مادہ کے طرح طرح کے انتقالات پائے جاتے ہیں پس
نصوص مذکورہ کا طریق نشو اور انسان کے دوسری نوع سے نکلنے کے بیان سے ساکت
رہنا اور محض بیان سابق پر اکتفا کرنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان مستقل نوع
بنا کر پیدا گیا ہے کسی دوسری نوع سے نہیں نکلا جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں اگرچہ دونوں
امر عقلاً ممکن ہیں جس پر کہ خدا کو پوری قدرت حاصل ہے ہاں ان نصوص میں یہ امر صراحتاً
مذکور نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے دفعتاً پیدا کیا یا رفتہ رفتہ بنایا اس لئے
اُن نصوص کے موافق جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں ان دونوں امروں میں سے
کسی کے ساتھ یقین نہیں کیا جا سکتا بلکہ محل توقف ہے اگرچہ بعض آحادی نصوص سے
یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انسان (آدم) کی رفتہ رفتہ پیدائش ہوئی ہے اور اس پر ایک
طویل زمانہ گذرا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے اور بعض علماء اسلام (امام رازی) نے اللہ
تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہ^ع تم کو اُس نے مٹی سے پیدا کیا پھر ناگاہ تم آدمی ہو کر پھیلنا
شروع ہوئے۔ یہ تصریح کی ہے کہ انسان کی پیدائش مستقل طور پر ہوئی ادنیٰ حالت سے

ع خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ۱۲

حالت موجودہ تک ترقی کرکے نہیں پہنچا ہے اور اس بارہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ عربی میں کلمہ اذا جس کا ترجمہ ناگاہ اور فوراً ہے کسی امر کے اچانک اور دفعتاً واقع ہو جانے پر دلالت کرتا ہے چنانچہ عربی محاورہ ہے خرجت فاذا الاسد بالباب یعنی میں نکلا پس ناگاہ شیر دروازہ پر تھا اور یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قالب انسانی کو مٹی سے بنانے کے بعد لفظ کن (ہو جا) کہہ کر انسان ہی بنا دیا اور وہ فوراً پیدا ہو گیا یہ نہیں ہوا کہ وہ معدن بنا۔ پھر نبات ہوا۔ پھر حیوان۔ پھر اس کے بعد انسان بنا اور یہ ایک فلسفی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اوّل ہی سے انسان بنایا ہے۔ اور وہ انسان بننے کے ساتھ ہی حیوان اور نامی سب کچھ بن گیا۔ یہ نہیں کہ اوّل اس کو نامی بنایا ہو پھر حیوان بنایا ہو پھر انسان بنایا ہو.......... سو حقیقتاً مقصود اوّل انواع کا پیدا کرنا ہے پھر ان انواع میں اسی ایک ہی قصد اور ارادہ سے اجناس بھی ہو جاتی ہیں سو اللہ تعالیٰ نے مرتبہ اخیرہ ہی کو مقصود ٹھہرایا ہے جو جنس عالی سے نہایت ہی بعید ہے یہ نہیں کیا کہ اوپر سے درجہ بدرجہ منتقل کرتے ہوئے اخیر مرتبہ (نوع حقیقی) پر لائے ہوں (ختم ہوئی تقریر علامہ رازی کی) پس یہ اس امر کی تصریح ہے کہ اس نص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش بطریق خلق کے مستقل طور پہ ہے بطریق نشو کے نہیں ہوئی جیسا کہ آپ لوگوں کا گمان ہے اور باقی نصوص سے بھی لفظاً بطریق خلق ہی کا پتہ چلتا ہے۔ پس پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد کے بارے میں طریق خلق ہی پر اعتقاد ہے طریق نشو پر نہیں اور نہ اُن کو ان نصوص کی تاویل کرنا اور ان کو ان کے ظاہری معانی سے پھیرنا ہی جائز ہے مگر ہاں جب کوئی عقلی قطعی دلیل قائم ہو جائے جو اس بات پر دال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بطریق نشو ہی کے پیدا کیا ہے جیسا

کہ آپ لوگوں کا گمان ہے (اور یہ امر کوسوں دور ہے) تو اُس وقت البتہ وہ ان نصوص
کے ظاہری معانی کی تاویل کرنے پر مضطر ہو جائیں گے جیسا کہ اُن کے نزدیک عقلی اور
نقلی دلیل میں تعارض کی حالت میں تطبیق دینے کا قاعدہ ہے اور اس کے بعد بھی اس امر
میں خفاء نہیں کہ طریق نشو اگر اُن کے نزدیک ثابت بھی ہو جائے تو وہ نشو وہ نہیں
ہو سکتا جس کے کہ آپ لوگ قائل ہیں اس لئے کہ اگر اُن کے نزدیک نشو ثابت ہوگا تو
وہ یہی [illegible] گے کہ نشو اللہ تو [illegible] ہی کے پیدا کرنے سے ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اس
بات [illegible] قائم [illegible] وائے خدا کے نہ کوئی خالق ہے اور نہ مؤثر۔ رہے قوانین
قدرت [illegible] ہے محض عادی اسباب ہیں۔ اُن میں کوئی ذاتی تاثیر
ں اور [illegible] ب کے زعم کے اعتبار سے انہیں قوانین قدرت
[illegible] قی [illegible] ونوں معنوں میں زمین و آسمان کا فرق نکل آیا۔ یہ بھی
لیجے [illegible] ں میں نشو پر ذکر کیا کرتے ہیں اگر نظر انصاف سے
[illegible] یا جن کی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
[illegible] مضطر ہوں اور انہیں نشو کا قائل ہونا پڑے کیونکہ
[illegible] چند تخمینی چیزوں پر ہے۔ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ
[illegible] رض نہ ہو تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہوتے جیسا کہ
[illegible] کر لیا جائے کہ انسان کے بطریق نشو پیدا ہونے
[illegible] کی رسائی ہو گئی اور آپ نے اسلامی دین کا بھی اعتقاد
[illegible] ذ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے
[illegible]۔ تو آپ لوگوں کے لئے بغرض تطبیق ان نصوص

کی تاویل کرنے اور اُن کو اُن کے ظاہری معانی سے پھیر دینے سے کوئی امر مانع نہیں
ہو سکتا اور اس طریقہ کو اختیار کرنے سے آپ اسلامی دین سے بھی خارج نہ رہیں گے۔
لیکن میں آپ کو اس غلطی میں پڑنے سے ڈرائے دیتا ہوں کہ کہیں آپ ظنی دلیلوں کو یقینی
نہ سمجھ لیجئے گا بلکہ مناسب ہے کہ غور و فکر کر کے دلیلوں کو خوب جانچ لیجئے اور پھر آگے
قدم بڑھائیے لیکن اس وقت پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جمہور کا یہ قول کہ پہلا
انسان (آدم) جنت عدن میں کہ وہ ہماری زمین کے علاوہ ہے پیدا کیا گیا ہے یا بعضوں
کا (اور وہ سُنّی ہیں جیسا کہ کنز الاسرار میں ہے) یہ قول کہ وہ سماء دنیا میں پیدا کیا گیا ہے
آپ کے خیال کے معارض واقع ہوگا اس لئے کہ یہ دونوں قول طریق نشو کے موافق نہیں
ہیں جس کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ اسی زمین میں ہوا ہے۔ پس آپ اُن میں سے بعض علماء
(اور وہ منذر بن سعید بلوطی اور ایک بڑی جماعت کے لوگ ہیں جیسا کہ کنز الاسرار میں ہے)
کے قول کے موافق اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ وہ دُنیا کی جنتوں
میں سے کسی جنت (باغ) میں پیدا کیا گیا ہے اور اس طور پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے کسی قول کے موافق تو آپ ہو جائیں گے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مخالفت آپ
سے دور ہو جائے گی اور آپ کے خیال کے یہ قول بھی مناقض نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
پہلے انسان (آدم) کو پیدا کرنے کے بعد اُس سے اُس کی زوجہ کو پیدا کیا اور ان دونوں کو
جنت میں ٹھہرایا اور یہ جنت وہی مقام ہے جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار
بندوں کو مرنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد جزا دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ ہماری زمین
کے علاوہ ہے اور یہی جمہور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ پس آپ اُن میں
سے بعض (اور وہ ابو القاسم بلخی اور ایک بہت بڑے مفسر ابو مسلم اصفہانی ہیں جیسا کہ

امام رازی نے نقل کیا ہے کے قول کو اختیار کر کے اس سے بھی خلاصی حاصل کر سکتے ہیں اور وہ قول یہ ہے کہ یہ جنت زمین ہی میں تھی اور ان دونوں کا اس سے اہباط یعنی اتارنا ایک حصۂ زمین سے دوسرے حصہ کی جانب منتقل ہونے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں (دوسرے مقام پر بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں) واقع ہوا ہے کہ تم سب شہر میں اتر جاؤ یعنی شہر میں چلے جاؤ۔ اور اگر آپ کو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر کا یہ قول مشکل معلوم ہو (حالانکہ وہ کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ عقلاً ممکن ہے جو کہ خداوندی قدرت کے تصرف میں داخل ہوتا ہے چنانچہ اسی حیوان ہیڈرا کو دیکھیے اس کے تین حصے کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر حصہ ایک مستقل حیوان بن جاتا ہے جیسا کہ بیشتر گذر چکا ہے۔ لیکن ہم اپنے مقابل کی آسانی کی غرض سے اسی کے خیال کے موافق گفتگو کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (آدم) کو پیدا کرنے کے بعد اس سے اس کی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا یعنی اس کی بائیں جانب کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے کیونکہ ان کی شریعت کی بعض آحادی نصوص میں یہ وارد ہوا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور نیز بعض جلیل القدر صحابہ نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے (اور وہ ابن مسعود اور ابن عباس اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں جیسا کہ تفسیر ابی السعود میں ہے) پس آپ اس سے بھی خلاصی حاصل کرنے کے لئے اس قول کو مان سکتے ہیں جیسے کہ ان میں سے بعض نے (ابومسلم اصفہانی نے جیسا کہ تفسیر رازی میں ہے) اختیار کیا ہے اور اس نص کی تاویل کر دی ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان اوّل سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا اور وہ

ع آیت یہ ہے اہبطوا مصراً ۱۲

تاویل یہ ہے کہ اس کی زوجہ کو اس سے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس کی عنصر سے پیدا کیا جیسا کہ اس نے (خدا نے) دوسری نص میں کہا ہے (خدا نے) تمہارے[1] نفسوں سے تمہاری ازواج کو بنایا۔ اور اس طریقہ سے آپ ایک قسم کی تاویل کر کے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء کے ساتھ موافق ہو سکتے ہیں اور اس سے آپ کی اسلامی دین کے ساتھ ایسی مخالفت نہ ہوگی جس سے آپ اس کے پیروی کرنے والوں کی شمار سے خارج کر دیے جائیں اس لئے کہ آپ نے کسی ایسی نص کی تکذیب نہیں کی جو کہ مدار اعتقاد ہو اور نہ آپ نے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اجماع کی مخالفت کی جو کسی ایسے امر پر جس کا دین میں بالضرورت ہونا معلوم ہو چکا ہو منعقد ہوا تھا۔ غایت سے غایت آپ نے جو روش اختیار کی اس میں آپ نے اکثروں کی مخالفت کی اور بعض کے موافق ہوئے اور عقلی و نقلی دلیل میں تطبیق دینے کے لئے آپ نے نصوص میں تاویل کر لی ہم سب کو خدا ہی سیدھا راستہ دکھلانے والا ہے۔

ظنی دلیلوں کی وجہ سے نصوص شرعیہ میں تاویل جائز نہیں

پھر سنئے کہ ہماری تقریر سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتقاد کے بارہ میں اپنی شریعت کی ان نصوص کے ظاہری معانی پر جو کہ مدار اعتقاد قرار پا سکتی ہیں اعتماد کرتے ہیں کیونکہ شریعت میں ان کا وارد ہونا قطعی ہے اور اگر عقلی ظنی دلیل ان کے معارض واقع ہو تو ان کی تاویل نہیں کرتے اور نہ ان کو ان کے ظاہری معانی سے پھیرتے ہیں بلکہ جب عقلی قطعی دلیل ان کے معارض واقع ہوتی ہے اس وقت ان کی تاویل کرنے پر مضطر ہوتے

[1] جعل لکم من انفسکم ازواجاً ۱۲

ہیں۔ اس تقریر سے دل میں یہ شبہ گذرتا ہے کہ آپ لوگوں کو اے اہل سائنس یہ کہنے کی شاید گنجائش نکلے کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصوص متعین المعنی کے معانی کے اعتقاد کا ترک کرنا جائز نہیں لیکن نصوص ظاہر المعنی جب تک کہ اُن میں غیر ظاہری معنی کا احتمال پایا جاتا ہو اگرچہ یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو اپنے ظاہری معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظنی ہیں گو شریعت میں اُن کا وارد ہونا قطعی ہو۔ پس دلالت کے اعتبار سے اُن ظنی دلیلوں کے مساوی ہو گئیں کہ جو ہمارے نزدیک قائم ہو چکی ہیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ وہ اُن نصوص کے ظاہری معانی کو ہماری دلیلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ اگرچہ نصوص ظاہر المعنی کی اپنے ظاہری معنی پر دلالت ظنی ہے کیونکہ اُن میں بعید اور غیر ظاہری معنی مراد لینے کا احتمال پایا جاتا ہے لیکن تخاطب اور بول چال میں اصل یہی ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی ہی مراد لئے جائیں نہ کہ غیر ظاہری سوائے اُس حالت کے جبکہ کوئی ضرورت اُس کی جانب داعی ہو پس بلا کسی ضرورت کے بعید معنی کے ارادہ کرنے سے بول چال میں افادہ اور استفادہ کے اعتبار سے خلل لازم آئے گا اور اصل کو چھوڑنا پڑے گا اور اس میں جو کچھ خرابیاں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں پس اسی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اجماع کر لیا ہے کہ ظاہری معنی ہی پر اعتماد کرنا ضرور ہے اور غیر ظاہری معنی کی طرف التفات کرنا جائز نہیں سوائے اُس صورت کے جب کوئی ضرورت اُس کی طرف داعی ہو اور وہ ضرورت عقلی قطعی دلیل کا معارض واقع ہونا ہے۔ اور یہ امر داعی لفظ سے غیر ظاہر معنی مراد لینے کے لئے مثل قرینہ کے ہو جاتا ہے اور اس داعی کی وجہ سے یہی دوسرے معنی

ظاہر بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اُن کو اُن کی شریعت کی جانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ظاہری معنی ہی پر اعتماد کریں اور اُس کے خلاف سوائے اُس صورت کے کہ کوئی داعی و مقتضی موجود ہوا التفات نہ کریں۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ قبل وقوع ایسی ضرورت کے جس سے اُن کو ظاہری معنی کو چھوڑنا ہی پڑے کسی لفظ کے ظاہری معنی ہی کے معتقد رہیں تو وہ اس امر کو بجالائے جس کا اُنہیں حکم دیا گیا تھا اور اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوا اسی طرح اگر فرض کیا جائے کہ اس کے بعد ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لئے کوئی مقتضی و داعی ظاہر ہو گیا اور اُنھوں نے اُس نص کو اُس کے ظاہری معنی سے پھیر دیا تب بھی وہ اس امر کے بجالانے والے ہوئے جس کی اُنہیں تکلیف دی گئی تھی اور اُن پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہی اُن کی شریعت کا حکم ہے باقی رہی یہ بات کہ ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لئے مقتضی و داعی کا انحصار صرف عقلی قطعی دلیل ہی میں کیوں ہو گیا اُس کی یہ وجہ ہے کہ اس دلیل کے چھوڑ دینے سے اس اصل کا چھوڑنا لازم آتا ہے جس کے ذریعہ سے اُن کے رسول کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے اور وہ دلیل عقلی ہے جیسا کہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے اور عقل کا چھوڑنا شرع کے چھوڑنے کو مستلزم ہے رہا دلیل ظنی کا معارضہ وہ ظاہری معنی کے چھوڑنے کے لئے اس وجہ سے مقتضی و داعی نہیں قرار پا سکتا کہ دلیل ظنی کے چھوڑنے سے عقل کا چھوڑنا نہیں لازم آتا جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ اسمیں غلطی کا بھی احتمال موجود ہے۔ پس اگر وہ ظاہری معنے کو چھوڑ دیں اور اُس کے معتقد ہو جائیں جس پر کہ دلیل ظنی دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں اُن کے اعتقاد کے غلط ہونے کا احتمال ہے اور اس وقت اُن کو شریعت اس امر میں معذور نہیں رکھ سکتی کیونکہ اس وقت ان کو ظاہری معنی سے عدول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ اُس وقت اُن کو ضرورت

پیش تھی جبکہ عقلی قطعی دلیل معارض واقع ہوئی تھی علاوہ بریں اگر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ِل ظنی کا اتباع کرکے اپنی نصوص کے ظاہری معانی کو چھوڑنے لگیں تو اعتقاد میں بے انتہا
ِط لازم آئے اور بڑی گڑبڑ مچ جائے کیونکہ لوگوں کے ظنون اور گمان بکثرت ہیں ہر شخص کچھ
کچھ ظن اور تخمین کرتا ہے اور اعتقاد کے بارے میں یقین پر اعتماد کیا جاتا ہے پس امر
ِمواب یہی ٹھہرا کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی اُن نصوص کے ذکر جن کا
ار دہونا یقینی ہے) ظاہری معانی کے ساتھ تمسک کریں اور محض ظنی اور تخمینی باتوں کی
جہ سے اُن کو ظاہری معانی سے نہ پھیریں۔ خدا ہی ہدایت کرنے والا ہے۔

ِل سائنس کے دلائل ظنی ہیں

اب اس بات کا وقت آپہنچا کہ میں آپ کے لیئے اس امر کو بیان کر دوں کہ جو دلیلیں اور توجیہات آپ نے طریق نشو پر اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں وہ سب کی سب ظنی ہیں اُن کی وجہ سے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کی نصوص کی جن کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ تمام کائنات بطریق خلق کے پیدا ہوئی۔ تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہو سکتے۔ میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں کہ آپ نے اپنے اس دعوے کے ثابت کرنے میں جو تقریریں کی ہیں میں اُن سب کے باطل کرنے اور رد کرنے کے درپے ہو جاؤں کیونکہ اس طرح بات بہت بڑھ جائے گی اور ہمیں اپنی بحث کے موضوع سے جس کے درپے ہم ہو رہے ہیں نکلنا پڑے گا اور اس کے لیئے تو ایک جدا کتاب بننا چاہیئے خدا اس کے تصنیف کرنے میں میری مدد کرے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کے لیئے اس امر کو بیان کر دوں کہ نشو کے بارہ میں دلیلوں اور توجیہوں کا جس امر پر مدار ہے تو ظن و تخمین اور اٹکل سے اس کا درجہ نہیں بڑھا اور صرف اسی سے ہماری غرض حاصل ہو جائے گی۔ پس میں کہتا ہوں کہ طریق نشو یعنی انواع کے ایک اصل سے نکل کر ترقی

کرنے پر استدلال کے بارے میں سب سے بڑی چیز جس پر آپ لوگوں کا اعتماد اور آپ کے
استدلال کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ اعضا کے نشانات بعض حیوانات میں
مشاہدہ کئے کل یا اکثر میں بھی نہیں۔ اور وہ ایسے اعضا کے آثار تھے جو کہ حیوان میں پائے
جاتے ہیں مثلاً پیروں کے غیر مکمل نشانات۔ پس آپ لوگ کہنے لگے کہ اگر یہ مانا جائیگا
کہ ہر نوع مستقل طور پر جدا ہوئی جیسا کہ طریق خلق کے ماننے والوں کا مذہب ہے تو لازم آئے
گا کہ ان آثار کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو۔ کیونکہ مذہب خلق کا یہ مقتضا ہے کہ ہر نوع کے لیے جتنے
اعضا کی ضرورت ہے اُس میں اتنے ہی اعضا موجود ہوں کچھ کمی و بیشی نہ ہو اور سب کے سب
کام کے ہوں اور ان ناتمام آثار میں حالت موجودہ کے اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں پس معلوم
ہوا کہ یہ ان اعضاء کے آثار رہ گئے جو اس سے پیشتر کی نوع میں تھے اور اُن کے لیے
ضروری تھے پھر جب اس نوع پر ایسے تغیرات طاری ہوئے جن کا یہ مقتضا تھا کہ اُن اعضاء
کی ضرورت نہ رہے تو وہ نابود ہونے لگے یہاں تک کہ اب ان کا صرف نشان باقی رہ گیا
یا یہ نوع ان اعضاء سے خالی تھی پھر اُس پر ایسے تغیرات طاری ہوئے کہ جو اس کو اس
قابل بنا دیں کہ وہ دوسری نوع بن جائے جس میں ان اعضاء کی جن کے یہ نشانات ہیں
ضرورت ہو۔ پس اُس میں یہ آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ آثار یا تو ان
اعضاء کے آثار ہیں جو کہ پیشتر تھے اور اب معدوم ہونے لگے ہیں۔ اور یا اُن اعضاء کے
مبادی ہیں جو آیندہ مکمل ہو جائیں گے بہر حال دونوں صورتوں میں انواع میں تبدیلی واقع
ہوتا اور ایک نوع کا دوسری نوع کی جانب منتقل ہونا ثابت ہو جائے گا اور یہی امر اس
بات پر دلالت کرتا ہے کہ طریق نشو اور انواع کا ترقی کرنا صحیح ہے ورنہ پھر یہ آثار کس
کام کے۔ طریق نشو اور اس ترقی کے صحیح ہونے پر استدلال کرنے کے بارے میں جس

پر کہ آپ نے اعتماد کیا ہے اس میں سے ایک یہ دلیل بھی ہے کہ آپ نے علم جیالوجی کی تحقیق میں طبقات ارض میں سے سب سے پہلے اور نیچے کے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کے نبات اور ادنیٰ درجہ کے حیوان کے آثار پائے پھر اُس کے بعد کچھ ترقی یافتہ پھر اور ترقی یافتہ یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر ترقی یافتہ وہ نبات اور حیوان ہوگا۔ جس کا وجود سب کے بعد ہُوا اور طبقات ارض میں سے سب سے اوپر کا طبقہ اُس کی پیدائیش کی جگہ ہے اور ادنیٰ درجہ والے نبات اور حیوان اپنی ترقی یافتہ نوع کے وجود کے بعد نابود ہو گئے پس اگر مذہب خلق ہی صحیح ہوتا تو چاہیئے تھا کہ ہر نوع خواہ ادنیٰ درجہ کی ہوتی یا ترقی یافتہ جیالوجی کے پہلے درمیانی۔ اور آخری سب زمانوں میں پائی جاتی اور زمین کے طبقوں میں سے خواہ نیچے کا ہوتا۔ یا درمیانی۔ یا اوپر کا سب میں اُس کے آثار پائے جاتے لیکن ایسا نہیں ہے۔ پس اگر یہ مانا جائے کہ موجودہ انواع ایک دوسرے سے ترقی کرکے بنی ہیں جس بنا پر اصل موجودات ادنیٰ طبقہ کی انواع قرار پاویں گی۔ پھر وہی ترقی کرتے کرتے حالت موجودہ تک پہنچ گئیں اور ترقی یافتہ انواع ادنیٰ درجہ کی انواع کو تنازع بقا کے قانون کے موافق نابود کرتی رہیں تو یہ حالت ہرگز نہ ہوتی جیسا کہ ہماری تحقیقات ہے

ادنیٰ درجہ کی نوع کی ترقی کا بیان

پھر آپ نے اس ترقی کرنے۔ انواع کے ایک دوسرے کی جانب منقلب ہونے اور ادنیٰ درجہ کی انواع کو ترقی یافتہ انواع کی نیست و نابود کرنے کو چار قدرتی قوانین کے حوالہ کیا ہے۔ پہلا[۱] قانون وراثت ہے یعنی فرع اپنی اصل کی صفات کو وراثتاً حاصل کرتی ہے۔ دوسرا[۲] قانون تبائنات ہے یعنی ہر فرع کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اصل کی صفات وراثتاً حاصل کرنے کے ساتھ ہی اپنی اصل سے دوسری صفات میں مختلف مبائن بھی ہو۔ تیسرا[۳] قانون تنازع بقا ہے

یعنی انواع میں باہم زندگی بسر کرنے کے اسباب میں سبقت حاصل کرنے کے لئے منازعت واقع ہوتی ہے اور اُن پر خارجی صدمات جیسے کہ گرمی و سردی طاری ہوتے ہیں اور ضعیف بباعث قوی کے غالب ہونے کے یا بسبب صدمات کے ہلاک ہوجاتا ہے اور قوی حیوان صدمات کو برداشت کرسکتا ہے۔ باقی رہتا ہے۔ چوتھا قانون انتخاب طبعی ہے یعنی قوی اور زیادہ مناسب ہی باقی رہتا ہے ضعیف اور غیر مناسب نابود ہوجاتا ہے پس اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ طبیعت نے انواع موجودہ کو انتخاب کیا ہے اور آپ انہیں قوانین کے موافق نشو اور اس ترقی کی تقریر کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ جاندار اجسام میں سے جو شے سب سے پہلے موجود ہوئی وہ تکون اوّل یعنی برٹوپلاسم ہے۔ جو ذرات مادہ کی حرکت کے باعث سے بعض عناصر کے اجتماع سے بنا پھر اُس میں توالد ہونے لگا۔ پس اس کے فروع وراثتاً اُس کے صفات حاصل کرنے لگے اور دوسری صفات میں اس سے مبائن اور مختلف ہونے لگے اور اسی طرح سے فروع کا یہ معاملہ اصول کے ساتھ جاری رہا اور اس سبب سے ترقی ہوتی رہی یہاں تک کہ ادنیٰ درجہ کی نبات اور حیوان تک نوبت پہنچ گئی اور یہی حالت ہمیشہ رہی پس زمانہ دراز تک فروع کی صفات اصول کو وراثتاً حاصل کرنے اور دوسری صفات میں اُن سے مختلف ہونے اور اُن تبائنات کے جو کہ وراثتاً حاصل کئے گئے بکثرت پائے جانے کی وجہ سے یہانتک نوبت پہونچی کہ انواع بننے اور ایک دوسرے سے نکلنے لگیں اور تنازع بقا کے قاعدہ سے ضعیف ہلاک ہوتا رہا اور قوی باقی رہا اور طویل زمانہ گذرنے پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتخاب طبعی حاصل ہوگیا اور ان سب امور سے انواع حالتِ موجودہ تک پہونچ گئیں حالانکہ سب کی اصل ایک ہی ہے اور جب آپ نے دیکھا کہ انسان بندر کے مشابہ ہے۔ صورت اور بعض اعمال کے

اعتبار سے اُسی کے قریب قریب ہے تو آپ اس کے قائل ہوگئے کہ اس سے کوئی
امر مانع نہیں ہوسکتا کہ وہ دونوں ایک ہی اصل سے نکلے ہوں اور انسان ترقی کر کے
حالت موجودہ تک پہنچ گیا ہو۔ اور میں نے آپ کے بعض مقابلین کو جو اس مذہب کو نہیں
مانتے دیکھا ہے کہ اُنہوں نے بڑی لمبی چوڑی تقریروں سے ان امور کو باطل کیا ہے،
جن پر کہ آپ کی دلیلوں کا اس بارہ میں مدار ہے اور آپ حیلہ اور حوالہ کر کے اُن سے
جان بچاتے ہیں اور اپنے مذہب کے ثابت کرنے کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں۔
اس بارہ میں آپ کا اُن سے بہت ہی طول طویل مناظرہ ہوا ہے اور اس بارہ میں
بہت سی کتابیں اور رسالے تالیف ہوئے ہیں اور میں بخوف طوالت اس امر کے
در پے نہیں ہونا چاہتا جس کے در پے آپ کے یہ مقابلین ہوئے لیکن میں صرف
یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے اس امر کو بیان کروں کہ طریق نشو اور انواع کے ترقی
کرنے کے بارہ میں جن امور پر آپ کے استدلال کا مدار ہے وہ محض ظنی امور ہیں جن پر
کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعتقاد کے بارے میں اعتماد نہیں کیا
جا سکتا اور نہ یہ امور اُن کی شریعت کے ظاہری نصوص کے مقابل قرار پا سکتے ہیں کہ
جس کی وجہ سے وہ اُن کی تاویل کرنے پر مضطر ہوں کیونکہ تاویل کرنے پر اُن کو سوائے
امر یقینی کے معارضہ کی اور کوئی چیز مضطر نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں۔

بعض حیوانات میں اعضاء کے غیر مکمل نشانات پائے جانے سے طریقہ نشو پر استدلال نہیں ہوسکتا

پس میں کہتا ہوں کہ جب دلیل میں احتمال نکل سکتا ہو خواہ وہ احتمال بعید
ہی کیوں نہ ہو تو اُس دلیل سے استدلال یقینی ساقط ہو جاتا ہے اور یہ ایسی بات
ہے جس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا۔ اور نہ میں آپ کی نسبت ایسا گمان کرتا

ہوں کہ آپ اس سے انکار کریں گے۔ پس جب یہ امر قرار پا چکا تو اب سنئے کہ آپ کا
نشو پر اعضاء کے نشانات سے یہ استدلال کرنا کہ وہ انواع کے متغیر ہونے پر
دلالت کرتا ہے اور یہ تغیر مذہب نشو کے موافق اور مذہب خلق کے خلاف ہے۔ یہ
ایسا استدلال ہے کہ جس کا نتیجہ سوائے ظن کے اور کچھ نہیں نکلتا اور یقین تو کسی طرح پر ہو
ہی نہیں سکتا اس لئے کہ اس میں اور بھی احتمال پایا جاتا ہے کیونکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا
ہے کہ ان اعضا کے نشانات میں ممکن ہے کہ کوئی فائدہ اور کوئی ایسی حکمت ہو جو آپ
پر مخفی ہو جیسے کہ اجسام نباتات اور حیوانات میں بکثرت چیزوں کے ایسے فوائد ہیں
جو آپ پر مخفی رہے ہیں جیسا کہ فزیالوجی کی کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً
حیوان کے بدن میں اسی رنگین مادہ کو لے لیجئے اس کا فائدہ اکثر اجزاء بدن میں کچھ
بھی نہیں معلوم ہوا ہاں صرف آنکھ کی پتلی میں اس کے فائدہ کا پتہ لگا ہے چنانچہ رنگین
مادہ کی آنکھ کی پتلی میں یہ حکمت ہے کہ جو نوری شعاعیں زائد ہوں انہیں وہ چوس لے
اور ایسے ہی اور بہت سی اشیاء ہیں۔ پس آپ کائنات میں سے ہر شے کے فائدہ
پر حاوی نہیں ہیں یہاں تک کہ آپ یہ یقین کر لیں کہ ان اعضاء کے نشانات میں
کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اچھا مانا کہ ان میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ کہ وہ نوع کے متغیر ہونے
پر دلالت کرتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تغیر صرف بعض نوع میں موجود ہیں کل میں
تو یہ آثار نہیں پائے جاتے یہاں تک کہ آپ کلی حکم لگا سکیں بلکہ بعض اکثر
انواع میں بھی تو ان کا وجود نہیں۔ پس اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہ
تغیر صرف بعض انواع میں ہوا ہو اور یہ وہی انواع ہوں گی جن میں ان اعضاء کے
نشانات دیکھے گئے۔ پس ان میں سے بعض انواع بعض کی جانب خدا کے مقرر کردہ

اسباب کی وجہ سے بدل گئے ہوں باقی رہیں وہ انواع کہ جن میں یہ اعضا نہیں پائے
گئے وہ مستقل طور پر پیدا ہوئی ہوں اور اُن پر یہ تغیر طاری نہ ہُوا ہو پس مذہب نشو
جس کے آپ لوگ عموماً ہر نوع میں قائل ہیں وہ ثابت نہ ہُوا۔ مثلاً ممکن ہے کہ اس
قسم کا تغیر سانپوں کی نوع میں جن میں آپ نے اعضاء کے نشانات پائے ہیں واقع
ہُوا ہو۔ پس وہ ابتداء میں حرزدل[1] کی طرح پیروں والا ہو پھر جب انسان یا کسی اور
حیوان کو اُس سے تکلیف پہنچی ہو تو وہ اس کے قتل پر مسلط ہو گیا ہو۔ پس اس وجہ
سے وہ زمین کے سوراخوں میں اس سے ڈرا ڈرا پھرتا رہا ہو اور زمین میں گھلا کرتا ہو
اور اس حالت میں ضرورت نہ پڑنے کی وجہ سے اُس نے پیروں کا استعمال بالکل
چھوڑ دیا ہو پس زمانہ دراز گذرنے کے بعد خدا نے اس عادی سبب سے اُس کی
خلقت کو بدل دیا ہو اور یہ تبدیلی اُس کی فروع میں منتقل ہونے لگی اور اُس کے پیر بالکل
معدوم ہونے لگے ہوں یہاں تک کہ حالت موجودہ تک وہ پہنچ گیا ہو اور صرف پیروں
کے نشانات باقی رہ گئے ہوں (یہاں پر جیسے تحقیق معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعض احادیث
اخبار میں ابن عباس۔ ابن وہب اور دوسرے صحابہ اور مفسرین سے یہ منقول ہے کہ
سانپ پہلے جنت کے حیوانات میں سے تھا لیکن چونکہ شیطان کے جنت میں داخل
ہو جانے کا یہ ذریعہ بنا تاکہ وہ آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالے اس لئے اللہ
تعالیٰ نے اس کو زمین پر اتار دیا اور اس کی صورت بگاڑ دی ورنہ وہ بڑا خوبصورت
چار پیروں والا جانور تھا (اس کو کثیر التعداد مفسرین نے نقل کیا ہے) اسی طرح باقی جانوروں کی
نسبت بھی کہا جا سکتا ہے جن میں کہ اعضاء کے یہ نشانات پائے جاتے ہیں۔ باقی

---

[1] حرزدل سوسمار نر یا جانوریست مشابہ بگربا و آں را در قوائی سمر خیزد ۱۲ منتہی الارب۔

رہیں اور انواع اور وہی تعداد میں زیادہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ اُن میں اس قسم کی ذرا بھی تبدیلی نہ واقع ہوئی ہو بلکہ وہ جیسی پیدا ہوئی تھیں ویسی ہی ہوں پس اس تقریر کی بنا پر آپ لوگوں کا جملہ انواع پر تغیر اور نشو سے پیدا ہونے کا حکم لگانا محض ظن پر مبنی ٹھہرے گا جو کہ استقرار ناقص کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ استقرار ناقص سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کچھ آدمی سمندروں اور دریاؤں سے دُور کے میدانوں میں رہنے والے مانے جائیں اور اُنھوں نے سوائے خشکی کے جانوروں کے جو کہ پانی میں نہیں رہتے اور جانور نہ دیکھے ہوں اور وہ انہیں جانوروں کو دیکھ کر اور اپنے اسی استقرار سے یہ حکم لگانے لگیں کہ کوئی جاندار پانی میں رہتا ہی نہیں تو اُن کا یہ استقرار محض ناقص ہوگا اور اُن کا یہ حکم لگانا غلط ٹھہرے گا چنانچہ جب وہ سمندروں اور دریاؤں کے کنارے پر آکر دریائی جانوروں کو دیکھیں گے تو اُن کو اپنے پہلے حکم کی غلطی بخوبی معلوم ہو جائے گی)

علم جیالوجی سے بھی طریق نشو پر استدلال نہیں ہوسکتا

یہ تو ہو چکا پھر علم جیالوجی کی تحقیقات میں آپ کا یہ مشاہدہ کہ طبقات ارض میں سے سب سے پہلے طبقہ میں ادنیٰ درجہ کی نباتات اور ادنیٰ درجہ کے حیوانات کے آثار پائے جاتے ہیں پھر اُس کے بعد اُس سے ترقی یافتہ پھر اور ترقی یافتہ حتیٰ کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوانات و نباتات طبقات ارض میں سے سب سے آخری طبقہ میں ہے اور اُس کے وجود کا زمانہ بھی سب سے متاخر ہے اور یہ کہ سب سے ادنیٰ درجہ والا پہلے معدوم ہوا پھر اُسکے بعد اب جو ادنیٰ درجہ کا تھا۔ اسی طرح آپ کی کل سابق الذکر تقریر اور اس سے آپ کا ترقی اور نشو پر استدلال کرنا اور یہ کہ یہ تحقیق مذہب خلق کے موافق

نہیں ہوسکتی ان سب امور کی نسبت میں کہتا ہوں کہ جیالوجی کی تحقیقات میں اُس کیفیت کی دلالت اگر نشو اور ترقی انواع پر تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی وہ ظنی ہوگی کیونکہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ طبقات ارض میں سے سب سے پہلے طبقہ میں ادنے درجہ کی نباتات اور ادنے درجہ کا حیوان پایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس سے اعلیٰ درجہ کی نباتات اور حیوان کو مستقل طور پر پیدا کر دیا۔ اور اپنے سے ادنیٰ درجہ کی کسی نوع سے کوئی نوع نہیں بنی پھر ادنے درجہ والی نوع کو دنیاوی اسباب کی وجہ سے ہلاک کر دیا مثلاً اسی وجہ سے کہ زمانہ کا وہ دور اُس نوع کے مناسب نہیں باقی رہا بلکہ صرف اُس کے بعد والی نوع کے مناسب رہ گیا یا اعلیٰ درجہ کی نوع کو اُس ادنیٰ درجہ کی نوع پر غلبہ حاصل ہوگیا یا اس کے سوا اور کچھ اسباب پائے گئے پھر زمانہ کے دوسرے دور میں اُس نوع سے اعلیٰ درجہ کی نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا وہ بھی اپنے سے ادنے درجہ کی نوع سے نہیں بنی پھر اُس کو بھی اور دنیاوی اسباب کی وجہ سے نابود کر دیا جیسا کہ پیشتر گذرا پھر اُس کے بعد والے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ کی نوع کو مستقل طور پر پیدا کیا پھر اس کو بھی ہلاک کر دیا اسی طرح سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ یہ نوبت پہنچی کہ نباتات اور حیوان کی موجودہ انواع مستقل طور پر بن گئیں اپنے سے کم درجہ کی نوع سے کوئی نوع نہیں بنی اور خدا نے موجودہ انواع سے پیشتر کی انواع کو اس قسم کے دنیاوی اسباب سے نابود کر دیا۔ صرف طبقات ارض میں اُن کے نشانات اور آثار باقی رہ گئے۔ پس جب تک یہ احتمال قائم ہے تو تحقیقات جیالوجی سے ترقی اور نشو پر آپ لوگوں کا استدلال کدھر سے یقینی ہوسکتا ہے اور اس احتمال کی رو سے علم جیالوجی کی تحقیقات مذہب خلق کے مخالف بھی نہیں

رہتیں۔ اور اس بات کی نظیر کہ جیالوجی کے زمانوں میں انواع حیوانات اور نباتات کا مستقل طور پر وجود ہوا ایک دوسرے سے یہ نہیں بنیں بلکہ ہر درجہ کی انواع اپنے زمانہ کے مناسب پائی گئیں۔ یہ امر ہے جس کا کہ ہم ہر سال مشاہدہ کرتے ہیں کہ نباتات اور حیوانات میں سے بہتیرے جبکہ جاڑے کی فصل ختم ہوتی ہے اور فصل ربیع اور گرمی کی آمد آمد ہوتی ہے پیدا ہوجاتے ہیں چنانچہ اس وقت جو شے سب سے پہلے پیدا ہوتی ہے وہ ادنیٰ درجہ کی نبات ہے جیسے کہ کائی اور گھاس پھر جوں جوں گرمی (ایک درجہ خاص تک) زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ اعلیٰ درجہ کی نباتات پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ اسی طرح حیوانات میں سے جو سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا انڈے سے اس کا بچہ نکلتا ہے وہ ادنیٰ درجہ کا حیوان ہے جیسے وہ حیوانات جو بدبو سے پیدا ہوتے ہیں اور مچھر اور مکھی وغیرہ۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اعلیٰ درجہ کی نباتات اور حیوانات کی پیدائش کا زمانہ آجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان انواع میں سے کوئی ایک دوسرے سے نہیں بنی ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس مدت میں جو انواع پہلے بنتی ہیں جوں جوں گرمی اس خاص درجہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے ان میں سے بہت سی انواع دیگر اسباب سے ہلاک ہوتی جاتی ہیں جیسے کہ ان میں گرمی کا تاثیر کرنا یا ان انواع کا ان پر غلبہ حاصل کرنا جو بعد میں ہونے والی ہیں اور جب گرمی کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو غالباً سوائے ان اعلیٰ درجہ کی انواع کے کہ جو اس مدت کی پیدا شدہ انواع میں منتخب شمار ہوتی ہیں اور سب ہلاک ہوجاتی ہیں اور جو ہلاک ہوتی ہیں زمین میں ان کے آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ پس یہ سالانہ کیفیت علم جیالوجی کی اس حالت کے مشابہ اور مماثل ہے جیسے کہ

آپ نے اپنی تحقیقات سے دریافت کیا ہے یعنی پہلے ادنیٰ درجہ والی نوع کا وجود ہوا پھر اُس سے اعلیٰ درجہ کی نوع کا پھر اُس سے بھی اعلیٰ کا یہاں تک کہ یہ سلسلہ انواع موجودہ تک پہنچ گیا اور اُن کے پیشتر کی ساری انواع ہلاک ہوگئیں پس نشو پر علم جیالوجی کی تحقیقات سے آپ لوگوں کا استدلال بالکل ساقط ہوگیا جیسا کہ منصف کے نزدیک واضح ہے۔

چاروں قوانین قدرت طریق خلق پر بھی منطبق ہوسکتے ہیں

پھر چاروں قدرتی قوانین۔ جن پر آپ نے اس ترقی اور نشو کو حوالہ کیا ہے دلیلیں نہیں ہیں جو ان دونوں امر پر قائم کی گئی ہوں بلکہ عالم نبات اور حیوان میں جس ترقی اور نشو کا واقع ہونا مانا گیا ہے اُس کی توجیہ کے لئے آپ لوگوں نے ان قوانین کو ذریعہ ٹھہرایا ہے اس لئے میں آپ کے ساتھ گفتگو کرنے میں اُس روش کو نہیں اختیار کرتا جیسے کہ آپ کے مخالفوں نے اختیار کیا ہے اور اُن قوانین کے ابطال کے درپے ہوگئے اور آپ اُن کے مقابلہ میں اُن کو ثابت کرنے میں مصروف ہوئے بلکہ میں آپ کے سامنے صرف یہ بیان کروں گا کہ دیکھئے یہ قوانین کس درجہ تک پایۂ ثبوت کو پہنچے ہیں اور بر تقدیر ثابت ہونے کے اُن سے کس مرتبہ کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ اصول کی صفات کو فروع کا وراثتاً حاصل کرنا تو ایک دیکھی ہوئی بات ہے جس کا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز انکار نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اس کا حاصل ہونا ہر طرح ممکن ہے۔ خواہ بذریعۂ اسباب عادیہ کے ہو یا نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس تنازع بقا کا قانون وہ بھی ایسا ہے جس کے ہونے سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا اور نہ اُسکے اس نتیجہ سے انکار ہوسکتا ہے کہ

بعض انواع باقی رہتی ہیں اور بعض ہلاک ہوجاتی ہیں گو ہر حالت میں اس کا مرجع اللہ تعالےٰ ہی کی طرف ہے علاوہ بریں ہم اس قانون کو مخلوقات میں حتیٰ کہ انسان کے اصناف میں بھی آج تک مشاہدہ کرتے چلے آتے ہیں لیکن یہ دونوں قانون تو ایسے ہیں کہ خواہ نشو کے ساتھ پائے جائیں یا خلق کے ساتھ کوئی خرابی نہیں لازم آتی دونوں امر ممکن ہیں۔ اور جب یہ بات ٹھیری تو اس سے کونسی شے مانع ہوسکتی ہے کہ تمام انواع مستقل طور پر بنی ہوں اور باوجود اس کے فروع اپنے اصول کی صفات کو وراثتاً حاصل کریں اور باقی رہنے کے لئے باہم انواع میں منازعت واقع ہو۔ پس قوی باقی رہے اور ضعیف ہلاک ہوجائے اور پھر بھی ہر نوع اُن میں سے مستقل طور پر پیدا ہوئی ہو کسی دوسری نوع سے نہ بنی ہو اب رہا قانون تبائنات اور وہ یہ ہے کہ ہر فرع گو اپنی اصل کی صفات وراثتاً حاصل کرے گی لیکن تاہم اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کچھ دوسری صفات میں اپنی اصل کے ساتھ مبائن بھی ہو یہ وہ قانون ہے جس میں آپ کے مخالفوں نے آپ سے یہ منازعت کی ہے کہ جو تبائنات فروع میں پیدا ہوجاتے ہیں وہ عرضی ہیں جوہری نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ نوع بدل جائے اور اور دوسری نوع بن جائے اور آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ لاکھوں برس کے گذر جانے کے بعد یہ تبائنات بار بار اور پے در پے ہوتے ہوتے جوہری بن جاتے ہیں اور پھر اُن سے نوع کا بدل جانا اور دوسری نوع بن جانا لازم ہوجاتا ہے اور آپ اُن سے اس مبحث میں بہت کچھ الجھے ہیں اور محض تطویل لاطائل کرکے رائی کا پہاڑ بنا دکھایا ہے اب میں کہتا ہوں کہ قانون تبائنات یعنی یہ کہ فرع اُن صفات کے اعتبار سے جو اس کی اصل میں نہیں ہیں اپنی اصل سے مبائن ہوتی

ہے نباتات اور حیوانات میں مشاہدہ کیا گیا ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اس قانون کو مخلوقات میں مقرر کیا ہے تاکہ باہم اُن میں تمائز پایا جائے کیونکہ اگر تمام انواع کے افراد میں سے ہر نوع کے تمام افراد ایک ہی صورت پر ہوتے تو باہم اُن میں بڑا اشتباہ پڑتا اور نظام عالم میں خلل عظیم واقع ہوجاتا کہ جس کی انتہا ہی نہیں کوئی شخص نہ اپنے بیٹے کو پہچانتا نہ اپنی زوجہ کو اور نہ وہ دونوں اس کی شناخت کرسکتے اسی طرح اُسے اپنے اور غیر کے گھوڑے میں بھی تمیز نہ ہوتی اور اس کی وجہ سے معاملات میں جو خرابی آتی اور لوگوں کے جو حقوق تلف ہوتے وہ کسی پر مخفی نہیں ۔ اور یہ قانون تو نباتات یا حیوان کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ اس کو اصول و فروع کے ساتھ کوئی خصوصیت حاصل ہے بلکہ دنیا کی تمام موجودات میں یہ قانون عام طور پر پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ آپ کوئی ایسی شے نہ دیکھیں گے جو دوسری شے کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتی ہو چاہے وہ اس کی فرع ہو یا نہ ہو ۔ یہاں تک کہ انسانی مصنوعات میں بھی اس قانون کا وجود ہے چنانچہ آپ کسی کتاب کو دوسری کتاب کے ساتھ پورا پورا مشابہ ہرگز نہ پائیں گے اگرچہ اُن دونوں کے بنانے والے نے اُن کے پورے طور سے مشابہ بنانے میں کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو ایک ہی طرح کے ورق لگائے ہوں ایک ہی مطبع میں چھپا ہو ۔ اسی طرح آپ کسی پیالہ کو دوسرے پیالہ کے بالکل مشابہ نہ دیکھیں گے بلکہ ضرور کچھ نہ کچھ فرق و تباین موجود ہوگا گو وہ کتنا ہی خفی کیوں نہ ہو اور بغیر باریک بینی سے کام لئے ہوئے نہ معلوم ہو سکتا ہو اور یہ امر محض لطف خداوندی ہے جو اُس نے باہم تمیز کرنے کے لئے مقرر کر دیا ہے جیسا کہ ہم نے کہا ۔ پس تمام موجودات

میں تباین کا ہونا اور فرق کا پایا جانا پیدا کرنے والے کی جانب سے عطا کیا ہوا ایک حقیقی قانون ہے طبعی قانون نہیں ہے جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کیونکہ اگر فروع اور اصول کو طبعی نظر سے دیکھا جاوے تو فرع کا یہی حق اور اس کے لئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل کے پوری پوری موافق ہو اور اس کی ساری صفات کو وراثتاً حاصل کرے اور کسی شے میں بھی اُس کے ساتھ مباین نہ ہو ہاں جب اُس کا کوئی عارضی سبب پایا جاتے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب ایسا اتفاق ہو کہ مشابہت پیدا کرنے کے تمام اسباب متحد ہوں تو اس وقت دو چیزوں کے درمیان تباین کا پایا جانا ذرا بھی پورا نہیں اترتا نہ اصل اور فرع کے مابین اور نہ اُن دونوں فرع کے درمیان جن کے ملنے کے تمام اسباب متحد ہوں جیسے کہ دو جُڑواں بچے جو کہ ایک ہی تھیلی اور ایک ہی جھلی میں پیدا ہوئے ہوں پھر اُن کی پرورش کرنے کے تمام اسباب بھی یکساں رکھنے میں انتہا درجہ کی باریک بینی سے کام لیا گیا ہو تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ اُن دونوں میں ضرور فرق و تباین پایا ہی جاتا ہے اور اس وقت تباین اور فرق کے لئے وہمی اسباب ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالنا جیسا کہ میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو سنا ہے وہ نرا تکلف ہی تکلف ہے اور انصاف کے دائرہ سے بالکل خارج ہے۔

قانون تباینات پر ایک منصفانہ بحث

جب آپ یہ جان چکے تو ہم کہتے ہیں کہ اس سے کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ فروع کا اپنے اصول سے متباین ہونا جس پر کہ آپ لوگوں نے زمانہ دراز میں نوع کے بدل جانے اور بدل کر دوسری نوع بن جانے کے بارہ میں اعتماد کیا ہے ایک معین حد تک ہو جس سے کہ ایک نوع دوسری نوع کی جانب نہ نکل سکے اور اتنی مقدار سے باہم افراد میں تمائز قائم رہنے کا فائدہ بھی پورا ہو جاتا ہے

پس ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نوع کے پہلے فرد کی فروع کو اُس سے چند صفات میں
مبائن بنایا ہو۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان فروع کی فروع کو بھی اسی طرح یہ تبائن سلسلۂ نسبی
میں لاکھوں ہی افراد اور صورتوں میں جاری ہوتا ہوا ایسی حد تک چلا جائے جس سے
ایک نوع دوسری نوع کی جانب نہ نکلے اور پھر خدا تعالیٰ فروع میں اس سلسلہ کو از سر نو
شروع کرے اور ان کے اجداد پیشین کی صورتیں اُن کو عطا کرنے لگے۔ اسی طرح اس وجہ
سے کہ فروع نے اپنے اجداد کی صورتیں پورے طور سے حاصل کر لیں دوسرا دور بھی ختم ہو
جائے پھر اس کے بعد آنے والی فروع میں بھی یہی کارروائی ہوتی رہے یہاں تک کہ
اس نوع کا یا اس عالم کا خاتمہ ہو جائے اور کیا عجب کہ یہ امر ہمارے بعد کی آئندہ
نسلوں کے نزدیک بخوبی مدلل ہو جائے کیونکہ زمانہ حال کے لوگوں کی عکسی تصاویر اُن
کے ہاتھ لگ جائیں پھر جب وہ ان تصویروں کا اُن فروع کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھیں
جو اُن کے زمانہ میں ہوں تو اُن پر ظاہر ہو جائے کہ ان کے اجداد پیشین کی صورتیں اُن
کے زمانہ کی موجودہ نسل میں پائی جاتی ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جب ہم یہ خیال کرتے
ہیں کہ اصول اور فروع میں ادنےٰ سے تغیر کی وجہ سے صورتیں اور شکلیں اس قدر
کثرت سے ہو جاتی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کیفیت کی صورتیں جن کو ہم نے
بیان کیا تھا نہایت کثیر تعداد میں ہو سکتی ہیں اور پھر بھی اُن کی وجہ سے ایک نوع کا
دوسری نوع کی جانب نکل جانا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ وہ محدود صورتیں ہیں جیسا کہ
ہم نے فرض کیا ہے۔ اسی نوع انسانی کو دیکھئے کہ روئے زمین پر اُس کے لاکھوں ہی
افراد پائے جاتے ہیں اور پھر اُن میں کیسا وسیع فرق اور تبائن پایا جاتا ہے جیسے درمیان
زنگی اور رومی کے۔ کیا اس تبائن اور فرق نے کسی صنف کو اُس کی نوع سے خارج کر دیا

اور خارج کر کے اُسے دوسری نوع بنا دیا ؟ ہر گز نہیں۔ اور آپ لوگ اس سے تعجب نہ کریں کہ فروع اپنے اجداد پیشین کی صورتیں کیسے حاصل کریں گی کیونکہ آپ ایسے ہی قدرتی قانون کے قائل ہو چکے ہیں اور وہ قانون (اٹاوسیم) ہے یعنی دادا کی جانب راجع ہونا۔ اور بعض اہل سائنس اس کا نام دور وراثی یا رجعت رکھتے ہیں۔ نیز آپ لوگ کہتے ہیں کہ بعض صفات کبھی بعض اقوام میں مخفی رہتی ہیں پھر اُس کے بعد ان کی اولاد میں ظاہر ہو پڑتی ہیں مثلاً جب کوئی حبشی کسی روسی عورت سے شادی کرے تو بعض وقت اُس کی اولاد عورت کی طرح گوری ہوتی ہے۔ پھر کچھ نسلیں گذرنے کے بعد کبھی کبھی بعض اولاد میں اُن کے اس حبشی دادا کی صفات اور ساخت ظاہر ہو پڑتی ہیں اور اسی طرح یہ قانون عادات۔ اخلاق اور امراض میں بھی جاری ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ فروع اور اصول میں تباینات کا محدود ہو کر پایا جانا اور پھر انہیں کا مکرر ہونا ہم نے جو فرض کیا ہے ایک ممکن الوقوع امر ہے جس کو عقول جائز رکھتی ہیں قابل ترک نہیں خیال کرتیں۔ اور شریعت محمدیہ میں بھی ایسا مضمون وارد ہوا ہے جس سے اس امر کی جانب اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اجداد کی صورتیں فروع کی جانب رجوع کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو مخاطب کر کے یہ قول فی ای صورۃ ما شاء رکبک (یعنی جس صورت میں چاہا خدا نے تجھے ترکیب دے دیا) ارشاد فرمایا ہے اس کی تفسیر میں صاحب شریعت (رسول اللہ) علیہ الصلاۃ والسلام سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں قرار پاتا ہے تو اُس کے اور آدم کے مابین جتنے لوگ سلسلہ نسب میں ہیں خدا سب کی صورتوں کو وہاں حاضر کر دیتا ہے اور جس شبیہ میں چاہتا ہے اُس کی صورت بنا دیتا ہے (ایسا ہی تفسیر روح البیان میں ہے) پس جب تک قانون تباینات

ہیں یہ احتمال قائم ہے کہ وہ تباینات ہر نوع میں ایسے درجہ تک محدود ہوں کہ وہ نوع کو دوسری نوع کی جانب خارج نہ ہونے دیں اور اصول کے تباینات فروع میں پھر از سرِ نو جاری کئے جائیں اور اسی طرح سلسلہ جاری رہے اُس وقت تک نوع کا ایسے درجہ تک جا پہنچنا کہ اُس کا تغیر جوہری بن جائے اور اُس کو وہ ایک دوسری نوع بنا دے محض ایک ظنی امر ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا پس آپ نے اس قانون کی تقریر میں جو زور و شور دکھایا ہے اور نیز لاکھوں برس کے گذرنے پر جو آپ نے انواع کی تبدیلی کو اس قانون کے حوالہ کیا ہے۔ یہ سب باطل ہوگیا۔ خلاصہ یہ کہ یہ قانون یعنی تباین آپ لوگوں کے زعم کے موافق غیر محدود ہے اور یہ امر اگرچہ عقلاً ممکن ہے اور اس سے تبدیلی کا واقع ہونا بھی جائز ہے اور یہ سب کچھ خداوندی قدرت کے تحت تصرف میں داخل ہے لیکن اس قانون کا وقوع محض ایک ظنی امر ہے اس کا کوئی یقینی ثبوت نہیں پس اس کا نتیجہ بھی (اور وہ انواع کا بدل کر دوسری نوع بن جانا ہے) ظنی ہوگا اور جب یہ حالت ہے تو پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون کی کچھ پروا نہیں کرتے اور نہ اس کو وہ نشو کا نتیجہ اعتبار کر سکتے ہیں اس لئے وہ اپنی شریعت کی ظاہری نصوص کی جو طریق خلق اور انواع کے مستقل طور سے بننے پر دلالت کرتی ہیں تاویل کرنے پر مضطر نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اپنے اسی اعتقاد پر کہ تمام کائنات بطریق خلق کے پیدا ہوئی ہے برابر قائم رہیں گے ہاں جب یہ بات مان لی جائے گی کہ یقینی قطعی دلیل اس کے خلاف پر قائم ہوگئی (اور یہ امر کوسوں دُور ہے) تو اس وقت وہ اپنے سابق الذکر قاعدہ پر عمل درآمد کر کے دلیل عقلی اور نقلی میں تطبیق دینے کی غرض سے تاویل کر دیں گے۔

قانون انتخاب طبعی سے مذہب نشو لازمی نتیجہ نہیں نکلتا

اب رہا قانون انتخاب طبعی وہ تو آپ لوگوں کے نزدیک

تینوں قوانین مذکورۃ الصدر کے لئے بمنزلہ نتیجہ کے ہے اس لئے وہ بھی ظنی ہی ہوگا اور اگر
اس کا واقع ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں ممکن ہے کہ یہ قانون انواع کے بطریق
خلق پائے جانے کے ساتھ بھی پایا جائے اس طرح پر کہ ان میں پہلے ادنٰے درجہ کی نوع
موجود ہوئی پھر اس سے اعلیٰ درجہ کی بغیر اس کے کہ اپنے سے ادنیٰ سے بنی مستقل طور
پر پیدا ہوئی ہو اس کے بعد اس نے اپنے سے ادنیٰ کے ساتھ باقی رہنے میں منازعت کر کے
اسے ہلاک کر دیا ہو پھر اس دوسری نوع سے بھی اعلیٰ درجہ کی نوع مستقل طور پر موجود ہوئی
ہو اور اس نے بھی اپنے سے ادنیٰ نوع کو منازعت کر کے ہلاک کر دیا ہو پھر اسی طرح یہ
سلسلہ جاری رہا ہو یہاں تک کہ انواع موجودہ تک نوبت پہنچ گئی ہو اور کوئی نوع بھی
دوسری نوع سے نہ بنی ہو اور سب کی سب مستقل طور پر پائی گئی ہوں پس یہ بات
ظاہر ہو گئی کہ زمانہ موجودہ میں سب سے عمدہ اور انسب انواع کا پایا جانا ثبوت
کو مستلزم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کے ساتھ بھی پایا جائے پس اس
قانون کا پایا جانا نشو پر نہیں دلالت کرتا خلاصہ یہ کہ خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کو ان
کو بھی ان قوانین اربعہ کی تقریر کرنا ممکن ہے یوں کہا جائے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ادنیٰ درجہ
کی انواع کو پیدا کیا ہو پھر ان سے اعلیٰ درجہ کی انواع کو بغیر اس کے کہ وہ اپنے سے ادنیٰ درجہ
سے بنیں مستقل طور پر پیدا کر دیا ہو پھر اس نے پہلی انواع کو دنیاوی
اسباب اور دوسری انواع سے باقی رہنے میں منازعت کرنے کی وجہ سے
یعنی تنازع بقاء کے قاعدہ کے موافق ہلاک کر دیا ہو پھر اسی طرح ہوتا رہا ہو یہاں
تک کہ انواع موجودہ تک نوبت پہنچ گئی ہو اور یہی وہ انواع ہیں جو اپنے سے سابق
کی تمام انواع سے بہتر اور انسب ہیں پس یہ کیفیت قانون تنازع اور قانون بقاء
احسن پر مشتمل ہے اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے فروع کی صفات اصول کو

وراثتاً حاصل کرنے اور نیز فروع کے کچھ دوسری صفات میں اپنے اصول سے مبائن ہونے کے قانون کو بھی جاری کیا ہے لیکن یہ تبائن ایک معین حد تک ہے جس سے کہ ایک نوع دوسری نوع نہ بننے پائے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ باہم تمیز قائم رہے جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں اور اس کیفیت نے دونوں باقی قانون کو شامل کر لیا اور وہ قانون ارث اور قانون تبائن ہیں جن کا مشاہدہ کیا بھی جاتا ہے باوجودیکہ انواع کا بطریق خلق اور مستقل طور پر بننا مانا گیا ہے اور آپ لوگوں کے علم جیالوجی کی تحقیقات بھی اس توجیہ کے ذرا بھی منافی نہیں پس کیا آپ اس توجیہ کے محال ہونے پر کوئی دلیل بیان کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور بعد ساری سابق الذکر تقریر کے عقلی نظر میں طریق نشو طریقِ خلق پر راجح بھی نہیں معلوم ہوتا بلکہ دونوں امر برابر نظر آتے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کا احتمال ہے اور ہر ایک ممکن اور خداوندی قدرت کے تحت میں داخل ہے۔ اب ظاہر ہو گیا کہ عقلی نظر میں نشو کو خلق پر ترجیح بھی نہیں اور نشو کا احتمال عقل کے نزدیک ظنی بھی نہیں قرار پا سکتا بلکہ نشو اور خلق دونوں میں عقلی طور پر شک اور مساوات ہی کا درجہ پایا جاتا ہے لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خلق اور انواع کے مستقل طور پر پیدا ہونے کے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں اور چونکہ اُن کی شریعت کی ظاہری نصوص سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ اسی کو مانتے ہیں اور آپ لوگوں کے پاس نشو کو ترجیح دینے اور اس کو ماننے کی بابت میں نہ اس کا جس مرتبہ کا ثبوت تھا ظاہر کر دیا کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

انسان کا بندر سے ترقی کر کے بن جانا | یہ تو ہو چکا اب سابق الذکر تقریر کے بعد

جب نشو ہی پورے طور سے ثابت نہ ہو سکا تو اس پر انسان اور بندر کا ایک ہی اصل سے نکلنا بھی جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں مبنی نہیں ہو سکتا اور آپ لوگوں کا یہ قول کہ انسان کے بندر کے ساتھ مشابہت رکھنے کے مقتضا کے موافق کچھ بعید نہیں ہے کہ انسان اور بندر ایک ہی اصل سے بنے ہوں محض ایک انتہا درجہ کا ساقط الاعتبار شبہ ہے کیونکہ محض صوری مشابہت کا یہ مقتضا نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے یہ امر لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر آپ کہیں کہ ہاں اس سے لازم تو نہیں آتا لیکن کم سے کم اتنا تو ہے کہ اس سے اس کا ظن اور گمان غالب پیدا ہو جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعتقاد کے بارہ میں ظن پر اعتقاد نہیں کر سکتے اور نہ اس کو اپنی شریعت کی ظاہری نصوص کے لئے معارض اعتبار کر سکتے ہیں۔ علاوہ بریں اس مشابہت سے جو آپ کے نزدیک ظن پیدا ہوا تھا اس کے لئے ایک امر دافع بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی ابتدائے پیدائش میں عقل اور بدن دونوں میں نہایت کمزور ہوتا ہے۔ چلنے اور آپ سے بیٹھنے پر بھی قادر نہیں اور نہ ذرا سی حرکت ہی کر سکتا ہے جو باقاعدہ ہو اور باوجود اس کے رنا نہایت کند اور ناداں بھی ہوتا ہے کہ اپنے اردگرد کی اشیاء کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ اسے زمین اور آسمان کی تمیز ہوتی ہے نہ آگ اور پانی میں فرق کر سکتا ہے اسی لئے نہ وہ کسی ایذا رساں چیز سے بچتا ہے نہ کسی نافع چیز کو اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اسے اتنا بھی تمیز نہیں ہوتا کہ اپنی ماں کی چھاتی کیسے منہ میں لے چنانچہ وہ کئی روز تک اس کو سکھلانے کی کوشش کرتی ہے جب اسے دودھ پینا آتا ہے۔ پھر اس ساری کمزوری اور نادانی کے بعد ہم اسے دیکھتے ہیں کہ قوت اور ادراک

میں ترقی کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اگر بقیہ حیوانات پر
قیاس کیا جائے کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت اُس سے کہیں توانا اور سمجھ دار ہوتے
ہیں تو اُس درجہ تک اُن کے پہنچنے کی امید نہیں ہو سکتی اور انسان کی یہ حالت خداوندی
اعمال میں سے نہایت عجیب تر اور اُس کی قدرت کی عظمت پر دلیل روشن ہے کہ اُس
نے اتنے کمزور اور اسقدر نادان حیوان کو ایسے درجہ تک کیسے پہنچا دیا جہاں تک
کہ اور حیوانات نہ پہنچ سکے چنانچہ وہ نہایت قوی اور صاحب غلبہ بن جاتا ہے کہ پہاڑوں
کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں تعمیر کرتا ہے حالانکہ پہلے وہ نہایت
ہی کمزور اور عاجز تھا۔ اسی طرح وہ مدقق عالم اور محقق فلاسفر بن جاتا ہے۔ بعد اُس کے
کہ وہ نری نادانی میں غرق تھا اپنی قوت اور عقل کے ذریعہ سے بحر و بر کے حیوانات پر
تسلط حاصل کرتا ہے پرندوں کو اپنے قبضہ میں لاتا ہے۔ نظام شمسی و قمری کا انضباط
کرتا ہے اور پھر بھی یا تو اپنے پیدا کرنے والے خدائے واحد کا اقرار کرتا ہے یا اُس سے
پرلے درجہ کا منکر بن جاتا ہے۔ رہا بندر وہ اور اکثر حیوانات کی طرح ایک قسم کی قوت کے
ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس وقت کافی حرکت کرنے پر قادر ہوتا ہے
تاکہ اُس کی ماں جو پرورش کرنا چاہے اُس میں وہ اس کی کچھ مدد کر سکے اور اُس وقت
اُس کو اس قدر سمجھ ہوتی ہے کہ انسان کے بچے کے پاس اُس کا نشان بھی نہیں پایا جاتا
چنانچہ جو غذا اُس کے لئے مہیا ہوتی ہے اُسے جان لیتا ہے اور بغیر اُس کوشش و تدبیر
کے جو انسان کی ماں کو اپنے بچہ کے لئے کرنا پڑتی ہے وہ بندر کا بچہ اپنی ماں کی چھاتی
منہ میں لے لیتا ہے۔ ایذا رساں چیزوں سے بچتا ہے نافع چیز کو اختیار کرتا ہے اور نہایت
ہی تھوڑی مدت میں جس میں کہ انسان کا بچہ اپنے سُرین پر بیٹھنے کے بھی قابل نہیں ہوتا

وہ اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے دوڑنے لگتا ہے اور اس کو اس قدر سمجھ بھی جو
اس کے امور زندگی کی انجام دہی کے لئے کافی ہو حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ
اپنی نوع کے بڑے بڑوں کے قائم مقام بن جاتا ہے اور حالانکہ وہ دیکھنے میں بچہ
ہی رہتا ہے پس بندر اور انسان میں کہیں فرق موجود ہے سو اگر انسان اور بندر ایک
ہی اصل سے نکلے ہوتے اور انسان اس سے ترقی کر گیا ہوتا تو اس کا یہ مقتضا تھا کہ
وہ اس حالت میں نہ ہوتا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا بلکہ اپنی پیدائش کے وقت بندر
سے تو کم نہ ہوتا جس سے وہ ترقی کر کے بن گیا تھا کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے
کہ انسان کا بچہ قوت اور سمجھ میں اتنی پستی کی حالت میں ہو باوجودیکہ اس کا ساتھی
جو اس کے ساتھ ایک ہی اصل سے نکلنے میں شریک ہے اور جس سے کہ وہ ترقی
کر کے بن گیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں اس سے کہیں کامل ہوتا
ہے اور اگر کہا جائے کہ انسان اپنے شریک (بندر) سے صورت کی عمدگی میں تو ترقی
کر گیا ہے لیکن بعض اسباب کی وجہ سے قوت اور سمجھ میں اس سے گھٹا ہوا رہ گیا
تو ہم کہیں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بڑے ہونے پر یہ دونوں باتیں اس میں کامل ہو جاتی
ہیں اور وہ بندر پر ان دونوں (قوت اور سمجھ) میں کہیں زیادہ ترقی کر جاتا ہے پس
حق اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ امر آپ کے اس قول کو کہ انسان اور بندر ایک
ہی اصل سے نکلے ہیں بالکل ہی بودا اور کمزور ثابت کرتا ہے اگرچہ ہم اپنی زبان
سے اس کو باطل نہ بھی کہیں۔

اور اے اہل سائنس اگر آپ نظر انصاف سے غور کریں تو آپ کو یہ امر بخوبی ظاہر

ہو جائے کہ انسان اور بندر کی صرف صوری مشابہت اتنے بڑے عظیم فرق کا جو اُن دونوں میں پایا جاتا ہے جس کا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی خدا تعالی ہمیں اور آپ دونوں کو امر صواب کی ہدایت کرے یہ وہ تقریر تھی جس کو میں نے اس موقع پر آپ کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا اور میرے نزدیک اگر آپ انصاف کریں گے تو یہ تقریر اس بات کے لئے کہ نشو کے بارہ میں آپ کے دلائل اور معتقدات محض ظنی ہیں اور کسی طرح شرعی نصوص کا معارضہ نہیں کر سکتیں کافی ثابت ہوگی اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے مخالف آپ کے ساتھ مختلف بحثوں میں اُلجھے ہیں جس کی میں کچھ ضرورت نہیں سمجھتا چنانچہ انہوں نے انواع کے بدل جانے کا آپ کے مقابلہ میں انکار کیا اور آپ اُس پہ دلائل قایم کرنے کے درپے ہو گئے اور اس کا ثبوت دینے لگے یہاں تک کہ صناعی تبدیلی سے بھی۔ اور اُنہوں نے مابین ایک اور دوسری نوع کے جس سے کہ وہ آپ کے خیال کے موافق بنی ہے حلقوں کے وجود سے قطعی انکار کیا اور آپ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ یہ حلقے بعض میں تو پائے گئے ہیں اور اپنے جی کو یوں خوش کر لیا کہ جیالوجی کی تحقیقات میں عنقریب باقی انواع میں بھی حلقے دریافت ہو جائیں گے یہ ساری باتیں جملہ خبریہ ہیں جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال موجود ہے بھلا بتلایئے تو ہم میں سے اس وقت کون بیٹھا رہے گا جو آپکے دعوے کی تصدیق اور مشاہدہ کرے گا۔ حقیقت حال کو خدا ہی جانے علاوہ بریں اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ احتمال برابر قائم رہے گا کہ انواع مستقل طور پہ پیدا ہوئی ہوں جیسا کہ ہم نے پیشتر ذکر کیا پس آپ کی دلیلیں ظنی ہی رہیں۔ مختصر یہ کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم آپ لوگوں سے آپ کے مخالفوں کی طرح اُلجھیں اور

چونکہ ہمارا اعتماد شریعت کی ظاہری نصوص پر ہے اس لئے ہمارے لئے تقریر سابق ہی کافی ہے ورنہ اگر ہم آپ سے اس بحث میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہیں تو آپ کو دکھلادیں کہ آپ کی دلیلوں کی جن پر اعتماد کئے بیٹھے ہیں کیا قدر و قیمت ہے اور آپ کے سامنے اس بات کو ظاہر کر دیں کہ اُن کی بنیاد وہم اور محض تخمینی اور فرضی باتوں پر ہے اگر خدا نے توفیق دی تو میں اس بحث میں ضرور کچھ تحریر کرونگا جس سے نا لبین تحقیق کی تشنگی بجھ جائیگی۔

حیات اور عقل کے بارے میں شریعت اور اہل سائنس کے قول کے مابین تطبیق

یہ بحث تو ہو چکی پھر آپ لوگوں کا یہ قول کہ حیات اور عقل فانی دونوں محض مادہ کے اجزا متحرکہ اور اسکے عناصر ممتزجہ کی باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک قسم کے ظہور کے نام ہیں اگرچہ وہ محض مادہ حیات اور ادراک دونوں سے بالکل خالی تھا اور یہ کہ انسان کی عقل باقی حیوانات کی عقلوں سے صرف مقدار میں اختلاف رکھتی ہے حقیقت اور ذات میں اُن سے مختلف نہیں یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کا اسلامی شریعت پر انطباق ممکن ہے چنانچہ حیات کی پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک ایسی وجودی صفت ہے جو نفس ذات پر زائد اور علم و قدرت کے مغائر ہے جس کی وجہ سے ذات کا ان دونوں کے ساتھ موصوف ہونا صحیح ہو جاتا ہے (ایسا ہی تفسیر روح البیان میں ہے اور اُسی کے مثل تفسیر رازی میں بھی موجود ہے) پس جب اُن کے سامنے حیات کے بارہ میں آپ کا یہ قول پیش کیا جائے کہ وہ اجزاء مادہ کے باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے ایک ظہور کا نام ہے الخ تو وہ یہ کہہ دیں گے کہ ہمارے نزدیک حیات ایک عرضی صفت ہے مادہ نہیں ہے اور یہ ظہور جس کو آپ حیات کہتے ہیں وہ بھی عرضی صفت ہے اس لئے اس سے کوئی مانع نہیں کہ حیات بھی ظہور ہو لیکن پیروان محمد صلی اللہ

علیہ وسلم حیوان میں خدا کے پیدا کرنے سے اُس کے حدوث کے قائل ہیں نہ جیسے کہ آپ لوگ اجزاء مادہ کی حرکت سے اُسکے حدوث کا بلا دلیل گمان کرتے ہیں جیسا کہ پیشتر گذرا اگرچہ ممکن ہے کہ یہ حرکت جسمی محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے موجود ہوئی ہو اور اس ظہور کا جسے آپ حیات کہتے ہیں سبب بن گئی ہو ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ اسباب سے مسببات کو پیدا کر دینے کی خدا کی عادت جاری ہو گئی ہے۔ باقی رہی عقل اُس کے بارہ میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف کیا ہے۔ بعضوں نے تو اُس کی حقیقت کے بیان کرنے سے۔ یہ کہہ کر توقف ہی اختیار کر لیا کہ وہ مغیبات میں سے ہے جسے شریعت نے ہمارے لئے نہیں بیان کیا پس النسب اور ادب کی بات یہی ہے کہ اُس میں گفتگو نہ کی جائے بس اس بناء پر جب آپ لوگ اُن کے سامنے عقل کی ایسی تفسیر بیان کریں گے جو اُن کی شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ آپ سے یہی کہہ دیں گے کہ ہاں آپ کی تفسیر میں صحت کا احتمال ہے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہی تفسیر صحیح ہو لیکن یہ ظہور خدا کے پیدا کرنے سے حادث ہوا نہ جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ وہ محض اسی حرکت سے حادث ہو گیا ہے اور بعض پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل کی تفسیر میں خوض کیا ہے اور جتنے اقوال ہیں سب اس بات میں متفق ہیں کہ وہ عرض ہے اور سب کا ماحصل یہی ہے کہ وہ علوم کے قبیل سے ہے یعنی وہ ایک قسم کا ملکہ ہے جس کے ذریعہ سے نظری علوم ادراک کر لیئے جاتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک قسم کا نور ہے اور ایسا ہی بعض آحادی آثار میں بھی وارد ہوا ہے (جیسا کہ ماوردی کی کتاب ادب الدین میں ہے) اور مراد اُس سے یہ ہے کہ وہ ایک باطنی

ذرے ہیں۔ اس امر کے اعتبار سے کوئی مخالفت نہیں کہ وہ علوم کی جنس سے ہے اور
بعض کہتے ہیں کہ وہ جوہر ہے لیکن یہ قول رد کر دیا گیا ہے (عقیدۃ السفارینیہ اور اس کے
حاشیہ سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے)

عقل کی تقسیم | یہ سب کچھ غریزی یا طبعی عقل کی نسبت کہا گیا ہے۔ رہی عقل کسب
جو اسی غریزی عقل کا نتیجہ ہے پس وہ کامل تمیز صحیح سیاست اور رائے کے صائب
ہونے کا نام ہے (ماوردی کی کتاب ادب الدنیا والدین میں بھی ایسا ہی ہے) پس اس بناء
پر یہ امر واضح ہے کہ آپ کے اور ان لوگوں کے قول میں جنہوں نے عقل غریزی
کی تفسیر میں عرض کہا ہے کوئی منافات نہیں کیونکہ دونوں قول اس بات میں
متفق ہیں کہ وہ عرض ہے تو پھر اس بناء پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے
جب یہ کہا جائے گا کہ یہ عرض اجزاء مادہ کی باہمی تاثیرات کے ظہوروں میں سے
ایک ظہور ہے تو یہ کہنے سے انہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی کہ ہاں ممکن ہے کہ یہی
ہو اور اسی ظہور سے علوم کا ادراک حاصل ہوتا ہو لیکن اس ظہور اور ادراک دونوں کا
وجود محض خدا کے پیدا کرنے ہی سے ہے اس طرح پر یہ قول ہمارے عقائد کے
خلاف بھی نہیں ہوتا اب ان میں اور آپ لوگوں میں صرف اسی بات پر فیصلہ
کا دارومدار رہے گا کہ آپ اس کے قائل ہو جائیں کہ یہ ظہور خدا ہی کے پیدا کرنے
سے ہے۔ باقی رہا آپ کا یہ قول کہ انسانی عقل باقی حیوانات کی عقلوں سے
صرف مقدار میں اختلاف رکھتی ہے حقیقت اور ذات میں ان سے مختلف
نہیں تو یہ قول بھی شرعی نصوص میں سے جن پر کہ اعتقاد کے بارہ میں اعتماد کیا
جاتا ہے کسی کے بھی خلاف نہیں کیونکہ ان نصوص سے غایت سے غایت جو

کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ خدا نے انسان کو عقل دے کر باقی حیوانات سے ممتاز کیا ہے اور اسی وجہ سے بخلاف اور حیوانات کے اس کو شرائع کی تکلیف دی گئی ہے۔ رہا ادراک حیوانی سے حقیقت اور ذات میں اس کا متغائر ہونا یا نہ ہونا تو شرعی نصوص میں ان دونوں میں سے کسی کی بھی تصریح نہیں کی گئی اس لئے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کے بارہ میں سوال کیا جائے گا تو وہ کہہ دیں گے اس سے کوئی امر مانع نہیں کہ ضروریات زندگی کی تدبیر کرنے کے لئے حیوانات کو جو ادراک ملا ہے وہ اور انسانی عقل دونوں ایک ہی مقولہ سے ہوں جو کہ منجملہ اعراض کے ایک عرض ہو اور خدا کے پیدا کرنے سے حاصل ہو گیا ہو لیکن وہ انسان میں زیادہ ہو کر ایسے مرتبہ پر پہنچ گیا جس نے اُسے اس قابل بنا دیا کہ وہ طرح طرح کے علوم استنباط کرنے لگا اخلاق حمیدہ اور غیر حمیدہ میں اُسے تمیز ہو گئی اور وہ وہ چیزیں حاصل کر لینے کے لائق ہو گیا جن کی وجہ سے وہ اور حیوانات سے ممتاز ہے اور ادراک کے اسی مرتبہ پر پہنچ کر وہ شرعی تکلیف کے قابل بن جاتا ہے اسی کو ہم عقل کہتے ہیں اس لئے کہ لغت میں عقل باندھنے اور روکنے کو کہتے ہیں اور وہ بھی اُس کو امر ناصواب کے ارتکاب سے روکتی ہے پس اس کا قائل ہونا کہ عقل انسانی حیوانات کے ادراک سے صرف مقدار کا اختلاف رکھتی ہے اسلامی دین کے منافی نہیں بلکہ یہ قول اُس پر منطبق ہو سکتا ہے اس بنا پر انسانی عقل کی نسبت شریعت میں جو تعظیمی الفاظ جیسے کہ وہ نور ہے۔ مدار تکلیف ہے وغیرہ واقع ہوئے ہیں وہ صرف ادراک کے اسی عالی مرتبہ کی تعظیم کیلئے ہیں کسی دوسری شے کے لئے جو ادراک حیوانات سے اصل حقیقت میں متغائر ہو نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

باقی شرعی مسائل کا بیان جن سے اہل سائنس انکار کرتے ہیں | باقی رہا آپ لوگوں کا باقی مسائل

سے انکار کرنا جن کو آپ نے شریعت محمدی میں نہ پایا لیکن آپ کے علوم میں اُن کی کوئی دلیل
موجود نہیں یا اُن کی رو سے وہ قابلِ ترک ہیں اُن کی نسبت سُنئے۔ ہم سے اور آپ سے
جو بحثیں ہو چکی ہیں بعض مسائل کی تو پوری تحقیق ہو چکی تاہم آئندہ موقع بہ موقع ہم تنبیہ کرتے
جائیں گے اور جو مسائل باقی ہیں بعون اللہ تعالیٰ اُن کی تحقیق کے لئے میں ابھی گفتگو کرتا
ہوں اور آپ لوگوں کو دکھا دیتا ہوں کہ اُن میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جس کو عقلیہ
متروک خیال کرتی ہوں بلکہ سب کے سب نقلی قواعد پر منطبق ہیں بشرطیکہ عقلِ سلیم سے کام
لیا جائے چنانچہ سُنئے میں بیان کرتا ہوں یہ سب باتیں تو پہلے معلوم ہو چکی ہیں کہ مادہ حادث
پہلے نہ تھا اور پھر حادث ہوا اور یہ کہ جس نے اُس کو عدم سے پیدا کیا اور اُس سے انواع
کائنات کو اس انتظامِ خاص پر بنا دیا وہ ہی خدا ہے اور یہ کہ وہ اُن سب چیزوں کو نیست
نابود اور معدوم کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی حیوانات سے
علیحدہ اور مستقل طور پر پیدا کیا اُس سے اُس کی عورت کو بنایا اور دونوں کو ایک مکان میں
جس کا نام جنت ہے سکونت پذیر کیا پھر جس چیز سے اُنہیں منع کیا تھا اُس کی مخالفت
کی وجہ سے دونوں کو زمین پر اُتار دیا اور یہ کہ جو کچھ عالم میں ہوتا ہے وہ سب خدا ہی کے
قضا و قدر سے ہوتا ہے یعنی وہ اُسے جانتا ہے اُس کا ارادہ کرتا ہے اور اپنی قدرت
سے اُسے موجود کر دیتا ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ قضا (حکم) کرتا ہے وہ سب اُسی کے پیدا
کرنے سے پایا جاتا ہے اُس کے سوائے کوئی خالق نہیں اگرچہ اُس نے مسببات کو اسباب
کے ساتھ مرتبط کر رکھا ہے۔ مسببات کو اسباب سے پیدا کر دیتا ہے لیکن دونوں کا
خود ہی خالق ہے پہلے سبب کو پیدا کر دیتا ہے اور اُس کے بعد ہی مسبب کو پیدا کر
دیتا ہے اور تمام اشیاء میں جو تاثیر مشاہدہ کی جاتی ہے وہ خدا ہی کے پیدا کرنے اور

ایجاد کرنے سے ہے کوئی شے حقیقت میں طبیعت یا اُس کی قوت کی وجہ سے جو اُس میں رکھی گئی ہو اثر نہیں کرتی اور یہ کہ خدائے سبحانہٗ موجود ہے۔ قدیم ہے۔ ہمیشہ رہے گا اُس کا معدوم ہونا محال ہے۔ ایک ہے۔ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ علاوہ اس کے عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب سے غنی ہے۔ کسی کا محتاج نہیں ساری چیزیں اُسی کی محتاج ہیں۔ موجودات میں سے وہ کسی شے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اُس کے مشابہ ہے۔ کامل درجہ کا ارادہ کرنے والا پورا پورا علم رکھنے والا ہے تمام چیزوں کو جو موجود ہیں خواہ گذر چکیں یا آیندہ ہوں گی سب کو جانتا ہے اُس کے علم سے کوئی شے باہر نہیں جتنی چیزیں عقلاً ممکن ہیں سب پر قادر ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو زندہ ہے۔ تمام صفات کمال کے ساتھ جو اُس کی ذات کے شایاں ہیں موصوف ہے۔ تمام صفات نقصان سے منزہ ہے پس یہ وہ مسائل ہیں جن پر سابق کے مباحث میں کافی طور پر گفتگو ہو چکی ہے اب کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بعض کے تحقیق اور ثبوت پر تو میں نے یقینی دلیل قایم کردی ہے جیسے کہ مادہ کا حادث ہونا۔ خدا کا موجود ہونا اور اُس کا اپنی صفات کے ساتھ متصف ہونا اور بعض کو میں نے آپ کے علوم کے ساتھ جن کے وہ معارض معلوم ہوتی تھیں تطبیق دے دی اور اُس کے لئے کوئی توجیہ ذکر کردی یا میں نے آپ کو ایسا طریق بتا دیا جس پر چلنے سے اسلامی دین کے ساتھ آپ کی ایسی مخالفت نہیں ہوتی کہ اس سے آپ اسلام کے اعتقاد نہ رکھنے والوں میں شمار ہونے لگیں اور جس چیز کی میں نے تصریح نہیں بھی کی ہے وہ ادنےٰ غور کرنے سے گذشتہ مباحث سے سمجھی جاسکتی ہے اور تفصیلی گفتگو بکثرت اسلامی کتابوں میں موجود ہے جس کا جی چاہے

جس کی جانب رجوع کرے۔ اب دیکھو یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان
پیدا کئے اور ان آسمانوں کے اوپر ایک بہت بڑا جسم جس کا نام کرسی ہے اور اس کے
اوپر اس سے بھی بڑا جسم جس کا نام عرش ہے پیدا کیا۔ اور یہ کہ سات آسمان اجسام
کے مابین بہت بڑی مسافت حائل ہے اور یہ کہ اس نے ایک بہت بڑا جسم جس
کا نام لوح ہے اور ایک دوسرا جسم جسے قلم کہتے ہیں اس لئے پیدا کیا تھا کہ ہونے
والی چیزیں ان میں ثبت رہیں اور لکھی جائیں تو وہ اس کا محتاج نہ تھا اور یہ کہ انسانوں کو
خدا کی نعمتیں اس کے ایک بنائے ہوئے مکان میں ملیں گی جس کا نام جنت ہے اور
دوسرے مکان میں اس کا عذاب ہوگا جسے جہنم کہتے ہیں۔ زمین، آسمان اور عالم کے
تباہ ہونے کے بعد جب لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے تو خدا ان لوگوں کو ان دونوں
مکانوں میں داخل کرے گا جیسے میں کہتا ہوں کہ آپ اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خلا[1]
کے تو قائل ہی ہیں اور اس سے مراد بہت ہی دور و دراز بُعد ہے جس کی وسعت
کو سوچ کر عقل حیران رہ جاتی ہے پھر آپ کہتے ہیں کہ آفتاب اور ستارے اس خلا
اور خلا میں قوت کشش کے ذریعہ سے قائم ہیں اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
میں سے بعض کا قول بھی آپ کے قول کے موافق اور مؤید معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ
کہ آفتاب اور ستارے آسمان میں گڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خلا میں قائم ہیں اور
اس خلا میں جیسا کہ ان کا مدار حرکت ہے وہی ان کا فلک ہے جیسا کہ پیشتر گذر چکا ہے

---

[1] خلا سے یہاں زمین کے اوپر کی وہ فضا مراد ہے جو دیکھتے ہیں جیسا معلوم ہوتی ہے اور اس سے حقیقی خلا مراد نہیں کیونکہ اہل سائنس کہتے ہیں کہ اس تمام فضاء میں ایتھر پھیلا ہوا ہے ۱۲ مترجم

اس سے کونسی چیز مانع ہوسکتی ہے کہ اسی خلاء دور و دراز میں ان ستاروں کے اُدھر
ان اجسام مذکورہ کو بھی خدا نے پیدا کیا ہو اور وہ ساتوں آسمان (اور اُن کا نظر نہ آنا
پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض کے قول کے موافق ہے جیسا کہ پیشتر
گذرا) اور وہ (ابوبکر بن العربی ہیں) عرش ، کرسی ، لوح و قلم جنت اور دوزخ ہیں اور
خدا نے اُن کو وہاں اپنی قدرت سے قائم کر رکھا ہے چاہے اُس نے قدرتی قوانین
میں سے جنھیں کہ وہ اپنی مخلوقات میں رکھ دیا کرتا ہے کسی قانون سے کام لیا ہو یا
بلا کسی طبعی قانون کے محض اپنی قدرت سے انہیں روک رکھا ہو کیونکہ وہ اس
بات پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتقاد کے موافق پورے طور سے
قادر ہے کہ قوانین قدرت محض عادی اسباب ہیں جیسا کہ اُس نے آفتاب اور
ستاروں کو اس خلاء میں جس میں کہ وہ پائے جاتے ہیں قائم کر رکھا ہے پھر یہ سب
ہم سے نہایت ہی دور و دراز مسافت پر واقع ہیں جیسے کہ باہم خود اُن کے مابین
بہت ہی بڑی مسافتیں حائل ہیں اور خدا کی اور اُس کی قدرت کی جو عظمت ہم اس
کی مصنوعات میں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں دریافت کر چکے ہیں اس کے لحاظ سے
تو ان میں سے کوئی امر بھی بعید نہیں معلوم ہوتا پس یہ سب چیزیں ممکن ہیں اور
ہوسکتی ہیں عقل ان کو محال نہیں سمجھتی اور خدا کی قدرت ممکن کے ساتھ ایجاد کرنے کے
لئے متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رہا اُن کے ادراک تک آپ لوگوں کی رسائی
نہ ہونا خواہ بذریعہ حواس ہو یا بواسطۂ دیگر ذریعوں کے اُن کے معدوم ہونے کو مقتضی
نہیں ہے اور اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ساتوں زمینوں کے موجود ہونے
سے بھی جیسا کہ بعض شرعی نصوص میں وارد ہوا ہے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔ ممکن

طوالت ہو جائے جس کا جی چاہے اُن کی کتابوں کو دیکھ لے۔

فرشتوں اور جنوں کا سب دنیا یہ امر کہ اُس خدا نے کچھ نورانی اجسام پیدا کئے ہیں جن کا نام ملائکہ (فرشتے) ہے اور جو اپنی شکل کے بدل لینے پر قادر ہوتے ہیں
کا موجود ہونا

اور یہ کہ آسمان اور زمین کے مابین جس قدر مسافت ہے وہ اُس کو ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر سکتے ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے سامنے سے اس طرح گذر سکتے ہیں کہ ہم انہیں نہ دیکھیں اور یہ کہ وہ ایسے ایسے افعال کر سکتے ہیں جن سے انسانی قوتیں عاجز ہیں۔ اور یہ کہ آسمان فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جیسے کہ اُس نے کچھ دوسرے اجسام بھی جو ملائکہ مذکورہ کے ساتھ بعض خواص میں (جیسے کہ شکل بدل لینے پر قادر ہونا نظروں سے پوشیدہ رہ سکنا بڑے بڑے افعال پر قدرت رکھنا) مشابہ ہیں پیدا کئے ہیں۔ لیکن وہ ملائکہ سے اس امر میں مختلف ہیں کہ وہ اُن کی طرح نورانی نہیں اسی طرح بعض اور باتوں میں بھی اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے اور ان اجسام کا نام جن ہے
پس میں کہتا ہوں کہ اس سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کچھ اجسام انہیں خواص کے ساتھ موصوف بنائے ہوں جنھیں کہ ملائکہ کہتے ہیں اور کچھ دوسرے اجسام بھی جو امور مذکورہ میں اُن کی نظیر ہوں پیدا کئے ہوں جن کا کہ نام جن ہو اور ممکن ہے کہ اُن کا مادہ مادۂ ایتھر کی طرح ہو جس کی نسبت آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ تمام عالم میں بھرا ہوا ہے حالانکہ آپ نے اُسے دیکھا نہیں یا اُن کا مادہ مادہ ہوا کی طرح ہو جس کو اللہ تعالےٰ نے بنا کر اُس کے ذروں کو ایسی کیفیت پر مجتمع کیا ہو جس کی وجہ سے اُس میں خواص مذکورہ کی صلاحیت آ گئی ہو جیسے کہ اُس نے حیوان کو جمادی عناصر سے ایسی کیفیت پر بنایا جس سے کہ اُسنے حیات ادراک اور حرکت وغیرہ ساری قوتیں حاصل کر لیں

حالانکہ پہلے عناصر میں ان میں سے کوئی شے بھی موجود نہ تھی پس اگر یہ کہو کہ ان کے دیکھنے
پر قادر نہ ہونا ان کی شفافیت اور لطافت کے باعث سے ہے جیسے کہ ہوا اور ابخرہ کا حال
ہے علاوہ بریں پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں محققین کی یہ رائے ہے کہ دیکھنا حق تعالیٰ خود
کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے جیسے کہ سابق میں ہماری تقریر گذر چکی ہے ہمارا مطلب تمام ہے
اور ان کے ایسی شکلوں میں بدل لینے پر قادر ہونے کی توجیہ باوجودیکہ وہ عقلاً ممکن ہونے کی
وجہ سے خدا کی قدرت کے تحت میں داخل ہے یہ ہے کہ یہ مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
ان اجسام کو ایسی کیفیت پر بنایا ہے جس کی وجہ سے وہ ہوا یا بخار یا اسی کے مثل کسی اور شے
سے کچھ مقدار لے لینے پر قدرت رکھتے ہوں اور اس کو کثیف کر کے جس صورت کو چاہیں
قبول بنا سکتے ہوں پھر اسے چھوڑ دیتے ہوں اور اس طرح تفرقہ اجزاء میں اس صورت کے معدوم
ہونے لگتے ہوں اور کیمیاوی اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام کو بعض کی جانب
منقلب کرنے پر جیسے کہ کثیف کو لطیف اور لطیف کو کثیف بنا دینے وغیرہ پر انسان کو قادر کر دیا
ہے اس سے ہماری تقریر کا سمجھنا عقلوں کو بہت ہی آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ اجسام
کا مختلف شکلوں پر ہو جانا کیسے ہی کیوں نہ ہو خداوندی قدرت کی عظمت کی جانب منسوب
ہوتا ہے جس کے وہ اعمال عقلوں کو مدہوش کئے دیتے ہیں جو حیوان اور نبات کو
مختلف خواص عطا کرنے کے بارہ میں ہوئے ہیں اس لئے اس میں ذرا بھی تعجب نہ
کرنا چاہیئے رہا یہ امر کہ وہ باوجودیکہ لطیف اجسام ہیں لیکن ایسے ایسے اعمال کرنے
پر قدرت رکھتے ہیں جن سے انسانی قوتیں بالکل عاجز ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ہواؤں
کے یہ کام کہ وہ کیسے بڑے بڑے درختوں کو اکھیڑ کے پھینک دیتی ہیں اور نیز قوت
کہربائی کے کرشمے کہ وہ کس طرح بڑی بڑی گرانبار اشیاء کو جن کو ہزاروں آدمی مل کر

حرکت بھی نہیں دے سکتے کھینچ لیتی ہے۔ دیکھو کہ ملائکہ اور جنوں کے اعمال میں کچھ بھی تعجب نہیں معلوم ہوتا خصوصاً جبکہ اس کا بھی خیال کیا جائے کہ ان کو ان اعمال کی قوت بخشنے والا وہی خدا ہے جس کی قدرت کی عظمت کے سامنے یہ ذرا بھی مشکل کام نہیں۔ اور جب ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ کی قوت سے لوہے کو توڑ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کی ہاتھ کی قوت محض اُن کے پٹھوں کا عمل ہے جن کی انتہا ایک نہایت ہی نازک اور پتلے گودے (مبداء اعصاب) جو دماغ کا ایک حصہ ہے) تک ہوتی ہے جو کہ حرکت کا مبداء ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور خارجی جسم کے ادنیٰ صدمہ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اس مقدار سے جو اُس کے لئے ضروری ہے خون کا ایک زیادہ قطرہ بھی اس کی نسبت وہ نابود کرنے کے لئے کافی ہے جس کے بعد پھر انسان بھی زندہ نہیں رہ سکتا تو یہ دیکھ کر ہمیں یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شے نازک لطیف کو ایسی قوت عطا کرنے پر بخوبی قادر ہے کہ جو کثیف اور سخت شے میں موجود نہ ہو کیوں نہ ہو اُس خدائے پاک کی عجیب قدرت ہے۔

دیکھو ملائکہ کا اتنی بڑی مسافت کو جو ان سماوی اجسام کے مابین حائل ہے ایک بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کر لینا تو میں کہتا ہوں کہ عقلاً اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اس لئے کہ حرکت کی تیزی کسی حد کے ساتھ محصور نہیں اسی روشنی ہی کو دیکھئے کہ آفتاب سے کہ جو ہم سے نو کروڑ میل سے بھی کچھ زائد فاصلہ پر ہے آٹھ منٹ اور کچھ کسر کی مدت میں ہم تک پہنچ جاتی ہے اور اگر آپ کہیں کہ روشنی تو ہمارے نزدیک حرکت اور عرض ہے اور یہ اجسام ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ کے طبعی علوم (سائنس) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو جسم زمین پر گرتا ہے پہلے سکنڈ

ہیں اُسکے گرنے کی تیزی سولہ قدم اور کچھ کسر ہوتی ہے اور جب وہ آفتاب کی جانب گرے تو اُس کی تیزی پہلے سکنڈ میں چار سو پچاس قدم اور کچھ کسر ہوگی۔ پھر اسکے مابعد کی تیزی دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جسم کے ساقط ہونے کی تیزی پہلے سکنڈ میں جس قدر تھی اُس کو اُس عدد کے مربع کے ساتھ ضرب دے دیں جس عدد کے لحاظ سے آپ کو تیزی دریافت کرنا ہے مثلاً دوسرے۔ تیسرے۔ چوتھے سکنڈوں کی تیزی دریافت کرنے کے لیئے ۲۔۳۔۴۔ وغیرہ عددوں کے مربع کو علیحدہ علیحدہ پہلے سکنڈ کی چال میں ضرب دے دیں تو یہی حاصل ضرب جواب ؏ ہوگا۔ پس اس قانون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکت اجسام کی تیزی اس قدر زیادہ ہو سکتی ہے کہ عقل کو سخت حیرت ہو اسی ستارۂ مشتری کو دیکھیئے جس کی نسبت آپ لوگوں کی ہیئت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل اُس کی چال ہے یعنی توپ کے گولے سے بھی اسی ۸۰ درجہ تیز چنانچہ جتنی دیر میں انسان سانس لیتا ہے اُتنے عرصہ میں نو میل چل جاتا ہے اور اُس کی محوری گردش میں اُس کی سطحی اجزا کی تیزی چار سو اٹھ میل فی منٹ کے حساب سے ہے۔ حالانکہ وہ ہماری زمین سے بقول آپ کے یہاں کے ہیئت دانوں کے جن کے ساتھ دوسرے ہیئت داں بھی متفق ہیں ایک ہزار چار سو گیارہ گنا بڑا ہے پس وہ خدا جس نے اتنے بڑے اور کثیف جسم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اتنی دور و دراز مسافت کو اس قدر تھوڑی مدت میں قطع کر سکے

؏ مثلاً ہم کو چوتھے سکنڈ میں اُسی جسم کی تیزی دریافت کرنا ہے جس کی پہلے سکنڈ میں سولہ قدم چال تھی تو سولہ کو چار کے مربع یعنی سولہ میں ضرب دیں گے تو حاصل ضرب یعنی ۲۵۶ جواب ہوگا صورت یہ ہے ۲(۴×۴) = ۱۶×۱۶ = ۲۵۶ جواب ۱۲ مترجم

تو اس خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ فرشتوں کو بھی بہت ہی تھوڑی مدت میں
بہت کچھ مسافت کے قطع کرنے پر قادر کر دے اگرچہ یہ مسافت اُس مسافت
سے جیسے کہ ستارۂ مشتری قطع کرتا ہے بہت ہی کچھ زیادہ کیوں نہ ہو لیکن تاہم اس
ستارہ کی رفتار پر صحیح طور پر نظر کرنے سے اس بات پہ عقل کی کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے
کہ جس خدا نے اس ستارہ کو اس قدر تیزی سے چلا رکھا ہے اس جنس کے بڑے
سے بڑے عمل پر بھی وہ قادر ہے خصوصاً جبکہ گرنے والے اجسام کے قانون نے
حرکت اجسام کی تیزی کی بے حد زیادتی اور بھی صاف طور پر ظاہر کر دی ہو اور اگر آپ
کہیں کہ مشتری کی رفتار تو بذریعۂ قوت کشش کے ہے جیسا کہ ہمارے علوم میں اس
کی تفصیل موجود ہے اور اسی طرح گرنے والے اجسام کی تیزی بھی اسی کشش کا نتیجہ
ہے تو میں کہوں گا کہ پھر وہ قوت کشش ہے کیا چیز جس کا نام لے کر آپ ہمیشہ ڈینگ
مارا کرتے ہیں۔ اور اُس کی جانب کائنات میں بڑے بڑے اعمال منسوب کرتے
ہیں حالانکہ آپ کو نہ اُس کی حقیقت معلوم ہے اور نہ آپ یہی بتا سکتے ہیں کہ وہ اجسام
میں کیوں قائم ہے اور اس کا کیا سبب ہے غایت سے غایت آپ ان حوادث
کائنات کی وجہ بتانے کے لئے جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے جیسے کہ نظام
شمسی وغیرہ اُس کے قائل ہو گئے ہیں اور اُس کے ثبوت کے تسلیم کر لینے کی تقدیر
پر بتایئے تو سہی کہ اُسے ایجاد کس نے کیا اجسام کا خاصہ کس نے بنا دیا اور کائنات
میں اتنے بڑے اعمال اُس سے کس نے لئے کیا اُس خدا کے علاوہ کوئی دوسرا
ہو سکتا ہے جس نے کائنات کو عدم سے ایجاد کر دیا اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور کامل انتظام
پر بنایا۔ پس جب یہ خدا قوت کشش کی ایسی چیز کے ایجاد کرنے اور اس سے ایسے

ایسے اعمال کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ اس سے کب عاجز رہ سکتا ہے کہ ملائکہ
(فرشتوں) کو اتنی بڑی مسافت کے بہت ہی تھوڑی مدت میں قطع کرنے پر قادر کرے
خواہ کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے جو اُن میں اُس نے رکھا ہو یا بلا کسی قانون
کے کیونکہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے اور اُس کی قدرت عظیمہ کچھ ہی کیوں نہ ہو سب
کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رہا آسمانوں کا فرشتوں سے بھرا ہوا ہونا تو اس میں کوئی
بھی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ بھی منجملہ مخلوقات خداوندی کے ہیں جن کو اُس نے
انھیں آسمانوں ہی میں سکونت پذیر کر دیا ہے جیسے کہ کائنات ارضی کو زمین میں ساکن
کر رکھا ہے اور جیسے کہ کروڑوں ہی حیوانات جو خوردبین سے معلوم ہوتے ہیں ایک قطرۂ
پانی میں ساکن بنائے ہیں اور اُس کی قدرت بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز
سب کے ساتھ مساوی نسبت رکھتی ہے کسی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور آپ
اور آپ کے علاوہ اور لوگوں میں سے بہتیرے ہیئت والوں کا یہ گمان ہے کہ ان ستاروں
میں انسان کی طرح بڑے بڑے کام کرنے والی کائنات موجود ہے جن کے وجود پر اُن کے
اعمال کے آثار سے جو بذریعہ بڑی بڑی خوردبینوں کے خیال میں آتے ہیں استدلال کرتے
ہیں۔ وہ آثار یہ ہیں جیسے راستوں کا مفتوح ہونا اُس میں کچھ گڑھے سے معلوم ہونا
وغیرہ۔ پس اس بیان کے بعد آسمانوں میں ملائکہ کے موجود ہونے اور اُن سے آسمانوں کے
پُر ہونے سے تعجب ہی کا کون موقع ہے اور اگر آپ یہاں بھی یہی کہیں کہ جملہ گذشتہ امور
یعنی ملائکہ اور جن کے ثابت ہونے۔ اُن میں ان خواص کے پائے جانے اور آسمانوں کے
فرشتوں سے پُر ہونے پر پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا دلیل ہے تو یہاں بھی میں
یہی کہوں گا کہ ان سب چیزوں پر اُن کی دلیل اُن کی شریعت کی نصوص ہیں جن کے

ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناطق ہوئے ہیں اور وہ سچے ہیں اور اُن کے سچے ہونے
کی تصدیق اُن کی رسالت کے قطعی دلائل سے ثابت ہو جانے سے ہو چکی ہے۔ یہی امر ہے
جس نے انہیں اس کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا ہے اور یہ سب کچھ عقلاً ممکن ہے جس کے ماننے
سے کوئی محال نہیں لازم آتا اس لئے وہ بلا کسی تاویل کے اُس کے ساتھ ایمان لے آئے۔

روح کا وجود | رہا یہ امر کہ انسان میں ایک جان ہے جسے روح کہتے ہیں اور وہ اسکے
بدن کے علاوہ ہے اور اُس کو بدن سے ایسا تعلق ہے جس کی وجہ سے اُس میں حیات پیدا
ہوتی ہے اور جب وہ اُس سے جُدا ہو جاتی ہے تو اُس کو موت آ جاتی ہے اور یہ کہ بدن
سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اُسے ادراک ہوتا ہے اور الم حاصل کر سکتی ہے
اور یہ کہ انسان کو مرنے اور فناء ہونے کے بعد خدا تعالیٰ پھر لوٹائے گا اور اُسکے ساتھ دوبارہ
روح کا تعلق پیدا کر دے گا اور اُس نے جو اپنی زمینی زندگی کی مدت میں اچھے عمل کئے ہونگے
اُن کی جزا دے گا اور بُرے عمل پر اُن کی سزا کرے گا اور جس وقت بدن کے ساتھ روح کا
تعلق ہوتا ہے اور اُس میں حیات قائم ہوتی ہے اُس وقت لذت اور الم مجموعہ روح اور
بدن کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور یہ کہ باقی حیوانات کی بھی انسان ہی کی طرح ارواح ہوتی ہیں
اور انہیں اتنا ادراک حاصل ہوتا ہے جتنا کہ انہیں اپنی زندگی بسانے کے لئے کافی ہو البتہ
اتنا ادراک اور اتنی عقل اُن کو نہیں حاصل ہوتی جتنی کہ انسان کو ہوتی ہے چنانچہ اسی لئے
خدا کی عبادت کی تکلیف انسان کو دی گئی ہے نہ باقی حیوانات کو پس میں کہتا ہوں جب آپ
نے امور مذکورہ کی تصدیق سے اس بنا پر انکار کیا کہ آپ کے علوم سے محض شکل انسانی ہی کا
پتہ لگ سکا اور اُسکے سوا کسی چیز کو جسے کہ روح آپ نہ جا سکے علیٰ ہذا القیاس حیوانات
میں بھی آپ ارواح کو نہ دریافت کر سکے تو سُنئے کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بات

متفق ہیں کہ ہر انسان کے ایک روح ہوتی ہے جسے کہ اُسکے بدن سے تعلق ہوتا ہے
لیکن ہاں اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے پس بعضوں نے
تو اُس میں خوض ہی نہیں کیا اس لئے کہ صاحب شریعت سے اُس پر کوئی دلیل نہیں وارد
ہوئی تھی ان لوگوں کے طریق پر اُن شرعی نصوص کے تصدیق کرنے کے لئے جو روح کے وجود
پر دلالت کرتی ہیں صرف یہی اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ ہر انسان کے روح ہوتی ہے اور
وہ ایک موجود شے ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور اُسکے وجود کے قائل
ہو جانے سے عقل کے ذرا بھی خلاف نہیں لازم آتا۔ رہا اس کا محسوس نہ ہونا یہ اُس کے
عدم کو مقتضی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ہم اُس کو اُس کی لطافت کی وجہ سے محسوس نہ کرتے
ہوں جیسے بہتر جن کے آپ لوگ قائل ہیں حالانکہ آپ نے کبھی اُسے محسوس نہیں کیا یا
اُس کے بہت باریک اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہم اُس کا ادراک نہ کر سکتے ہوں
جیسے کہ وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبین (مائیکراسکوپ) کے نظر آتے ہیں یا کسی اور وجہ
سے اور ان میں سے بعض لوگوں نے اُس کی حقیقت سے بحث کرنے میں خوض کیا ہے
چنانچہ بعض محققین نے کہا ہے (اور وہ شیخ نووی ہیں جیسا جوہرہ کے حاشیہ امیر میں ہے) کہ
روح کے بارہ میں جتنے اقوال ہیں سب میں زیادہ صحیح بعض محققین (یہ امام الحرمین ہیں) کا
یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف۔ شفاف بالذات زندہ جسم ہے جو اجسام کثیفہ میں اُسی طرح
رگ و پے میں سرایت کئے رہتا ہے جیسے کہ سبز شاخ میں پانی۔ پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ
بدن میں اُس کی جائے قرار معلوم نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کا مستقر پیٹ ہے بعض کہتے
ہیں قلب کے قریب ہے بعض کہتے ہیں قلب ہی ہے۔ پھر اُنھوں نے نفس
حقیقت انسان میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض کہتے ہیں (اور وہ جمہور متکلمین ہیں)

جیسا کہ رازی وغیرہ میں ہے) کہ انسان بدن ہی ہے لیکن ہاں اسکے روح ہوتی ہے (
جیسا کہ پیشتر گذر چکا) جو اُس کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور روح کے متعلق ہونے سے
خدا کے پیدا کرنے کے باعث سے بدن کو حیات حاصل ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ انسان
مجموعہ روح اور بدن کا نام ہے۔ اور بعض قائل ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے کہ انسان
فقط روح ہی ہے اور بدن صرف اُس کا قالب ہے۔ لیکن بعد اس کے سب اس بات
پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرنے اور اُن کے بدنوں کے فنا اور منتشر ہو جانے
کے بعد اُن کے بدنوں کو دوبارہ بنا کر انہیں ضرور زندہ کرے گا اور اُن کی ارواح کا اُن
کے بدنوں کے ساتھ تعلق پیدا کر دے گا اور اُن سے حساب لے گا۔ پھر اُن میں سے
بعض کو جنت یعنی جزا کے مکان میں داخل کر دے گا اور بعض کو جہنم یعنی سزا کے مکان
میں داخل کرے گا اور یہ دوبارہ زندہ کیا جانا اور جو اُس کے توابع ہیں سب کچھ اسلامی
دین کے قطعی اصولوں میں سے ہے جس پر اُن سب کا اجماع متفق ہو چکا ہے اور
اور یہ دین کے ضروری معلومات میں سے ہے یہاں تک کہ جو اُس کے ممکن ہونے
یا اُس کے واقع ہونے سے انکار کرے وہ اسلامی دین سے خارج ہو جاتا ہے شرعی
نصوص میں بکثرت مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے۔ اس پر دلائل قائم کئے گئے
ہیں عہ۔ اور ان نصوص کی تصدیق کرنے اور بعث مذکور دوبارہ زندہ کئے جانے)

عہ مترجم کہتا ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ اس مقام پر پہنچ کر ناظرین کو خیال پیدا ہو کہ قبل ثبوت
بعث کے تمام عالم کے فنا ہو جانے کو جس کو قیامت کہتے ہیں ذکر کرنا مناسب یا واجب
ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس فناء کا امکان چونکہ نہایت بدیہی تھا کیونکہ عالم کے ہزاروں
کائنات ہمارے مشاہدہ میں فنا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان کائنات فانیہ و دیگر

کے اعتقاد رکھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس بات کا اعتقاد کر لیا جائے کہ حساب کے لئے بدن کو اُس کے فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے اور ارواح کا اُن کے ساتھ مکرر تعلق پیدا کرنے کے ذریعہ سے بعث اور اُس کے توابع ضرور واقع ہوں گے اور یہ اعتقاد ایسے طریق پر ہونا چاہیے جس میں کوئی عقلی محال لازم نہ آئے بلکہ امکان عقلی کے دائرہ ہی میں رہے اور ظاہر ہے کہ جو شے عقلاً ممکن ہے وہ ضرور خدا کی قدرت کے تحت میں داخل ہے اُن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس دوبارہ پیدا

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۴۸) کائنات میں فرق ہی کیا ہے ممکن ہے کہ اسی طرح سب ایک روز فنا ہو جاویں اس لئے اس کا بالاستقلال بیان کرنا مصنف نے ضروری نہیں سمجھا بخلاف بعث بعد الموت کے اس میں کسی قدر خفا تھا اُس میں گفتگو شروع کر دی مگر زمانۂ حال کے خیالات کے موافق ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بحث سے بھی یہ کتاب خالی نہ رہے اس لئے اس کے متعلق ہم ایک مفید مضمون بطور حاشیہ کے نقل کرتے ہیں جس کو ہم نے فاضل حکیم محمد علی صاحب اڈیٹر "مرقع عالم" کی تقریر دلپذیر سے خلاصہ کیا ہے جس میں امکان سے گذر کر وقوع کو قریب بفہم کر دکھلایا ہے اب قیامت و بعث کا مضمون مکمل و مرتب ہو جاوے گا وہ مضمون مفید یہ ہے "آپ لوگ کہتے ہیں سائنس کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ انرجی (یعنی کسی کام کرنے کی قوت یا مدمقابل پر غالب آنے کی قوت جس کو قدیم فلاسفہ کی اصطلاح میں میل کہہ سکتے ہیں) کبھی ضائع نہیں جاتی اور جو چیز حرکت کر رہی ہے اگر اس کا کوئی روکنے والا نہیں ہے تو وہ ہمیشہ اسی طرح حرکت کئے جائے گی چنانچہ پروفیسر بل فور سٹیورٹ نے اپنی کتاب کنسرویشن آف انرجی (انرجی کبھی ضائع نہیں ہوتی) میں اس کو

(باقی صفحہ ۴۵۰ پر)

کئے جانے کی تفصیل اور اُس کی کوئی کیفیت بھی جو عقلاً ممکن ہو اُنہیں معلوم ہو کیونکہ
اُن کی شریعت کی جانب سے اُنہیں اُس کی تکلیف نہیں دی گئی لیکن جب اُن پر
اُن کے مخالفین نے جو بعث کے منکر ہیں اس قسم کے اشکالات وارد کئے جن سے
بدن کے دوبارہ پیدا کرنے میں بظاہر عقلی محالات لازم آتے ہوئے معلوم ہوئے تو اُن
کو ضرورت پڑی کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جانے اور اُس کی ممکن کیفیت کے بارہ میں اپنے
مخالفین کی تسکین کرنے کے لئے اُس کی تفصیل میں خوض کریں اور غور کرکے کوئی ایسی

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۴۹) خوب ثابت کیا ہے اس لئے زمین اور دیگر سیارے جس طرح
اب حرکت کر رہے ہیں۔ اسی طرح برابر حرکت کئے جائیں گے اور اسی کے بھروسہ پر آپ بڑے
دعوے سے کہا کرتے ہیں کہ جب انرجی ضائع نہیں جاتی اور حرکت میں رہنے والی چیز ساکن
نہیں ہو سکتی تو پھر کیونکر دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں آپ مانتے ہیں کہ زمین میں دو حرکتیں
ہیں ایک محوری[ع] یعنی روزانہ جس سے وہ چوبیس[۲۴] گھنٹے کے اندر ایک مرتبہ اپنے محور پر گھوم
جاتی ہے اور دوسری حرکت دوری یا سالانہ جس سے وہ سال بھر میں آفتاب کے گرد گردش
کر جاتی ہے اور یہ دونوں حرکتیں بوجہ رگڑ کے حرارت میں تبدیل ہوتی جاتی ہیں اور زمین
کی تیزی رفتار میں کمی آتی جاتی ہے۔ روزانہ حرکت میں کمی ہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ
مدّو جزر (جو ماہتاب کی کشش سے ہوتا ہے) کی حرکت یا رفتار زمین کی حرکت سے
(جو اپنے محور کے گرد ہے) خلاف ہے۔ اس وجہ سے زمین اور پانی میں بے انتہا رگڑ
پیدا ہوتی ہے جس سے پانی بالنسول اونچا ہو جاتا ہے اور یہ رگڑ اگرچہ زور میں گھومنے

ع محوری حرکت وضعی ہے اور دوری حرکت اینی ہے ۱۲ مترجم

ممکن کیفیت بیان کریں جس سے عقلوں کو تسکین ہو جاتے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشان نہ ہوں۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا چنانچہ جو اشکالات بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے پر مخالفین کی جانب سے اُن پر وارد کیے گئے ہیں اُن میں زیادہ تر مشہور یہ ہیں کہ "انسان اپنے مادہ کی وجہ سے انسان نہیں ہے۔ بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے اور انسانی افعال اُس سے صرف اُس کی صورت ہی کے پائے جانے کی وجہ سے صادر

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۵۰) والی زمین کی رفتار کو فوراً روک یا کم تو نہیں کر سکتی مگر ہاں رفتہ رفتہ اُس کے زور کو کم اور رفتار کو سست کرتی جاتی ہے ہمارے اس دعوے کا ثبوت اُن منجموں کی تحریرات سے آپ کو مل سکتا ہے جنھوں نے گذشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف کو اپنے حساب سے دریافت کیا اور اُس کا مقابلہ اگلی تاریخی کتابوں سے کیا کہ وہ کب پڑے تھے۔ اور ان دونوں مقابلوں سے یہ بات اُن کو معلوم ہوئی کہ گذشتہ زمانہ کے کسوف و خسوف اور حال کے کسوف و خسوف میں فرق ہے جس سے بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین کی روزانہ حرکت میں بہ نسبت سابق کے اب کمی ہے اور آخری نتیجہ اس رگڑ کا یہ ہوگا کہ اب چوبیس[۲۴] گھنٹے میں اپنے محور کے گرد دورہ کر جانے والی زمین آئندہ کبھی اس قدر زمانہ میں حرکت کر سکے گی جس قدر عرصہ میں کہ ماہتاب حرکت کرتا ہے یعنی انتیس[۲۹] دن بارہ[۱۲] ساعت چوالیس[۴۴] دقیقہ اور تین[۳] ثانیہ اور پھر رگڑ موقوف ہو جائے گی۔ سالانہ حرکت کی قوت میں کمی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلاء محال ہونے کا مسئلہ فلسفہ میں اچھی طرح مدلل ہو چکا ہے اور یہ امر بھی سائنس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ زمین اور

ہوتے ہیں۔ چنانچہ مادہ سے جب اُس کی صورت باطل ہو جائے گی اور مادہ اپنے اصول یعنی عناصر کی جانب لوٹ آئے گا تو سرے سے وہ انسان ہی نابود ہو جائے گا پھر جب اُسی مادہ سے انسان کی جدید صورت بنائی جائے گی تو اُس سے دوسرا انسان پیدا ہوگا نہ یہ کہ پہلا کیونکہ دوسرے میں پہلے انسان کا صرف مادہ موجود ہے نہ اُس کی صورت اور وہ قابل تعریف یا قابل مذمت اور مستحق ثواب یا عقاب اپنے مادہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنی صورت کی وجہ سے ہے پس لازم آتا

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۵۱) آفتاب کے مابین کوئی مادی چیز ضرور ہے جس کو ایتھر سے تعبیر کرتے ہیں اور جب ایسی مادی چیز موجود ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اُس میں اور گھومتی ہوئی زمین میں رگڑ پیدا ہو جس کے اثر سے زمین کی سالانہ حرکت میں بھی ضرور فرق واقع ہوگا۔ ایک دمدار ستارہ جس کو انکیز مارٹ کہتے ہیں جبکہ وہ غائب ہوتا ہے اور پھر جب وہ طلوع ہوگا ہم کو حساب سے اچھی طرح معلوم ہے لیکن آبزرویشن (مشاہدہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی حرکت گھٹتی جاتی ہے جس سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ یہ حیرت انگیز کمی اسی مادہ کی رگڑ کی وجہ سے ہے جو ہوا کی طرح سیاروں کے مابین میں واقع ہے یا وہ سیالے اُسکے اندر اُسی طرح حرکت کر رہے ہیں جس طرح پانی کے اندر مچھلیاں یہ رگڑ زمین کی حرکت کے مقابلہ میں گو بہت کم ہے۔ یہ کہنا چاہیئے کہ کوئی چیز نہیں لیکن دق کی حرارت کی طرح آہستہ آہستہ اپنا اثر کرے گی اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ کل سیاروں کی حرکت میں فرق آجائے گا اور حرکت کرنے کی انرجی (قوت) حرارت میں تبدیل ہو جائے گی۔ گو اس موقع پر پروفیسر بل فورٹ اسٹورٹ کی کتاب کنسرویشن آف انرجی۔ (باقی دیکھیں ص ۴۵۳)

ہے کہ جس انسان کو ثواب یا عقاب دیا جائے گا وہ نکوکار یا بدکار انسان نہ ہو بلکہ
ایک دوسرا انسان ہو جو مادہ میں اس کا شریک ہے۔ اور نیز یہ اعتراض کہ جب کوئی
انسان کسی انسان کو کھا جائے تو اس کی غذا بن جانے کی وجہ سے دونوں ایک ہو جائیں
گے۔ پس بعث کے وقت دو روح ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوں گی۔ اور
نیز یہ اعتراض کہ اکثر روئے زمین پر پرانے مُردوں کی لاشوں کے اجزا ہیں اور ان میں

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۵۲) (انرجی کبھی ضائع نہیں ہوتی) ہمارے ساکت کرنے کے لئے
کھول کر رکھ دی جائے گی مگر ہمارے دعوے کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ ہمارا مطلب
یہ نہیں کہ زمین کے حرکت کرنے کی انرجی ضائع ہو جائے گی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی انرجی
حرارت کے قالب میں بدل جائے گی اور پھر اس وسیع اور پُر فضا میدان یعنی دنیا میں ایسی
آگ برسنے لگے گی کہ کوئی جاندار جانبر نہ ہو سکے گا۔

انرجی کا حرارت کی صورت میں تبدیل ہو جانا گو نیوٹن کی آنکھ سے ضرور چھپا ہوا تھا اور
اس کے بعد بھی کچھ دنوں اس امر میں پس و پیش رہا کہ متحرک جسم کے رُک جانے پر انرجی
کیا ہوئی کہاں گئی۔ لیکن بعض بعض فلاسفروں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ نیوٹن سے پہلے
بھی بعض بعض کو اس امر کا شبہ سا تھا کہ شاید انرجی حرارت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر
تو یورپ کے محققین میں سے۔ سر ہمفری ڈیوی۔ بنجمن۔ ٹامسن۔ کاونٹ۔ کرمفرڈ۔ سی
کوئین۔ میر۔ کولڈنگ اور ہیرن کی تحقیقات نے اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح ثابت کر دیا
کہ انرجی واقعی حرارت کے قالب میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پس اسی بنا پر ہم بھی اس کہنے
پر مجبور ہیں کہ وہ انرجی جس پر تمام جاندار مخلوق کی حیات مبنی ہے اب خراب ہوتی جاتی

بہت کچھ کاشتکاری کی گئی درخت لگائے گئے اور اُن سے لوگوں نے غذا حاصل کی اور یہ غذا گوشت اور خون بن کر اُن کے بدن کا بھی جزء ہوگئی۔ پس ایک اصل اور ایک مادہ اتنے بہت سے آدمیوں کی صورتوں کے لئے کیونکر ہو سکے گا۔ فقط۔" ان اشکالات کے مقابلہ میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے دفع کرنے کے لئے اجمالاً یوں کہہ

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۵۳) ہے۔ حرارت تمام عالم میں پھیلتی جاتی ہے۔ اور سال بسال اس کو ترقی ہوتی جاتی ہے گو اس کا بڑھنا ابھی ہم کو محسوس نہیں ہوتا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آگے چل کر ایک ایسا وقت نہ آئے گا کہ اُس کے بڑھنے سے ہم اچھی طرح واقف نہ ہو جائیں گے۔ سر ڈبلو ٹامسن کہتے ہیں کُل یونیورس (عالم) ایک سسٹم (منتظم) ہے جس کی ابتدا تھی اور ختم ہوگا۔ اس لئے کہ زوال کی حالت ہمیشہ ایک حال پر اور ایک ہی حد پر نہیں ٹھہر سکتی۔" ہمارے زمانہ حال کے محققین سائنس میں سے پروفیسر گال اور ابرٹسن صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔" اگر ہم یونیورس کو ایک ایسا لیمپ فرض کریں جو نہیں جلا ہے تو شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے لیکن اگر اس کو مثل ایسے لیمپ کے خیال کریں کہ جو جلایا گیا ہے تو ہم کو اس کا پورا یقین ہے کہ وہ ازل سے نہیں جلتا ہے اور ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ گُل ہو جائے گا۔ دنیا کے مختلف مقاموں کی آبادی اور اُسکے کل کاموں کا مدار حرارت کے مختلف درجوں (ٹمپریچر) پر ہے جس کا اعتدال اس رقیق مادے پر منحصر ہے۔ جو آفتاب زمین اور سیاروں کے مابین بھرا ہوا ہے اور جو سیاروں کی مختلف حرکتوں کو رگڑ کر برابر کر رہا ہے مگر انرجی کے حرارت میں تبدیل ہونے سے جب اس ایتھر کا ٹمپریچر اپنی حد سے تجاوز کر جائے گا تو یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں رہے گی۔ نباتات کا

سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور اُس کی عظمتِ قدرت جن دونوں پر نہ اُس کے مصنوعات کے عجائب اُس کے افعال کے غرائب دونوں کے ذریعہ سے یقینی دلیل قائم ہو چکی ہے۔ اِن دونوں کے لحاظ سے بعث کا ایسے طور پر ہو جانا جس سے وہ محالات جو ان اشکالات میں لازم کئے گئے ہیں لازم نہ آئیں ذرا بھی مستبعد نہیں ہے اور بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ایمان لانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کسی ایسے طریق پر واقع ہو گا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے ہمارے لئے بالکل کافی ہے اپنے ایمان کے صحیح کرنے کے لئے ہمیں یہ ضروری نہیں کہ ہم اُس کی اُس کیفیت کو بھی بیان کریں جسے اللہ تعالیٰ اس میں جاری کرے گا ہمیں اس کا تفصیلی علم خدا کے حوالہ کرنا چاہیے لیکن عقل کی تفصیلی تسکین کرنے اور کمزور دین والوں کے خیالات پریشانی سے بچانے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ جسم کے جو اجزاء لوٹائے جائیں گے وہ سب اصلی اجزاء ہوں گے یعنی وہ اجزاء جو اوّل عمر سے آخر تک باقی رہتے ہیں نہ زائد اجزاء ایسا ہی اُس شبہ کے جواب دینے کے لئے جو ایک انسان کے دوسرے انسان کو کھا جانے کی بنا پر کیا گیا ہے جمع الجوامع اور اُس کے حاشیہ کمال سے نقل کر کے یواقیت میں اصلی اجزاء اور زائد اجزاء کا ماننا مذکور ہے۔

(بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۴۵۴) زمین پر کہیں نام نہ رہے گا کنوئیں سوکھ جائیں گے۔ دریاؤں میں خاک اُڑے گی اور پھر کل جاندار کیا چرند کیا پرند کیا انسان کیا حیوان سب مر کر رہ جائیں گے۔ سیاروں کے حرکت کرنے کی قوت (انرجی) جب حرارت میں تبدیل ہوتے ہوتے بہت کم رہ جائے گی تو اس کی حرکت کا آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ سب سیارے کسی وقت میں آفتاب سے لڑ جائیں گے۔ حشر بپا ہو جائے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑیں گے۔ ہستی کا یہ سارا طلسم ٹوٹ

انسان کے دو قسم کے اجزا ہوتے ہیں

اور اسی امر سے باقی شبہوں کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے جیسے کہ میں ابھی اُس کی تقریر کرتا ہوں پس کون امر مانع ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ جس کا علم وسیع اور قدرت نہایت ہی عظیم ہے انسان کے ان اصلی اجزاء کو متفرق ہونے اور اپنی صورت کے زائل کرنے سے محفوظ رکھے اور دوسرے حیوان کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں نہ داخل ہونے دے چاہے وہ زائد اجزاء کی ترکیب میں داخل ہو جائیں اسی طرح یہ اصلی اجزاء ان کے منتشر ہونے کے وقت اُن سے جدا ہو جائیں گے پھر بعث اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے وقت روح کا تعلق خدا انہیں اصلی اجزا کے ساتھ کردے گا اور اُن کے ساتھ کچھ زائد اجزا بھی ملا دے گا۔ عام ہے کہ یہ بعینہ وہی اجزا ہوں جو قبل موت کے ان اصلی اجزاء کے ساتھ منضم تھے یا دوسرے ہوں اور نعمت وعذاب کا احساس صرف روح اور انہیں اجزاء اصلیہ کو ہوگا۔ اس

(بقیہ صفحہ ۴۵۵) کیا انسان اور کیا دیگر حیوانات زمانۂ حیات میں سب کے بدن سے اجزاء تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور بجائے اُن کے بذریعہ غذا کے دوسرے اجزاء جزو بدن بنتے رہتے ہیں اب یہ تبدیلی یا تو تمام اجزاء میں ہوتی ہوگی یا صرف بعض میں تبدیلی ہوگی اور بعض اجزاء اوّل عمر سے آخر تک باقی رہتے ہوں گے اوّل تقدیر پر تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اگر کسی انسان کے سارے اجزاء بدل جائیں جب ہی وہ انسان دوسرا انسان نہیں بنتا بلکہ اُس میں صرف اُس کی روح کا اعتبار ہے اور ثانی تقدیر پر اصلی اور زائد اجزاء ثابت ہو جائیں گے بہرحال دونوں تقدیر پر انسان کا دوبارہ زندہ کیا جانا بلا تکلف ثابت ہوتا ہے ۱۲ مترجم

کیفیت پر یہ امر بخوبی صادق آتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ کرنا ہے کیونکہ روح کا اصلی
اجزاء کے ساتھ دوبارہ تعلق پیدا کیا گیا ہے بعد اس کے کہ اُن اجزاء سے روح کا تعلق
جدا ہو گیا تھا اور انہیں اصلی اجزاء میں حیات لوٹائی گئی ہے اور اُن کے ساتھ زائد
اجزا ملا دیئے گئے ہیں جن کے بعینہ اعادہ کرنے پر انسان کا اعادہ کرنا اور دوبارہ
زندہ کیا جانا موقوف نہیں پس اب نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس انسان کو نعمت یا
عذاب دیا جائے گا وہ اُس انسان کا غیر ہے جو قبل موت کے تھا اور نہ یہ کہ دو
روحوں کا ایک بدن کے ساتھ متعلق ہونا لازم آتا ہے اور نہ یہی کہ بہت سے آدمیوں
کے لئے صرف ایک ہی مادہ ہوگا بلکہ اصلی اجزاء کے ساتھ شخصی روح کے متعلق
ہونے کی وجہ سے جیسے کہ قبل موت وہ کوئی انسان تھا اُسی طرح بعث اور دوبارہ
زندہ کئے جانے کے وقت بھی اُسی روح کے اُنہیں اصلی اجزاء کے ساتھ متعلق
ہونے کی وجہ سے بعینہ وہی انسان رہے گا اور خدا کا علم اور اُس کی قدرت امر
کیفیت کو ایسے طور پر جاری کرنے کے لئے جس سے کوئی بھی محال نہ لازم آئے
کافی ہے چاہے یہ امر کسی قدرتی قانون کے ذریعہ سے انجام پائے یا بلا کسی
قانون کے اور ہمارا اُن کو نہ دیکھنا اُن کے واقع میں نہ ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ
احتمال ہے کہ ہم صرف زائد اجزاء کو مشاہدہ کرتے ہوں اور اصلی اجزاء خواہ اپنے
باریک اور چھوٹے ہونے یا اپنی لطافت کے باعث یا کسی اور وجہ سے ہمارے
مشاہدہ میں نہ آ سکتے ہوں اور کائنات میں تو بہت سے عالم ایسے ہیں جو ہمارے
حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہیں (جیسے گیس ایتھر وغیرہ) تو ممکن ہے کہ یہ بھی
اسی قبیل سے ہوں خلاصہ یہ کہ ہماری شریعت کی نصوص بعث اور دوبارہ زندہ

کئے جانیکے ساتھ ناطق ہیں اس لئے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امر ایسے طریق پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمارے ذمہ اُس کی تفصیلی کیفیت کا بیان کرنا ضروری نہیں اور اگر اس کی ضرورت ہی ہو تو ہمارے خیال میں ایسی ہی کیفیت جس کی ہم نے تقریر کی عقلوں کو تسکین بخشنے اور اشکالات کے دفع کرنے کے لئے بالکل کافی ووافی ہے۔ زیادہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اس مقام کی توجیہ اور توضیح ایسے طور پر ممکن ہے کہ جن شرعی نصوص پر اعتقاد کے بارہ میں مدار ہے اُن میں سے کسی کے بھی خلاف نہ پڑے اور اس مقام پر ضرورت ہے کہ میں امت محمدیہ کے علماء کا کچھ کلام اس کے پیشتر ذکر کردوں تاکہ اُس کے سمجھنے کے بعد یہ توجیہ اچھی طرح دل کو لگے۔

امام رازی کا اسبات پر استدلال کہ انسان بدن کا نام نہیں

پس سُنئے کہ شریعت محمدیہ کے علماء اکابر میں سے جس شخص نے اس بات پر کہ اصلی انسان اس ڈھانچہ کے علاوہ ہے استدلال کیا ہے (امام رازی ہیں اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کرتے ہیں) چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "اسبات کا تو ہمیں بدیہی علم حاصل ہے کہ بدن کے اجزاء کمی اور زیادتی کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ فربہ اور لاغر ہونے میں اور یہ بات بھی بالبداہت معلوم ہوتی ہے کہ تبدیل اور متغیر ہونے

عہ مقصود اس تقریر سے اپنے مقابل کو الزام دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات دکھلانا ہے کہ علماء امت محمدیہ کی کیا رائے ہے تاکہ آگے چل کر جو احتمالات ممکنہ بیان کئے جاویں اُس میں شبہ مخالفت رائے علماء امت کا نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲

والی شے (بدن) ثابت اور باقی رہنے والی شے (انسان) کے مغائر ہے اور
ان دونوں باتوں کے ملانے سے اس کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے کہ انسان اس
مجموعی بدن کا نام نہیں ہے پھر انہوں نے کہا ہے کہ انسان کبھی زندہ رہتا ہے
باوجودیکہ بدن مردہ ہو جاتا ہے۔ پس ضرور ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر ہو اور
جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے صحیح ہونے کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے "ولاتحسبن
الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموانا بل احیا ہم عند ربہم یرزقون" یعنی اور جو لوگ خدا
کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو ہرگز مردہ نہ خیال کر بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں اپنے رب کے
پاس رزق ملتا ہے۔ پس یہ نص اس بارہ میں صریح ہے کہ یہ مقتول زندہ ہیں حالانکہ
بذریعہ حس بدن مردہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ انسان مرنے
کے بعد زندہ کیا جاتا ہے اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے،
"انبیاء اللہ تعالے لایموتون ولکن ینقلون من دار الی دار یعنی خدا تعالیٰ کے نبی نہیں
مرتے لیکن ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیے جاتے ہیں" علیٰ ہذا القیاس
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من
حفر النار یعنی قبر یا تو باغات جنت میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا آگ یعنی دوزخ
کے خندقوں میں سے ایک خندق" پس یہ جملہ نصوص اس بات پر دال ہیں کہ
انسان بدن کے مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے حالانکہ بداہت عقل اور فطرت دونوں
اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ بدن مردہ ہے اور اگر ہم اس کا اسی حالت میں زندہ
ہونا جائز رکھیں تو اس طرح کی زندگی تمام جمادات میں ہو گی۔ اور یہ نرا دھوکا ہے
اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان زندہ اور بدن مردہ ہے تو لازم آیا کہ انسان

بدن نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔ پھر انہوں نے کہا ہے کہ شرعی نصوص سے جن لوگوں کا مسخ ہو جانا معلوم ہوا ہے اُن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ حالت مسخ میں وہ انسان باقی رہا یا نہیں پس اگر نہیں باقی رہا تو یہ اُس انسان کو مار ڈالنا اور اُس حیوان کو جس کی جانب وہ مسخ ہوا تھا از سر نو پیدا کرنا ہوگا حالانکہ مسخ اسے نہیں کہتے اور اگر ہم کہیں کہ مسخ ہو جانے کی حالت میں بھی وہی انسان زندہ ہے تو اس تقدیر پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی انسان اور وہی بدن باقی ہے البتہ وہ ہیکل اور شکل نہیں رہی پس ضروری ہوا کہ انسان اس بدن کے مغائر کوئی شے ہو۔

پھر انہوں نے کہا ہے کہ واجب ہے کہ انسان کے لئے صاحب ادراک عقلی ہونا ضروری اور ادراک عقلی قلب ہی میں حاصل ہوتا ہے نہ کہ بدن میں پس انسان کسی ایسی چیز کا نام ہونا چاہیے جو قلب میں موجود ہو اور جب یہ ثابت ہوا تو اس بات کا قائل ہونا کہ انسان اسی ہیکل اور اسی بدن کو کہتے ہیں باطل ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس پر کہ انسان کو علم ہوتا ہے اور نیز اس پر کہ وہ قلب میں ہوا کرتا ہے استدلال کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

جس آیت میں اولاد آدمؑ سے عہد لینے کا ذکر ہے اس کی تفسیر

پھر جاننا چاہیے کہ قرآن شریف کی نصوص میں خدا کا یہ قول وارد ہوا ہے "واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علیٰ انفسہم۔ الست بربکم قالوا بلیٰ شہدنا" جس کا ترجمہ یہ ہے "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن کے نفسوں پر اُنہیں کو شاہد بنا کر کہا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگے بیشک (تو ہمارا پروردگار ہے) ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔" اور

اس نص کی تفسیر حدیث میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر منقول ہے یہ وارد
ہوئی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی کل اولاد کو ذرہ کی ہیئت پر اُن کی پشت
سے نکالا۔ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض علماء نے اس مقام پر کہا ہے
(جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے) کہ اللہ
تعالےٰ نے پہلے آدمؑ کی اولاد ذرہ کے مانند اُن کی پشت سے نکالی پھر اُن ذرّوں سے جو
آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے تھے اُن کی اولاد کو ذروں کے مانند نکال لیا پھر اُن
ذرّوں میں سے بھی اُن کی اولاد کو ذروں کے مانند نکالا پھر اسی طرح یہ سلسلہ نوعِ انسانی کی
انتہا تک چلا گیا۔ پھر اُن سب میں عقل۔ فہم۔ حرکت اور گویائی کو پیدا کر کے انہیں اپنے
قول "الست بربکم" کے ساتھ خطاب کیا اس کے جواب میں سب نے بلیٰ (بیشک)
یعنی تو ہمارا رب ہے کہا اس کے بعد سب کو آدم کی پشت میں پھر داخل کر دیا اور
بعض نے کہا ہے کہ اس میں اب دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ذرے خود منی بن
گئے ہوں۔ دوسرا یہ کہ وہ ذرے اپنی اصلی حالت پر محفوظ ہوں اور جس مادۂ منویہ سے
انسان کی تخلیق ہوتی ہے اُس مادہ میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہوں۔ اور حقیقت
حال کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے (ایسا ہی جمل میں بالاختصار مذکور ہے) اور بعض
نے کہا ہے (جیسا کہ جمل میں شعرانی سے منقول ہے) کہ فہم کے قریب تر جیسا کہ کہا
گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اُن کی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت
سے بالوں کے مسامات کی راہ سے نکال لیا پھر یہ کہا ہے کہ انہوں نے گویائی
کے ذریعہ سے جواب دیا اور وہ اس حالت میں صاحب عقل اور زندہ تھے کیونکہ عقل
کے نزدیک یہ امر محال نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باوجود اس قدر چھوٹے

ہونے کے حیات اور عقل دے دی ہو (میں کہتا ہوں کہ جس نے وہ حیوانات جو بذریعہ مائکرواسکوپ (خوردبین) کے نظر آتے ہیں دیکھے ہوں گے اور نیز یہ کہ جس قدر ادراک اُنہیں حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق کے حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں اُن میں توالد وتناسل ہوتا ہے۔ ایذا رساں چیزوں سے بچتے ہیں اُن کی راہ میں اگر کوئی دوسرا آجاتا ہے تو وہ کترا جاتے ہیں۔ تو اُسے تو اس امر میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا اور خدا کے علم و قدرت کو لحاظ کر کے اس کو ذرا بھی مستبعد نہ سمجھے گا) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کی صورت پر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذُرّیت کا لفظ فرمایا ہے ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور ذریت کا اطلاق اُنہیں پر آیا کرتا ہے جن کی صورت بھی بن چکی ہو پھر کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ خدا نے اُن کو زندہ نکالا ہے کیونکہ اُن کو ذریت کہا ہے اور ذریت زندوں ہی کو کہا کرتے ہیں اس لئے احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے باپوں کی پشت کی تاریکی میں اُن میں ارواح داخل کر دی ہوں اور دوسری مرتبہ اُن کی ماؤں کے پیٹ کی تاریکی میں اُن میں ارواح پیدا کریگا اور تیسری مرتبہ اُس حالت میں جبکہ زمین کے اندر کی تاریکی میں ہونگے یہی خدا کے اس قول خلقاً من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث" کا مطلب ہے (یعنی تین تاریکیوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا) خدا کی عادت اسی طرح جاری ہوئی ہے پھر کہا ہے۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُنہیں جب آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹایا تو اُن کی روحوں کو قبض کر لیا جو کچھ وہ مرنے کے بعد زمین میں لوٹانے کے وقت کیا کرتا ہے اُس کا قیاس اُسی کو مقتضی ہے کیونکہ وہ اُن کی روحوں کو قبض کر لیا کرتا ہے اور زمین میں اُن کو لوٹا دیتا ہے۔ انتہیٰ باختصار (شعرانی کا قول باختصار تمام ہوا) اور مشہور اماموں میں سے بعض نے (امام ابوطاہر اپنی کتاب سراج العقول میں لکھتے ہیں جیسا کہ شعرانی

کی کتاب الیواقیت سے معلوم ہوتا ہے) سابق الذکر شبہوں کے جواب میں جو بعث پیدا ہوتے ہیں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو ذرہ پہلے زمین سے لیا گیا تھا ہر انسان میں باقی رہتا ہے کبھی نہیں بدلتا اور وہ وہی جزء ہے جو قائم رہتا ہے اور جس سے کہ عہد لیا گیا تھا (یعنی جیسا کہ ذروں کے خطاب کرنے کی آیت میں ہے جو پیشتر گذری) اور قبر میں اُسی پر سوال متوجہ ہوتا ہے اور وہی جواب کا ذمہ وار بنتا ہے اس طرح کہ اُس میں روح لوٹا دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اور اخبار سے معلوم ہوتا ہے پھر اُسی کے ساتھ باقی اجزاء جہاں جہاں ہوں گے خداوندی قدرت سے مل جاویں گے یہاں تک کہ پورا آدمی بن جاوے گا جیسا کہ دنیا میں تھا یہ ایسی بات ہے کہ نہ عقل اس کی مخالف ہے نہ شرع انتہی بعض اختصار (امام ابوطاہر کا قول بھی قدر اختصار کے ساتھ تمام ہوا) پس یہ دلائل جنھیں کہ اس عالم (رازی) نے اس بات پر قائم کیا کہ انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں ہے اور میں نے انہیں نقل کیا اور سابق الذکر آیت کی تفسیر جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کا لیا جانا مذکور ہے اور جو کچھ کہ اس بارہ میں بعض علماء اسلام (خازن اور شعرانی جیسا کہ ہم سے پیشتر منقول ہو چکا) کی جانب سے کہا گیا ہے اور وہ تقریر جسے کہ اس اسلامی عالم (ابوطاہر) نے اُن شبہوں کے رد کرنے کے لئے جو بعث پر وارد ہوتے ہیں بیان کیا اور جس کی نسبت یہ ذکر کیا کہ عقل اور شرع اس کے مخالف نہیں جب ہم ان سب کو خیال کر کے سمجھتے اور نظر دقیق سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہے کہ ان اجزاء اصلیہ کی تفسیر انہیں ذرات کو ٹھہرائیں جن کی نسبت پیشتر گذر چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالے گئے تھے اور اُن سے عہد لیا گیا تھا سو اُن کو یہ کہنا بھی ممکن ہے

کہ یہ ذرّے ہر انسان کے کچھ اصلی اجزاء ہیں اور باقی بدن سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زائد اجزاء کا بنا ہوا ہے جو آتے جاتے اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں پس حقیقی انسان جو مخاطب اور مکلف ہے اور جو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جسے نعمت ملے گی یا جسے عذاب ہوگا یہ وہی ذرے مع روح کے ہیں جو اُن میں حلول کرتی ہے اور انسانی ہیکل جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ زائد اجزاء ہیں اور اعادہ اور دوبارہ پیدائش کے متحقق ہونے کے باب میں اُن کا کوئی اعتبار نہیں ان اجزاء زائدہ میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ وہ بعینہٖ اعادہ کئے جائیں یا اُن کے مثل اور اجزاء ملا دیے جائیں بلکہ اعادہ کی تحقیق میں جن کا اعتبار ہے وہ صرف اصلی اجزاء ہیں جن پر سوائے اس کے اور کوئی حالت طاری نہیں ہوتی کہ روح اُن سے نکل جاتی ہے اور زائد اجزا اُن سے جُدا ہو جاتے ہیں اور بعث میں اُنہیں کی جانب روح لوٹا دی جائے گی اور زائد اجزاء اُنہیں کے ساتھ ملا دیے جائیں گے۔ اور پیشتر گذر چکا ہے کہ بعض لوگ روح کے بیان کرنے میں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ ایک موجود شے ہے۔ اس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور بعض اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک لطیف شفاف اور بالذات زندہ جسم ہے اور کثیف اجسام میں اس طرح رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے جیسے کہ سبز لکڑی میں پانی۔

اہل سائنس کے علوم کے موافق بعث اور نشر کی تقریر

پس جملہ امور مذکورہ کی بنا پر اس مقام کی ایسی تقریر کرنا ممکن ہے جس سے بعث۔ سوال قبر اور اسی کے مثل اور شرعی امور پر جو شبہے وارد ہوتے ہیں سب دفع ہو جائیں اور کمزوروں کے خیالات پریشانی سے محفوظ رکھے جا سکیں۔ پس یوں کہا جائے کہ اس سے کونسی

شے مانع ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو لطیف مادہ کے اجزائے فردہ سے جیسے کہ ایتھر کا مادہ جس کے موجود ہونے کے آپ قائل ہیں ایسی ترتیب اور ایسی کیفیت وضع پر بنایا ہو جس سے روح کی نسبت جتنے خواص ذکر کئے جاتے ہیں اور شرعی نصوص سے سمجھے جاتے ہیں سب حاصل ہو جائیں اور وہ خواص یہ ہیں کہ وہ (روح) اپنے نفسہ اور خود زندہ ہے یعنی اس کے ساتھ کسی دوسری شے کے ملانے کی ضرورت نہیں جس سے کہ وہ زندہ ہو جاوے اور یہ کہ وہ صاحب ادراک ہے اور جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو اُسے بھی حیات ۔ ادراک ۔ اور زندہ شے کے اور باقی صفات سے موصوف کر دیتی ہے اور اس میں یہ سب خواص آجاتے ہیں ۔

روح کی مثال مقناطیس کی سی ہے

(جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ فولاد کے ساتھ رگڑ دینے سے اُس میں لوہے کے کشش کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے) اور وہ (روح) باوجود ان سب باتوں کے ایک نہایت ہی چھوٹا ذرہ ہے جس کو ہمارے حواس ادراک نہیں کر سکتے پھر اور اجزاء فردہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرے ایسی کیفیت پر بنائے ہوں جو اپنے ساتھ روح کے متعلق ہونے کے وقت حیات اور ادراک وغیرہ اُس کے باقی خواص کو حاصل کر لیتے ہوں اور اُن ذرات کے لئے خدا نے انسانی اعضاء بھی بنائے ہوں جیسے کہ اُن حیوانات کے اعضاء ہوتے ہیں جو مائکراسکوپ (خورد بین) سے نظر آتے ہیں اور یہی اصلی اجزاء ہوں جن کا پیشتر ذکر ہو چکا پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ہیکل کو زائد اجزاء سے بنایا ہو اور اُن کی ہیکل میں کہیں پر اُن کے اس (ذرہ) جزء اصلی کو بھی رکھ دیا ہو اور احتمال ہے کہ وہ مقام تمام ہیکل میں سے قلب ہی ہو اور یہی قریب تر معلوم ہوتا ہے (اور علم فزیالوجی جاننے والوں کی

عبارت عنقریب آتی ہے۔ جس سے اُس کے لئے قلب ہی کا مرکز ہونا فہم کے قریب
ہو جاتا ہے) پھر اُن کی (آدم کی) ساری اولاد کے ذرّوں کو اُن کی ہیکل کی پشت میں
رکھ دیا ہو اور اس میں ان کروڑوں ہی ذرّوں کی گنجائش ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں کیونکہ
پانی کے ایک چھوٹے سے قطرہ میں اتنے حیوانات مائکراسکوپ (خوردبین) سے نظر
آتے ہیں جن کا شمار روئے زمین پر کے سارے موجودہ آدمیوں کے برابر ہوگا جیسا کہ آپ
لوگ کہتے ہیں۔ پس اس سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ اُن کی پشت میں جمیع بنی آدم
کے ذرّے جو دنیا کی مدت میں پائے جائیں گے سما گئے ہوں)۔ پھر خدائے پاک نے آدم
علیہ السلام کی روح کو اُن کے ذرہ (جزء اصلی) میں جو اُن کی ہیکل کے اندر تھا داخل کر دیا
ہو اور وہ اس میں حلول کر گئی ہو۔ اور عجیب نہیں کہ قرآن شریف میں خدا کے اس قول
سے (ونفخت فیہ من روحی یعنی میں نے اُس میں اپنی روح پھونک دی) اسی کی طرف
اشارہ ہو اور اس قول میں روحی (اپنی روح) سے مراد وہ روح ہو جس کے نئی طرح پر
پیدا کرنے اور اُس کی پیدائش کی حقیقت کے شناخت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ منفرد ہے
پس اس ذرہ (جزء اصلی) میں اُس حلول کرنے کے وقت حیات پیدا ہو گئی ہو اور پھر
ساری ہیکل میں سرایت کر گئی ہو کیونکہ خدائے پاک نے اس ہیکل کو اس استعداد کے ساتھ
پیدا کیا تھا پھر اُس کی پشت سے بنی آدم کے سارے ذرّوں کو نکالا ہو اور ان میں اُن کی
روحیں داخل کر دی ہوں جس کی وجہ سے وہ زندہ صاحب ادراک بن گئے ہوں اس کے
بعد اُن سے خطاب کیا ہو اور عہد لے لیا ہو پھر اُن کی روحوں کو اُن سے جدا کر کے حضرت
آدم علیہ السلام کی پشت میں لوٹا دیا ہو اور مسامات کی راہ سے اُس میں داخل کر دیا ہو
جس طرح اُن سے نکالا تھا اور اسی طرح تو امراض کے کیڑے بدن میں داخل ہو جاتے ہیں

اور انہیں سے نکل آتے ہیں جیسے کہ آپ لوگ نکلتے ہیں۔ پھر ان روحوں کو عالم میں جہاں چاہا وہاں محفوظ رکھا۔ پھر یہ ذرے حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ منویہ میں جماع کے وقت اُن کی زوجہ کے رحم میں آنے لگے اور اُن کی زوجہ کے تخم میں حلول کرنے لگے۔ پس اُن کا ہیکل بعینہ اُن تخموں سے منی کے ساتھ مل کر بننے لگیں اور خدا اس کو طرح طرح پر متغیر کرتا رہا یہاں تک کہ ہیکل انسانی کی صورت بن گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا پہلا ذرہ جو اُن کی زوجہ کے تخم کی جانب منتقل ہوا تھا اُس کے ساتھ ہی وہ سب ذرّے بھی منتقل ہو کر چلے آئے ہوں جن کا سلسلہ توالد اس ذرہ سے چلنے والا ہوگا پھر اس بیٹے ذرہ کی ہیکل سے جونہی نکلی اُس کے ساتھ بھی یہ ذرے اسی طرح منتقل ہوتے رہے اور یہی کیفیت اُن کی اور اُن ذرّوں کی باقی اولادیں جاری رہی اور اس دنیا کے اختتام تک یہی کیفیت رہے گی اور شاید اللہ تعالیٰ کے اس قول (وتقلبک[ف] فی الساجدین) میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے بعض کی تفسیر کے موافق اسی جانب اشارہ ہو پس اس قول کا یہ مطلب ہو جائے گا۔ آپ باپوں کی پشت اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے رہے اور ہر ہیکل جب ایک محدود حد تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو بھیج دیتا ہے پس وہ اپنے ذرّہ میں حلول کرتی ہے اور اُس میں اور اُس ہیکل میں حیات اور حرکت کا سریان ہو جاتا ہے پس انسان روح اور اس ذرّہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اسی ذرّہ کو پیران محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصلی اجزاء کہتے ہیں اور یہ تمام عمر باقی رہتا ہے اور یہی بعد مرنے کے روح کے عود کرنے سے بحکم خدا زندہ ہو جائے گا اور جن سے کہ ہیکل بنی ہے وہ محض زائد اجزاء ہیں جو شب و روز بدلتے اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں پس جب اللہ تعالیٰ

[ف] اور دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں ۱۲ مترجم

کسی انسان کی موت کا ارادہ کرتا ہے تو اُسکے ذرہ سے اُس کی روح کو جدا کر دیتا ہے
اس طرح پر اُس سے اور نیز اُس کی ہیکل سے جو زائد اجزاء سے بنی ہے حیات زائل
ہوجاتی ہے اور اس ذرہ اور ہیکل دونوں کو موت آجاتی ہے اسکے بعد ہیکل منحل ہونے لگتی
ہے اور اس کا پراگندہ ہوجانا اور کسی دوسرے کی ترکیب میں داخل ہونا وغیرہ جو کچھ ہونے
والا ہوتا ہے ہوتا رہتا ہے اور وہ ذرہ زمین کی تہوں میں محفوظ رہتا ہے جیسے کہ سونے
کے ذرے بوسیدہ اور منحل ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور کسی حیوان کی ترکیب میں وہ
داخل بھی ہوجاتا ہے تو وہ صرف اُس کی ہیکل کی ترکیب میں جو زائد اجزاء سے بنتی ہے
داخل ہوتا ہے اور تاہم وہ منحل ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور جب یہ ہیکل منحل ہوجاتی
ہے تو وہ ذرہ پھر اس سے علیحدہ ہوکر زمین کی تہوں میں محفوظ ہوجاتا ہے اور اس حیوان
کے اصلی اجزاء کی ترکیب میں داخل نہیں ہوتا غایت سے غایت اس ذرہ پر موت کی وجہ
سے جو تغیر طاری ہوتا ہے وہ اُس کی روح کا اُس سے جدا ہوجانا اور اُس کی ہیکل کا منحل
ہوجانا ہے اور جب خدا اس ذرہ کو زندہ کرنا چاہے گا تو اُس کی روح کو پھر اُس میں داخل
کردے گا پس اُس میں حیات اور روح کے باقی خواص آجائیں گے اگرچہ اس کی ہیکل منحل
کیوں نہ ہوگئی ہو اور اس موقع سے قبر میں سوال ہونے نعمت اور عذاب کے دیے جانے
اور اسی کے مثل اور اُن برزخی امور پر جن کی نسبت شرعی نصوص وارد ہیں جو شبہے کیے
جاتے تھے سب حل ہوگئے اور شریعت سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور قبل
بعثت ہوتے ہیں اُس کی صورت بھی سمجھ میں آگئی - پھر جب اللہ تعالیٰ حساب و کتاب کے
لئے ساری خلق کو اٹھائے گا تو ان انسانی ذروں کی ہیکلوں کو جو کہ زائد اجزا سے بنی
تھیں دوبارہ بنائے گا خواہ یہ ہیکل اُنہیں اجزا سے بنے جن سے کہ موت کے پہلے بنی

تنی یا دوسرے اجزاء سے کیونکہ دارو مدار تو ان اصلی ذرّوں کے نہ بدلنے پر ہے زائد اجزاء
چاہے بدلیں یا نہ بدلیں۔ اور ان ذرّوں کو ان ہیکلوں میں داخل کر دے گا اور چونکہ ان
ذرّوں کے ساتھ روح متعلق ہو چکی ہو گی اس لئے اس میں اور ان ہیکلوں میں حیات پیدا
ہو جائے گی اور آخرت و قیامت میں لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے جیسے کہ ہم نے بیان کیا
اور ساری مذکورہ باتیں ممکن ہیں کہ انسان کے علاوہ باقی حیوانات میں بھی اسی تفصیل
سے واقع ہوں اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی وسعت علم اور عظمت قدرت اور کائنات
میں ان دونوں کے آثار کو خیال کرتے ہیں تو ہمیں ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی
شے بھی مستبعد نہیں معلوم ہوتی خواہ یہ ساری کارروائی اُن قوانین قدرت کے ذریعہ سے
جن کو اللہ تعالیٰ نے اُن میں اسی غرض سے رکھ دیا ہو اور جن کے موافق یہ سارے
اتصالات و انفصالات اور زائد اجزاء کے تکونات حاصل ہوتے ہوں انجام پائے
یا بلا کسی قانون کے۔ اور اے اہلِ سائنس جب آپ اُن باتوں میں جن کے کہ آپ
حیوانات کے غایت درجہ چھوٹے ہونے۔ قطرہ بھر پانی میں اُن کے بکثرت پائے جانے
اُن کی حیات۔ حرکت اور اپنی ضروریات زندگی کے ادراک کرنے اور اپنے آپ کو محفوظ
رکھنے کے بارہ میں مائکرو اسکوپ (خورد بین) کے ذریعہ سے تحقیقات کر کے قائل ہیں
غور کریں گے تو آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ اس بات میں کوئی تعجب اور کسی قسم کا استحالہ
نہیں کہ انسان کے ذروں میں حیات اور سارے خواص حلول کریں۔ اور یہ کہ جتنے
خواص روح کی نسبت بیان کئے گئے ہیں وہ سب اُس میں پائے جائیں اور جب
آپ اس بات میں تامل کریں گے کہ انسانی ہیکل میں نہایت کثرت سے مسامات
موجود ہیں حتیٰ کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ ایک بالشت میں چالیس لاکھ مسامات پائے

جاتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اِن ذرّوں کے نکلنے اور اُس میں اُن کے
دوبارہ داخل کئے جانے میں آپ کو ذرا بھی استبعاد نہ ہوگا اور امراض کے کیڑوں کا
(جیسے کہ ملیریا میں) بدن میں داخل ہونا اور ایک بدن سے دوسرے بدن میں متعدی
ہو کر منتقل ہو جانا اور اُن کا دوران خون میں سرایت کر جانا یہ ایسے امور ہیں جو ہمارے
بیان کو آپ کی عقلوں کے اور بھی زیادہ قریب کر دیتے ہیں۔ اور حقائق مذکورہ کی امثال
جیسا کہ آپ لوگ قائل ہیں آپ کے علوم ڈاکٹری کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔
پھر آپ لوگ قائل ہیں کہ منی میں کیڑے پائے جاتے ہیں جو نر کے دو خصیوں سے
نکلتی ہے اور مادہ کے تخم کو حاملہ کر دیتی ہے اور یہ کیڑے غایت درجہ چھوٹے ہوتے
ہیں اور مائکرو اسکوپ (خوردبین) سے نظر آتے ہیں اور ایک کیڑا طول میں قیراط کے
پانچ سو حصّوں میں سے ایک حصّہ سے لے کر چھ سو حصّوں میں سے ایک حصّہ
تک کا ہوتا ہے اور ایک کیڑے کے سر کا طول قیراط کے پانچ ہزار حصّوں میں سے
ایک حصّہ سے لے کر چھ ہزار حصّوں میں سے ایک حصّہ تک کا ہوتا ہے۔ وہ اپنی
دموں کو اس طرح پر ہلا کر جس سے اُن کا سر مختلف سمتوں میں چلے منی میں حرکت
کرتے رہتے ہیں اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی حرکت مستقل ہے خارجی کیفیات کے
ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی بشرطیکہ منی کے طبعی گاڑھے پن اور کثافت میں فرق نہ
آنے پائے اور مادہ کے بدن کے اندر ان کی حرکت سات یا آٹھ دن تک قائم رہتی
ہے اور باہر چوبیس گھنٹے تک اور اُن کی حرکت کا کوئی سمت معلوم ہی نہیں ہوتا
اور بعض علم فزیالوجی جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ ٹیرمنٹ میں ایک قیراط مسافت
قطع کرتے ہیں اُن کا بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب تمام حیوانات کی منی

میں پائے جاتے ہیں اور مادہ کے بیضہ یعنی تخم سے ان کا چھو جانا حاملہ کرنے کے لئے اشد ضروری ہے جیسا کہ علم فزیالوجی کی کتابوں میں مذکور ہے پس اس سے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے کہ خالق سبحانہ نے منی کے انہیں کیڑوں کو بنی آدم کے ذرہ ذرہ کا جوکہ اُن سے بھی چھوٹے ہوں حامل بنایا ہو اور وہ انہیں تخمیوں تک پہنچاتے ہوں یہاں تک کہ ماں کے تخم میں اُن کو ڈالتے ہوں اور انسانی ہیکل جو اُنہ اجزا سے بنتی ہے مادہ کے تخم کے نشو ونما پانے سے بننے لگتی ہو اور حقیقی انسان جس میں کہ روح تجاوز کرتی ہے اور اُس میں اوّل حیات آتی ہے ۔ پھر اُس سے تمام ہیکل میں سرایت کر جاتی ہے وہی ہو جس کے حامل یہ منی کے کیڑے تھے اور جیسے کہ انھوں نے مادہ کے تخم میں داخل کر دیا تھا اور اُس کے ساتھ ہی وہ سب ذرّے بھی داخل ہو جاتے ہیں جو اُس کی اولاد میں پیدا ہونے والے ہوں ۔ اور اُس کی ہیکل میں باقی رہتے ہوں حتیٰ کہ اس کی منی میں نکلتے ہوں اور اُس کی فروع کی ہیکل میں منتقل ہوتے رہتے ہوں اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہو اور جب یہ کیفیت ہو جس سے عقل اور شرع مانع نہیں تو پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا کلام بلکہ بکثرت عقلاء کا یہ قول متحقق ہو جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ سے منتقل ہو کر اپنی ماں کے رحم میں آتا ہے بخلاف اُس بات کے جس کے آپ لوگ قائل ہیں کہ انسان صرف اپنے ماں کے تخم سے بنتا ہے اور باپ کی منی کی صرف حاملہ کر دینے کے لیے ضرورت پڑتی ہے ۔ پس چونکہ آپ لوگوں نے فقط انسانی ہیکل کو دیکھ لیا اور اس کے سوا کسی چیز کی آپ کو خبر نہ ہوئی اس لیے آپ صرف اسی کے قائل ہوگئے اور لوگوں کی رسائی ہیکل کے سوا کسی اور شے کی طرف بھی ہوئی اسلئے وہ قائل ہوئے کہ اصلی انسان اپنے باپ سے جدا ہو کر آتا ہے

اور اس سے صرف اس کو انسانی ہیکل دستیاب ہوتی ہے اور انسان کا اپنے باپ سے پیدا ہو کر آنا ایسا امر ہے جس کو بکثرت لوگوں کی عقلیں مانتی ہیں اور باپوں کی اس قدر شفقت و میلانِ جو اپنی اولاد پر دیکھا جاتا ہے اس سے اس کی کسی قدر تائید ہو سکتی ہے۔

پھر علمائے علم فزیالوجی نے عملِ قلبی کے نظام یعنی اُس کی حرکت کے سبب میں اختلاف کیا ہے اور اس کی راہیں تباہی جنہیں بتائی ہیں اور پھر خود ہی اُن کو توڑا ہے آخرکار جس امر پر آکر قرار ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل کا سبب خود قلب ہی میں موجود ہے۔ پھر انہوں نے کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرکت کا نظام اُن عصبی گانٹھوں سے پیدا ہوتا ہے جو قلب میں موجود ہیں۔ پس اس نظامی عمل کے حقیقی مرکز یہی ہیں مگر اب تک اس کا پتہ نہیں لگا کہ یہ عصبی مرکز منقطع اور منتظم عمل کیوں کرتے ہیں دائمی عمل کیوں نہیں کرتے یعنی اُن کی حرکت باقاعدہ اور رُک رُک کر کیوں ہوتی ہے برابر کیوں نہیں ہوتی رہتی۔

پھر انہوں نے کہا ہے کہ بکثرت تجربوں سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ قوت دافعہ جو قلب کے انقباضات سے پیدا ہوتی ہے صرف وہی دورانِ خون کے لئے کافی ہے یہاں تک اُن کا کلام ختم ہوا۔ پس جب آپ اس قول میں غور کریں گے تو یہ بات آپ کے نزدیک ظاہر اور آپ کی عقلوں کے قریب ٹھہر جائے گی کہ انسانی ذرہ کا مرکز تمام ہیکل انسانی میں سے قلب ہی ہے اور جب اُس میں روح حلول کرتی ہے تو اُس میں وہ حیات پیدا کر دیتی ہے اور وہ بہ منتظمہ حرکت کرنے لگتا ہے اور اس سے دورانِ خون پیدا ہوتا ہے پھر اس سے تمام ہیکل میں حیات سرایت کر

جاتی ہے اور اس ذرّہ اور روح کا چھوٹا ہونا اس امر سے مانع نہیں ہو سکتا کہ اس سے ہیکل انسانی کی حیات اور اُسکے اعصاب و عضلات کے اعمال کے لئے کافی عمل پیدا ہو جائے کیونکہ بہتیرے ایسے نہایت ہی چھوٹے آلات ہیں کہ جب ان کو چھوٹا سا بچہ حرکت دیتا ہے تو اُس سے ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو بہت ہی بڑے آلہ کے گھمانے کے لئے کافی ہو اور اُس سے بڑے بڑے عمل پیدا ہونے لگتے ہیں جن کے کرنے کے لئے نہایت ہی عظیم قوت کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات تو انسان کے عمل میں پائی جاتی ہے اور پھر بھلا خیال تو کیجئے کہ خدا کے عمل میں آپ کے نزدیک کونسا استبعاد باقی رہتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا عظیم الشان کامل قدرت رکھتا ہے جس نے اپنی مصنوعات کو ایسی کیفیتوں پر پیدا کیا ہے جن کے خواص کو دیکھ کر فکر والوں کو حیرت سی ہو جاتی ہے۔ اور عقلیں اپنے آپ میں نہیں رہتیں۔

خلاصہ تقریر جو انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں مذکور ہوئی

بحث سابق کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تقریر پر حقیقی انسان وہ ذرہ ہی ہے جو قلب میں حلول کئے رہتا ہے اور جس میں کہ روح حلول کرتی ہے اُس میں حیات پیدا کر دیتی ہے۔ پھر اس سے ساری ہیکل میں حیات سرایت کر جاتی ہے پھر یہ ہیکل محض اس بات کا آلہ ہے کہ اس عالم میں یہ ذرہ اپنے اعمال پورے کرے اور اُس کے ذریعہ سے علوم و معارف حاصل کرے اور یہی ذرہ مع اس روح کے جو اس میں حلول کئے رہتی ہے تمام تکلیفات شرعیہ کا مخاطب ہے اسی کا اعادہ کیا جائے گا اسی کو نعمت ملے گی اور اسی کو عذاب ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جتنے امور انسان کے حق میں وارد ہوئے ہیں سب اسی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس تقریر کی بنا پر جتنے شبہات کہ شرعی اخبار جیسے کہ بعث۔ قبر

سوال ہونے۔ اس میں نعمت یا عذاب کے دیے جانے۔ اپنی قبروں میں بعض لوگوں کے زندہ رہنے وغیرہ پر وارد کیئے جاتے تھے سب کے سب ایک مرتبہ سے ساقط ہو گئے جیسا کہ سچے طور پہ غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم پس اگر کوئی کہے کہ شریعت میں ہم کچھ ایسی نصوص دیکھتے ہیں جو نفس ہیکل انسانی کے اعادہ کا ذکر کرتی ہیں یا اُس کے بعض اجزاء کے اعادہ کی اُن میں تصریح موجود ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے (من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاءہا اول مرۃ) یعنی (لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں) ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ گل چکی ہونگی؟ (تو اے پیغمبر اُن سے) آپ کہہ دیجئے کہ اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پس یہ مضمون بعث اور اعادہ کی اس توجیہ کے ساتھ کیونکر منطبق ہوگا جس کو آپ نے ذکر کیا۔ تو میں کہوں گا کہ سابق الذکر توجیہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ جس طرح اصلی اجزاء کے لئے کہ یہی انسانی ذرے ہیں بعث ہوگا جس کی کیفیت میں پیشتر بیان کر چکا ہوں اسی طرح انسانی ہیکل کیلئے بھی جو زائد اجزاء سے مبنی ہے بعث ہوگا لیکن پیشتر جو اشکالات بعث پر وارد کئے گئے تھے وہ میری تقریر سے اصلی اجزاء یعنی ذرات انسانی کے اعادہ کے اعتبار سے مندفع ہو گئے پھر بعد اس کے کہ اصلی اجزاء کے اعادہ کی کیفیت طریق مذکور پہ بیان کرنے کی وجہ سے یہ اشکالات مندفع ہو چکے ہیں تو اب ہیکل انسانی کے اعادہ کئے جانے پر جو زائد اجزاء سے مبنی ہے عام ہے کہ وہ زائد اجزاء بعینہٖ اعادہ کئے جائیں یا اُن کے مثل دوسرے اجزاء بنائے جائیں وارد نہیں ہو سکتے اور شریعت نے جو زائد اجزاء یعنی ہیکل کے اعادہ کئے جانے کی تصریح کی ہے اُس سے اس کے سوا اور اشکالات کا دفع کرنا مقصود ہے جو اہل جاہلیت کے خیال کے موافق اُن کے

اعادہ کئے جانے پر وارد ہوتے تھے کیونکہ بعث کے ذکر کرنے کے وقت اُن کا خیال صرف اسی ہیکل کی جانب جس کا وہ مشاہدہ کرتے تھے جاتا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ مُدتوں میں گل جانے کے بعد حیات کیسے عود کر آئے گی اور یہ اجزاء جو زمین کے اندر پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے کیسے مجتمع ہو جائیں گے۔ پس نصوص نے اُن کے انہیں اشکالات کو اس طرح دفع کیا کہ خدا قادر اور علیم ہے اس سے وہ عاجز نہیں ہو سکتا پس وہ اِن ہڈیوں کو اسی طرح زندہ کر دے گا جیسے کہ اُس نے پہلی مرتبہ اُن کو پیدا کیا تھا اُس کا علم تمام موجودات کو محیط اور اُس کی قدرت تمام ممکنات پر حاوی ہے علیٰ ہذا القیاس اُن کے اعتراضوں کے ایسے ہی اور بھی جوابات ہیں۔ اور یہ امر اُس توجیہ کے منافی نہیں ہوتا جو دوسرے سابق الذکر اشکالات کے دفع کرنے کے لیے اصلی اجزاء یعنی انسانی ذروں کے اعادہ کیے جانے کے بارہ میں پیشتر بیان کی گئی ہے پس چاہیئے کہ ذرا غور کر لیا جائے۔

بعث ونشر وغیرہ کا اجمالی اعتقاد

اے صاحبو! جو کچھ میں اس سے پیشتر شرح وبسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اُس کے بعد ذرا یہ بھی سُن لیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہی توجیہ اور اصلی اجزاء کے ذروں کے ساتھ اور زائد اجزاء کی ہیکل کے ساتھ تفسیر اور اس کے علاوہ جو تفصیل میں نے اس مقام پر بیان کی ہے وہ سب پیغمبران محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تصریحاً موجود ہے یا اُن کے ذمہ بعث کا اسی تفصیل وبیان کے موافق اعتقاد کرنا ضروری ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ علماء شریعت نے بیان کیا ہے کہ انسان کے اصلی اور زائد دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے اُن شبہوں کو دفع کیا ہے جو بعث

وغیرہ پر وارد ہوتے ہیں اور میں آپ سے پہلے کہہ بھی چکا ہوں کہ شریعت کے بڑے بڑے جلیل القدر کثیر علماء (جیسے کہ امام رازی ابطاہر مصنف سراج العقول۔ شعرانی خازن اور ایسے ہی اور علماء) کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا اگر اصلی اجزاء سے جن کو انہوں نے اعتراضوں کے جواب دینے کے لئے ذکر کیا ہے یہی ذرے مراد ہوں جو اس نص قرآنی کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں مذکور ہیں جس میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد کئے جانے کا بیان کیا ہے اور یہ کہ روحیں انہیں ذرّوں کے ساتھ بل کر حقیقی انسان کے افراد ہوں اور یہ کہ زائد اجزاء سے انسانی ہیکلیں مراد ہوں اور انہیں علماء شریعت کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی انسان کا مقر تمام ہیکل میں سے صرف قلب ہی ہے پس یہ ہیکل جو برابر بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہے حقیقی انسان کے لئے اس عالم میں اس کے اعمال کی انجام دہی اور علوم و معارف کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور آلہ قرار پائے گا اور یہ ایسی بات ہے جس سے بعث پر جو بیشتر اشکالات وارد کئے گئے تھے اُن کا مندفع ہونا آپ کے نزدیک بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اور اس سے عقل و شرع کی کوئی مخالفت بھی نہیں لازم آتی اور پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبہوں کے جواب دینے کے لئے اِن کے قائل ہوسکتے ہیں۔ ورنہ انہیں اپنا اعتقاد درست رکھنے کے لئے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان کے روح ہوتی ہے جس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے اور ایسے ہی تمام حیوانات کے بھی۔ اور خدا انسان کو اُسکے مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا۔ اُس سے حساب لے گا۔ پھر اُسے نعمت۔ یا عذاب دے گا اور یہ سب کچھ ایسی کیفیت پر ہوگا جس سے کوئی محال نہ لازم آئے اور ہمیں اُس کی

تفصیل کرنا ضروری نہیں ہے اُس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ یہ امر عقلاً ممکن ہے اور خدا کے علم و قدرت کی وسعت کے سامنے ایسی شے کا ہو جانا کوئی محال نہیں۔

پس اے اہل سائنس اس مقام میں ذرا غور کیجئے اور باریک بینی سے کام لیجئے کیونکہ آپ کو اپنے علوم میں کوئی شے ایسی نہ ملے گی جس سے تفصیل سابق میں کی ساری چیزوں میں سے کوئی شے ناممکن ثابت ہوتی ہو جیسے انسان کے لئے روح کا ہونا وغیرہ۔ ہاں اگر میرے بیان کے بعد بھی کوئی شے کسی چیز کے ناممکن ثابت کرنے میں آپ کی مدد کرے گی تو سمجھ لیجئے کہ یہ وہی شے ہے جسے کہ عناد اور انصاف کا ترک کر دینا کہتے ہیں سو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اور اگر آپ کہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشتر کی جملہ باتیں عقلاً ممکن تو ہیں لیکن پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُن کے واقع ہونے کے معتقد ہو گئے ہیں اس کا کیا باعث ہے تو میں کہوں گا کہ میرا وہی پیشتر والا جواب یاد کر لیجئے جسے کہ میں اسی کی نظیر میں بیان کر چکا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کا باعث اُن کے لئے وہ شرعی نصوص ہیں جو اُن کے سچے رسُول کی زبانی معلوم ہوئیں جن میں ان امور کی تصریح موجود ہے اور وہ سب مل کر تاویل کو بھی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ پس جب تک یہ امور عقل پر منطبق اور اُس کے حکم کی رو سے ممکن ہیں اس وقت تک اُن کے لئے اپنی ظاہری نصوص کو چھوڑنا اور کسی قسم کی تاویل کی جانب مائل ہونا ہرگز جائز نہیں۔ علاوہ بریں خاص کر بعث و حشر گو اس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اُسکے امکان کی دلیل عقلی ہے جیسے اُس کی نظروں کی اور اُسکے وقوع خارجی کی دلیل نقلی اور وہ بھی شرعی نصوص ہیں۔

بعث و حشر کے واقع ہونے پر عقلی دلائل

لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اُس کے واقع ہونے کی بھی عقلی دلیلیں ظاہر ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ قطعی اور برہانی

نہ سہی لیکن اطمینان بخش تو ضرور ہیں جنھیں عقلیں مان جاتی ہیں اور اُن سے دلوں کو تسکین ہو جاتی ہے اور اگر اُن سب کو یکجائی طور پر دیکھا جائے تو عقل کے نزدیک بعث کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہتا اُس کے واقع ہونے کا پورا پورا یقین ہو جاتا ہے۔ پس بعض اسلامی علمار کے افادات میں سے جو کچھ ہیں اس موقع پر بیان کرتا ہوں اس کو سُنئے جس میں میں نے بغرض توضیح کہیں اپنی طرف سے کچھ بڑھایا ہے یا اُس کا خوبی کے ساتھ اختصار کر دیا ہے۔

قیامت کی اول دلیل | چنانچہ میں کہتا ہوں کہ ان امور پر کہ خدائے عالم موجود ہے وہ تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہے اُس کی مخلوقات میں اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکمت اور انتہا درجہ کا عدل پایا جاتا ہے۔ اُن پر اُس کی مہربانی اور رحمت بہت بڑی ہوتی ہے قطعی دلیلیں قائم کر دینے کے بعد ایسے شخص پر جو اس کا اعتقاد کرتا ہو بلا شک و شبہ یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلق کو پیدا کیا اُن کو عقل دی جس سے وہ نیک و بد میں تمیز کر سکتے ہیں۔ انہیں قدرت عنایت کی جس کے سبب سے بھلائی برائی کے کرنے پر قادر ہیں تو اُس کی حکمت و عدل کا مقتضا یہ ہے کہ انہیں بے ادبی اور برائی سے اپناذ کر کرنے۔ جہالت۔ کذب اور اپنے نیک بندوں کی ایذارسانی۔ خلاصہ یہ کہ جتنے بُرے اور قبیح کام ہیں سب سے منع کر دے اور ان کو اچھے کام کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب دے جس سے اُن کی زندگی منتظم اور باقاعدہ رہے اور سب جانتے ہیں کہ بغیر اس۔ کے کہ اچھے کام کو ثواب و جزا کے ساتھ اور بُرے کام کو عقاب و سزا کے ساتھ مرتبط رکھا جائے یہ دونوں امر ہرگز پورے نہیں ہو سکتے اور چونکہ یہ جزا و سزا اس عالم دنیا ہی میں ہمیشہ

نہیں مل جاتی اس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا عالم پایا جائے جہاں یہ کام پورا ہو اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عقلوں میں چونکہ یہ بات موجود ہے کہ وہ عمدہ چیزوں کو پسند کرتی ہے اور خراب چیزوں کو ناگوار سمجھتی ہے اس لئے اسی سے محض ترہیب (ڈرانا) ترغیب (رغبت دلانا) کافی ہو جائے گی۔ کیونکہ نفس اور خواہش نفسانی دونوں انسان کو اس بات پر ابھارتے رہتے ہیں کہ وہ جسمانی خواہشوں اور لذتوں میں پھنسا رہے اور جب عقل کے ساتھ یہ کشمکش لگی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی قوی مرجح اور کامل معاون پایا جائے اور یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ کرنے اور باز رہنے پر وعدہ وعید جزا و سزا مرتب ہو۔

قیامت کی دوسری دلیل

علاوہ بریں عقل صریح حکم لگاتی ہے کہ حکیم کی حکمت کا مقتضا ہے کہ نکوکار اور بدکار میں فرق کرے سب کو ایک ہی لکڑی نہ ہانکے اور یہ فرق اس عالم دنیا میں معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم بہتیرے بدکاروں کو انتہا درجہ کی راحت میں پاتے ہیں اور بہتیرے نکوکاروں کی اس کے خلاف حالت ہے پس ضروری ہے کہ اس عالم دنیا کے بعد کوئی دوسرا عالم ہو جہاں کہ یہ فرق و امتیاز حاصل ہو۔

حشر کی تیسری دلیل

پھر یہ دیکھئے کہ اگر لوگوں کے لئے خوف معاد زاجر نہ ہوتا تو عالم میں بڑی گڑبڑ مچ جاتی۔ بڑے بڑے فتنے برپا رہتے انتظام معاش میں بالکل خلل آجاتا۔ زندگی مشکل ہو جاتی اور مکلف کو ان امور کی بجا آوری کیلئے وقت ہی نہ ملتا جن کا کہ وہ مکلف بنایا گیا تھا۔ اس لئے ضرور کوئی عالم جزا و سزا ہونا چاہیئے تاکہ نظام عالم باقاعدہ اور فساد سے محفوظ رہے اور اگر کہا جائے کہ نظام عالم کے

باقی رہنے کے لئے بادشاہوں کا خوف اور اُن کی سیاست ہی کافی ہے اور نیز یہ کہ بدمعاش لوگ اس کو خوب جانتے ہیں کہ اگر گڑبڑ مچائیں گے تو اس میں اُن کا بھی نقصان ہوگا اور دوسرے لوگ اُن کے قتل کرنے اور اُن کے مال ومتاع کے چھین لینے کے درپے ہوں گے۔ پس اس خیال سے وہ فتنہ انگیزی سے خود ہی احتراز کریں گے تو ہم کہیں گے کہ محض بادشاہوں کا خوف اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یا تو بادشاہ کو اس قدر قدرت حاصل ہوگئی ہوگی جس سے اُسے رعیت کا کچھ خوف نہ ہو اور یا وہ ڈرتا ہوگا۔ پس اگر وہ رعیت سے نہیں ڈرتا اور اس کے ساتھ ہی اُسے معاد کا بھی خوف نہیں تو اس وقت وہ ظلم اور نہایت بری طرح سے اپنی رعیت کی ایذا رسانی پر پیشقدمی کریگا کیونکہ اس کی خواہشات نفسانی اس کی مقتضی قائم ہیں اور کوئی دنیوی یا اُخروی مانع موجود نہیں۔ اور اگر وہ خود رعیت سے ڈرتا ہوگا تو اُس وقت رعیت اُس سے بہت زیادہ نہ ڈرے گی پس بادشاہ کا خوف اُن کو ظلم اور بری باتوں سے روک نہ سکے گا پس ثابت ہوا کہ بغیر اخروی خوف یا رغبت کے نظام عالم ہرگز پورا اور مکمل نہیں ہوسکتا۔

حشر کی چوتھی دلیل

پھر سنئے کہ جب کسی رحیم وکریم اور عادل بادشاہ کی بہت بڑی رعیت ہو اور اُن میں بعض قوی اور بعض ضعیف پائے جاتے ہوں تو اُس کی حکمت۔ رحمت اور عدل کا یہ مقتضا ہے کہ کمزور مظلوم کا قوی ظالم سے انتقام لے اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ تو بہت بڑا رحیم وحکیم اور عادل بادشاہ ہے اس لئے اُس کی حکمت رحمت اور عدل کا بھی یہی مقتضا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے مظلوم بندوں کا اپنے ظالم بندوں سے انتقام لے اور ظاہر ہے کہ یہ انتقام اس عالم دنیا میں

توحاصل ہوتا نہیں کیونکہ ہم بسا اوقات مظلوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت ذلت
خواری مقہوریت اور آبرو ریزی کے ساتھ اپنی عمر گذار دیتا ہے اُس کا مال چھین
لیا جاتا ہے اُس کے خون کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور ظالم کو دیکھتے کہ وہ اعلیٰ
درجہ کی عزت اور قدرت کے ساتھ بسر کرتا ہے پس اس عالم کے علاوہ ضرور
کوئی دوسرا عالم ہونا چاہیئے جس میں یہ عدل اور یہ انصاف ظاہر ہو۔

حشر کی پانچویں دلیل اور دیکھئے اگر انسان کے لئے معاد نہ ہوتو انسان شرف اور مرتبہ
میں تمام حیوانات سے گیا گذرا ہوگا۔ اور بیان اس کا یہ ہے کہ
دنیا میں تمام حیوانات سے انسان کے لئے زیادہ ضرر رساں چیزیں موجود ہیں
کیونکہ باقی حیوانات کی یہ حالت ہے کہ جب تک اُن کو کسی قسم کی تکلیف یا بیماری
پہنچ نہ جائے اُس سے پہلے پہلے اُن کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آتا اُن
کا جی بالکل صاف اور خوش رہتا ہے کیونکہ وہ غور و فکر تو کر نہیں سکتے رہا انسان
چونکہ اُسے عقل حاصل ہے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے گذشتہ اور آیندہ احوال
سوچا کرتا ہے پس بہتیرے گذشتہ احوال کی وجہ سے اُسے طرح طرح کے
غم و حسرت لاحق رہتی ہے اور اکثر آیندہ احوال سے اُسے طرح طرح کا خوف
لگا رہتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ انسان کے لئے عقل کا ملنا دنیا میں بڑے بڑے
ضرر اور سخت سے سخت نفسانی آلام کا باعث ہے۔ رہیں جسمانی لذتیں سو اُن
میں کیا انسان اور کیا باقی حیوانات سب مشترک ہیں کیونکہ گوبر کا کیڑا گوبر ہی میں
خوش ہے جیسے کہ عمدہ سے عمدہ مٹھائیاں انسان کو لذیذ معلوم ہوتی ہیں پس
اگر انسان کے لئے معاد نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی سعادت ظاہر اور حالت مکمل

ہو سکے تو پھر اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ کمال عقل اس کے لئے غم والم کی زیادتی
کا باعث ہو جائے اور کسی شے سے اس کی تلافی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جس کی
یہ حالت ہو تو وہ ضرور بڑی ہی ذلت خواری۔ بدبختی اور مشقت بے سود میں
گرفتار ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ اگر سعادتِ اُخروی حاصل نہ ہو تو انسان
تمام حیوانات حتیٰ کہ غلیظ کیڑوں سے بھی گیا گذرا ہوگا اور چونکہ یہ امر قطعاً باطل
ہے اس لئے ہم کو معلوم ہوگیا کہ ضرور آخرت بھی کوئی چیز ہے اور انسان آخرت
ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کے لئے۔ ہاں یہ بات ہے کہ یہ عالم دنیا
گویا نیک چلن اور شریر کے درمیان میں امتیاز کر دیتا ہے تاکہ اوّل کو ثواب اور
دوسرے کو عذاب دیا جائے کیونکہ جتنے شریر ہیں اُن کے لئے آگ ہی مناسب
ہے وہ اپنے وجود کا ثمرہ اور حصہ دنیاوی لذتوں سے حاصل کر چکے ہیں چنانچہ اسی لئے
دنیاوی لذتوں سے شریروں اور بد چلنوں کو ہم مالامال پاتے ہیں اور نیک لوگ
اکثر بے لطف رہتے ہیں۔

انکار بعث کے بارہ میں اہل سائنس کا خیال اتنا بڑا شر ہے کہ جس کے برابر کوئی دوسرا شر نہیں

اور اسی مقام سے اے اہل سائنس آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے
مخالفوں میں سے اہل شرائع کا آپ کی نسبت یہ قول کہ "آپ لوگوں کا مذہب خصوصاً
معاد کے انکار کے بارہ میں ایسا شر ہے جس کے مثل کوئی شر نہیں" بالکل سچا ہے
کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حلال اور حرام کوئی چیز ہی نہ ہو اور دنیا آباد ہی نہ رہ
سکے اور اگر آپ یہ جواب دیں کہ نظام عالم اس طرح کامل رہ سکتا ہے کہ انسان کو
اپنے حقوق اور اُن واجبات کی معرفت حاصل ہو جائے جو اُن کے ذمہ ہیں اور

اُس کی یہ معرفت پورے پورے صحیح اور عام علم سے کامل ہو سکتی ہے تو میں کہوں گا
کہ آپ کو اس جواب میں اس بات کا خیال نہیں رہا کہ خواہشات ۔ شہوات اور اپنے
نفس کی محبت کا محض وہ قوانین جن کو علم قایم کرے گا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ پس
ضرور ہے کہ کوئی دوسرا مانع ہو جو نفوس کو ضرر رساں اشیاء سے باز رکھے اور کوئی
ایسا مرجح ہو جو طریق خیر کی پیروی کرنے اور راہ شر سے اجتناب کرنے کو ترجیح دیدے
اور وہ مرجح معاد اور اجزاء اعمال کا یقینی اعتقاد ہے ورنہ جیسے عقل ہو وہ اس امر
کو غور کر دیکھے کہ جب انسان کو یہ اعتقاد ہو کہ وہ زمین کی گھاس کی طرح اُگتا ہے
بغیر بلا اس بات کے کہ اُسے کہیں جانا ہو دوسرے سے زائل ہو جاتا ہے اور اُسکے
وجود کا فائدہ یہی حیوانی لذتیں ہیں جو مدت حیات میں اُسے حاصل ہوتی رہتی ہیں تو
علم نے اُس کے لئے حقوق اور واجبات کی معرفت کے کیسے ہی کچھ قواعد کیوں نہ
مقرر کر دیے ہوں لیکن جب اُسے یہ قدرت حاصل ہو گی کہ وہ بلا کسی شخص کی اطلاع
کے کسی کو قتل کر کے اس کا کروڑوں روپیہ کا مال لے لے یا کسی شریف کی آبرو ریزی
کر کے بلا اس کے کہ کسی کو اس کی خبر ہو نہایت ہی مرغوب لذت حاصل کر سکے تو کیا
اس وقت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ قوانین جنہیں کہ علم نے مقرر کیا تھا اس جرم کے
ارتکاب سے اُس کو باز رکھ سکیں گے ؟ ہرگز نہیں ۔ اور اس بات کا انکار کرنا محض
دھینگا دھینگی ہے ۔ پس جو شخص اس بات کو پورے طور سے سمجھتا ہو گا وہ انسان
پر جب تک کہ اُسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اُسے دین سے علاقہ ہے اور وہ معاد کا
اعتقاد رکھتا ہے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہم تو اب بھی بعض بعض فرقوں کو دیکھتے
ہیں کہ باوجودیکہ وہ معاد کے معتقد ہیں تاہم اُن میں وہ وہ فساد ظاہر ہوتے ہیں جن کا

کچھ ٹھکانا نہیں۔

پس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ اگر یہ اعتقاد اُنہیں نہ ہوتا تو اس وقت اُن کی کیا حالت ہوتی بلاشک؛ گر وہ فساد اب رائی کے برابر ہے تو جب پہاڑ ہی بن جاتا۔ علاوہ بریں جن فرقوں میں آج کل علم کا خوب چرچا ہو رہا ہے وہی شرور اور برائیوں سے زیادہ حصّہ لیتے ہیں بلکہ جوں جوں علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے اُن میں روز افزوں برائیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ حرامکاری جس سے کہ لوگوں کے نسب ضائع ہوتے ہیں اور باہم مدد اور ہمدردی کا شیرازہ کھلتا ہے پھیلتی جاتی ہے۔ قتل خودکشی۔ مسکر اور نشی اشیاء کے استعمال سے عقلوں کو زائل کرنا اپنے علوم اور صنعتوں سے لوگوں کے مال چھینتا۔ دغابازی کرنا۔ فریب دینا اور ایسے ہی بہت سے اور اخلاق و عادات جن سے اجتماعی ہیئت کے نظام میں خلل واقع ہو وہ مہذب لوگ اختیار کرتے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جن علوم میں اُنہوں نے ترقی کی ہے اُس میں اعتقاد معاد کا کوئی حصّہ شامل نہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر معاد کا اعتقاد باقی لوگوں میں قائم نہ ہوتا تو یہ فرقے ہلاک ہونے لگتے اور صفحۂ ہستی سے اُن کے نام و نشان مٹنے کا لگا لگ جاتا اور آپ کی جس بات سے زار و قطار روتی ہوئی عورت بھی ہنس پڑے وہ یہ ہے کہ جب آپ نے یہ خیال کیا کہ علم جب تک کہ تمام انسانی افراد میں پورے طور سے عام نہ ہوگا اس وقت تک نظام عالم کی درستی کا متکفل نہیں ہو سکتا تو علم کے اس امر کے واسطے متکفل ہونے کے لئے آپ نے یہ شرط لگا دی کہ وہ تام اور عام ہو پھر آپ کہنے لگے کہ ضرور کوئی نہ کوئی دن ایسا آئے گا۔ لیکن ہاں ہے یہ بہت ہی بعید اور کیا عجب کہ ہزار پشتوں کی ضرورت پڑے۔

پس معاد کے اعتقاد چھوڑنے اور اپنے علم سے واہی تباہی امیدیں رکھنے کے اختیار سے آپ لوگوں کی مثال اُس احمق طبیب کی سی ہے جو اپنے مریض سے جسے کوئی مرض قاتل لاحق ہو یہ کہتا ہو کہ تو پرہیز کرنا چھوڑ دے اور جو جی چاہے کھایا کر اور میں اتنے اتنے برسوں کے بعد تجھے ایسی دوا لا دوں گا جس سے تجھے بالکل شفا ہو جائے گی اس موقع پر تو مشہور مثل کہ "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود" پوری پوری صادق آگئی۔ علاوہ بریں یہ کوئی عقلمندی۔ حسن تدبیر اور دُور اندیشی کی بات نہیں ہے کہ اگر آپ معاد کے منکر ہوں تو عام لوگوں میں اُس کی تشہیر بھی کریں اور اپنے نوجوانوں کو اس کا سبق پڑھایا کریں جب تک کہ جس علم کی نسبت آپ کا گمان ہے کہ صرف وہی نظام عالم کے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے آپ کو تام اور عام نظر نہ آنے لگے ورنہ سمجھ لیجئے کہ آپ اپنے اس باطل مذہب (انکار معاد) کو شہرت دے کر عالم میں خرابی کے دروازے کھولتے ہیں عام لوگوں میں اس خیال کے پھیل جانے سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ خدانخواستہ یہ خیال عام طور سے کیوں پھیلنے لگا۔ عقل سلیم تو اس سے صاف صاف انکار کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اور آپ دونوں کو ایسے امر کی ہدایت کرے جس میں مخلوق خدا کی بہتری ہو۔ اور میں آپ سے محض خیر خواہی کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ ذرا دور اندیشی اور احتیاط سے کام لے لیں اور یہ خیال کر لیں کہ اگر آپ معاد کی تصدیق کر کے اُس کا سامان کر لیں گے پس اگر یہ واقعی امر ہوا تو آپ کو نجات مل جائے گی اور اگر بالفرض باطل ہی ہوا تو آپ کا یہ اعتقاد رکھنے میں کوئی نقصان نہ ہوگا غایت سے غایت اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جسمانی لذتیں آپ سے فوت ہو جائیں گی، لیکن عاقل کے لئے تو ضروری ہے کہ ان لذتوں کی ذرا بھی پروانہ کرے ایک تو اسلئے

کہ یہ نہایت ہی ذلیل ہیں کیونکہ اس میں کتنے کیڑے مکوڑے یہاں تک کہ غلاظت کے کیڑے بھی شریک ہیں اور دوسرے اس لئے کہ وہ فانی سریع الزوال اور منقطع ہونیوالی ہیں پس اُن کی حرص کرنا اُس شے کے بارہ میں احتیاط اور دور اندیشی سے کام نہ لینے کے مساوی نہیں ٹھہر سکتا جس کے بُرے نتیجوں سے خوف و اندیشہ ہو۔

آسمان سے پانی نازل ہونے کا مسئلہ

مذکورۃ الصدر شرعی مسائل میں سے جن کا کہ آپ انکار کیا کرتے ہیں اب ایک مسئلہ اور باقی رہ گیا ہے اور وہ آسمان سے بارش کے نازل ہونے کا مسئلہ ہے آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے علمی تجربوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بارش اُن بخارات سے بنتی ہے جو زمین اور سمندروں سے اٹھا کرتے ہیں اور ہوا کے سرد طبقہ (طبقۂ زمہریر یہ) تک چڑھ جاتے ہیں پس وہاں سردی پاکر مجتمع ہوتے ہیں اور پھر برس پڑتے ہیں اور یہی بارش کہلاتی ہے میں کہتا ہوں کہ شریعت کی وہ متواتر نصوص جو بارش کے بارہ میں ہمارا اعتقاد ہیں دو قسم کی ہیں بعض تو بارش کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح کرتی ہیں اور بعض یہ تصریح کرتی ہیں کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے پھر لفظ سماء کا اطلاق عربی لغت میں چند معانی پر آتا ہے جیسا کہ کتب لغت میں موجود ہے سماء بول کر کبھی آسمان مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے۔ کبھی چھت کبھی وہ شے مراد ہوتی ہے جو کسی دوسری شے کے اوپر ہو۔ کبھی بادل کبھی بارش اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس وقت تک اپنی شرعی نصوص کے ظاہری اور متبادر معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں جب تک کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو جائے اور اگر کوئی ایسی دلیل قائم ہو جاتی

ہے تو نص میں عقلی دلیل کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے تاویل کر دیتے ہیں اور اس کو
ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی طرف پھیر دیتے ہیں اسی بنا پر نزول بارش کے بارہ
میں جیسا کہ سائل کو اشتباہ ہوا ہے وہ اس کے حقیقی ظاہری معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں بعض یہی
جسم مراد لیتے ہیں جو ملائکہ کا مسکن ہے جیسا کہ یہی معنی بکثرت شرعی اطلاقات میں مراد
ہے اور یہ مراد لے کر ان نصوص کو جن سے کہ بارش کا سماء دنیا سے نزول ہونا معلوم
ہوتا ہے ان نصوص کے ساتھ جو بادل سے بارش کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں تطبیق
دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ بارش کو آسمان سے ان سحب
پر جنہیں بادل کہتے ہیں نازل کرے پھر ان سے زمین پر نازل کر دے کیونکہ شرعی
نصوص کبھی تو اس مقام کو ذکر کرتی ہیں جہاں سے پانی اولاً نازل ہوتا ہے اور کبھی اس
مقام کو جہاں سے ثانیاً نزول ہوتا ہے اور خدا سب چیزوں سے سچا ہے اور اگر ان
کے نزدیک آپ کا قول کہ بارش محض زمین اور سمندروں کے بخارات ہی سے بنتی ہے
ثابت ہو جائے اور کوئی قطعی دلیل اس پر قائم ہو جائے تو انہیں سابق الذکر قاعدہ کے
موافق ان نصوص کی تاویل کرنا جائز ہو جائے گا جن سے بظاہر بارش کا آسمان سے نازل
ہونا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہہ دیں گے کہ ان نصوص میں لفظ سماء سے بھی بادل ہی
مراد ہے (اس تاویل کو سورۂ بقرہ کی تفسیر میں امام رازی نے ذکر کیا ہے اور شیخ شرنبلالی
نے بھی مراقی الفلاح میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے) یا یوں کہا جائے کہ جبکہ بارش متعدد
اسباب سے نازل ہوتی ہے اور منجملہ ان کے حرارت آفتاب ہے جس سے کہ اجزائے
زمین سے سمندروں اور دریاؤں سے بخارات بن کر ہوا پر چڑھ جاتے ہیں اور سردی کی وجہ
سے بادل بن کر برس پڑتے ہیں تو گو حقیقتاً بارش بادلوں ہی سے نازل ہوتی ہو لیکن

آسمان کی جانب مجازی نسبت ہو جائیگی اور یہ نسبت باعتبار سببیت کے صحیح ہے اور اللہ تو مسبب الاسباب ہی ہے (اس تاویل کو حقی آفندی نے سورۃ النبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے)

اہل سائنس کو چاہیے کہ شرعی امور کو علماء واقفکار پر پیش کرکے ان کی توجیہ دریافت کریں

پس اے اہل سائنس اس بیان کے بعد بتائیے کہ اس مقام پر نصوص میں کون سا اشکال باقی رہ گیا جبکہ وہ نہایت ہی قریب تاویل سے عقل کے موافق ہو سکتی ہوں ابھی اور بکثرت شرعی نصوص باقی ہیں جن کی نسبت میرا خیال ہے کہ اگر آپ اُن پر مطلع ہوں گے تو شروع شروع میں ضرور اُن کا انکار کرینگے آپ کو اُن کی توجیہ تو معلوم ہو گی نہیں اور نہ آپ یہی جانتے ہوں گے کہ علماء شریعت نے اُن کے معانی کی نسبت کیا کیا کہا ہے اور اُن کا کیا اعتقاد ہے۔ لیکن جب آپ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے واقفکار علماء سے دریافت کریں گے تو آپ کو کوئی شے بھی ایسی نہ ملے گی جو قانون عقل پر یا کسی مخالفت کے بغیر صحیح طور پر منطبق نہ ہو جاتی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام کے اُن متبحر علماء سے گفتگو کی جائے جو شرعی قواعد سے پورے طور سے واقف ہوں اور اُن اقوال پر حاوی ہوں جو اُن جلیل القدر صحابہؓ کی زبان سے شرعی نصوص کی تفسیر میں نکلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو بدو باتیں کرنے والے تھے ورنہ ان بیچاروں سے کیا کام نکلے گا جنھیں سوائے رسوم عبادات اور احکام معاملات کے کچھ معلوم ہی نہیں اور آپ اُن کو فاضل ترین علماء اور پختہ کار دانشمند و حکیم سمجھ لیں یہ لوگ تو آپ جیسے لوگوں کے ایمان میں بسا اوقات سد راہ ہو سکتے ہیں کیونکہ شرعی قواعد سے وہ پورے طور سے واقفیت نو رکھتے نہیں اور نہ اُنہیں یہی خبر ہے کہ نصوص شرعیہ اور دلائل

عقیدہ میں کیونکر تطبیق دی جاتی ہے اور کب دی جاتی ہے اس لئے وہ اپنی غفلت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسا طرز اختیار کریں گے جس سے اپنے نزدیک تو اسلامی دین کی حمایت کریں گے لیکن نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بجائے رغبت اور اسلام سے اُنس ہونے کے اُن کی تقریر سے اُلٹی نفرت پیدا ہوگی پس ایسے لوگ اسلام کے حق میں اُسکے دشمنوں سے بھی زیادہ مضرت رساں ہیں۔

موذنت سمیہ کا ایک واقعہ | میں نے انھیں بیچاروں میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ "اسلامی دین میں براعظم امریکہ کے وجود کا اعتقاد کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ اس سے زمین کا گول اور کروی ہونا لازم آتا ہے اور یہ امر اسلامی اعتقاد کے خلاف ہے" (یہاں تک اُن کی تقریر تمام ہوئی) پس خیال تو کیجئے کہ اس غریب نے اپنی نادانی کی وجہ سے اہل اسلام کو امر محسوس اور مشاہدہ کے مقابلہ کرنے کی تکلیف دینا چاہی ہے اور اس کا سامان کیا ہے کہ اور قومیں اسلام کو دل لگی میں اڑائیں۔ حاشا وکلا اسلامی دین ہرگز ایسا نہیں وہ اسقدر پستی کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسلام تو ایسا دین ہے کہ دنیا بھر کے دینوں میں سے اسی کو عقل میں سب سے بڑھ کر جگہ ملتی ہے۔ اور اعتقادات باطلہ اور ایسی چیزوں کے ماننے سے جن سے کہ عقول سلیمہ انکار کرتی ہیں سب سے زیادہ اسی میں کنارہ کشی کی گئی ہے اس غریب بیچارے کو اس تنگ طریق میں کلفت اٹھانے سے اس طرح خلاصی مل سکتی تھی کہ امریکہ کے وجود سے جو تواتر اور مشاہدہ سے ثابت ہوچکا ہے انکار نہ کرتا اور جب یہی بات تھی جیسا کہ اس کا گمان ہے کہ امریکہ کے وجود کو ماننا زمین کی کرویت کو قطعی طور پر مستلزم ہو جائے گا تو اُسے مناسب تھا کہ اسلام کے جلیل القدر علماء میں جو لوگ زمین کی کرویت کے قائل ہیں جیسے کہ امام رازی

اُن کے قول کو اختیار کرتا اور شریعت کی ظاہری نصوص کی جن سے کہ زمین کا پھیلا ہُوا ہونا معلوم ہوتا ہے مناسب تاویل کر لیتا مثلاً اُس نص قرآنی کی تاویل ہی جس میں یہ ہے کہ والارض بعد ذلک دحاہا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ یہ کہتا کہ زمین کے بچھانے سے مراد اُس کی ظاہری سطح کو بود و باش کے قابل بنا دینا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے اور اب یہ اعتقاد شریعت میں اُس وقت تک مضر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان علماء کے اقوال میں سے کسی قول کے بھی موافق ہو جو دین اور شرعی نصوص کے سمجھنے کے بارہ میں قابل اعتماد خیال کئے جاتے ہیں اور جب تک کہ تاویل کی صحیح وجوہ میں سے کسی وجہ پر بھی منطبق ہو سکے لیکن اس بیچارہ کو اتنی سمجھ کہاں جو یہ جان سکے وہ تو صرف احکام کے چند لفظوں کو جانتا ہے اور اسی کو بکبارا کرتا ہے کہنے کو تو وہ دین کا دوست ہے لیکن نادان دوست اپنی نادانی اور عقل کی کمی سے دشمنوں کی سی راہ چلتا ہے خدا ہم سب کو راہ راست پر چلنے اور علم حق سے مزین ہونے کی توفیق دے آمین۔

اہل سائنس کو اسلامی دین کی حقانیت پر اطمینان ہو جانا

یہ تو ہو چکا اب سُنئے کہ جب اس محمدی عالم کی گفتگو کا سلسلہ مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ کے ساتھ یہاں تک پہونچا اور اُس نے اپنے بیان سے جتنے شبہے کہ اُن کو شریعت محمدیہ میں ہوتے تھے سب کو زائل کر دیا اور انہیں دکھلا دیا کہ عقل سلیم کی نظر میں اُن کے مذہب کی کیا قدر و قیمت ہے تو وہ اپنی غفلت سے بیدار ہُوئے نیند سے چونکے اور اُن کی عقلوں کو تنبیہ ہُوا اور تاریکی سے اُن کی فکروں کو خلاصی حاصل ہوئی اور اس عالم سے کہنے لگے اے ہمارے راہ نما اور ہمارے ساتھ خیر خواہی سے پیش آنے

والے ہم تیرے غایت درجہ شکر گذار ہیں تو نے جتنی دشواریاں ہمیں پیش آتی تھیں
وہ زائل کر دیں اور ہمارے لئے راستہ صاف کر دیا لیکن اس سے تو محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی تصدیق سے جو مانع تھا وہ زائل ہوا بھی اُن کی تصدیق کے لئے جو امر مقتضی
ہو وہ تو باقی ہی ہے اور ہمارے نزدیک وہ مقتضی یہ ہے کہ یقینی دلیلیں پیروان محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تو بیشمار ہیں ہم دیکھیں کہ وہ صحیح ہیں اور اُن کے صدق
پر بھی قطعی دلالت کرتی ہیں یا نہیں۔ تو اس عالم نے جواب دیا کہ یہ کام تو آپ کا ہے
اور خدا کے فضل سے آپ پر آسان بھی ہے پس ان تمام دلیلوں میں اُنھوں نے غور کرنا
شروع کیا اور اُن میں اجمالاً و تفصیلاً ہر طرح پر باریک بینی سے بحث کرنے لگے
آخر کار بڑے غور اور فکر کے بعد انہیں ظاہر ہو گیا کہ اُن دلیلوں کی صحت کے اعتبار
سے بڑا درجہ ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر ایسے صاف طور پر دلالت
کرتی ہیں جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں خصوصاً سب کی سب مل کر کیونکہ
عقل سلیم اس کو محال سمجھتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی صحت پر دلالت
کرنے میں ساری دلیلیں متفق ہو جائیں اور پھر بھی وہ دعوے صحیح نہ ہو اور نہ سب دلیلوں
کا اتفاقی طور پر متفق ہو جانا اس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ علاوہ بریں ان دلائل میں سے
بعض دلیلیں ایسی بھی ہیں جن کے قائم کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی دخل
نہیں اور اُن کے اتفاقی طور پر حاصل ہو جانے کا سوائے ہٹ دھرمی کرنے والے
کے اور کون قائل ہو سکتا ہے؟ ان دلائل کی تفصیل اس فرقہ سے گفتگو کرنے کے
موقع پر سابق میں گذر چکی ہے جہاں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے
تفتیش کرنے لگا ہے اور آیندہ بھی اُن فرقوں پر رد کرتے وقت جو پیروانِ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے دلائل میں شک ڈالنے کے درپے ہیں ایسا کلام آئے گا پس مناسب ہے کہ اپنے موقع پر سب کو دیکھ لیا جائے یہاں مکرر بیان کرنے کی حاجت نہیں) پس اب اس فرقہ نے خدا کے پاس سے رسول بن کر آنے کے دعوے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی۔ خدا کے وجود کا مقر ہو گیا۔ اُس کے رسولوں اُس کی کتابوں۔ بعث و حشر اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں سب کا معتقد بن گیا۔ اور ایمان لے آیا اور ایمان بھی ایسا جو شافی و کافی بیان و توضیح سے ثابت ہو گیا۔ پس اس فرقہ کے لوگ پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہایت مکرّم اور آپ کے پکے پیرو ہو گئے اور خدا سب چیزوں پر پورے طور سے قدرت رکھتا ہے۔

اُس فرقہ کا ذکر جس کو دلائل کی وجہ سے اسلام کی حقانیت کا یقین ہو گیا تھا

یہ تو ہو چکا اب سُنئے کہ سابق الذکر فرقوں میں سے ہر فرقہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی قوم کے سردار و رئیس تھے خواہ اُن کو دینی ریاست حاصل تھی یا صاحب حکومت و سیاست تھے لوگوں میں اُن کی بات بھی چلتی تھی دلوں میں اُن کا رعب وداب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے حکم کی نافرمانی اور ان کی رائے کی مخالفت کوئی نہیں کر سکتا تھا اقوال و افعال میں اُن کی پیروی کی جاتی تھی ساری قوم اُن کے تابع تھی اور جب وہ لوگوں پر اُن کے مال و متاع۔ آبرو اور اُن کی جانوں پر زبردستی کرتے تھے تو اُن کی سرداری اور قومی عزت کا پاس و لحاظ کر کے اُن کے ساتھ چشم پوشی کی جاتی تھی پس جس وقت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے پاس سے رسول بن کر آنے کا دعوے کیا اور سابق الذکر فرقوں کے ساتھ آپ کی گذری جو کچھ گذری پھر آخر کار اُنہوں

نے اُن دلائل کے باعث سے جو اُن کے نزدیک آپ کے صدق پر قایم ہوئیں آپکے
دعوے کی تصدیق کرلی تو ان رئیسوں اور سرداروں کے جی میں بھی آپ کے دعوے کی
سچائی جاگزیں ہوئی اور دلائل کے واضح ہونے کے باعث سے انہیں بھی پورا پورا
یقین آگیا لیکن ریاست اور قومی امتیاز کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
گردن اطاعت رکھ دینے اور آپ کی تصدیق کے اقرار کرلینے سے اُنہیں مانع ہو
اور اُن کے دل میں یہ گذرا کہ جب وہ آپ کی اطاعت اختیار کرلیں گے اور آپ
کے مطیع بن جائیں گے تو اُن سے اُن کی سرداری چھین جائے گی اور وہ اپنے قومی
امتیاز سے محروم رہ جائیں گے اور یا تو اور لوگ اُن کی اطاعت کرتے تھے اب
اُنہیں خود اطاعت کرنا پڑے گی اور شریعت کے احکام بلا اس کے کہ اُن کی
کچھ رعایت کرکے کچھ فرق کیا جائے اُن پر جاری ہوں گے جیسے کہ اس شریعت
کی شان ہے کہ تعمیل احکام کے لحاظ سے اُس کے پیرو برابر سمجھے جاتے ہیں اور یہ
کہ اُن کو اپنی قوم کے اموال جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت حفاظت
میں داخل ہو جائیں گے اُس وقت تک نہ مل سکیں گے جب تک کہ وہ ایسا
عمل نہ کریں جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ کہ اُن میں سے جو
کوئی کسی کے مال یا آبرو یا جان کے معاملہ میں زبردستی کریگا اُس کے ساتھ
سوائے اُس صورت کے کہ صاحب حق معاف کردے اور کسی صورت میں ذرہ
برابر بھی سہولت نہ برتی جائے گی۔ پس ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی سچائی جو اُن کے دلوں میں جاگزین ہوگئی تھی اس کو چھپا ڈالا اور ایسے
امور کی تدبیریں سوچنے لگے جو آپ کے خلاف شان ہوں اور آپ کے متبعین کو

پراگندہ کردیں۔ پس انہیں اپنا مقصد اس تدبیر سے بہت سہولت کے ساتھ حاصل ہوتا ہوا معلوم ہوا کہ اُن فرقوں پر شبہے کرنا شروع کریں جو آپ کے پیرو بن گئے تھے تاکہ آپ کی جانب سے اُن کے دل مشکوک ہو جائیں سو وہ ان دلائل ہیں جن سے ان فرقوں نے استدلال کیا تھا طرح طرح کے احتمالات نکال نکال کر اور تاویلیں کر کے اُن کے دلائل کی تضعیف پر آمادہ ہو گئے تاکہ وہ دلیلیں اُن کی نظروں میں یقینی نہ رہیں پھر اُس وقت اُن کو یہ کہنا ممکن ہو کہ جن دلائل پر آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بارہ میں اعتماد کر لیا ہے وہ تو محض ظنی دلیلیں ہیں اور صرف انہیں ظنی دلیلوں کی وجہ سے آپ لوگوں کو ہرگز مناسب نہیں کہ آپ اپنی مالوف رسمیں اور وہ اعتقادات جن پر آپ کے باپ دادا تھے چھوڑ دیں اور گذشتہ رسولوں سے جو دین آپ کو حاصل ہوئے تھے اُن کے تارک بن جائیں کیونکہ ایسی حالت میں ظن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس فرقہ کا ایک فرقہ پر شبہات کرنا

پس اُنہوں نے ان واہی تباہی شبہوں اور باطل احتمالات کو اپنے دلوں میں مرتب کیا اور اُس فرقہ کے پاس آئے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وقت تصدیق کی تھی جبکہ آپ نے اپنے قرآن کو مقابلہ کے لئے پیش کیا اور فرمایا کہ تمام فصحاء وبلغاء اُس کی جیسی ایک سورت کے لانے سے بھی عاجز ہیں اور اس فرقہ کے لوگ باوجودیکہ بڑے فصیح وبلیغ تھے لیکن مقابلہ کرنے سے عاجز رہے اور اسی سبب سے اُنہوں نے آپ کے دعوی رسالت کی تصدیق کر لی پس اُن سے یہ لوگ کہنے لگے کہ ممکن ہے کہ اُن کو (یعنی محمد صلعم کو) ایسے درجہ کی فصاحت و بلاغت حاصل ہو گئی ہو جو آپ لوگوں میں سے کسی میں

کبھی نہ پائی جاتی ہو اور اسی وجہ سے آپ لوگ اُن کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہے
ہوں ایسا تو بہت ہوا کرتا ہے کہ ہر فن کے جاننے والوں میں کوئی کوئی ایسا شخص
ہوتا ہے جسے اس فن میں کامل دستگاہ حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ اسی فن کے باقی
جاننے والے اُس کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ وہ ہمارا سردار ہے اور ہم لوگ
اس کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتے پس اُس فرقہ نے اُن لوگوں کو یہ جواب دیا کہ
اگرچہ فصاحت و بلاغت ایک ایسا فن ہے جس کی بنیاد اصلی اور فطرتی قابلیت
اور استعداد پر ہے لیکن اس میں کمال پیدا کرنے اور اعلیٰ درجہ پر پہنچنے کے لیے
بہت کچھ مشق اور اُسکے طریقوں کے مہارت کی ضرورت ہے مثلاً اشعار کہنا انہیں
روایت کرنا۔ خطبوں کے لکھنے پڑھنے کی مشقت اٹھانا فصحا سے سوال جواب
کرنا۔ بلغا سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا تاکہ اس کا قوی ملکہ پیدا ہو جائے
اور اپنی فطرتی استعداد کے موافق کمال پیدا کرکے انہیں کے زمرہ میں داخل ہو سکے
علاوہ بریں کسی کی فصاحت و بلاغت کتنی ہی بڑے مرتبہ کو کیوں نہ پہونچ جائے
لیکن یہ بھی تو ضرور ہے کہ اُس کی نوع میں سے اُس کی کوئی نظیر موجود ہو اس کی
صنعت میں سے اُس کی کوئی مثال پائی جاوے گو وہ اس سے کسی درجہ میں کم
ہی کیوں نہ ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ فطرتی طور پر اس
فن کی استعداد رکھتے تھے لیکن ہم نے ابتدائے پیدائش سے لے کر چالیس
برس کی عمر تک کہ جو زمانہ تحصیل اور مشق کا ہے آپ کو کبھی اس فن کی مشق کرتے
نہیں پایا جس سے آپ ایسے درجہ پر پہونچ جاتے اور نہ اس مدت میں آپنے
شعر گوئی یا اشعار کی روایت کرنے کی ہی تکلیف گوارا کی علاوہ بریں آپ کو خطبوں

اور رسالوں کی جانب بھی کبھی کچھ توجہ نہ ہوئی اور نہ اس مدت میں ہم نے یہی دیکھا کہ فصحاء سے سوال و جواب کرنے اور بلغاء پر غلبہ حاصل کرنے کی آپ کو کبھی حرص ہوئی ہو اور وہ برابر ہمارے سامنے ہی رہے اُن کا حال ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور کیونکہ پوشیدہ رہ سکتا تھا حالانکہ جو شخص اس فن میں ذرا محنت کرتا ہے وہ ہم لوگوں میں ویسی ہی شہرت پا لیتا ہے جیسے دن دوپہر کو آفتاب کیونکہ یہ فن تو ہمارے اعلیٰ درجہ کے مفاخر میں سے ہے پس آپ کے چالیس برس کی عمر کو پہونچتے ہی دیکھتے کیا ہیں کہ آپ ایک فصیح کلام جس کا نام قرآن ہے لے آئے ہیں جس کی فصاحت و بلاغت نے ہمارے دانت کھٹے کر دیے اور بالکل ہی ہم کو ہرا کر ہمارا بود اپن ثابت کر دکھایا اور یہ بھی ہے کہ جو طرز قرآن شریف میں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل انوکھا طرز ہے۔ ہمیں کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی پس وہ نہ اشعار کے قبیل سے ہے نہ رجز ہی معلوم ہوتا ہے اور نہ خطبوں اور رسالوں کا سا اس کا طرز ہے اور نہ کوئی اور ہی نمونہ ملتا ہے جس کا اُس میں اقتدا کیا گیا ہوتا اور اس وجہ سے وہ اپنی غرابت میں اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ بھلا بتایئے تو سہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے پاس اس طریقہ کی مشق کر لی جو اُن کے قرآن میں موجود ہے اور سارے ملک عرب میں کہیں اس کا پتہ نہیں کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی اس طریقہ کے موجد ہوئے ہوں اور پھر اُس میں ایسے درجہ پر پہنچ گئے جہاں اور کوئی نہیں پہنچ سکتا اشیاء کے موجدین میں تو عادتاً یہ امر دیکھا نہیں جاتا بلکہ عادت یوں جاری ہے کہ ہر موجد سے اس کی ایجاد بچہ کی طرح پہلے اس سے صادر ہوتی ہے اور دوسرے لوگ اس کی تربیت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے انتہائی درجہ پر پہونچ جاتی ہے رہا یہ امر کہ موجد اپنی ایجاد میں ایسے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے کہ جس کے

بعد کوئی مرتبہ نہ ہو اور وہاں تک کسی دوسرے کی رسائی ہی نہ ہو سکے انسانی موجودوں میں
تو یہ بات کبھی دیکھی نہیں گئی بلکہ استقراء کے موافق یہ کہنا بھی کچھ مستبعد نہیں کہ سوائے اس صورت
کے کہ ایجاد ادنیٰ درجہ کی اور معمولی ہو یہ امر ممکن ہی نہیں ہے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا اپنی عمر کے گذشتہ زمانہ میں اس فن کی مشق نہ کرنا جس کی وجہ سے وہ ایسے درجہ
پر پہنچ جاتے جہاں کوئی نہ پہنچ سکے اور قرآن شریف کا اپنے اسلوب کے اعتبار سے
انوکھا ہونا جس کی وجہ سے وہ فصاحت و بلاغت کے ایسے درجہ پر پہنچ گیا جس کے
مقابلہ سے ہم لوگ عاجز رہ گئے یہ دونوں امر اس احتمال کو سرے سے باطل کرتے
ہیں جیسے کہ آپ نے اس موقع پر نکالا ہے اور جس کے ذریعہ سے آپ نے ہمیں
شک میں ڈالنا چاہا تھا پس ہم لوگ بلا کسی شک وشبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
آپ کے دعوے میں ہمیشہ تصدیق کرتے رہیں گے اور اس بات کے قائل رہیں گے
کہ قرآن کا جیسا کلام لانا انسانی قدرت میں نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہی کے پاس سے
اترا ہے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوٰے ہے۔

اُن کا دوسرے فرقہ پر شبہات کرنا

اس کے بعد یہ شک ڈالنے والے اُس فرقہ کی جانب مائل
ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وجہ سے تصدیق
کی تھی کہ اُس نے آپ کے لائے ہوئے قرآن کو ایسی صفات فاضلہ پر مشتمل پایا جن
سب کا کسی کلام میں مجتمع ہو جانا سوائے اس صورت کے کہ وہ خدا کے پاس سے
آیا ہو کسی طرح ممکن نہیں۔ اور نیز اُس فرقہ کی جانب جس نے آپ کی اس سبب سے
تصدیق کی تھی کہ آپ کی شریعت کی حالت بالکل منتظم اور باقاعدہ ہے اُس میں کل فضیلتیں
پائی جاتی ہیں اور وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی حالت کو باقاعدہ بنا دینے کی پوری پوری

کفیل ہے پس یہ لوگ ان دونوں فرقوں سے کہنے لگے ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوئے رسالت سے پیشتر بلادِ روم کی جانب تجارت کے لئے دو مرتبہ سفر کیا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں آپ کو بعض راہبوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بحیرا راہب جو آپ کو شام کے راستہ میں جب آپ قریش کے تاجروں کے ساتھ تھے۔ ملا تھا اور اُس وقت علامات سے اُس نے پہچان لیا تھا کہ آپ نبی آخرالزماں ہیں جیسا کہ سیرِ نبویہ میں منقول ہے، شاید آپ نے اس قرآن کو جس میں تمام یہ فضائل موجود ہیں اُنہیں سے نقل کر لیا ہو اور اُن سے آپ یہ شریعت سیکھ آئے ہوں اور اپنے بلاد میں آکر مدعیٔ رسالت بن گئے ہوں اور اپنے دعویٰ کی تائید اسی قرآن اور شریعت سے کرنے لگے ہوں اور چونکہ آپ کے بلاد میں ایسے واقفکار لوگ موجود نہ تھے تاکہ جو کچھ آپ لاتے ہیں اُسی کے مثل وہ بھی لاکر آپ کا مقابلہ کرسکتے اس لئے آپ لوگ اس وہم میں پڑگئے ہیں کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ خدا ہی کی جانب سے ہے انسانی کارروائی نہیں ہے۔ اس کا ان دونوں فرقوں نے انہیں یہ جواب دیا کہ قرآن کی ایسی کتاب جو اُن تمام صفات فاضلہ پر مشتمل ہو جن کی شرح اور اس امر کا بیان ہمارے استدلال میں گذر چکا ہے کہ ان سب کو بڑے بڑے علماء و حکما اور سیاست و ملکی انتظام کے ماہر بھی ایسی کتاب میں ہرگز جمع نہیں کرسکتے اور یہ کہ ایسی شریعت جو عقائد حقہ۔ اخلاق حسنہ اور اعمال عبادتوں پر مشتمل ہو جو سراسر حکم اور اسرار پر مبنی ہوں اور اس میں ایسے احکام موجود ہوں جو تمام خلق کے حالات کے منتظم اور باقاعدہ بنادینے کی ذمہ داری کرتے ہوں علیٰ ہذا القیاس اور دیگر امور بھی اُس میں پائے جاتے ہوں جن کے پورے پورے

بیان کرنے کے لیئے تو بہت سی جلدوں کی ضرورت پڑے گی ۔ ہاں اجمالاً اُن کا بیان پہلے گذر چکا ہے لیکن ان سب باتوں کی نسبت اگر بفرض محال یہ احتمال نکالا جائے کہ شاید آپ نے کسی دوسرے سے ان چیزوں کو سیکھ لیا ہو تو وہ بھی نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کے لئے اتنی مدت مدید کی ضرورت پڑے گی جو برسوں کی متعدد دہائیوں سے گنی جا سکے اگرچہ ان باتوں کا سکھلانے والا بہت ہی کامل حکما ہی میں سے ہو اور سیکھنے والا بھی اعلیٰ درجہ کا ذکی ہی کیوں نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی عمر کہ ہم لوگوں میں گذاری ہے اس کی ساری مدت میں سے صرف چند ایام کے لئے تجار قریش کی ہمراہی میں جو روم کے شہروں میں بغرض تجارت جایا کرتے تھے ہم لوگوں سے علیحدہ رہے ہیں اور اسی مدت میں آپ مکہ سے بلاد روم تک گئے بھی اور آئے بھی اور تجارت کے سارے کاروبار بھی انجام دیے بھلا اس عرصہ میں آپ کیونکر ساری باتیں سیکھ سکتے تھے اتنی مدت جو اس کے لیئے بھی کافی نہیں کہ آپ اپنی لائی ہوئی شریعت کے متعدد ابواب میں سے ایک باب کو بھی سیکھ سکتے ۔ سیکھنے کی دشواریوں اور اس کے لئے کافی زمانہ کے ضروری ہونے کو ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے ۔ علاوہ بریں جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کا سیکھ لینا تو پڑھے لکھے شخص پر بھی دشوار ہے اور بلا مدت مدید کے وہ بھی سیکھ نہیں سکتا چہ جائیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اُمی و اَن پڑھ محض تھے نہ لکھے نہ پڑھے ۔

پھر بھلا عقل کیونکر تجویز کر سکتی ہے کہ آپ سب کچھ سیکھ لیتے باوجودیکہ اُمی تھے اور اپنے شہر سے بہت تھوڑے ہی دن علیحدہ رہے تھے اور آپ کا اُمی ہونا جس کی نسبت آپ دعوے کیا کرتے ہیں اور اپنے قرآن میں بھی اپنی رسالت پر استدلال کرتے

کے موقع پہ خدا کا یہ قول ذکر کرتے ہیں (وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون) جس کا ترجمہ یہ ہے اور تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ لکھتا تھا (اگر ایسا ہوتا تو) ایسی حالت میں اہل باطل کو شک کی گنجایش ہو سکتی تھی (نہ کہ اب شک کا کوئی موقع ہے) آپ کا یہ امی اور اَن پڑھ ہونا صرف آپ کے دعوے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ خود ہمارے نزدیک بھی بلا شبہ ثابت ہے۔ اس لئے کہ آپ نے ہم ہی لوگوں میں نشو ونما پایا ہے اور ہمیں کبھی اس کا علم نہیں ہوا کہ آپ نے لکھنے پڑھنے کی مشقت اٹھائی ہو اور نہ ہم میں سے کسی نے کبھی آپ کو دیکھا اور نہ ہم سے کبھی کسی نے یہ نقل کیا کہ آپ نے کسی دن ایک سطر بھی لکھی ہو اور اگر آپ ایسی قوم میں رہ کر اس (کتابت) کو جانتے ہوتے جس میں کہ سوائے معدودے چند اشخاص کے اس فن کے جاننے والے نہ تھے تو آپ کا حال اتنی مدت تک ہم سے چھپا نہ رہنا چاہیے آپ چھپانے کا قصد ہی کیوں نہ کرتے اور بھلا آپ (اگر جانتے ہوتے تو) چھپانے کا قصد ہی کیوں کرنے لگے تھے حالانکہ کوئی شے اس کی جانب آپ کو داعی نہ تھی بلکہ الٹے اظہار کا داعی موجود تھا کیونکہ اس جاہل اور بے پڑھے لکھے گروہ میں تو یہ بڑا کمال تھا اور اس بات کو عقل ہرگز نہیں تسلیم کرتی کہ آپ نے اس فن کے سیکھنے سے پہلے ہی اس کا پختہ قصد کر لیا ہو کہ میں اس فن کو حاصل کر دنگا اور لوگوں کو اپنے اس حال کی خبر نہ ہونے دونگا اور پھر کسی روم کے راہب سے اس قرآن اور اس شریعت کے سیکھنے میں اپنے اس فن سے مدد لوں گا اور اس کے بعد مدعی رسالت بن جاؤں گا بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے نفس کے لئے پہلے ہی سے آپ نے ان سب باتوں کا بیڑا اٹھا لیا تھا اور پھر یہ بات پوری بھی ہو گئی کہ آپ کے اس فن کو

حاصل کرنے اور نیز جو کچھ کہ آپ لائے ہیں اس کے سیکھنے کا حال لوگوں سے بالکل مخفی رہا اور آپ نے اسی بھروسہ پر رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ اس بات کا تو سوائے اس شخص کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا جو ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لے اور وہمی باتوں کا مطیع بن جائے اور بعد ان سب باتوں کے نفس کسی ایسے سکھلانے والے کے بلاد روم میں یا اور کہیں پائے جانے کی بھی تو تصدیق نہیں کرتی جو تمام اُن علوم و معارف پر جیسے پر کہ قرآن اور یہ شریعت مشتمل ہے حاوی اور اُن سب خوبیوں پر محیط ہو گیا ہو اور ہم پر اہل روم کے ساتھ مخالطت کرنے کے بعد یہ بات ظاہر بھی ہو گئی کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں روم کے تمام علماء کے پاس بھی اس کا وجود نہیں چہ جائیکہ اُن میں سے بعض کو سب کچھ معلوم ہوتا۔ بلکہ ہم نے تو ان کو دیکھا ہے کہ مخالطت اور آپ کی لائی ہوئی چیزوں پر مطلع ہونے کے بعد آپ کی شریعت کی خوبی انتظام سے بہت تعجب کرتے ہیں اور اس میں سے جو کچھ سیاست اور اُن کے ملکی انتظام کے موافق ہوتا ہے اقتباس کر لیتے ہیں پس کیسے ہو سکتا ہے کہ اُن کے علماء کے پاس یہ باتیں ہوتیں اور وہ اپنے لوگوں میں اس کو شائع نہ کرتے اور یہ سب کچھ مخفی رہتا۔ یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو ظاہر اور آشکارا کیا تب وہ اس میں سے اقتباس کرنے لگے علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو عقائد اعمال اور اخلاق میں روم کے دین کے مخالف تھیں اور اُن کی اس قبیل کی باتیں آپ کے دین میں غایت درجہ مذموم خیال کی جاتی تھیں پس عقل کیونکر اس بات کو مان سکتی ہے کہ کسی راہب نے یہ سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا یا ہو اور اُس کو اس کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔ علاوہ بریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

ساری لائی ہوئی چیزوں کے کسی روم کے راہب سے سیکھ لینے سے جو موانع پیشتر ذکر کیے گئے ہیں اگر اُن سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو ایک اور بہت قوی مانع بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن اور شریعت کو ایک ہی دفعہ نہیں لے آئے ہیں اور اپنے پہلے ہی دعوے میں لوگوں پر اُس کو ظاہر نہیں کر دیا ہے بلکہ ابتداء دعویٰ رسالت سے لے کر برابر تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کا دین کامل ہو گیا اور اِن فرقوں اور گروہوں میں پھیل گیا جنھوں نے کہ آپ کی تصدیق کر کے پیروی اختیار کی تھی۔ پس آپ اپنے قرآن کی ایک دو آیتیں یا ایک دو سورتیں جیسے جیسے واقعات آپ کو اپنے اور اپنے مخالفوں کے مابین یا اپنی پیروی کرنے والوں کے درمیان پیش آتے جاتے تھے لایا کرتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کسی امر پر استدلال کرنے یا کسی شبہ کے دفع کرنے یا کسی سوال کے جواب دینے وغیرہ پر مقتضائے حال کے موافق مشتمل ہُوا کرتی تھیں اور اسی طرح احکام شریعت بھی آپ حوادثات مشکلات۔ سوالات اور مصلحتوں کے موافق تھوڑے تھوڑے کر کے لوگوں کو پہونچایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ہر شئے کے مقابل میں آپ پسندیدہ احکام لایا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دعوے رسالت کی ساری مدت میں جو جو واقعہ آپ کو پیش آتا جاتا تھا آپ ہر ایک کے مقابل میں قرآن اور شریعت میں سے اُسکے مناسب و موافق حکم لایا کرتے تھے اور یہ کیفیت ہم کو اور نیز ان کو جن لوگوں تک آپ کے اخبار اور حالات تواتر صحیح کے ساتھ نقل ہو کر پہونچتے ہیں ضرور معلوم ہے۔ اب اس وقت کہا جا سکتا ہے کہ روم کے کسی راہب کو یہ سارے زمانۂ آیندہ کے حوادثات اور واقعات جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے چل کر

اتفاق پڑنے والا تھا اور جو کہ آپ کے پیروی کرنے والوں کے مابین یا آپ کو اپنے مخالفوں کے ساتھ پیش آنے والے تھے کس نے بتلادیے تھے جس کی وجہ سے اُسے معلوم ہو گیا کہ قرآن اور شریعت میں اُن میں سے ہر ایک کے مناسب کیا احکام ہونے چاہئیں۔ پس آپ کو ہر سوال کا جواب جو آیندہ آپ کے روبرو ہونے والا تھا اور ہر شبہ کا دفعیہ اور ہر واقعہ کا حکم جس کا آپ کو آیندہ ساری مدت میں اتفاق پڑنے والا تھا بتلا دیا اور آپ نے ہر شے کے لئے جو امر ضروری تھا اپنے اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک عقلوں کے اطمینان کے قابل بنا دیا اور ہم منجملہ اُن واقعات کے بعض ایسے امور بھی دیکھتے ہیں جن کی نسبت کسی کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ وہ آیندہ چل کر واقع ہوں گے اور آپ کو اُن کا اتفاق پیش آئے گا اور جس شخص کو تمام اُن واقعات پر جو آپ کو بعد دعوئ رسالت کے ساری مدت میں پیش آئے ہیں واقفیت ہوگی وہ یقین کرے گا کہ اُن سارے واقعات پر جو آپ کو اس مدت میں پیش آنے والے تھے کسی راہب* کا جس کی نسبت آپ کو

---

* علاوہ بریں یہ شبہ اس طرح بھی بالکل ساقط ہو جاتا ہے کہ سفر روم میں جب آپ راہب سے ملے تھے تو تنہا نہ تھے بلکہ قریش کے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے پس اگر آپ نے اُس راہب سے جو کچھ سیکھا ہوگا وہ ساتھیوں کو ضرور معلوم ہوگا۔ پھر دعوے رسالت کے وقت اُن میں سے کسی نے اس امر کو ظاہر کیوں نہ کر دیا کیونکہ ان میں کے بہتیرے ایسے تھے جو آپ کے اُوپر ایمان نہ لائے تھے۔ اور آپ کے مخالفوں کا ساتھ دیتے تھے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہاں آپ نے کسی راہب سے کچھ نہیں سیکھا ۱۲ مترجم

گمان ہے حاوی ہوجانا اور ہر ایک کے لئے جو علم ضروری تھا اُس کا مستحضر کرلینا بلا شک محال ہے۔ سوائے دھینگا دھینگی کرنے والے کے اور کوئی اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔ اور اگر آپ کہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض بعض شخص (خواہ سلمان فارسی ہوں یا اور کوئی) ایسے قوم کے موجود تھے جو علوم و معارف اور انتظامات ملکی میں شہرۂ آفاق تھے۔ پس اس سے کونسا امر مانع ہوسکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حوادثات آپ کو پیش آتے ہوں اُن کے احکام اور جو سوالات کہ آپ سے کئے جاتے ہوں اُن کے جوابات اور جو اعتراضات اور شبھے آپ پر وارد کئے جاتے ہوں اُن میں سے ہر ایک کا دفعیہ اور علاوہ اس کے جو کچھ ہو جب اُس کی آپ کو ضرورت پڑا کرتی ہو اُسی وقت سب کچھ آپ اُن شخصوں سے پوچھ لیا کرتے ہوں۔ پس جب کبھی ان امور میں سے کوئی امر پیش آتا ہو تو آپ اُس شخص کے پاس چلے آیا کرتے ہوں اور اُس سے دریافت کرلیا کرتے ہوں پس وہ جیسی حالت ہو اُس کے موافق بتادیا کرتا ہو تو ہم کہیں گے اس بات کا وہم کرنا کئی وجہوں سے بالکل لچر ہے اوّل تو اس وجہ سے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ اِن سب اشیاء کا سیکھنا سکھانا ایک ایسا امر ہے جو ایک آدھ نشست یا چند نشستوں میں پورا نہیں ہوسکتا اور نہ خفیۃً ہی یہ انجام پاسکتا ہے بلکہ پورے طور سے صرف اُسی وقت تعلیم ہوسکتی ہے کہ جب سیکھنے والا سکھانے والے کے پاس مدت دراز تک آمد و رفت کرتا رہے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو لوگوں میں یہ بات ضرور مشہور ہوجاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص سے علوم حاصل کیا کرتے ہیں اور یہ امر واقع کے خلاف ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اگر یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اُن علوم کا جو آپ کے قرآن

و شریعت میں موجود ہیں سکھانے والا ہوتا تو غایت درجہ کا محقق اور بڑا ہی صاحب فضل ہوتا لوگوں میں ممتاز شمار کیا جاتا حالانکہ یہ اشخاص جن کی نسبت آپ لوگوں کا گمان ہے اس پایہ کے شخص نہیں ہیں۔ بلکہ لوگوں میں جن اشخاص کی معرفت و واقفیت کے لحاظ سے شہرت تھی ان میں بھی تو اُن کا شمار نہیں اور پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بہتیرے لوگ شرعی احکام پر احاطہ رکھنے کے لحاظ سے ان شخصوں سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے اور وہ خود اُن سے اور اُن سے بھی کم درجہ کے لوگوں سے علوم حاصل کیا کرتے تھے اور اپنے ضروری امور سیکھا کرتے تھے اور شاگردوں کی طرح اُن کے ساتھ فروتنی سے پیش آتے تھے اور عقل اس امر کی ہرگز تصدیق نہیں کرتی کہ یہ اشخاص اس پایہ کے ہوتے اور پھر بھی اپنا حال مخفی رکھتے اور تیسرے اس وجہ سے کہ اگر یہی اشخاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلانے والے ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اپنے سارے پیروی کرنے والوں پر انہیں شخصوں کا رتبہ مقدم رکھنے میں مصنطر ہوتے اور اگر آپ اُن کی اتنی قدر و منزلت میں کوتاہی کرتے تو ان کو کب صبر آتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتیروں سے اُن کا درجہ گھٹا ہوا تھا اور پھر بھی خوش تھے اُن کو یہ امر ذرا ناگوار نہ تھا۔ چوتھے اس وجہ سے کہ ہم نے ان اشخاص کی قوم سے اس کے بعد میل جول کیا تو ہم نے ان علوم۔ احکام اور جملہ بھلائیوں کی جامع شریعت کو جو سب کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اُن کے پاس نہ پایا اور اُن میں سے بہتیری چیزیں ایسی ملیں جن کا اُن کے یہاں اصلاً و نقلاً کچھ پتہ ہی نہ تھا بلکہ ہم نے خود انہیں دیکھا کہ آپ کی شریعت سے جو قوانین اُن کو اپنے

انتظام ملکی کے مناسب معلوم ہوتے ہیں اقتباس کر لیتے ہیں۔ پس یہ اشخاص جاہلہ علوم و معارف کو کہاں سے لے آئے جس حال میں کہ اُن کی قوم اُن سے محروم تھی پس اے شک و شبہ میں ڈالنے والو اس بیان نے تمہارے سارے اُن احتمالات کو جو تم نے ہم پر وارد کئے تھے باطل اور مہمل ثابت کر دیا اس لئے ہم بلا کسی شک و شبہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

ان کا تیسرے فرقہ پر شبہات کرنا

اب یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اُس فرقہ کے پاس آئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر اس بات سے استدلال کیا تھا کہ اہل فصاحت و بلاغت نے قرآن شریف کے معارضہ سے اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور کلام کی خوبیوں کے واقفکاروں نے اس امر کی شہادت دی کہ قرآن شریف اتنی صفات فاضلہ پر مشتمل ہے کہ جن سب کا قرآن کی ایسی کتاب میں جمع کر دینا ہر کسی کا کام نہیں اور بعض اہل فصاحت و بلاغت کا قرآن کے معارضہ سے عاجز رہنا اس دلیل سے ظاہر ہو گیا کہ وہ قرآن کا معارضہ تو نہ کر سکے بلکہ بجائے اس کے گھر بار چھوڑ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کو منظور کر لیا جس کے باعث سے وہ مقتول ہوئے اُن کے بچے قید کئے گئے۔ اُن کے شہر اُجاڑے گئے اُنہیں جلا وطن ہونا پڑا پس اُنہوں نے آسان طریق کو تو چھوڑ دیا (اور وہ قرآن کا معارضہ کرنا تھا اگر اُنہیں قدرت ہوتی) اور لڑائی بھڑائی کے طریق میں جو سب سے دشوار طریق تھا چلنا اختیار کر لیا پس یہ لوگ اُن سے کہنے لگے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اُن دونوں فرقوں نے جن میں سے ایک نے قرآن شریف کے معارضہ سے اپنے عاجز ہونے اور دوسرے نے قرآن شریف

کے اتنی صفات فاضلہ پر مشتمل ہونے کا اقرار کر لیا تھا اور یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع بن گئے تھے انہوں نے یہ امر کسی غرض و غایت کے لئے کیا ہو جس کے حاصل کرنے کا اسی اتباع کو انہوں نے ذریعہ قرار دیا ہو اور اسی لئے انہوں نے یہ اقرار کر لیا ہو اور اس امر کی شہادت دے دی ہو تاکہ یہ اُن کے لئے اُن کے ملامت کرنے والوں پر حجت بن جائے رہا وہ فرقہ جس نے معارضہ کو تو چھوڑ دیا اور اپنے گھر بار کو ترک کر کے جنگ پر آمادہ ہو گیا جس کی وجہ سے یہ کچھ سرزد ہو اسے اُٹھانا پڑا۔ اُس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ شاید آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے جنگ کی ابتدا کی ہو اور آتش جنگ کے برافروختہ ہو جانے کے باعث سے اُنہیں معارضہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اتنی مہلت نہ لینے دی ہو اور اسی سبب سے وہ آسان طریق کو چھوڑ کر دشوار طریق پر چلے ہوں خلاصہ یہ کہ وہ اُس پر مضطر کر دیے گئے ہوں پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ آپ کا پہلے دونوں فرقوں کے حق میں یہ کہنا کہ شاید اُن کا شہادت دینا اور پھر اتباع کر لینا کسی غرض و غایت پر مبنی ہو جس کے حاصل کرنے کا اُنہوں نے اسے ذریعہ قرار دیا ہو تو یہ سرتاپا بے تکی اور بالکل بے سوچی سمجھی بات ہے اس لئے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ عاقل کے نزدیک سب سے مشکل کام اپنے دین کا چھوڑ دینا ہے جس میں اُسے دنیوی اور اُخروی نجات کی امید ہو اور بعد اس کے تمام چیزوں سے دشوار تر یہ امر ہے کہ وہ اُن رسموں کو چھوڑ دے جن کا وہ خوگر ہو رہا ہے اور اُنہیں اپنے اسلاف پیشین سے سیکھا ہے حتیٰ کہ بعض کی تو یہ حالت ہے کہ باوجودیکہ اُنھیں اپنی رسموں کی برائی بھی معلوم ہو جاتی ہے تاہم اُن کا چھوڑنا

اُن پر نہایت ہی شاق ہوتا ہے اور اُن کا جی اُن پر جمے ہی رہنے کو چاہتا ہے اس بناء
پر عاقل اپنے دین کو اُس وقت تک ہرگز نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اُسے اپنے
دین کے سوا کسی دوسرے دین میں نجات حاصل ہوجانے کا پورا پورا الیقین نہ ہوجائے ۔
علیٰ ہذا القیاس وہ اپنی رسموں کو بھی خصوصاً موروثی رسموں کو سوائے اُس حالت کے کہ
کوئی ایسا ہی قوی سبب پایا جائے نہیں چھوڑ سکتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں قوموں
نے اپنے دین کو جس سے اُنہیں اپنی نجات کی امید تھی چھوڑ دیا اور اپنی اُن رسموں کے
بھی تارک بن گئے جن کے وہ خوگر ہو رہے تھے اور اُن سب چیزوں کی نہایت شدت کے
ساتھ مذمت کرنے لگے اور اُنھوں نے قرآن کے معارضہ سے اپنے عجز کا اقرار کرلیا اور
اُس پر محض اطلاع حاصل کرتے ہی بلا اس کے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے
کچھ خوف ہوتا قرآن کے فضل کی شہادت دینے لگے کیونکہ اُن میں خود بہت ہی قوی
قومی پاس ولحاظ موجود تھا اور انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مال و دولت کی حاجت
نہ تھی (کیونکہ پہلے آپ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں) بلکہ قبل اس کے کہ آپ کی حمایت
کرنیوالی جماعت قایم ہوئی ہوتی اور آپ کے ہاتھ کچھ مال آیا ہوتا یا اور کوئی مضطر
کر دینے والا سبب پایا جاتا وہ لوگ یہ شہادت دے چکے تھے اور قرآن کے فضل
کا اقرار کر چکے تھے یہ بات آپ کے اور اُن کے اتباع کرنے کی کیفیت پر پوری پوری
اطلاع حاصل کرنے سے بخوبی معلوم ہوتی ہے پس اگر اُن کو معارضہ کرنے سے اپنے
عاجز ہونے اور قرآن کے اس قدر فضائل پر مشتمل ہونے کا جن کے جمع کرنے سے انسان
عاجز ہے یقین نہ ہوگیا ہوتا تو وہ ہرگز یہ اقرار نہ کرتے اور کبھی اس کی شہادت نہ دیتے
اور نہ وہ اتباع ہی کرتے جس کی وجہ سے انہیں اپنا دین جس کو وہ اپنے اعتقاد کے موافق

باعث نجات سمجھتے تھے چھوڑنا پڑا اور اپنی رسموں کے ترک کرنے کی مشقت اُٹھانا پڑی حالانکہ وہ عقیل و فہیم اور سخنور تھے۔ رہا فصحاء و بلغا کے حق میں جن کا معارضہ سے عاجز ہونا اس طرح پر ظاہر ہُوا کہ اُنہوں نے معارضہ کو چھوڑ کر جنگ کو منظور کیا جس کی وجہ سے اُنہیں بہت سے نقصانات اُٹھانا پڑے۔ یہ کہنا کہ بسا اوقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اُن سے جنگ کی ابتدا کی ہو اور اُن کو معارضہ کی فرصت نہ ملی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اس کی مہلت نہ لینے دی ہو اس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معارضہ کے لئے ان کو بُلانا اور اُن کا باز رہنا ایک آدھ واقعہ یا ذرا سی مدت میں ہوتا تو البتہ عقل آپ کے اس احتمال کو قبول کر سکتی لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ اُن کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین اُس وقت تک ہرگز لڑائی واقع نہیں ہوئی جب تک کہ آپ نے بار بار قرآن کو معارضہ کے لئے اُن پر پیش نہیں کر لیا اور کھلے خزانہ اُس کی منادی نہیں کر دی کہ انسان اُسکے معارضہ سے بالکل عاجز ہے اور اس پر ایک مدت گذر نہیں گئی اور مدت بھی کوئی تھوڑی نہیں بلکہ ایک قسم کی طویل مدت۔ علاوہ بریں اس زمانہ کے شروع شروع میں آپ کے اس قدر پیرو بھی نہیں ہُوئے تھے جن سے کہ لڑائی کی جا سکے پھر اس کے بعد بھی کہ آپ کے اور اس فرقہ کے مابین آتش جنگ برافروختہ ہو چکی جب کبھی آپ کو مہلت ہُوئی آپ برابر قرآن کو مقابلہ کے لئے اُن کے سامنے پیش کرتے رہے اور اُنہیں اُس کے معارضہ کی جانب بلاتے رہے اور انکے اور آپکے درمیان تصالح بھی بہت ہو جایا کرتی تھی اور اوقات صلح میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اُن لوگوں کے ساتھ بارہا یکجائی کا اتفاق ہوتا تھا۔ پس اگر انہیں معارضہ پر قدرت ہوتی تو اُنہیں

ممکن تھا کہ مصالحت اور فرصت کے زمانہ میں قرآن کا معارضہ کرتے اور جو کچھ وہ قرآن کے مقابلہ میں لاتے اُس کو آپ کے پاس بھیج دیتے اور قبائل عرب میں اُس کو شائع کر دیتے تو کوئی نہ کوئی اُن کا مددگار کھڑا ہی ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُن لوگوں نے اس کا قصد ہی نہیں کیا نہ آپ کے ابتدائے دعویٰ میں نہ وقت جنگ میں نہ زمانہ صلح میں اور اپنی فصاحت و بلاغت سے آپ کی اور آپ کے پیروی کرنے والوں کی صرف ہجو کرنے پر مضطر ہو گئے رہا قرآن کا معارضہ اس بارہ میں تو اُن کے مُنہ سے ایک کلمہ بھی نہیں نکلا اور اگر کسی نے قرآن کے معارضہ میں کچھ کہا ہوتا تو ہم پر مخفی نہ رہ سکتا اور مشرق سے لے کر مغرب تک برابر اُسے روایت کرنے والے نقل کرتے اس لئے یہ سارے احتمالات جن سے آپ نے ہمیں شک میں ڈالنا چاہا تھا بالکل غلط اور باطل ہیں اُن کو سوائے اُس شخص کے جسے تحقیق سے کچھ سروکار نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرقوں کا جو معاملہ تھا اُس کی حقیقت حال سے محض ناواقف ہو اور کوئی نہیں تجویز کر سکتا۔ پس ہم ان سب واہی تباہی احتمالات کو چھوڑتے ہیں اور اپنی پیشتر کی دلیل پر اعتماد کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بلا کسی شبہ کے برابر تصدیق کرتے رہیں گے اور اسی کا اقرار کئے جائیں گے

ان کا چوتھے فرقے پر شبہات کرنا

پھر یہ بہکانے اور شبہ میں ڈالنے والے لوگ اُس فرقہ کی طرف جھکے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی اُس وقت تصدیق کی تھی جبکہ اُنہوں نے خوارق عادات اور طبعی توانین قدرت کے مخالف امور آپ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہوئے مشاہدہ کر لئے تھے۔ پس اُن

سے یہ لوگ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ خوارق عادات ظاہر کئے ہیں احتمال ہے کہ یہ ایک قسم کا جادو ہو۔ پس انہوں نے تم لوگوں کی نظربندی کردی ہو جس کی وجہ سے تمہیں ان چیزوں کے واقع ہونے کا خیال بندہ گیا ہو تو اس فرقہ نے انہیں یہ جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جادوگروں کی سی حالت نہیں ہے کیونکہ آپ نیکی کا حکم کرتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور جادوگروں کی یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ بدکار اور شہوت پرست ہوتے ہیں اپنے رذیل اور ادنٰے درجہ کے مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے اعمال سحر کیا کرتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امور خارق عادات کا کرنا کسی ادنیٰ درجہ کی غرض کے لئے ثابت نہیں ہوتا وہ تو صرف اس غرض سے امور خارق عادت کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ جو شریعت آپ لائے ہیں اُس کی پیروی کرنے میں عقلوں کو اطمینان حاصل ہوجاتے اور آپکی شریعت سراسر مکارم اخلاق پر مشتمل ہے۔ تمام برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے ساتھ آراستہ ہونے کا حکم کرتی ہے۔ پس آپ کی حالت تو صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے۔ راہ مستقیم پر چلنے خلق خدا کو حق بات کی ہدایت کرنے اور راہ فلاح اختیار کرنے کے لحاظ سے بالکل انبیاء سابقین کی سی ہے اور آپ کے دعوے کی بھی خدا کی جانب سے اُسی طرح تائید ہوتی ہے جیسے کہ گذشتہ رسولوں کے دعوے کی خارق عادت امور کے سرزد کرنے سے جن پر کہ سوائے خدا کے اور کسی کو قدرت نہیں ہے تائید کی گئی تھی۔ اور امر خارق عادت کو سرزد کردینا خدا کی جانب سے اُس رسول کے دعوے کی تصدیق کے قایم مقام ہے گویا خدا یہ فرماتا ہے کہ ان امور میں میرا بندہ سچا ہے جو میری جانب سے وہ تمہیں پہنچاتا ہے اور عالم کے عادی قوانین قدرت کو اُسکے

ہاتھ پر میرا خرق کر دیا اور ان عادی قوانین قدرت کے خلاف ظاہر کرتا ہی میری جانب سے اُسکے دعوے کی تصدیق ہے (سابق میں اس کی کافی طور پر توضیح ہو چکی ہے اگر آپ چاہیں تو وہاں دیکھ لیں) علاوہ بریں بعض خارق عادت امور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پہ ایسے بھی ظاہر ہوئے ہیں جن کی نسبت عقل ہرگز تصدیق نہیں کر سکتی کہ جادوگروں کو اُن پہ قدرت ہو سکتی ہے جیسے کہ چاند کا شق ہو جانا جس کا تمام لوگوں نے خواہ وہ وہاں موجود تھے یا میدانوں میں سفر کر رہے تھے سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا، چنانچہ جیسے کہ اس امر کو اُن لوگوں نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے اور جنھوں نے کہ اس کی درخواست کی تھی دیکھا تھا اسی طرح اُن مسافروں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا اور آکر خبر دی تھی جو دور دراز مقامات سے وارد ہوئے تھے جن کا افق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس والے لوگوں کے افق کے ساتھ موافقت و مساوات رکھتا تھا پس فرض کر لیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کی نظر بندی کر دی ہو یہاں تک کہ انہوں نے اس امر کا مشاہدہ کر لیا کہ چاند شق ہو گیا تو کیا آپ کی قدرت میں یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اُن مسافروں کی بھی نظر بندی کر دیتے جن میں سے ہر فریق میدانوں میں جدا جدا مقام پر تھا اس بات کا سوائے اُس شخص کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا جو دھینگا دھینگی کرے یا اس امر سے محض ناواقف ہو کہ جادوگروں کو اپنے اعمال میں کہاں تک قدرت ہو سکتی ہے علاوہ بریں ہم نے بعد اس کے کہ ان خوارق کے باعث سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور پورے طور سے آپ کی شریعت پر مطلع ہو گئے اور آپ کے ساتھ خوب خلا ملا بھی بڑھا لیا اور آپ کے حالات میں نہایت باریک بینی سے غور کیا تو ہم نے آپ کی شریعت میں سرتا پا راستی اور وہی تمام امور پائے جن پر عمل کرنے والے کو سراسر بہبودی اور بھلائی حاصل ہو اور تمام نقصانات سے وہ محفوظ رہے اور آپکی شریعت اصل

استقامت اور راستی میں گو رسل سابقہ کی شرائع کے مثل نکلی لیکن تمام ابواب کمالات پر پورے طور سے حاوی ہونے کے لحاظ سے اُن سے بھی فوقیت لے گئی اور ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس سے عقل انکار کرے یا آپ کی جانب سے دل میں کچھ شک پیدا ہو اور نہ آپ کی شان جادوگروں کی سی معلوم ہوئی اور نہ آپ کا حال حیلہ بازوں ہی کا سا نظر آیا جو متاع دنیا کے حاصل کرنے اور اپنی شہوت رانی کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے کیا کرتے ہیں بلکہ آپ کا تو یہ طریق ہے کہ لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے تھے اور یہ سکھلاتے تھے کہ وہ اپنے مالک کا شکر ادا کیا کریں کنبہ والوں کے ساتھ سلوک سے پیش آئیں یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کریں اور باوجود اس کے کہ آپ اپنی پیروی کرنے والوں پر پدر شفیق کی طرح شفقت فرماتے تھے آپ کو اُن کے مال و دولت کی ذرا بھی طمع نہ تھی اور نہ اُن کی لذیذ چیزوں سے آپ کو کچھ میلان تھا بلکہ آپ پہلے رسولوں کی طرح (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) خود ہی اُن پر احسان کیا کرتے تھے۔ پس جو کچھ ہم نے بیشتر بیان کیا اُس کی بناء پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کے سچے ہونے میں ذرا بھی شک باقی نہیں رہا اور آپ کا یہ بہکانا اور شک میں ڈالنا بالکل ہوا ہو گیا اور ہر منصف کی نظر میں اُس کا کچھ اعتبار نہ رہا اس لئے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی برابر تصدیق کرتے رہیں گے اور جو کچھ آپ خدا کے پاس سے لائے ہیں اسی پر ایمان رکھیں گے خدا ہی توفیق کا مالک ہے۔

ان کا پانچویں فرقے پر شبہات کرنا

اس کے بعد یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کی طرف مائل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے صدق پر اُس صفت سے استدلال کیا تھا کہ جو انبیاء سابقین کی کتابوں میں ایسے رسول کی علامتیں مذکور تھیں جن کا آنا آپ کے بعد ظاہر ہونے والا تھا وہ سب علامتیں آپ پر منطبق ہو گئی تھیں پس اس فرقہ سے یہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو کیا معلوم کہ یہ علامتیں کسی ایسے دوسرے رسول پر منطبق نہ ہوں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کرنے سے پہلے ہو گذرے ہوں تو اس فرقہ نے انہیں یہ جواب دیا کہ ہم نے اُن رسولوں کے حالات کی تواریخ میں بحث کر کے دیکھا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر اور ان کتابوں میں ان علامتوں کے وارد ہونے کے بعد ہوئے ہیں پس ہمیں تو اُن میں سے کوئی بھی ایسا رسول نہیں ملا جس پر ساری علامتیں منطبق ہو جاتیں اور اگر کوئی ایسا ہوا ہوتا تو رسولوں کی ساری تاریخیں اُس کے ذکر سے خالی نہ ہوتیں اور اُس کی خبریں بھی ہم تک ضرور نقل کی جاتیں اگرچہ بعض قصص کی کتابوں ہی میں کیوں نہ اُن کا ذکر ہوتا کیونکہ ایسے شخص کا بالکل اس طرح ذکر ہرگز نہیں مٹ سکتا۔ ہاں بعض انبیا ایسے پائے گئے ہیں جن میں بعض بعض علامتیں پائی گئی ہیں لیکن اُن سے پیشتر کوئی ایسا نہیں ہوا جس میں یہ سب کی سب علامتیں موجود ہوتیں اور ہم نے اپنے استدلال کی تقریر میں اس کی توضیح کر دی ہے (پس وہیں دیکھ لینا چاہیے) پھر یہ لوگ اُن سے کہنے لگے تمہیں یہ کیا معلوم شاید خدا کی جانب سے آیندہ کوئی رسول آئے جس پر یہ ساری علامتیں منطبق ہو جائیں اور ان کتابوں میں جس شخص کی خبر دی گئی ہے اس سے وہی مقصود ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ علامتیں اتفاقی طور پر منطبق ہو گئی ہوں اگرچہ ان سب علامتوں کا دو شخصوں میں مجتمع ہو کر پایا جانا نہایت ہی مستبعد ہے لیکن تاہم عقل اس کو محال بھی نہیں سمجھتی پس اس فرقہ

نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس امر کی جانب ہدایت منسوب
کی جاتی ہے کہ اس نے سوال کیا تھا اور اُن پیشگوئیوں اور حوادث کی نسبت جو ہمارا نبی
ہی علیم و حکیم ہے اس لئے یقینی آئندہ ہونے والی باتیں ہیں اور سب کا ظہور میں آنا
ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن جب آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مقصود ہیں
اور علامت کا ذکر ہے کیونکہ اور علامات ہیں جن کی نسبت پیشینگوئی ہوتی ہیں اور ان کی مقصود
ضرور ہیں گئے کیونکہ یہ مقصود ہو گئے وہ اُن کے بعد میں آئیں گے اگر یہ مقتضا کہ ذکر کی حکمت
کے مقتضا کے موافق وہ تم لوگوں پر ضرور آگاہ کر دینا چاہیے اور تا کہ تم لوگ بیان کی صرف اتنا
ہی کیوں نہ ہو دینا کہ آئندہ ایک شخص مدعی رسالت پیدا ہوگا اور جس رسولوں کی تواریخ
ہیں جو علامتیں مذکور ہیں وہ سب اس پر صادق ہونگی جن کو ان سے خبری ہوگی بلکہ
میری مراد صرف وہ شخص ہوگا جو اس کے بعد آئے گا اور چونکہ تم نے بتایا کہ نبی
سے اس قسم کی کوئی اطلاع وارد نہیں ہوئی ہے اس لئے لازم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم ہی یقیناً مراد ہوں اور ان علامات کا دو شخصوں میں پائے جانے کا احتمال جس
کی نسبت تم کہتے ہو کہ عقل اُسے محال نہیں سمجھتی تو اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ وہ بلا
شک محال ہے کیونکہ اس سے یا تو اللہ تعالیٰ کا آئندہ کے واقعات سے جاہل اور
ناواقف رہنا لازم آئے گا یا یہ ماننا پڑے گا کہ خدا کے افعال حکمت کے خلاف بھی
ہوتے ہیں اور وہ اپنے بندوں کو دھوکے میں ڈالا کرتا ہے اور یہ تمام چیزیں محال
ہیں (جیسا کہ یہ امر جہاں خدا کی صفات کا بیان ہوا ہے ثابت ہو چکا ہے) پس جو
شئے محال کو مستلزم ہے وہ بھی محال ہوگی۔ اس بنا پر ان علامتوں کے دو شخصوں میں
پائے جانے کو عقل ہرگز تجویز نہیں کر سکتی اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی جن میں

یہ ساری علامتیں بتمامہا پائی گئی ہیں قطعاً مراد ٹھہرے اور ہم اپنے استدلال کی تقریر
میں پورے طور سے اس کی شرح بیان کر چکے ہیں پس بلا کسی شک و شبہ کے محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی ہم برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

ان کا چھوٹے فرقہ پر شبہات کرنا

پھر یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کی
جانب مائل ہوئے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر
اس طرح استدلال کیا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو
آپ کی تصدیق پر یہ سارے دانا اور عقلمند فرقے اتفاق نہ کر لیتے بعد اس کے کہ
وہ آپ کے نہایت شدت سے مخالف تھے اور آپ کی بڑے زور و شور سے تکذیب
کیا کرتے تھے اور اپنے عقائد و رسموں کے بڑے حمایت کرنے والے تھے اور نہ ان کو
آپ کے صدق کی اس قدر کثرت سے دلیلیں ملتیں لیکن چونکہ یہ سارے عقلمند فرقے
آپ کی تصدیق پر متفق ہو گئے اور ان کو اس قدر کثرت سے دلیلیں مل گئیں اس لئے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ٹھہرے تو یہ لوگ ان سے کہنے لگے احتمال ہے کہ
ان فرقوں کی دلیلوں میں سے ہر دلیل ظنی ہو جس سے یقین نہ حاصل ہو سکتا ہو اور
جب یہ حالت ہو تو ساری دلیلیں مجموعی طور پر بھی ظنی ہی رہیں گی کیونکہ مجموعہ کی حقیقت
سوائے ان آحاد و اجزاء کے اور کچھ نہیں ہوا کرتی پس اعتقاد اور دین کے چھوڑ دینے
کے بارہ میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت بیانیہ کی وجہ سے ان میں سے ہر فرقہ کی ظنی دلیل کو ......
...... یقینی دلیل کا لباس پہنا دیا ہو۔ پس اس فرقہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا
کہ ان فرقوں میں سے جنھوں نے ان دلیلوں سے استدلال کیا ہے ہر فرقہ کی یہ حالت

ہے کہ جب اُس میں عاقل غور کرے گا اور دیکھے گا کہ وہ سب عقلمند اور اپنے عقائد اور عادات کے بڑے حامی و طرفدار تھے تو اُن کی عقل ہرگز اس کی تصدیق نہ کرے گی کہ ان فرقوں نے اپنے دین اور اپنی رسموں کے ترک کرنے میں کسی ظنی دلیل پر اعتماد کیا ہو اور اپنی دلیل کی تنقیح اور اس بارہ میں یقینی دلیل پر اعتماد کرنے میں سستی یا کوتاہی کی ہو کیونکہ جس امر کی انہوں نے پیش قدمی کی ہے اُس پر اُن کا پیشقدمی کرنا کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس بارہ میں تحقیق و تدقیق سے کام نہ لیتے اور اس کو مہمل رہنے دیتے۔ پس جس چیز سے کہ عقل مطمئن و تسکین پا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ اُن میں سے ہر طائفہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے میں سوائے قطعی دلیل کے جس سے یقین حاصل ہو سکے اور کسی دلیل پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اُن دلیلوں میں سے ہر دلیل کا یقینی ہونا اس تقریر سے قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا تاہم ان ساری دلیلوں کا ایک ہی نتیجہ پر متفق ہو جانا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ہے خود ایک مستقل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے ہمیں آپ کے دعوے کی صحت کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے اور مخالف کا یہ کہنا کہ جب علیحدہ ہر ایک دلیل ظنی ہو تو اُن سب دلیلوں کا مجموعہ بھی ظنی ہی ہوگا کیونکہ مجموعہ سوائے اُن آحاد و اجزاء کے یکجائی طور پر لحاظ کرنے کے اور کسی چیز کا نام نہیں ہے تو یہ کہنا تسلیم کے قابل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مجموعہ گو انہیں آحاد و اجزا کا نام ہے لیکن ہر جزء کے اور مجموعہ کے حکم میں محسوسات اور معقولات دونوں کے اعتبار سے بڑا فرق ہے دونوں کا ایک حکم نہیں ہو سکتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں (اس کی تفصیل اُس مقام پر گذر چکی ہے جہاں اُن فرقوں کی دلیلوں میں تاویل کرنے والے لوگوں پر رد

کر لیا ہے جنھوں نے اُس شخص کو سچا سمجھا تھا جسے بادشاہ نے قتل کیا تھا اور اسی
طرح یہ بھی کچھ اور بیان کر دیا جائے گا کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک موٹی رسی
جیسے بہت سے تاگوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں سے ہر ایک تاگا ایک چھوٹا سا تاگہ کسی تنہا
شخص کو توڑ سکتا ہے لیکن ان سب تاگوں کا مجموعہ جسے رسی کہتے ہیں اس کے قطع کرنے
سے تو ہر ایک شخص بھی عاجز ہے اور یہی کیفیت اس حالت میں بھی ہے اگر کسی
مجمع سے ایک جماعت کثیر بیان کرے کہ وہ ایک تقریر کرنے والے کے پاس حاضر تھے جب
وہ اُن کی تقریر سن کر نکلے اور ان میں سے ہر شخص یہ خبر دے کہ مقرر اثناء تقریر
میں منبر سے گر پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا پس اس صورت میں اُن میں سے ہر شخص
کی خبر فقط ظنی ہو۔ گو یہ ظنی ہے ہر ایک میں احتمال ہے کہ اُس نے جھوٹ کہہ دیا ہو
لیکن اُن سب لوگوں کی خبریں مجموعی طور پر ضرور یقین کو مفید ہیں کیونکہ عقل اس بات کو
محال سمجھتی ہے کہ اتنی بڑی جماعت کی جماعت نے جھوٹ بولنے پر اتفاق کر لیا
ہو حالانکہ ہر ایک اُن میں سے ایک جدا جدا خیال کا آدمی ہو اور کوئی ایسا جامع بھی
نہ پایا جائے جو اتنے بہت سے لوگوں کو اس جھوٹی خبر کے تراشنے پر اکٹھا کر دے۔
اور ایسا ہی اس وقت بھی ہے جبکہ ایک جماعت کی جماعت یہ کہے کہ حاکم اپنے
سفر سے اس شہر میں لوٹ آیا ہے۔ پس کوئی تو یہ کہتا ہو کہ میں نے آج اُسکے بعض
نوکروں کے پاس دیکھا ہے کہ اُسکے کپڑے آ گئے ہیں کوئی کہتا ہو کہ میں نے اُس کے
خاص خادموں کو جو اُسی کی خدمت میں رہا کرتے ہیں دیکھا ہے کہ وہ آ گئے ہیں
کوئی یہ کہتا ہو کہ میں نے اُس کے عزیز لڑکے کو جسے کہ وہ کیا سفر اور کیا حضر ہمیشہ
اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اُس کی عادت ہے کہ کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا وہ بھی

آ گیا ہے کوئی کہتا ہو کہ میں نے آج بہت سر ہونے کی آواز سنی ہے تو پوچھنے والوں سے
اس کا سبب پوچھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ آج شہر میں دعا مانگی اور شور ہے اس لئے
توپیں سر ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہو کہ میں نے اسکے دروازہ پر دیکھا ہے کہ کشتی سے
اترتے وقت امیر کو سلام کرنے اور [illegible] سے ملاقات کرنے کے لئے بڑی بھیڑ لگ رہی
تھے اور انہیں سے یہ خبر پائی مجھے معلوم ہوئی ہے اس طرح کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ
اور ان میں سے ہر ایک نے [illegible] دلیل بیان کی تو جب آپ سے مجرد ان کو دیکھ
پاتے تو شبہہ ہے کہ عقل اپنے اوپر ہر دلیل کو علیحدہ دیکھ کر قطع نہیں کرتی بلکہ
سب کو مجموعی طور پر دیکھتی ہے اور جانتی ہے کہ یہ سب لوگ اتفاقی طور سے ایک
ہی بات پر ہرگز اکٹھا نہیں ہو سکتے اور اسی وجہ سے تو کسی بات کا قطعی طور پر یقین
کر لیتی ہے پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ان دلیلوں میں سے ہر ہر دلیل چاہے ظنی ہی
کیوں نہ ہو لیکن سب مل کر ضرور یقین کو مفید ہوں گی اور مجموعی طور پر ان سے بلاشک
قطعی علم حاصل ہو جائے گا۔ رہا آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ ممکن ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی فطرتی تیزی اور قوت بیانیہ کے زور سے ہر فرقہ کے لئے ظنی دلیل قائم کر دی
ہو اور اس کو یقینی دلیل کے پیرایہ میں مزین کر کے ظاہر کر دیا ہو تو اس بات کا وہ
شخص قائل ہو سکتا ہے جسے ان دلائل کی حقیقت سے کچھ واقفیت ہی نہ ہو
جن پر کہ ان فرقوں نے اعتماد کیا ہے کیونکہ ان میں سے اکثر دلیلیں ایسی ہیں جن کے حصول
میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ذرا بھی دخل نہیں۔ پس کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آپ
ہی نے ان دلیلوں کو قائم کیا ہو اور یقین کے پیرایہ میں انہیں مزین کر دیا بھلا غور تو کیجئے
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر ممکن تھا کہ آپ فصحاء و بلغاء میں قرآن میں معارضہ سے عجز

کو پیدا کر دیتے اگر خود قرآن ہی معجزہ نہ واقع ہوا ہوتا۔ اور جو شبہے اس پر وارد ہوتے ہیں
اُن کا جواب اس موقع پر گذر چکا ہے جہاں پیشتر پادری فرقہ سے گفتگو ہوئی ہے پس
چاہیے کہ وہیں دیکھ لیا جائے،

فرض کر لیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں رسل سابقہ کی کتابوں میں اخلاق
اور افعال اختیاریہ کے قبیل سے مذکور تھیں اپنے میں پیدا کر لی ہوں مثلاً یہ کہ آپ
نیکی سے محبت اور گناہ سے عداوت رکھیں گے۔ انصاف سے حکم کریں گے کفار سے
محاربہ کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا آپ کو اپنے میں جسمانی علامتیں پیدا کر لینا بھی ممکن
تھا مثلاً یہ کہ آپ کے دونوں شانوں کے بیچ میں آپ کے بادشاہ کی علامت ہوگی اور
یہ کہ آپ قومی ہوں گے۔ اور کیا ان علامتوں کا پیدا کر لینا بھی آپ کے اختیار میں تھا
کہ جو اختیاری نہ تھیں بلکہ عالم میں اقبال مندی میں جن کا شمار ہے جیسے کہ فرقوں کا
آپ کے ماتحت ہونا اور ہدایا کا بادشاہوں کے پاس سے آپ کے پاس وارد ہونا۔
مالداروں کا آپ کی اطاعت کرنا۔ اور صحراء کا آپ کے ذکر کے ساتھ اپنی بلند آواز کرنا۔
اور صحراء سے مراد وہ دیار ہیں جن میں قیدار سکونت پذیر تھے اور آپ کا (ایسے
پتھر کے مانند) ہونا جسے معماروں نے رد کیا ہو اور وہ کونے کا سرا بن گیا ہو۔ اور
آپ کو فرقوں پر حکومت ملنا حبشہ کا آپ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑنا۔ یمن کے
بادشاہوں کا آپ کے پاس قربانیاں لے کر آنا اور ان فرقوں کا آپ کے ساتھ فروتنی
و اطاعت سے پیش آنا۔ آپ کو سبا سونا دیا جانا۔ آپ کا آپ کے پیروی کرنے والوں
کا زراعت کثیر کے مثل ہونا آپ کی سلطنت کا دن بدن بڑھتا جاتا۔ آپ کے غلبہ
کے بعد بتوں کا ٹوٹ جانا اور زمین پر ڈال دیا جانا۔ اور جن بادشاہوں سے آپ کا

محاربہ ہوا ہو پرندوں کا اُن کے گوشت کو کھانا۔ آپ کے پیروی کرنے والوں کا بادشاہوں کو طوق و زنجیروں میں باندھ کرکے چلانا اور گھسیٹنا۔ خدا کا اُن سے قوم بنی اسرائیل کو غیرت دلانا۔ ایک جاہل قوم سے اُن کو غیرت دلانا اور غضبناک کرنا ان علامتوں کا انطباق اس فرقہ کی گفتگو میں گذر چکا ہے جس نے ان علامتوں سے استدلال کیا تھا پس وہیں دیکھنا چاہیئے پس ہماری تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جتنے احتمال ان لوگوں نے تہمت اور شک میں ڈالنے کے لئے وارد کئے تھے سب ناممکن ہیں عقل سلیم جو تعصب سے خالی ہو ان کی ہرگز تصدیق نہیں کر سکتی۔ اس لئے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی بغیر کسی شبہ کے برابر تصدیق کرتے رہیں گے۔

پھر ان لوگوں کا اہل سائنس اور مادہ کے قدیم ماننے والے فرقہ پر شبہات وارد کرنا

پھر یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ اس فرقہ کی طرف جھکے جو طبعی اور مادہ کا قدیم ماننے والا فرقہ تھا پھر اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی تھی اور آپ کا پیرو بن گیا تھا اس لئے کہ محمدی عالم نے اس فرقہ کے لئے ایسے دلائل بیان کر دئے تھے اور اُن کی تشریح کر دی تھی جو صانع عالم اور وحی سے انکار کرنے کے بارہ میں اُن کے مذہب کے بطلان پر اور نیز اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین صحیح اور عقل کے موافق ہے اور اس کے احکام یقینی ہیں اور اس کے ساتھ ہی جتنے شبہے کہ طریق تصدیق میں اُن کو سدراہ ہو سکتے تھے اُن سب کو اس نے دفع کر دیا تھا پس ان بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگوں نے بعد اس کے کہ اُن مذاکرات اور مباحثات پر اطلاع حاصل کر لی جو اس فرقہ

اور محمدی عالم کے دلائل جو واقع ہوئے تھے سو دیکھا کہ جتنے شبہوں سے اس فرقہ کو
شک میں ڈالنے کی انہیں امید ہو سکتی تھی ان سب کو اس محمدی عالم نے اپنے
سوالوں میں شامل کر دیا ہے اور سب کا ابطال ظاہر کر دیا تو یہ لوگ اپنا سا منہ لے کر
رہ گئے اور کہنے لگے کہ چارہ نہیں اس فرقہ کے ساتھ سوائے اس کے اور کچھ گنجائش
باقی نہیں رہی کہ ہم اس فرقہ والوں کو اس عالم کی گفتگو کے بارہ میں مشکوک بنا دیں جس
کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرتے ہیں ان کی تسکین ہو گئی ہے
پس ان سے کہنے لگے کہ شاید اس عالم کی قوت بیان اور قوت استدلال بڑھی
ہوئی ہو اور اس کی تقریر وسیع ہو بیانوں کے مختلف اسلوب اور طرز اور ان کے ہر طرح
کے پہلوؤں سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہو سو اس نے اپنی جادو بیانی کے منتر سے
آپ لوگوں کی عقلوں کو لبھا لیا ہو یہاں تک کہ آپ کو یہ خیال بندھ گیا ہو کہ جو کچھ
آپ کے خیالات اور مذہب میں اس کی شریعت کے مخالف ہے وہ باطل ہے اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین صحیح و حق ہے۔ پس آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ اپنے
مذہب پر جمے رہتے اور اپنے اعتقادات کو جو بڑے بڑے علوم پر مبنی تھے،
محض اس عالم کی گفتگو اور مباحثہ کی وجہ سے نہ چھوڑ بیٹھتے تو اس فرقہ نے ان
لوگوں کو یہ جواب دیا کہ ہم لوگ دانشمند ہیں ہمیں مناظروں میں کامل دستگاہ
حاصل ہے جو شخص ہم سے مناظرہ کرے ہم اس کے مقابلہ میں پوری پوری فطانت
سے کام لے سکتے ہیں اس لئے ہم ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتے کہ یہ محمدی عالم
بلکہ اس سے کوئی بہت ہی بڑا کیوں نہ ہو ہمارے سامنے دلائل میں رنگ آمیزیاں
کرنے اور ہم پر ان کو ملتبس کر دینے کی قدرت رکھتا ہو اور کسی امر نا صواب اور

نے اعتماد کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی اختیار کر لی تھی تو ہمیں یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ سب دلیلیں صحیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر یقینی دلالت کرتی ہیں خصوصًا سب کی سب مجموعی طور پر جن کے اس قدر وفور کے ساتھ اتفاقی طور پر مجتمع ہو جانے کا ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا۔ پس اس وقت ہمارے لئے پورے طور سے حق ظاہر ہو گیا اور حق کے ظاہر ہونے کے بعد بجز جان بوجھ کر گمراہی اختیار کر لینے کے اور کیا رہ گیا اور ہم لوگ تو ہمیشہ لوگوں میں اس کے دعوے بگھارا کرتے ہیں کہ صاحب ہم تو آزاد خیال کے ہیں ہمیں جہاں کہیں حق ملتا ہے بلا تکلف قبول کر لیتے ہیں پھر بعد ان سب باتوں کے بھی ہم کیونکر دھینگا دھینگی کریں اور امر صواب کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں خصوصًا دھینگا دھینگی بھی کیسی جس کا نتیجہ ابدی بدبختی اور اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خسران میں ڈالنا ہو۔ پس بعد اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی اختیار کرنے کے سوا ہمارے لئے اور کوئی گنجایش نہیں رہی اس لئے ہم نے کامل درجہ کے ایمان اور پکے یقین کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر لی اور آپ کے پیرو بن گئے سو آپ لوگوں کا اس محمدی عالم کی گفتگو میں ہم کو شک دلانا کچھ نفع نہیں دے سکتا آپ کو اور آپ کی خیر خواہی کو ہمارا سلام ہے آپ اپنی خیر خواہی رہنے دیجئے اور ہمارے پاس سے تشریف لے جائیے۔ اب اس وقت یہ بہکانے اور شک میں ڈالنے والے لوگ ان فرقوں کے پاس سے غیں غیں کرتے ہوئے خالی ہاتھوں لوٹ آئے اور ان کا کچھ مدعا حاصل نہ ہو سکا۔ خدا فسادیوں کی کارروائی کو راس نہیں لگنے دیا کرتا۔

ایک ناسمجھ فرقہ کا بیان | یہ تو ہو چکا اور سنئے کہ منجملہ تمام جماہیر کے جن کے مابین محمد

صلی اللہ علیہ وسلم دعوے رسالت کرنے کھڑے ہوئے تھے ایک ایسا فرقہ بھی تھا
جنکے خیالات نہایت ہی پست تھے عقل کُند تھی اور تعصب میں ایسا کڑا تھا کہ چاہے
پہاڑ ٹل جائے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے ذرا نہ ٹلتے اور وہی مرغے کی ایک
ٹانگ گایا کرے پس جب اس فرقہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی سُنا اور ان تمام
فرقوں کو آپ کی پیروی کرتے دیکھا تو اپنے سوء اختیار سے یہی اچھا سمجھا کہ اپنے
معتقدات اور رسوم پر اندھا دھند تعصب کے ساتھ جمے رہیں اور محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے دعوے کی بلا کسی دلیل اور سند کے صرف یہ کہہ کر تکذیب کیا کریں کہ
صاحب ان معتقدات اور رسموں پر تو ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے ہم تو
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی وجہ سے اُن میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑ سکتے اور
بھلا کیونکر چھوڑ دیں۔ حالانکہ ہمارے اسلاف اسی پر رہے اور برسوں سے ہم بھی
اسی پر عمل کرتے چلے آتے ہیں خلاصہ یہ کہ وہ اپنی اسی پست خیالی اور اپنی اسی
ہٹ دھرمی پر اصرار کیا کئے پس اس فرقہ کے لوگ نہایت ہی کمینہ طرز اور خطرناک
طریق کی پیروی کے ساتھ اپنی گمراہی میں رہے اور انھوں نے امر صواب کا اتباع نہ
کیا اور عقلمندوں کی طرح اپنی اختیار کی ہوئی باتوں کے بارہ میں گفتگو کرنے سے کنارہ کش
رہے اُنہوں نے اپنے خیالات کی جاہلانہ طور پر حمایت کی۔ پس خسران کے غاروں میں
جا گرے اور ذلت وخواری کے سب سے نیچے طبقہ میں اُتر گئے۔ خدائے پاک اس
عناد اور سرکشی میں اُن کو ہرگز معذور نہ رکھے گا قیامت کے دن اُن سے ضرور انتقام
لے گا۔

اور اگر کہا جائے کہ اس فرقہ کے خیالات تو بالکل پست اور یہ تو عقل کا کُند تھا

جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہیں شاید خدا کے نزدیک اُن کا یہ عذر قبول ہو جائے اور وہ یہ
کہہ دیں کہ ہمارے زمانہ میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا
تو ہمیں اتنی سمجھ ہی نہ تھی جس سے اُن کے دعوے کی تحقیق کرتے تک ہماری رسائی ہوتی۔
اسی لئے ہم لوگ ان کی تکذیب پر اصرار کرتے رہے تو ہمیں کون دوش لگا سکتا ہے لیکن اُن کے خیالات کا پست
اور عقائد کا گندہ ہونا اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کی عقل مخالفت کرتی تھی یا کسی قسم کا نقصان
تھا وہ اُن کی عقلوں میں کوئی نقص یا ضعف تھا جس کی وجہ سے وہ تنزل اور ضد و انانیت
کے ذریعہ سے اُمور ہائے تعلیم یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی تکذیب پر تلے رہتے
اور اس کی تحقیق نہ کرنے میں خدا کے نزدیک معذور سمجھے جائیں اور تکلیفات شرعی اور
خدا داد عقل و احکام کو قبول جس کا خدا نے بندوں کو جن دونوں کو ہمارا ان سے مکلف بنایا
ہے اُن سے ساقط ہو جاتے بلکہ یہ عقل کی کمزوری اُن میں اس وجہ سے تھی کہ وہ شہوات
میں غرق تھے لذات کے خیال میں لگے رہتے تھے مرغوبات دنیوی اور اپنی ہوا و ہوس
میں پھنسے رہا کرتے تھے اسی لئے غور و تحقیق کا طریق اُن کو نامعلوم ہوا اور غفلت
پر مائل ہو گئے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہم انہیں مرغوبات کی تحصیل اور دربارہ دنیوی
مقاصد کے اپنے مقابلین و مخالف سے مجادلہ کرنے میں دیکھتے ہیں کہ وہ بڑے غور و فکر
سے کام لیتے ہیں۔ بڑے بڑے استدلال کرتے ہیں۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کے
لئے بڑے محقق اور باریک بین بنتے ہیں ایک ایک سوئی کے لئے بھی بڑی بڑی فکریں
کرتے ہیں۔ پس جب انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سنا تھا تو اس کے
بارہ میں غور و تحقیق کرنے سے انہیں کونسا مانع پیش آ گیا تھا یہی نا کہ وہ اپنی شہوتی اور
ہوائے نفسانی میں پھنسے تھے دنیائے فانی پر مائل ہو رہے تھے پس قانون انصاف

کے موافق قیامت کے دن وہ خدا کے انتقام کے مستحق ہوں گے سوائے نصاریٰ کے
اُن پر تنکا برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اسی طرح آپ بہتیرے اُن لوگوں کو دیکھیں گے جو لذات اور
فانی مرغوبات کے حاصل کرنے میں پھنسے ہوئے ہیں اپنے عقائد کی تصحیح اور عبادات و
معاملات کے سمجھنے سے اپنے آپ کو انہوں نے جو چھڑا رکھا ہے اس کی پروا نہیں
کرتے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ شریعت تمہیں ان چیزوں کے سمجھنے کی تکلیف
دیتی ہے اور اس کا حکم کرتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہماری عقلوں میں اُن کے سمجھنے کی طاقت
ہی نہیں ہے اور کہاں تک ہم یہ سمجھ سکتے ہیں حالانکہ اپنی سمجھ اور فکر کو اس سے بڑھ کر ان چیزوں میں جو ایسی
باتوں میں دور تک پہنچتی ہیں [illegible] مرغوبات دنیوی کے حاصل کرنے اور ان کی ترقی کی تجویز میں
ہو اپنے مخالفوں سے متکبر بنتے ہیں آپ کو وہ بڑے بڑے لائق قرار دیتے ہیں حقیقت میں مغرور ہیں
پس اگر وہ بھی عقلوں کو جو خدا نے انہیں عنایت کی ہیں اس قدر علم کے سیکھنے کی
طرف متوجہ کرتے جتنا کہ خدا نے اُن پر فرض کیا ہے تو وہ اپنے میں سیکھنے کی قابلیت
اور سمجھنے کی ضرور استعداد پاتے لیکن کاہلی اور شہوات میں پھنسے رہنے اور ہر وقت متاع
دنیا کی تحصیل نے انہیں مدہوش و سرگرداں بنا رکھا ہے۔ اپنے ظاہر کو عمدہ عمدہ لباس
سے آراستہ کرتے ہیں اپنے شکم کو طرح طرح کے کھانوں سے سیر کرتے ہیں اور اُن کی
عقلوں کو دیکھئے کہ سچے علوم اور معارف حقہ کے زیور سے بالکل خالی ہیں پس وہ شریعت
محمدیہ کی نظر میں کسی طرح معذور نہیں ٹھہر سکتے خدا اُن سے قیامت کے دن اُن امور
کی نسبت ضرور پوچھے گا جن چیزوں کے سیکھنے کا اس نے انہیں حکم دیا تھا اور اس وقت
اپنی کوتاہی کی وجہ سے طرح طرح عذاب کے مستحق ہوں گے۔

اس پست خیال فرقہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برابر نصیحت کرتے رہنا

علیٰ ہذا القیاس اُن فرقوں کے ساتھ جو محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت سے۔ جہالت۔ نادانی اور گمراہی کی وجہ سے انکار کیا کرتے تھے آپ
کی برابر یہی کیفیت رہی کہ آپ اُن کے لئے اپنے دعوے کے صدق پر براہین و دلائل
قائم کیا کئے۔ اُن کے روبرو وعظ و نصیحت پیش کرتے رہے حتی الامکان اُن کی تالیف
قلب میں کوشاں رہے اُن کو راہ حق کی ہدایت کرتے رہے۔ اسی طرح دعوے رسالت
کئے ہوئے آپ کو ایک مدت گذر گئی اور آپ کو سوائے اس کے اور کچھ حکم نہ ملا کہ آپ اُن
کو موعظت بلیغ کرتے رہیں اور نہایت خوبی کے ساتھ اُن سے مناظرہ کیا کریں لیکن جب
عقول سلیمہ اور انظار صحیحہ کے نزدیک یہ بات ظاہر مدلل اور مبرہن ہو چکی کہ ان لوگوں کے
ساتھ دلیل و برہان سے کام نہ چلے گا انہیں نصیحت نفع نہ بخشے گی اور اُن کو ہدایت کرنے
کا کوئی ثمرہ نہ ہوگا بلکہ انہوں نے اپنی گمراہی میں پڑے رہنے اور دین حق اور راہ راست
کی پیروی قبول نہ کرنے اور اپنے ہی نفسوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہنے سے گذر کر
یہ طریقہ اختیار کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی ایذا رسانی میں بھی
کوتاہی نہیں کرتے تھے انہیں جب کبھی موقع ملتا تھا تو اُن کے ساتھ مکاری و دغا بازی
سے پیش آتے تھے اُن کے دین کے راستہ میں اڑنگا لگاتے تھے اُن کے لئے نئی نئی عزر
رساں باتیں ایجاد کیا کرتے تھے اُن کے ساتھ شریروں اور فسادیوں کا سا معاملہ کرتے
تھے تو پھر اُس وقت خدا نے آپ کو اجازت دی کہ آپ اپنے اعداء اور جھگڑالو دشمنوں
سے جو بالکل کُند طبیعت اور ناسمجھ ہیں جہاد کریں اور بجائے ترغیب کے مجبوراً ترہیب
سے کام لیں اور اس طرح پر اُن کی ایذا رسانی اور فساد کو دفع کریں اور سرکشی و عناد
کی جڑ ہی کاٹ دیں اور ایسا تو بسا اوقات ہوتا ہے کہ ملکوں کی سلامتی کے لئے شریروں
کی بیخکنی پر جرأت کی جاتی ہے اور اگر کسی کا کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو ہلاکت سے

بچانے کے لئے اُس کا وہ عضو قطع کر دیتے ہیں لیکن خدا نے جہاد کو ایسے حدود پہ مقرر و
مشروع کیا ہے جس سے رفق و آسانی کی بھی گنجائش باقی رہتی ہے اور شفقت و انصاف
ہاتھ سے جانے نہیں پاتا اور صورت اُس کی یہ ہے کہ مخالفین کو پہلے اسلام اور خدا تعالیٰ
کی توحید اور جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُن سب کی تصدیق کی جانب
موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے پس اگر اُنہوں نے قبول کر لیا تو بہت
اچھی بات ہے پھر تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی سمجھے جاتے ہیں اور اگر اُن کو قبول نہ ہوا
تو پھر اگر وہ مشرکین عرب میں سے ہوئے جنکے لغت میں شریعت محمدی نازل ہوئی ہے
اور اُن کو کسی آسمانی کتاب یا دین کا شبہ بھی نہ ہوا بلکہ وہ بت پرست یا آتش پرست
یا انہیں کی طرح اور کوئی نکلے تو اُن کے لئے حکم ہے کہ قتل کئے جائیں (جیسا کہ یہ حکم موسوی
شریعت میں ساتوں فرقوں کے حق میں تھا اور وہ فرقے جیثیین ہیں اور جن کا اُن کے ساتھ
ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ سفر استثنا میں ہے اور نیز اُسی شریعت میں مرتد اور بتوں کے لئے
جانور ذبح کرنے والے اور بتوں کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کے حق میں بھی یہی حکم تھا)
اور اگر وہ مشرکین عرب میں سے نہ ہوئے تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ جزیہ اور اطاعت قبول
کر کے صلح کر لیں اگر انھوں نے اسے قبول کر لیا تو اُن کی جانیں مسلمانوں کی جانوں کی طرح
اُن کے مال مسلمانوں کے مالوں کی طرح اُن کی آبرو مسلمانوں کی آبرو کی طرح محفوظ ہو جاتی
ہے ان حقوق میں ذرا بھی کوتاہی گوارا نہیں کی جا سکتی چاہیے وہ ذرا ہی سی بات کیوں نہ ہو
یہاں تک کہ اُن کی غیبت کرنا۔ اُن کو گالی دینا۔ یا کسی ادنیٰ مکدر کر دینے والی شے سے
ایذا پہونچانا ہرگز جائز نہیں ہاں اگر کوئی ایسی ہی شرعی وجہ پائی جائے جس سے مسلمانوں کو
بھی سزا دی جا سکتی ہو تو انہیں کے مثل اُنہیں بھی سزا دیجائیگی جیسے مثلاً تادیب کی غرض سے

اور اگر انھوں نے جزیہ دینا اور اطاعت کرنا بھی قبول نہ کیا تو پھر اُس وقت اُن سے محاربہ کیا جاتا ہے مسلمانوں کو اُن کا مال اور اُن کا خون مباح ہو جاتا ہے وہ ان کو غلام بنا سکتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان ساتوں مذکورہ فرقوں کے حق میں یہی حکم تھا اور پھر جہاد کی کچھ حدیں بھی مقرر ہیں کہ اُن سے تجاوز کرنا جائز نہیں چنانچہ حکم ہے کہ بچے اور عورتیں نہ قتل کی جائیں اور نہ وہ اشخاص جو گوشہ گیری کو اپنے نزدیک عبادت سمجھ کر گوشہ گیر ہو گئے ہیں (یعنی راہب) ہاں اگر ان میں سے کسی کی جانب سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا چاہے صرف طرح طرح کی تدبیریں ہی بتا کر کیوں نہ ہو تو وہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور شرائع سابقہ کے ماننے والوں میں سے جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہو گئے تھے اُن میں سے بعض بعض نے شروع شروع میں جہاد کو نازیبا سمجھا تھا اس لئے کہ اُس میں جانیں تلف کی جاتی ہیں۔ مال لوٹ لیا جاتا ہے۔ انسان کو غلام بنایا جاتا ہے لیکن بعد اس کے کہ انھوں نے انصاف سے کام لیا اور شریعت محمدی کا شرائع سابقہ سے مقابلہ کر کے دیکھا تو انہیں کوئی چیز ایسی نہ ملی جو ان امور میں سے اس شریعت میں معیوب سمجھی جا سکے اور یا شرائع سابقہ کے احکام کے علاوہ اس میں کوئی نیا حکم پایا جاتا ہو بلکہ کوئی چیز ایسی جو شرائع سابقہ میں نہ تھی اور یہاں پائی جاتی ہے اگر ہے بھی تو یہ ہے کہ اس دین میں بہت سی تخفیفات اور آسانیاں کر دی گئی ہیں جو پہلے نہ تھیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ میں مشرکین عرب اگر ایمان نہ لائیں تو جہاں اُنہیں قتل کرنے کا حکم ہوا ہے اُس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اُن کے بچے اور عورتیں نہ قتل کی جائیں ان کا قتل کرنا حرام ہے بخلاف موسوی شریعت کے کہ اُس میں فرقہ حیتیین وغیرہ سات فرقوں کے حق میں جن کا ذکر سفر استثناء میں ہے یہ حکم نہ تھا بلکہ اُن کیلئے

اُس شریعت میں یہ حکم تھا کہ اُن میں سے جتنے ذی حیات ہوں خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں یا بچے سب کے سب قتل کیئے جائیں اور اسی موقع پر مذکور ہے کہ ان ساتوں فرقوں کی تعداد بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ تھی پس خدا نے بنی اسرائیل کی سلامتی کے لیئے جو ایماندار تھے ان سب کے قتل کا بے دھڑک حکم دے دیا اور ان کے ہلاک کرنے کے بارے میں نہایت شدت کے ساتھ امر فرمایا چنانچہ سفر عدد میں ارشاد ہے کہ اس زمین کے سارے بسنے والوں کو ہلاک کر ڈالو۔ پھر اگر تم اس زمین کے سارے بسنے والوں کو ہلاک نہ کرو گے تو جو لوگ ان میں سے باقی رہ جائیں گے وہ تمہارے لیئے تمہاری آنکھوں میں میخوں کے مثل اور تمہارے پہلوؤں میں تیروں کے مثل معلوم ہوں گے اور اُس زمین میں جس میں تمہاری سکونت ہوگی تم پر ظلم کریں گے اور پھر اُن کے ساتھ جو معاملہ کرنے کا میں نے ارادہ کیا تھا وہ تمہارے ساتھ کروں گا ساتوں فرقوں کے علاوہ اور فرقوں کے حق میں موسوی شریعت کا حکم وہ شریعت محمدی ہی کی طرح ہے کہ مخالف پہلے صلح کی جانب بلائے جائیں گے۔ پس اگر اس کو منظور کریں اور اطاعت قبول کریں خواہ ایمان لاکر یا جزیہ اختیار کر کے تو بہت بہتر ہے اور اگر وہ اس کو منظور نہ کریں تو اُن سے محاربہ و مقاتلہ کیا جائے پھر جب اُن پر ظفر یابی حاصل ہو تو اُن کے مرد قتل کیئے جائیں عورتیں اور بچے گرفتار کر کے لونڈی و غلام بنائے جائیں اُن کے جانور اور مال و متاع لوٹ لیا جائے اور مجاہدوں کو تقسیم کر دیا جائے جیسا کہ سفر مذکور میں ہے اسلامی کتابوں میں یہ مشہور ہے کہ غنیمت میں جو حاصل ہوتا تھا وہ پہلی امتوں کے لیئے حلال نہ تھا بلکہ اس کا جلا دینا اُن پر واجب تھا۔ ذرا یہ غور کرنے کی بات ہے پھر موسیٰ علیہ السلام

عہ یہ ممکن ہے کہ اکثر امم سابقہ میں یہی حکم جو پایا یہ کہ بہت قلیل حصہ مجاہدین کا حق ہو باقی جلا دیا جاتا ہو بخلاف ہماری شریعت کے کہ ۱/۵ ... ۴/۵ مجاہدین کا ہے واللہ اعلم ۱۲ مترجم

کی وفات کے بعد اُنہیں احکام پر جو توریت میں تھے یوشع علیہ السلام چلتے رہے اور اُنہوں
نے لاکھوں ہی کو قتل کر ڈالا جیسا کہ اُن کی کتاب کے پہلے باب سے لیکر گیارھویں باب
تک کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور اُن کی کتاب کے بارھویں باب میں اس کی
تصریح موجود ہے کہ اُنہوں نے کفار کے بادشاہوں میں سے اکتیس بادشاہ قتل کئے
اور بنی اسرائیل کو اُن کی مملکت پر تسلط حاصل ہو گیا اور سفر سموئیل سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ داؤد علیہ السلام ساری بستی کو اجاڑ ڈالتے تھے اور اہل جاسور جزر اور عمالقہ میں سے
کسی مرد یا عورت کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اُنکے جانور اور مال و متاع کو لوٹ لیتے تھے
اور سفر مذکور میں ہے کہ موات کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام ہو گئے تھے اور اُنکو خراج
دیا کرتے تھے اور انہوں نے عاذار سے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار اُسکے پیادے لے لئے
اور قبیلہ آرام میں سے بائیس ہزار کو مار ا اور یہ کہ اُنہوں نے ارامیوں کے سات سو گھوڑوں اور چالیس ہزار
سواروں کو قتل کر ڈالا اور یہ کہ اُنہوں نے اُن قوموں کو جو قربہ راہ میں رہتی تھیں
گرفتار کر لیا اور آروں سے چیر ڈالا اور لوہے کے موسلوں سے انہیں کچلا اور
چھریوں سے اُن کے ٹکڑے کر دیے اور اسی طرح بنی عموں کے سارے قریوں کے ساتھ
کارروائی کی اور اوّل سفر ملوک سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان لوگوں میں
سے جو اس کا دعوے کرتے تھے کہ ہم لوگ بعل کے نبی ہیں چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر
ڈالا اور پھر بھی داؤد نے اپنے تمام اعمال کو نیکیوں میں سے شمار کیا اور منجملہ اُن کے اعمال کے
اُن کے جہادات بھی تھے اس لئے کہ اُنہوں نے زبور کے اٹھارویں باب میں کہا ہے اور میرا
رب مجھے میری نیکی کے مثل جزا دے گا اور میرے ہاتھ کی پاکی کے مثل مجھے بدلا دے گا اس
لئے کہ میں نے رب کے راستوں کی حفاظت کی ہے اور میں نے اپنے خدا کے ساتھ کفر نہ
کیا اس لئے کہ اُس کے سارے احکام میرے آگے ہیں اور اُس کے عدل کو میں نے اپنے

دور نہیں ہونے دیا اور میں بلا عیب اُس کے ساتھ رہوں گا۔ کیونکہ اُس نے میرے گناہ
سے میری حفاظت کی ہے اور خدا نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ اُن کے جہادات
اور جملہ نیک افعال خدا کے نزدیک مقبول ہیں کیونکہ اُس نے اول سفر ملوک میں اس
طرح کہا ہے۔ میرا بندہ داؤد ہے جس نے میری وصیتوں کی حفاظت کی اور پورے دل
سے میری اطاعت اور میرے سامنے نیک عمل کئے اور پولس نے ان انبیاء کے لئے
شہادت دی ہے کہ کفار سے جہاد کرنے کے بارہ میں اُن کے اعمال نیک تھے گناہ کے
قبیل سے نہ تھے اور ان کا منشاء قوت ایمان اور رحمٰن کے وعدوں کو حاصل کرنا
تھا نہ سنگدلی اور ظلم اگرچہ اُن میں سے بعض کے افعال ظاہرا نہایت ہی شدید قسم کے
ظلم معلوم ہوتے ہیں خصوصاً بچوں کا قتل کرنا جو گناہ سے بالکل بے لوث ہیں اس لئے
کہ اُس نے رسالت عبرانیہ میں اس طرح کہا ہے اور میں کیا کہوں اس لئے کہ میرے لئے
وقت تنگ ہے۔ اگر میں جدعون۔ باراق۔ شمسون۔ یفتاح۔ داؤد۔ سموئیل اور اُن
انبیاء کا حال بیان کروں جنھوں نے ایمان سے ممالک پر غلبہ حاصل کیا۔ نیکی کے کام
کئے۔ سچے وعدے حاصل کئے۔ شیروں کے منہ بند کر دیئے آگ کا زور ٹھنڈا کر دیا۔
تلوار کی دھار سے نجات پائی ضعف سے بچے رہے۔ جنگ میں بڑے شدید ہو گئے
بیگانوں کے لشکروں کو شکست دی اور اگر کوئی منہ پھٹ یہ کہے کہ داؤد کے جہادات
تو سلطنت اور مملکت حاصل کرنے کے لئے تھے تو ہم کہیں گے کہ ایسی بات دین کی
کمی سے ناشی ہے کیونکہ داؤد علیہ السلام کا ان لوگوں کو خصوصاً عورتوں اور بچوں کو
قتل کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور اُن کو حلال ہوگا یا
خدا کے نزدیک مبغوض اور اُن پر حرام ہوگا پس اگر پہلی صورت ہو تو ثابت ہو گیا کہ پہلی

شریعتوں میں خدا ہی کی جانب سے جہاد مشروع تھا اور اگر دوسری بات ہو تو نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ خدا نے اُن کے حق میں جھوٹی شہادت دی جس کو ہم سفر ملوک سے پہلے نقل کر چکے ہیں اور نیز اس بنا پر اپنے بارہ میں خود انہیں کا قول جھوٹا ہو جائے گا اور اُن کے حق میں یسوع کی شہادت کاذب ٹھہرے گی اور یہ ایسی بات ہے جس کو ہر وہ شخص جو ان کتابوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہو گا جن میں سے یہ اقوال نقل کئے گئے ہیں ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا اور یہ بھی لازم آئے گا کہ ہزاروں بے گناہوں اور غیر واجب القتل لوگوں کا خون اُن کی گردن پر ہو حالانکہ ہلاک کرنے کے لئے ایک نیک آدمی کا خون بھی کافی ہے تو پھر اُن کو آخرت میں کیونکر نجات مل سکتی ہے مختصر یہ کہ اگر ہمارے لئے خدا کے نزدیک جہاد کے مشروع ہونے اور شرائع خداوندی کے موافق مخالفت کو قتل کرنے کی دلیل سوائے اس کے نہ بھی ہوتی کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے وقت دجال و اُس کے لشکر کو قتل کریں گے جیسا کہ اہل تسالونیقی کی جانب دوسرے خط کے دوسرے باب میں اور مشاہدات کے نویں باب میں اس کی تصریح موجود ہے تو جب بھی ہمارے لئے یہی کافی و وافی دلیل ہے۔

خدا کی عادت ہے کہ گنہگاروں اور کفار کو مبغوض رکھتا ہے

جب ہم خدا کی جانب نظر کرتے ہیں جو کہ فاعل مختار ہے اور جس کے افعال ظلم کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے سارے اعمال سراسر عدل و حکمت ہی پر مبنی ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدائے پاک کی یہ عادت ہے کہ وہ کفر کو مبغوض رکھتا ہے اور آخرت میں یقیناً اُس کی سزا دے گا اور اسی طرح وہ گناہ کو بھی مبغوض رکھتا ہے اور کبھی کبھی کفار اور گنہگاروں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے چنانچہ کبھی کفار کو علی العموم غرق کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ نوح

علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا۔ پس اُن میں سے سوائے کشتی والوں کے اور کوئی نہ بچا اور کبھی خاص طور پر کسی کو غرق کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ فرعون اور اسکے لشکر کو اُس نے غرق کر دیا اور کبھی دفعتاً ہلاک کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ اُس نے جس رات بنو اسرائیل مصر سے نکلے تھے اہل مصر میں سے تمام انسان اور چوپایوں کی سب سے بڑی اولاد کو ہلاک کر دیا جیسا کہ سفر خروج میں ہے اور کبھی گندھک اور آگ برسا کر اور شہروں کو الٹ کر سزا دیتا ہے جیسا کہ لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا کیونکہ اُس نے سادوم اور عاسیرہ اور اُن کے گرد و نواح کے بسنے والوں کو اسی طرح ہلاک کیا تھا اور کبھی بیماریاں بھیج کر سزا دیتا ہے جیسا کہ اسدودیوں کو اُس نے بواسیر سے ہلاک کیا جیسا کہ پہلے سفر سموئیل میں مذکور ہے۔ اور کبھی فرشتہ کو بھیجکر سزا دیتا ہے جیسا کہ اشوریوں کے لشکر کے ساتھ ہوا کیونکہ ایک رات میں فرشتہ نے اُن میں سے ایک لاکھ پچاسی ہزار کو قتل کر ڈالا جیسا کہ سفر ملوک ثانی میں مذکور ہے اور ایسے ہی گنہگاروں کو کبھی دھنسا کر اور کبھی آگ سے جلا کر سزا دیتا ہے جیسا کہ اُس نے قورح۔ داثان اور ابیرم وغیرہ کو ہلاک کر ڈالا جبکہ اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی پس زمین پھٹ گئی اور قورح داثان اور ابیرم اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو اور اُن کے مال متاع کو نگل گئی پھر ایک آگ نکلی اور وہ ڈھائی سو مردوں کو کھا گئی جیسا کہ سفر عدد میں مذکور ہے اور کبھی دفعتاً ہلاک کر کے سزا دیتا ہے جیسا کہ قورح کی ہلاکت کے دوسرے دن جب بنو اسرائیل نے مخالفت کی تو اُس نے چودہ ہزار سات سو کو ہلاک کر ڈالا۔ اور اگر ہارون علیہ السلام مردوں اور زندوں کے درمیان نہ کھڑے ہو جاتے اور قوم کے لئے استغفار نہ کرتے تو اُس دن پروردگار کے غضب سے سب ہلاک ہو جاتے جیسا

گی سفر مذکور سے معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ اُس نے پچاس ہزار ستر آدمیوں کو اہل بیت
شمس میں سے اس بنا پر ہلاک کر ڈالا کہ اُنھوں نے خدا کے تابوت کو دیکھا تھا جیسا
کہ پہلے سفر سموئیل سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی موذی سانپوں کو بھیجکر سزا دیتا ہے جیسا
کہ بنو اسرائیل نے جب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تھی تو اُس نے اُن پر
موذی سانپوں کو بھیجا تھا اور اُن کو کاٹ کاٹ کھاتے تھے چنانچہ اُن میں سے بہتیرے
مر گئے جیسا کہ سفر عدد سے معلوم ہوتا ہے پس اس فرقہ نے بعد اس کے کہ جہاد کے بارہ
میں شرائع سابقہ کے احکام اور کفار کے بارہ میں انبیاء کے اعمال اور کافروں اور گنہگاروں
کے ساتھ خدا کی عادت وغیرہ میں غور کر کے دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ جب یہ بات ہے کہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی شریعت کو ہمراہ لے کر خدا کے پاس سے رسول بن کر آئے ہیں
اور یہ بات قطعی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے تو اُن کی شریعت میں جہاد کی مشروعیت
اور اپنے مخالفوں کو قتل کرنے اُن کے مال ومتاع کو لوٹ لینے اور اُن کو غلام بنانے
کے بارہ میں اُن پر کوئی چیز معیوب نہیں ٹھہر سکتی خصوصاً جس حال میں کہ اُنکی شریعت
کے جہاد میں بہ نسبت جہاد شرائع سابقہ کے ہم سہولت اور تخفیف بھی پاتے ہوں پس آپ
کی شریعت شرائع سابقہ کے مخالف نہیں ہے اور نہ یہی ہے کہ خدا کے نبیوں کی
شریعت کے ساتھ جو لوگ کفر یا گناہ کر کے مخالفت سے پیش آتے ہیں اُن کے ساتھ
جو خدا کی عادت جاری ہے اُس کے خلاف اور مضاد آپ کی شریعت میں کوئی حکم ہو پس
ہر شخص جو وحی کی تصدیق کرتا ہوا اور خدا کے پاس سے انبیاء پر شرائع کے نازل ہونے کا
یقین رکھتا ہو اُس کے ذمہ واجب ہے کہ مشروعیت جہاد کے بارہ میں خاص کر محمدی
شریعت ہی سے شبہ اور طعن کو اپنے دل میں جگہ نہ دے رہا وہ شخص جو خدائے عالم کا

وجود ہی نہ مانتا ہو اور نہ شرائع کے نازل ہونے کا قائل ہو تو اس سے یوں گفتگو کی جائیگی
کہ پہلے خدائے عالم یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا جائے گا خدا کی وحی ثابت
کرنا پڑے گی (جیسا کہ مادی فرقہ کے مناظرہ میں یہ ہو چکا ہے) پھر بعد اس کے کہ اس پر
حجت قائم کر دی جائے گی اور وہ شرائع کی تصدیق کا التزام کرے گا تو اس کی بھی وہی
حالت ہو جائے گی جو دوسرے اہل ملت کی ہے جو اس ملت کی تصدیق کرتے ہیں پس اب
ہم اس شخص کے مقابلہ میں ثابت کر دیں گے کہ جو کچھ خدا نے شرائع میں مشروع اور مقرر کیا
ہے وہ ضرور مستحسن ہے اور اس وقت اسے معلوم ہو جائے گا کہ جہاد کے بارہ میں محمدی
شریعت شرائع سابقہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی تخفیفات اور سہولتیں
موجود ہیں جو شرائع سابقہ میں نہ تھیں جیسا کہ اس کا بیان پیشتر گذر چکا ہے ۔

کیا اسلام تلوار سے قائم ہوا ہے

پھر بعد اس کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین شائع ہو گیا اور اس
میں جہاد مشروع ہو چکا تو ایک اور فرقہ کو یہ وہم ہوا کہ دین محض
تلوار کے زور سے قائم ہوا ہے اور اسی سے پھیلا ہے اور یہ بات ایسی ہے جس سے
جی میں شک پیدا ہوتا ہے اور آدمی کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
چلنے پیرو ہیں وہ لوگ قتل سے دھمکا کر دین میں داخل ہونے کے لئے مجبور کئے گئے ہیں
لیکن باوجود اس خیال کے اس فرقہ نے انصاف کو نہیں چھوڑا اور اسے ضرور سمجھ کر محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ابتدائی کیفیت کا پورا پورا حال دریافت کیا تو ان کے
نزدیک غایت درجہ کی تفتیش اور تدقیق اور اس دین کی ابتدائی حالت کی تاریخ کے
دیکھنے سے یہ بات متحقق ہو گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل جب دعوے رسالت
کرنے کھڑے ہوئے تھے تو اس وقت تن تنہا اور بے یارو یاور تھے نہ آپ کو کسی قسم کی

حکومت حاصل تھی اور نہ آپ کا کنبہ ہی ایسا ذی قدرت تھا جس کی حمایت کا آپ بھروسہ کرتے بلکہ جمہور کے مابین جب آپ دعوے رسالت کرنے کھڑے ہوئے تھے تو آپ کے کنبہ والوں کو باقی طائفوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا اور اُن سب کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتا تو جدا رہا خود اُنہیں لوگوں نے آپ کے دعوے کی سب سے پہلے تکذیب کی اور آپ کے سخت دشمن ہو گئے اور آپ کے کنبہ کے شریر لوگ آپ کی ایذا رسانی اور آپ کو ہلاک کئے بنانے پر طیار اور آمادہ ہو گئے لیکن تاہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے پر برابر جمے رہے اور ایذا رسانوں کی ایذا دہی پر صبر کیا کئے خلق خدا کو حق کی جانب بلانے اور اُن کے لئے دلائل قائم کرنے میں مشغول رہے اپنے دین کی خوبیاں ظاہر کرتے رہے اور جس طریق پر وہ لوگ تھے اُس کی برائیاں دکھلاتے رہے یہاں تک کہ خدا کو جس کی ہدایت منظور تھی اُس کے نزدیک حق واضح ہو گیا۔ پھر عقول سلیمہ آپ کے دین کو قبول کرنے اور آپ کی شریعت کو مستحسن خیال کرنے لگیں اور جماعتیں کی جماعتیں آپ کی پیروی کو اختیار کرنے لگیں اور اُس وقت آپ کو کسی کے ایک قطرۂ خون کے گرانے کا بھی حکم نہیں دیا گیا تھا اور آپ اپنے قرآن کی تلاوت کرتے تھے جس میں خدا کا یہ قول موجود تھا (لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی) یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے۔ اور یہ قول جس میں پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے (یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم) یعنی اے ایمان والو تم اپنے نفسوں کی خبر لو۔ جب تم ہدایت قبول کر چکے تو جو گمراہی میں رہے گا وہ (اور اُس کا گمراہی میں رہنا) تمہارے لئے ضرر رساں نہیں ہو سکتا اور خدا کا یہ قول (ومن کفر فعلیہ کفرہ) یعنی جس نے کفر کیا اُس کا کفر اُسی پر پڑے گا اور اُسی کے مثل اور آیتیں بھی موجود تھیں اور جس زمانہ میں آپ نے اس طریقہ کا التزام کر رکھا تھا اور جہاد مشروع کا

نہیں ہوا تھا تب ہی ایک جم غفیر آپ کا پیرو بن گیا تھا جیسا کہ آپ کے حالات کی تاریخ
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ابوذر اور اُن کے بھائی انیس اور اُن کی والدہ رضی اللہ
عنہم یہ سب اُس زمانہ کے شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے اور جب اپنے قبیلہ میں
لوٹ کر گئے تھے تو ابوذر رضی اللہ عنہ کی دعوت اسلام کی وجہ سے غفار کا آدھا قبیلہ کا
قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اور آپ کی بعثت کے ساتویں برس قبل اس کے کہ آپ مدینہ کی جانب
ہجرت کرتے اور جہاد شروع ہوتا آپ کے متبعین میں سے تراسی مرد مع اٹھارہ عورتوں
کے مکہ سے حبش کی جانب مشرکوں کے ستانے کے باعث سے ہجرت کر گئے تھے اور کچھ
مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے تھے اور کوئی بیس آدمی نجران کے نصرانیوں میں سے مسلمان ہو
چکے تھے اور ایسا ہی ضماد ازد بعثت کے دس برس کے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے اور
طفیل بن عمرو دوسی بھی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور یہ بہت بڑے شریف آدمی
تھے اُن کی قوم اُن کی اطاعت کرتی تھی اور بعد اس کے کہ یہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے
اُن کی دعوت اسلام کے باعث سے اُن کے والد اور والدہ دونوں مشرف باسلام
ہو گئے اور مدینہ منورہ میں ہجرت سے پہلے مصعب بن عمیر رضہ کے وعظ کی برکت سے ایک
دن میں بنی اشہل کا قبیلہ کا قبیلہ اسلام لے آیا اور اس قبیلہ کے مردوں اور عورتوں
میں سے کوئی ایسا باقی نہیں رہا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو ہاں صرف ایک عمرو بن ثابت رہ گئے
تھے جو بعد کو اسلام لائے۔ اور ان لوگوں کے اسلام لے آنے کے بعد مصعب رضی اللہ
عنہ لوگوں کو دعوت اسلام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انصار کے مکانوں میں سے کوئی
مکان ایسا نہ رہا تھا جس میں متعدد مسلمان مرد اور عورتیں نہ موجود ہوں ہاں مدینہ کے
دیہاتوں میں سے نجد کی جانب کے رہنے والے البتہ اُس وقت اسلام لانے سے

باقی رہ گئے تھے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت کی تو بریدہ
اسلمی نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں سمیت مدینہ کے راستہ میں آپ کی اطاعت قبول
کی اور اسلام لے آئے حبش کا بادشاہ نجاشی بھی ہجرت کے قبل ہی مسلمان ہو چکا تھا۔
اور ابوہند۔ تمیم نعیم اور چار اور آدمی ہجرت کے پہلے ہی شام سے قاصد بن کر آئے
تھے اور مسلمان ہو گئے تھے اسی طرح اور بہتیرے اسلام لا چکے تھے۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان
اور علی (رضی اللہ عنہم) اور ان کی طرح اور لوگوں کا جو آپ کے مشاہیر متبعین میں سے
ہیں ہجرت کے قبل ہی اسلام لے آنا ایک مشہور بات ہے (جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے حالات کی صحیح صحیح تاریخی کتابوں کے دیکھنے سے سارے مذکورہ امور معلوم ہوتے ہیں
جس کا جی چاہے اُن میں دیکھ لے) پس منصفانہ غور و تامل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبل اس کے کہ آپ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے جائیں اور آپ کی
شریعت میں جہاد مشروع ہو مکہ سے لیکر مدینہ تک پھیل چکا تھا عقول سلیمہ اُس کو قبول
کر چکی تھیں صحیح طبعتیں اُس کو اچھا سمجھتی تھیں حالانکہ اُس وقت تک کسی قسم کے خوف
اور دھمکانے کا نام و نشان تک نہ تھا تو پھر آپ ہی دیکھ لیجئے کہ اسلام پر یہ تہمت
کیونکر لگ سکتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تلوار سے قائم ہوا ہے اور آپ
کی شریعت زبردستی پھیلائی گئی ہے اتنے بڑے بہتان کا وہ شخص تو ہرگز قائل نہیں ہو
سکتا جس کی طبیعت میں ذرا بھی انصاف پایا جاتا ہو اور جو شخص اس بات کی طرف نظر
کرے گا کہ آپ کے باقی زمانہ میں اور پھر اُس کے بعد بھی آپ کے دین میں بلا کسی خوف
کے لوگوں کی فوجیں کی فوجیں برابر داخل ہوتی رہیں اور آج تک داخل ہوتی چلی جاتی ہیں
بلکہ باوجودیکہ لوگوں کو یہ بھی خوف ہوا کہ دین کے دشمن اسلام لانے کے بعد ستائینگے۔

تاہم وہ اسلام لانے سے باز نہیں رہے تو اب تو اس امر کا خیال کرنے سے یہ تہمت سر
سے ہٹ جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ طبیعت میں انصاف ہو اور عقل سے آزادی کے
ساتھ کام لیا گیا ہو۔ ہاں جب پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد کثیر اور وافر ہو گئی
اور یہ بات ظاہر ہوئی کہ نصیحت اور دلیل کی قوت اُن مخالفوں میں جو باقی رہ گئے ہیں
کارگر نہیں ہو سکتی اور مخالفوں کے ساتھ نرمی اور بردباری کا معاملہ ہمیشہ کرتے رہنا اُن
کی سرکشی کو بڑھاتا رہے گا اور اس دین میں اس کی پیروی کرنے والوں کو مشوش بنائے رکھے
گا اور اُن کو جرأت دلائے گا کہ مسلمانوں کو خوب ستایا کریں تو اس وقت اس مصلحت سے
آپ کے دین میں جہاد مشروع ہوا اور اُس میں نسبت عدل کے موافق حدود مقرر کر دیئے
گئے جس کی وجہ سے ایذا رسانوں کی تکلیف دہی سے نجات حاصل ہو سکے اور ستمگاری کی حد
تک نوبت نہ پہنچنے پائے چنانچہ یہی دیکھئے جو لوگ دین محمدی کی پیروی نہ کریں اسلام
اُن سے اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ وہ سلطان اسلام کی اطاعت اختیار کر لیں اور اپنے
مال میں سے کچھ دیا کریں تاکہ اہل دین کو دولت اسلام قائم رکھنے میں مدد پہنچتی رہا
کرے اور اُن کی دنیاوی ضرورتیں رفع ہوتی رہیں اور اہل اسلام جو اُن لوگوں کی جنہوں نے
کچھ دینا قبول کر کے سلطان اسلام کی اطاعت قبول کر لی ہے حمایت کریں تو وہ مال اُس کے
مقابلہ میں بھی ہو جائے رہا اُن کا آخرت کا معاملہ تو اسلام اُسے پروردگار عالم کے سپرد
کرتا ہے یا کبھی اسلام اُن پر جو شریعت محمدی کا اتباع نہیں کرتے غلامی کا حکم عائد کرتا ہے
تاکہ اسی طرح اُن کی ایذا رسانی کی خلش مٹے اور اہل اسلام کے کچھ دنیاوی کام نکل جائیں

بعض لوگوں کا غلامی کو بُرا سمجھنا

اور بعض شرائع سابقہ کے ماننے والے دین محمدی میں غلامی کے
جائز اور مشروع ہونے سے یہ دیکھ کر نفرت کرنے لگے کہ اُس کی وجہ

سے غلام پر بڑی روک ٹوک لگ جاتی ہے خصوصًا اس لئے کہ انہوں نے بعض ممالک میں
غلاموں کو دیکھا کہ طرح طرح کے ظلم جھیلتے ہیں (جیسا کہ یہ رسم کچھ زمانہ سے یورپ میں جاری
تھی جس کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور بعض ممالک امریکا میں آج تک جاری ہے) چنانچہ
اُن ممالک میں غلاموں کو مار پڑتی ہے اُن کی اہانت کی جاتی ہے ننگے بھوکے رکھے
جاتے ہیں چوپایوں کی طرح قید رہتے ہیں اُن سے ایسے ایسے مشقت کے کام
لئے جاتے ہیں جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے گویا کہ نوع انسانی میں اُن کا شمار ہی نہیں
خاص کر جبکہ وہ سیاہ رنگ کے بھی ہوں اور یہ کہ اُن کا آزاد کرنا دین کے کار ثواب
میں شمار نہیں کیا جاتا اور سوائے شاذونادر حالت کے اُن کو کوئی آزاد نہیں کرتا اور
وہاں اُن کی حالت ادنیٰ درجہ کے حیوانات سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ پس ان لوگوں نے
یہ خیال کر لیا کہ دین محمدی بھی شاید غلامی کو باوجود ان سب خرابیوں کے جائز رکھتا ہے
اور غلام کے ساتھ ایسے بُرے طور سے پیش آنے کی اجازت دیتا ہے اور شرائع سالفہ
میں غلامی کے مشروع ہونے سے اُن کو کچھ سہو بھی ہوگیا۔ لیکن باوجود اس خیال کے
انہوں نے اپنا رُخ بدلا اور دین محمدی میں غلامی کے مشروع ہونے کی کیفیت میں نہایت
تدقیق کے ساتھ غور کرنے لگے اور اُن باتوں کو انہوں نے نہایت تامل کی نظر سے دیکھا
جن پر کہ غلامی کے مشروع ہونے کی کیفیت مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں کہ اہل دین کو اُن کی
دنیاوی ضرورتوں کے بر آنے میں کچھ مدد ملے۔ اعدائے دین پر غلامی کے عائد کرنے سے
اُن کی ایذا رسانی سے نجات حاصل ہو۔ اپنے مخالفوں کی خدمت کرنے سے اُن کی شوکت
ٹوٹے۔ اُن کی پرخاش دفع ہو اور ساتھ ہی اس کے مسلمانوں کو بہت کچھ وصیتیں بھی کی گئی
ہیں جس کے موافق غلام کی راحت محفوظ رہے اور غلام اپنی زندگی بسر کرنے میں اپنے

مولیٰ کے مساوی رہ سکے اور اس طرح پر اگر وہ وحشی بھی ہوگا تو اُس میں تہذیب اور تمدن آجائیگا اور شریعت محمدیہ میں اُن سختیوں اور بے رحمیوں میں سے جن کو بعض بعض قومیں اپنے غلاموں کے ساتھ برتا کرتی ہیں کچھ بھی روا نہیں رکھی۔ نہایت سختی سے اُن کی ممانعت کرتی ہے اور اخروی سزا سے ڈراتی ہے اور باوجود اس کے ثواب جزیل کا وعدہ کرکے غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب بھی دیتی ہے چنانچہ اُس نے بہت سے ایسے امور مشروع کیے جن کا مقتضا یہ ہے کہ غلام بکثرت اور عام طور پر آزاد کیے جائیں۔ اُن کی غلامی کی مدت کم ہوجاتے اور اُس نے غلام اور اُس کے مولیٰ کے مابین اگرچہ آزادی کے بعد ہی کیوں نہ سہی ایسا علاقہ قائم کردیا ہے جو علاقہ نسب کے مانند ہے۔ اس میں سفید و سیاہ کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شریعت کے ماننے والوں نے یہ بات دیکھ کر کہ شریعت غلام کے ساتھ سلوک اور احسان کے ساتھ پیش آنے کی ترغیب دیتی ہے۔ بہت سے ایسے طریقے اختیار کیے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ غلاموں کے ساتھ نیکی اور سلوک کا برتاؤ کیا جاتے اور یہ کہ بسا اوقات غلاموں کو غلامی کی بدولت ایسی نعمت ملتی ہے کہ اگر وہ غلامی میں داخل نہ ہوتے تو اُس کا ملنا اُن کو ممکن نہ ہوتا۔ پھر اُنہوں نے شرائع سابقہ کی نصوص کی دیکھ بھال کی تو اُنھوں نے اُن کتابوں میں جو شرائع سابقہ کی جانب منسوب کی جاتی ہیں اس بات کی تصریح پائی کہ غلامی اُن میں بھی مشروع تھی پس دین محمدی میں غلامی کی مشروعیت پر جو اُن کا اعتراض تھا اس وقت اُنہوں نے اُس کو واپس لیا اور کہنے لگے کہ جب اس دین کے ماننے والے اپنے نزدیک قطعی دلائل کی وجہ سے اس امر کا یقین کرتے ہیں کہ اُن کا دین خدا کی جانب سے مشروع ہے اور اُن کے دین نے اپنے مخالفوں کا غلام بنا لینا اُن کے واسطے اس لئے مباح کردیا ہے کہ وہ اُن کی خدمت سے نفع اُٹھائیں مخالفوں کی ایذا رسانی کی خلش اُن

سے مٹ جائے۔ وہ پرخاش نکالنے سے باز رہیں اور اُن کے مالکوں پر ایسی شرطیں لگا دیں
جو اس بات کی پوری کفیل ہیں کہ اُن کے غلاموں کو راحت ملے اور وہ اپنی زندگی بسر کرنے
میں انہیں کے برابر ہیں اور مالکوں کے لئے اُن کے آزاد کرنے اور اُن کی غلامی کی مدت
کم کرنے کے ترغیب دلانے والے ابواب کھول دیئے۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہتیرے
غلاموں کو تہذیب حاصل ہوجاتی ہے اپنی زندگی نہایت خوبی کے ساتھ بسر کرنے لگتے ہیں
اور اُن کے ساتھ وہ وہ سلوک اور احسانات کئے جاتے ہیں کہ اگر وہ غلام نہ ہوتے تو
اُن کا حاصل کرنا اُن کو نصیب نہ ہوتا اور یہ کہ اُن کے دین نے مالکوں کو اپنے غلاموں کو
ایذا رسانی اور اُن پر ظلم کرنے سے روک دیا ہے اور اُنہوں نے یہ بھی دیکھا کہ شرائع سالفہ
میں بھی غلامی کی مشروعیت پائی جاتی ہے تو کہنے لگے پھر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس لئے
دین محمدی اور اُس کے ماننے والوں پر غلامی کے مشروع ہونے سے کوئی الزام نہیں عائد
ہوسکتا۔

شریعت کی وصیتیں | باقی رہیں وہ وصیتیں جو غلام کی راحت کی محافظ اور اس امر کی کفیل
ہیں کہ وہ اپنے مالک کے برابر گذران کرسکے تو وہ شریعت محمدیہ میں نہایت کثرت سے
پائی جاتی ہیں اور ہم اس موقع پر اتنی ہی پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آگے آتی ہیں
خدا تعالٰے نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے جس[ع] کا ترجمہ یہ ہے (اور خدا کی عبادت کر
اور کسی کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ اور (یہ وصیت مانو کہ) اپنے والدین کے ساتھ احسان سے

ع وہ آیت یہ ہے (واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئًا وبالوالدین احسانًا وبذی القربٰی
والیتامٰی والمساکین والجار ذی القربٰی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل و
ما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب مختالًا فخورًا) ۱۲

پیش آیا کرو اور نیز اپنے قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت مند اور اجنبی
پڑوسیوں سفر کے ساتھیوں اور مسافروں اور اُن لوگوں کے ساتھ جن کے تمہارے
ہاتھ مالک ہیں یعنی وہ تمہارے مملوک ہیں احسان سے پیش آیا کرو بے شک اللہ اُس
شخص کو پسند نہیں کرتا جو ڈینگ مارتا اور اتراتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جہاں
اس بات کا حکم دیا ہے کہ اُسی کی خالص طور پر عبادت کی جائے جو ایمان کی بنیاد ہے
اور یہ کہ والدین کے ساتھ سلوک و احسان کا برتاؤ کیا جائے جن کی خدمت کا مرتبہ خدا کی
عبادت کے بعد ہی ہے۔ اور یہ کہ اُن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے
جن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا شفقت، رحمت اور انسانیت کا مقتضا ہے تو اس کے
ساتھ ہی تمہارے ممالیک یعنی غلام اور لونڈیوں کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش
آنے کی بھی وصیت کی ہے اور اس کو بھی امور مذکورۂ بالا کے مقارن گردانا ہے اور ممالیک
کے لئے احسان و سلوک سے پیش آنے کا حکم کرنا تمام احسانات و سلوک کو جو اُن کے ساتھ
ممکن ہیں سب کو شامل ہے اور جتنی تکلیفیں کہ اس کی مناقض ہیں سب کا دور کرنا بھی اس
میں آ گیا اور اس کی شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے
جس[عہ] قول کا ترجمہ یہ ہے (تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے اُن کو تمہارے ہاتھوں
کے تحت میں یعنی تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے جو تم کھاؤ اسی میں سے اُن کو بھی کھلاؤ اور
جو تم پہنو اسی میں سے اُن کو بھی پہناؤ اور خدا کے بندوں پر عذاب نہ کرو یعنی اُن کو تکلیف
نہ دو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقارت سے ڈرانے اور اپنی بڑائی کے خیال سے
بچنے کے بارہ میں فرمایا ہے جس[عہ] کا ترجمہ یہ ہے اور تم میں سے کوئی اپنے غلام کو یہ نہ کہے

عہ وہ حدیث یہ ہے (عبیدکم اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم اطعموهم مما تاکلون والبسوهم مما تلبسون ولا تعذبوا
عباد اللہ) عہ وہ حدیث یہ ہے (ولا یقل احدکم عبدی ولیقل فتای وفتاتی وغلامی) ۱۲

کہ بندہ بلکہ یہ کہا کرے کہ میرا چھوکرا۔ میری چھوکری۔ میرا غلام اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام ہے وہ آپ کا یہ قول ہے (الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز اور اپنے ممالیک (غلام و لونڈی) کا بڑا خیال نہ رکھنا) پس اہل انصاف غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نماز کی وصیت کی ہے جو کہ دین کا ستون ہے اور جس میں کہ آپ کی آنکھوں کو دنیا میں ٹھنڈک حاصل ہوا کرتی تھی چنانچہ آپ نے فرمایا ہے (وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے) اس کے ساتھ ہی ساتھ اس وصیت کو بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اپنے پیروی کرنے والوں کو ممالیک (غلام اور لونڈیوں) کے بارہ میں فرمائی ہے اور ناظرین یہ بھی دیکھیں کہ آپ نے اپنے اصحاب سے انتقال کے وقت جو آخری کلام کیا ہے وہ یہی دونوں باتوں (نماز اور احسان ممالیک) کی وصیت ہے پس یہ امر غلاموں کے بارہ میں پوری پوری وصیت کرجانے پر دلالت کرتے ہیں بالکل کافی ووافی ہے۔

اب اس بارہ میں کسی اور چیز کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں اور ممالیک یعنی غلام و لونڈیوں کو تکلیف دینے سے ممانعت تو شرعی نصوص میں ایک مشہور بات ہے یہاں تک کہ وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا غلام آزاد کر دیا تھا جس نے اسے اپنی لونڈی کے ساتھ پاکر اس کے ناک۔ کان۔ کاٹ ڈالے تھے اور اس کے ولاء[1] کو سرکاری کر دیا اور مسلمانوں کو اس کی اعانت کی وصیت کر دی اور اس کے

[1] شریعت کا قانون ہے کہ کسی کا آزاد کردہ غلام یا لونڈی جب مرجائے اور اسکے قرابت مندوں میں سے اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس وقت اس کی میراث اسی آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اور اسی کو ولاء کہتے ہیں ۱۲ مترجم

بعد آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے اُس غلام کا نفقہ مقرر کر دیا۔ اور آپ کے خلیفہ دوم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا جس نے اُسے گرم توے پر بٹھایا تھا جس کی وجہ سے اُس کے سرین جل گئے تھے اور آپ نے اس شخص کو خوب پٹوایا۔ اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں اپنے غلاموں پر سختی کرنے والوں کو سخت سزا دی گئی ہے۔ اور غلاموں کی ایذا رسانی کے بارہ میں قیامت کے دن کی وعیدیں تو مشہور ہی ہیں۔ باقی رہی مملوک (یعنی غلاموں اور لونڈیوں) کے آزاد کرنے کی ترغیب تو اس بارہ میں تو شرعی نصوص اس کثرت سے ہیں جن کا کچھ شمار ہی نہیں اور یہاں ہم اسی قدر بیان پر اقتصار کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آگے آتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آپ مملوک کے آزاد کرنے کی برابر ترغیب دیا کرتے تھے اور شرعی نصوص میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص ایک جان کو بھی آزاد کرے گا خدا اُس کے ہر ہر عضو کے مقابلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر ہر عضو کو آگ سے رہائی دیگا۔ یہاں تک کہ اُس کوشش کر مرد یہ پسند کرنے لگا کہ وہ کسی مرد کو آزاد کرے تاکہ اُسکے پورے پورے اعضاء رہائی پائیں اور عورت یہ چاہنے لگی کہ وہ کسی عورت کو آزاد کرے تاکہ اُس کے پورے پورے اعضاء رہائی پائیں (ایسا ہی عقود جواہر منیفہ میں بروایت حماد مذکور ہے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کی ہے اور ایسی حدیث کا حکم مرفوع[ع] حدیث کا سا حکم

ع مرفوع وہ حدیث کہلاتی ہے جس کا سلسلۂ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بالتصریح پہنچا دیا گیا ہو اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت صحابی تک پہنچا کر سکوت کیا گیا ہو اُس کو موقوف کہتے ہیں۔ اور یہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر صحابی کسی ایسی بات کی خبر دے جو بلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے ہوئے قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتی تو گو اُس

ہے اور دوسرے لفظوں میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے کہ جو شخص کسی رقبہ یعنی غلام یا لونڈی کو
آزاد کرے خدا تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کے مقابلہ میں آزاد کرنے والے کے اعضا میں سے
ہر عضو کو آگ سے رہائی دے دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے مقابلہ میں اس کی
شرمگاہ کو اور اللہ تعالیٰ کے قول (فک رقبۃ عـه) کی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک بیابانی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے عرض کرنے لگا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے
جو مجھے جنت میں داخل کر دے (آپ نے فرمایا جان کا آزاد کرنا اور گردن کا چھوڑانا)
اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ دونوں امر ایک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جان
آزاد کرنا یہ ہے کہ بلا شرکت غیرے اس کو آزاد کرے اور گردن کا چھوڑانا یہ ہے کہ تو
اس کی قیمت میں مدد کرے۔ (ایسا ہی تفسیر رازی میں ہے) یعنی اگر آقا نے اپنے غلام
سے کچھ روپیہ لے کر آزاد کرنے کا وعدہ کر لیا ہو تو کوئی شخص غلام کو روپیہ دے کر اس کے
آزاد کرانے میں معاون بن جائے اور اس بارہ میں بہت سی نصوص بھری پڑی ہیں۔

وہ ذرائع جو شریعت نے غلاموں کی آزادی کے لئے مشروع کئے ہیں

رہا یہ امر کہ شریعت محمدیہ نے بہت سے ایسے وسائط اور ذرائع مقرر کئے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے
کہ غلام بکثرت اور عام طور پر آزاد کئے جائیں اور ان کی غلامی کی مدت کم ہو جائے سو وہ یہ
ہیں کہ اس نے آزاد کرنا بہت سی جنایتوں کا شرع میں کفارہ قرار دیا ہے جیسے کہ کسی کا
دھوکے میں قتل کر ڈالنا۔ رمضان کا روزہ بلا عذر توڑ ڈالنا۔ قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا

(بقیہ صفحہ ۵۴۷) نے رسول اللہ صلعم سے سننے کی تصریح نہ کی ہو تاہم وہ حدیث اس حدیث کے
مثل سمجھی جائے گی جس میں رسول اللہ صلعم سے سننے کی تصریح بھی کر دی گئی ہو یعنی حدیث
مرفوع کے مثل ۱۲ منہ مترجم۔ عـه یعنی کسی کی گردن کا چھوڑانا ۱۲ مترجم

رہے گی مدبر بنانے کو مشروع کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کو اپنے بعد آزادی
دیدے یعنی یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے پس ایسی حالت میں غلام کا
بیچنا۔ ہبہ کرنا کسی کو خیرات میں اس کا دے دینا رہن رکھنا ممنوع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے
آقا کے مرنے کے بعد فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔ اور شریعت نے وصیت بالعتق بھی مشروع
کی ہے اور یہ بھی لحاظ کیا ہے کہ غلام کے بعض بعض مالکوں کو آزادی کے مذکورہ اسباب
میں سے کسی کا بھی اتفاق نہیں پڑتا اور نہ انہیں آزاد کر کے ثواب حاصل کرنیکی ایسی
رغبت ہی ہوتی ہے لیکن بسا اوقات وہ کسی نفع کے حاصل کرنے کی رغبت یا کسی مضرت
رساں شے سے خوف کے وقت خدا سے یہ امید کر کے نیک کام کر گذرتے ہیں کہ اس
کے سبب سے ان کا مقصد حاصل ہو جائے گا اس لیے اس نے آزاد کرنے کی نذر ماننے
کو مشروع کیا ہے کیونکہ امید ہے کہ ان دونوں سببوں میں سے کسی کے حاصل ہونے کے
وقت وہ نذر کر بیٹھیں یا ایسے لوگ جب اپنے اوپر کسی کام کے کرنے یا اس سے باز
رہنے کو لازم کرنا چاہتے ہیں تو بسا اوقات اپنے اوپر ایسی شرط لگا لیتے ہیں جس کا کرنا
اُن پر نہایت دشوار ہوتا ہے تا کہ جس امر کا انہوں نے التزام کیا ہے اُسے پورا کر سکیں
اس لیے اس نے آزاد کرنے کے حلف کو مشروع کیا ہے کیونکہ شاید جس چیز کا انہوں
نے التزام کیا تھا اس کے خلاف کر گذریں اور اسی بہانہ سے اُن کے غلام کو آزادی
مل جائے پس جب کوئی تامل کرنے والا امور مذکورہ میں غور کرے گا تو اسے معلوم ہو
جائے گا کہ ان سے مقصود یہی ہے کہ اتنے اسباب میں سے کسی نہ کسی سبب سے
غلام کو ایسے طریق پر آزادی مل جائے جو شریعت میں پسندیدہ ہو۔ اور یہ خدا کا
انعام ہے کہ اس نے غلاموں کی آزادی پھیلانے اور اُن کی غلامی کی مدت کم کرنیکی

غرض سے اتنے ایک وسیلے مقرر کر دیئے پھر چونکہ شریعت نے مولی کو لونڈی کے نفس
کا مالک بنایا ہے اس لئے اُس کی شرمگاہ کا بھی اس کو مالک قرار دیا ہے اور اسکے لئے
یہ بات مباح کر دی ہے کہ وہ لونڈی کو سر بہ بنائے یعنی اُس سے صحبت کیا کرے کیونکہ
شریعت کو یہ منظور ہے کہ اُس کی نسل منقطع نہ رہے اور اپنے مولیٰ کی حاجت میں رہنا
اُس کی اولاد کو خلط نسب سے محفوظ رکھے پس جس وقت وہ اُس کی زوجہ کی طرح
ہوگئی اُسکی اولاد کا نسب محفوظ رہے گا بخلاف زنا کے کیونکہ اُس میں یہ بات نہیں پھر
منجملہ اُن رعایتوں کے جو اُس لونڈی کے ساتھ اس بات کے مقابلہ میں کہ مولیٰ کو اُس کی
ساتھ صحبت کرنا جائز ہے کی گئی ہیں اور وہ رعایت منجملہ وسائل آزادی بھی ہے اور وہ
یہ امر ہے کہ شریعت نے ایسی لونڈی کے لئے جو اپنے مولیٰ سے بچہ جنی ہو جیسا ہے وہ بچہ جس
کے اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں کہ دونوں کا کیوں نہ ساقط ہو گیا ہو یہ حکم کیا ہے کہ وہ مستولدہ
اور ام ولد ہو جاتی ہے یعنی اُس وقت مولی پر اُس کا بیچنا۔ ہبہ کرنا۔ رہن رکھنا اور اس قسم
کے اور تصرفات سب ممنوع ہو جاتے ہیں اور اُس کے مرنے کے بعد وہ بالکل آزاد ہو جاتی
ہے پس اس حکم میں غور کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شریعت کو لونڈیوں کے ساتھ کیا کچھ
رعایت منظور ہے اور اُن کے حالات پر کہاں تک نظر ہے اور آزادی کے بکثرت وسائل
میں سے جس میں کہ صلہ رحم بھی ہوتا ہے اور قرابت داروں میں سے باہم وحشت بھی
دفع ہوتی ہے شریعت نے یہ بات مشروع کی ہے کہ جو شخص اپنے ذی رحم[ع] محرم کا مالک

ع ذی رحم محرم سے ایسا عزیز مراد ہے جس کے ساتھ رحم یعنی پیدائش کا علاقہ پایا جاتا ہو اور اُس سے
اُس کے عورت ہونے کی تقدیر پر نکاح نہ ہو سکتا ہو جیسے باپ بیٹے یا بیٹی کا مالک ہو جائے
تو یہ بیٹا یا بیٹی آزاد ہو جائیں گے ۱۲ مترجم

رجائے تو وہ مملوک اس شخص پر آزاد ہے اور غلاموں کے ساتھ رحمت اور شفقت کی رعایات
ں سے یہ امر ہے کہ شریعت ماں اور اس کے چھوٹے بچے کے درمیان یا اسکے اور اس کے
پ کے درمیان یا ایسے دو شخصوں کے درمیان جن میں محرمیت کا علاقہ پایا جاتا ہو اور ان
ں سے ایک بڑا اور دوسرا کم سن ہو یا اسی طرح کے دو چھوٹوں کے درمیان ان میں سے
ی ایک کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیع وغیرہ کر کے جدائی ڈال دینا اور ایک کو دوسرے
ے علیحدہ کر دینا مکروہ و ناگوار ٹھہرتی ہے خلاصہ یہ کہ اس عادل شریعت نے آزاد کرنے پر
بت دلانے والی۔ تنافر کی ہمت کم کرنے والی اور غلاموں کے لئے رحمت و شفقت کی
روری کرنے والی اشیاء میں سے کوئی شے ایسی نہیں چھوڑی جس کی ترغیب نہ دلائی ہو اور
ں کے لئے متعدد ابواب نہ کھول دیئے ہوں پس جو انتظام اس نے غلامی کے بارہ
ں کیا ہے اس میں سچے طور پر غور کرنے سے ہم یہی پاتے ہیں کہ اس نے غلامی کو صرف
قدر ضرورت مشروع کیا ہے اور اس نے ضرورت کو بھی اس کے اندازہ پر رکھا ہے اور
ں میں ایسے اسلوب کا لحاظ کیا ہے جس سے مخالفین کی شوکت ٹوٹ جائے اور ان
پرخاش سے نجات ملے اور پیروان شریعت کا کام چلے ان کو نفع حاصل ہو اور غلام
راحت بھی محفوظ رہے اور اس سے تمام ضرر رساں اشیاء دفع ہوں اسے دشواریوں
ے بہ عجلت نجات حاصل ہو اور حتی الامکان اس سے حرج دور رہے۔ رہا یہ امر کہ
ریعت محمدیہ نے غلام کے لئے اس کے اور اس کے مولی کے مابین ایک قسم کا رشتہ و
ربت قائم کی ہے پس بیان اس کا یہ ہے کہ اس نے غلام کے آزاد ہونے کے بعد ان
نوں کے مابین ولاء٭ کا حکم کیا ہے اور اس ولاء کے احکام میں سے یہ امر ہے کہ جب

٭ ولاء قرابت کو کہتے ہیں شریعت کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص غلام کو آزاد کر دے تو ان دونوں

وہ آزاد کردہ غلام کسی جنایت کا خطاءً مرتکب ہو جس سے دیت (خون بہا) لازم آئے تو وہ
دیت اُس کے مولے اور عصبات مولی سے حصہ رسدی لی جاتی ہے تو گویا یہ غلام اپنے
مولی کا بیٹا یا بھائی ٹھہرا اور یہ امر آزاد کردہ غلام کی رعایت مدنظر رکھے جانے کے ثبوت میں
بالکل کافی و وافی ہے کیا اِس امر سے تو مذکورہ کے نتیجہ بھی یہ نہیں نکلتا ہے کہ مسلمان
غلاموں کو خصوصاً اُن کو [illegible] انسان نہیں شمار کرتے بلکہ آدمیت کے درجہ
سے گھٹا ہوا شمار کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اسلامی شریعت اُن کو آدم اور حوا کی
کی اولاد سے شمار کرتی ہے لیکن اُن کے ساتھ ایسے معاملے کی اجازت دیتی ہے
جس سے اُن کا شر دفع ہو اور ساتھ ہی اُن کو رحمت و شفقت سے محروم نہیں کرتی۔ اُن کی
اس روک ٹوک کی مدت کے کم کرنے میں تو کبھی کوتاہی روا نہیں رکھتی۔

اہل اسلام کے غلاموں کے ساتھ سلوک

رہا یہ امر کہ پیروان شریعت محمدیہ ... پر نظر رکھ کہ اُن کی
شریعت غلاموں کے ساتھ سلوک و احسان سے پیش آنے
کی ترغیب دیتی ہے۔ بہت سے ایسے طریقے اختیار کئے ہیں جس کا نتیجہ غلاموں کے ساتھ
نیکی اور احسان سے پیش آنا ہوتا ہے اور یہ کہ بسا اوقات اُن کو وہ نعمتیں غلامی کی
بدولت حاصل ہو جاتی ہیں جن کا حاصل کر لینا اگر وہ غلامی میں داخل نہ ہوتے تو کسی طرح
اُن کو ممکن نہ ہوتا پس یہ بات اُن امور سے جو مسلمانوں میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں بالکل

(بقیہ صفحہ ۵۵۲) میں ایک قسم کی قرابت قایم ہو جاتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر غلام مثلاً کسی
کو خطاً مار ڈالے تو اُس کی دیت غلام کے عزیز و اقارب (عصبہ) کی طرح اُس کے مولی اور
اقارب مولی کو دینا ہوگی اور اگر غلام مر جائے اور اُس کا کوئی عزیز وارث نہ ہو تو اُس کی میراث
اُس مولی کو ملے گی ۱۲ مترجم

واضح و ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ امور یہ ہیں کہ اُن کا اپنے بردوں اور آزاد کردہ غلاموں پر
اوقاف کو وقف کر دینا اُن کے لئے میراث کی وصیت کر جانا وغیرہ چنانچہ بہتیرے غلام
ان احسانات اور میراث کی بدولت اپنے مولیٰ کی اولاد سے بھی زیادہ مالدار ہو گئے ہیں
اور بہتیروں نے اپنے مولیٰ کی لڑکیوں سے شادی کر لی بلکہ بہتیرے مولیٰ ایسے بھی ہیں جو
غلام کو آزاد کر کے اپنا متبنّیٰ بنا لیتے ہیں بلکہ اُن کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں
یا اپنی بیٹی اُن کو بیاہ دیتے ہیں اور بہتیرے ایسے بھی غلام ہیں جو امیر یا سلطان بن گئے۔
(جیسا کہ شاہان مصر جن کی شہرت عالمگیر ہے۔ اور کافور اخشیدی کی نسبت تمام لوگوں کو
یہ بات معلوم ہے) اور بہتیرے آزاد کردہ غلام مراتب جاہ اور مناصب علیہ جیسے کہ قضا
اور افتا تک بلکہ مرتبۂ اجتہاد تک پہونچ گئے ہیں (اس بارہ میں آپ کو عطاء بن ابی رباح کا
حال معلوم ہو جانا کافی ہے جو کہ فقہ کے ایک جلیل القدر امام ہیں خلیفہ اُن کی زیارت کی تمنّا
میں رہا کرتا تھا اور دروازہ سے اُن کو پیش قدمی کر کے لیتا تھا اور اپنے پہلو میں نشست کے
لئے جگہ دیتا تھا) اور یہ امر اس بات کے بیان کرنے کے لئے کافی ہے کہ غلاموں کو غلامی کی
بدولت کیا کچھ نعمتیں مل جاتی ہیں کہ اگر وہ غلام نہ ہوتے تو اُن کو ہرگز نصیب نہ ہوتیں بلکہ
وہ اپنے وحشی شہروں میں اپنی اُسی موٹی جھوٹی حالت میں پڑے رہتے اب کیا اس کے بعد
بھی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدیہ غلاموں کو آدمیت کے مرتبہ سے گرا ہوا اعتبار کرتی ہے
اور اُنہیں انسانیت کے حقوق نہیں دیتی ایسے بہتان سے خدا کی پناہ!

غلاموں کے ساتھ بعض لوگوں کے سنگدلی سے پیش آنے کی وجہ سے شریعت پر اعتراض

اور اگر کہا جائے کہ ہم تو بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ اپنے غلاموں کے ساتھ وہ ایسی ایسی سنگدلی کا
معاملہ کیا کرتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہاں بعض ایسے احمق بھی تو ہیں جو عادل اور مہربان شریعت

کے احکام کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جس کو شریعت ہرگز پسند نہیں کرتی اور نہ شفقت و رحمت اُس کی اجازت دیتی ہے لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ تو کیا ان سنگدلوں کو دیکھ کر یہ کہا جائے گا کہ سب مسلمان اپنی اولاد سے ایسی ہی بُری طرح سے پیش آتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسا کام تو نہ کریں جس سے بچے پیدا ہوں۔ بلاشک یہ بیہودہ نتیجہ نادان و جاہل سے پیدا ہوا ہے کیونکہ یہ بات ہر عقلمند جانتا ہے کہ احکام شریعت اور ہیں اور شاذ شخص پر جو بیتی ہوا کرتے ہیں وہ اور ہیں اور نادر الوجود اس پر حجت نہیں ہوتے بلاشک بہت مہذب و متمدن ممالک میں جو نوکروں اور مزدوروں پر ایسی ایسی سنگدلیاں سختی ہوتی ہیں جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں متمدن اور مہذب لوگوں میں شامل ہیں جو انسانی ہمدردی اور شفقت پر حریص ہونے کے دعوے کیا کرتے ہیں اگر یہی معاملہ مسلمانوں میں بھی غلاموں کے ساتھ عام طور پر رائج ہوتا اور ان کی شریعت کی نہیں اجازت ہوتی تو البتہ شریعت محمدیہ میں غلامی کے برا سمجھنے کی ظاہر وجہ ہو بھی سکتی تھی لیکن یہ بات ہرگز نہیں ہے چنانچہ پوری تلاش و استقرا اور اسلامی تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص بلا دلیل قائم کیے ہوئے محض متعصب اور خودغرض اشخاص کی اشاعت اور بے تحقیق لوگوں کی خبروں پر اعتماد کر کے اس کے خلاف کہے گا تو سمجھیے کہ وہ شخص مسلمانوں پر اور ان کی شریعت پر بدگمانی کر کے غلط اور جھوٹی تہمت لگا کر بہتان باندھتا ہے خدا ہم کو ایسے افترا اور بہتان اور جھوٹ سے پناہ میں رکھے جس سے انسانی شرافت پر بٹہ لگے۔

عہد عتیق و عہد جدید کی نصوص سے غلامی کا ثبوت

رہا یہ امر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پہلے جو شریعتیں تھیں اُن میں بھی غلامی مشروع ہے اور جو کتابیں ان شرائع

کی جانب منسوب کی جاتی ہیں اُن میں اس کی تصریح موجود ہے اس کے بیان کے لئے توریت کی بکثرت آیتیں جو اپنے مخالفوں کے غلام بنا لینے پر دلالت کرتی ہیں کافی ہیں منجملہ اس کے کتاب استثنا میں ہے اور جب تو کسی قریہ کے پاس اُس سے مقابلہ کرنے کو جائے پہلے اس کو صلح کی طرف بلا پس اگر وہ قبول کرلے اور تیرے لئے دروازے کھول دے تو جتنے فرقے اس میں ہوں گے وہ اخلاص کریں گے اور تیرے غلام بنیں گے۔ تجھے جزیہ دیں گے اور سفر عدد سے ماخوذ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ ہزار آدمیوں کو اہل مدین کے محاربہ کے لئے بھیجا تھا تو اُن پر وہ لوگ غالب آگئے تھے اور اُن میں سے سارے مردوں اور پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کی عورتوں بچوں اور مواشی سب کے سب کو گرفتار کرلیا تھا۔ اور قریوں دیہاتوں اور شہروں کو آگ سے جلا ڈالا تھا پھر جب وہ لوگ واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام غضبناک ہوئے اور کہنے لگے تم نے عورتوں کو کیوں زندہ رہنے دیا پھر ہر لڑکے کو ہر بچے اور ہر شوہر دیدہ عورت کو قتل کرنے اور کنواری لڑکیوں کے باقی رکھنے کا حکم کیا پس اُن لوگوں نے ویسا ہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا اور غنیمت میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بکریاں۔ بہتر ہزار گائیں۔ اکسٹھ ہزار گدھے۔ بتیس ہزار کنواری لڑکیاں تھیں پس یہ آیت اس شریعت میں دشمنوں کے یہاں تک کہ لڑکوں اور شوہر دیدہ عورتوں کے قتل کے جائز ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ ہی غیر شوہر دیدہ عورتوں کے لونڈی بنا لینے پر بھی دلالت کرتی ہے اور سفر سموئیل میں ہے اور مواب کے رہنے والے داؤد علیہ السلام کے غلام تھے اُن کو خراج دیتے تھے اور تیموتاوس کی جانب پولس کے پہلے خط کے چھٹے باب میں یہ تصریح موجود ہے کہ وہ تمام لوگ جو غلام ہیں راہ روشن کے نشان کے نیچے ہیں پس انہیں چاہئے کہ اپنے سرداروں کو پورے

اکرام کا مستحق سمجھیں تاکہ خدا کے نام اور اُس کی تعلیم پر بہتان نہ باندھا جائے اور جن کے آقا
مسلمان ہیں وہ اُن کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھائی ہیں بلکہ چاہیے کہ اُن کی بہت زیادہ
خدمت کریں اس لئے کہ جو فائدے میں شرکت رکھتے ہیں وہ مسلمان اور پیارے ہی لوگ
ہیں، اُن کی تعلیم دے اور اسی کا وعظ کہہ" انتہی۔ ان نصوص سے شریعت عیسوی میں غلامی
کا ثبوت دیگر شرائع سا سمجھا جاتا ہے اور یہ کہ غلاموں پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ اپنے آقاؤں
کی تکلیف دی گئی ہے اگر اُن کے مالکوں کو اُن کا غلام بنانا اس شریعت میں مشروع
نہ ہوتا تو اُن کو اُن کی اطاعت و خدمت کا ہرگز حکم نہ کیا جاتا اس لئے کہ شرائع سے یہ
بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے موافق سلطنت کرا ایسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں کیا جا سکتا جو
خداتعالیٰ کے نزدیک ممقوت و مبغوض ہو اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُن پر اپنے
مالکوں کی اطاعت واجب ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں کیونکہ پہلا حکم عام کیا گیا پھر
مسلمان مالکوں کی اس امر کے ساتھ تخصیص کر دی گئی کہ وہ اُن کو حقیر نہ سمجھیں اور اُن کی
بہت زیادہ خدمت کریں اور اگر غلام بنانا اس شریعت میں جائز و مباح نہ ہوتا تو وہ شریعت
ایمانداروں کے غلاموں پر اُن کی رعایت اور زیادہ خدمت لازم کر کے لوگوں کو اپنا غلام بنائے
رکھنے پر ایمانداروں کو برقرار نہ رکھتی چنانچہ یہ سب امور ظاہر ہیں اور تطس کی جانب پولس
کے خط کے دوسرے باب میں یہ تصریح موجود ہے "اور غلام اپنے مالکوں سے پستی سے پیش
آئیں اُن کو تمام چیزوں میں راضی رکھیں اُن کے خلاف کوئی بات نہ کہیں اُن کے ساتھ
اچکاپن نہ کریں بلکہ پوری پوری نیکی کے ساتھ امانت سے پیش آتے رہیں تاکہ وہ ہمارے
مخلص یعنی اللہ کی تعلیم کو تمام امور میں مزین کریں" انتہی۔ اور یہ نص افادہ میں پہلی نص کے
قریب ہی قریب ہے، اور اپنے اس قول "ان کو تمام چیزوں میں" کے ظاہری عموم کے موافق

پہلی نص پر اس بات کو اور بڑھاتی ہے کہ غلاموں کے ذمہ اپنے مالکوں کی اطاعت واجب ہے یہاں تک کہ ایسے امر میں بھی کہ وہ خدا کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ مثلاً جب مالک اپنے غلام کو زنا کا حکم کرے لیکن شریعت محمدیہ میں اپنے مالک کی ایسے امر میں اطاعت کرنا غلام پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ قاعدہ ہے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔ پس غلام پر واجب ہے کہ خدا کی نافرمانی کے علاوہ اور امور میں اپنے مولیٰ کی اطاعت کیا کرے مگر ہاں جب اُس پر جبر و زبردستی کی جائے اور اُسے قتل وغیرہ کی دھمکی دی جائے تو اُس وقت اس بارہ میں اُس کا حکم غیر مملوک اشخاص کا سا ہے یعنی اگر اُن پر ایسی زبردستی کی جائے تو بعض گناہ زبردستی کی وجہ سے اُن کے لئے مباح ہو جاتے ہیں اور بعض مُباح نہیں ہوتے جیسا کہ اس شریعت میں اُس کی تفصیل کی گئی ہے اس موقع پر جو کچھ مذکور ہُوا ہے وہ نص بالا میں اس قول "تمام چیزوں میں" سے جو ظاہری عموم سمجھا جاتا تھا اُس کے موافق بیان کیا گیا لیکن ہاں اگر یوں کہا جائے کہ پولس کے خط میں جو نص موجود ہے اُس کے قول "تمام چیزوں میں" سے جو عموم سمجھا جاتا ہے دوسری نصوص سے اس کی تخصیص کر لی گئی ہے اور وہ نصوص شریعت عیسوی کی جانب جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں اُن میں اس موقع کے علاوہ اور مواقع میں مذکور ہیں، اور پطرس کے پہلے خط کے دوسرے باب میں مذکور ہے اے خادمو پوری ہیبت کے ساتھ اپنے مالکوں کے لئے پست ہو جاؤ نہ فقط نیک اور نرمی کرنے والوں ہی کیلئے نہیں بلکہ سختی سے پیش آنے والوں کے لئے بھی انتہیٰ۔ اور اس نص نے اگرچہ لفظ کے اعتبار سے غلاموں کو ذکر نہیں کیا بلکہ خادموں کو ذکر کیا ہے لیکن اُس کا قول "مالکوں کے لئے" یہ قرینہ اس امر کو معین کرتا ہے کہ خادموں سے غلام ہی مراد ہیں اور اس نص میں اطاعت واجب کی گئی ہے یہاں تک کہ

سختی سے پیش آنے والوں کے لئے تھی اور اگر عناداً اس قرینہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو ہمیں اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے پہلے ہی کی دونوں لفظ بالکل کافی ہیں۔ پس جب اس قوم کے لئے جو شریعت محمدیہ پر غلامی کے بارہ میں اعتراض کرتی تھی امور مذکورۂ بالصدد ظاہر ہوئے اور اُن کو اس شریعت میں غلامی کے مشروع ہونے کی حکمت۔ اس کے حدود اور شریعت کی وہ عنایتیں اور رعایتیں جو اُس نے غلاموں کے ساتھ مدنظر رکھی ہیں معلوم ہوں جن کی وجہ سے غلاموں کی راحت محفوظ رہتی ہے بلکہ کبھی کبھی اُن کو بہتری نعمتیں حاصل ہوجاتی ہیں اور جو اُن کی غلامی کی مدت کی کمی کا باعث ہوجاتی ہیں اور انہوں نے موسوی عیسوی شریعت کی اُن نصوص میں بھی غور کیا جو غلامی کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتلاتی ہیں کہ غلامی ان دونوں شریعتوں میں موجود تھی تو اُس وقت وہ کہنے لگے کہ شریعت محمدیہ پر اس بارہ میں کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ عدل کے موافق حکم ہے اُس میں دو ضرروں میں سے ادنےٰ درجہ کا ضرر اختیار کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عقل کے موافق ہے اور اُس میں شفقت۔ رحمت اور انسانیت کی حتےٰ الامکان رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور اُس میں ضرورت کو اُسی کے اندازہ پر رکھا ہے پس اس بیان کے بعد ہر منصف اور وحی وشرائع کے تصدیق کرنے والے کے لئے کوئی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ رہا دشمنوں کا مال چھین لینا اور اُن پر خراج (ٹیکس) مقرر کرنا سو اس میں بھی اعتراض وجواب کے اعتبار سے ویسی ہی گفتگو ہوسکتی ہے جو غلامی کے بارہ میں کی گئی اس لئے اب تطویل کی حاجت نہیں معلوم ہوتی بلکہ غلامی اور جہاد کے مسئلہ کی بابت جو دلائل اور شرائع متقدمہ کی نصوص مذکور ہوئیں وہی کافی ہیں اُنہیں سے اس بارۂ خاص میں مستقل گفتگو کرنے سے استغنا ہوجاتا ہے چنانچہ یہ امر سچے طور پر غور

سے بخوبی ظاہر ہے خدا اس کی توفیق دے کیونکہ وہی توفیق کا مالک ہے۔

یت کا اہل ذمہ
ساتھ معاملہ

پھر بعد اس کے کہ شریعت محمدیہ میں جہاد مشروع ہوا اور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ محاربہ اور ایسا
مشروع کیا جو خدا نے اس بارہ میں مشروع کیا تھا تو آپ اُن میں سے بعضوں
ن کی ایذا رسانی کے دفع کرنے اور اپنے متبعین اور دین کی حفاظت و نصرت
ض سے قتل کرتے تھے اس لئے کہ یہ تمام امور بغیر اُن کے قتل کے پورے نہیں
لیتے تھے اور بعضوں کو غلام بناتے تھے بعضوں پر خراج (ٹیکس) مقرر کرتے تھے
ن سے اطاعت کا عہد لے کر اُن کو صاحب ذمہ بنا لیتے تھے اس طرح پر کہ جو
ق نفع حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو حاصل ہیں اُن کو بھی دیئے جائیں اور
امور سے مسلمانوں کو ضرر پہنچ سکتا ہے (یعنی خلاف قوانین تعزیرات اسلام
ل کرنے کی صورت میں) اور وہ سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ انہیں امور سے وہ
ستحق تعزیر و سزا ٹھہریں اور اُن کی حمایت و حفاظت اور اُن کے حقوق کی رعایات و
اشت مسلمانوں پر واجب ہو جاتی تھی۔ جان۔ آبرو اور مال کے اعتبار سے اُن
یذا رسانی حرام ہوتی تھی اور آپ اُن پر یہ شرط لگا دیتے تھے کہ شریعت کے چند ایسے
م کا بھی اتباع کریں جن کے باعث سے دوسروں کے حقوق پر اُن کی افترا پردازی
ندی سے حفاظت رہے۔ اور اُن کو اُن کے دین پر رہنے دیتے تھے اور اپنے
اد کے موافق انہیں اپنی مذہبی رسمیں ادا کرنے کی عام اجازت ہوتی تھی لیکن ایسے
پر جس سے دین محمدی کی شان و شوکت محفوظ رہے اور اُس کے پیروی کرنے والوں
خیالات کو پراگندگی نہ لاحق ہونے پائے اور اُن کا اُخروی اور قیامت کا معاملہ خدا

کے سپرد کرتے تھے اور باقی اخراج کو اسی وقت ان پر آپ مقرر کرتے تھے جبکہ آپ یہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ امر ان لوگوں کی ایذا رسانی کے دفعیہ کے لئے کافی ہے اور یہ کہ جو کچھ خراج اُن پر مقرر کیا گیا ہے پیروان شریعت کے لئے بھی نفع کا باعث ہوگا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ محاربہ کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کنوئیں پر کے ڈول کی طرح تھا کہ کبھی اُن کے ہاتھ اور کبھی اُن کے ہاتھ یعنی کبھی آپ اُن پر غالب آتے تھے اور کبھی وہ لوگ مسلمانوں پر اور یہ بات خدا کی منجملہ عادات کے ہے کہ اُسے اپنے رسولوں کے بارہ میں برتا کرتا ہے لیکن آخر کار خدا کی جانب سے پوری پوری آپ ہی کی مدد ہوتی تھی اور آپ ہی فتحیاب ہوا کرتے تھے (اور انجام نیک تو متقیوں کے لئے ہے ہی) یہاں تک کہ بہت سے شہروں پر آپ کا تسلط ہوگیا اور متعدد قبائل آپ کی اطاعت میں سرنگوں ہو گئے اور خدا نے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیا اور وہ برابر غالب رہا اور ہمیشہ رہے گا اور اگر اس کو سیفی غلبہ کسی زمانہ میں نہ بھی ہوتا ہم دلیل و برہان اور پختہ عقلوں کے اس کو مستحسن شمار کرنے کے اعتبار سے تو اس کا غلبہ کہیں نہیں گیا ہے۔ پھر آپ کے دین کے بعض دشمن قلعوں اور قصبوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور آپ اُن کے لئے ہمیشہ موقع کے منتظر رہتے تھے اور اُن کی ہدایت پر حریص ہو کر برابر اُن سے دلائل کے ساتھ مراسلہ کرتے رہتے تھے اور اپنے اتباع کو اسکی وصیت کیا کرتے تھے کہ ایسے طریقہ پر جو اُن کے معاملہ میں مشروح ہے جب کبھی موقع اور وقت ملے اُن کو برابر دعوت اسلام کرتے رہیں اس کو چھوڑیں نہیں اور یہ حکم قیامت تک جاری رہیگا

جو لوگ تکذیب پر مصر رہے اور قلع بند ہو گئے اُن کا حکم

پھر بعض دشمنوں نے ظاہر تو یہ کیا کہ وہ آپ کے دین کے تبع اور پیروان دین اور اس کے نصرت کرنے والوں کی لڑی میں منسلک ہیں اور واقعی بات یہ تھی کہ وہ اپنے دلوں میں تکذیب کو چھپائے رکھتے

تے اور اس پر برانگیختہ کرنے والا امر اُن کے لئے یا تو خوف تھا اور یا اُن غنیمتوں کی طمع تھی جو
ہاتے آپ کے اور آپ کے اتباع کے ہاتھوں پر فتح کردی تھیں پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم
دِ شروع میں باوجودیکہ آپ کو اُن کی حقیقت حال اور بد طینتی کی پوری اطلاع تھی تاہم
ن کو اپنے اتباع کے زمرہ میں شمار کرلیتے تھے اور ان کے مخفی خیالات اور ارادوں کو فاش
کے اُنہیں رسوا نہ کرتے تھے اور نہ اُن کو ضرر پہونچانا روا رکھتے تھے اس خیال سے کہ کہیں
من یہ بات نہ شائع کردیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروی کرنے والوں کو اپنی تصدیق
ے بارہ میں جھوٹا سمجھتے ہیں اور اُن کے اخلاص میں شک کرتے ہیں۔ اور اُن کو اپنے اغراض بد
ہ لئے مارڈالا کرتے ہیں اور یہ ایسی بات تھی جس سے لوگوں کو سُن کر نفرت پیدا ہوتی اور جو
ل متوجہ بھی ہوتے اُن کے ارادے بھی پھر جاتے خصوصاً جبکہ دین اپنے نشو ونما کی ابتدائی
الت میں تھا لیکن جب شوکت اسلام کو قوت ہوئی اور اُس کے بہت سے مدد کرنے والے
گئے اور اُس کا نور چھا گیا اور یہ بات عام طور پر ظاہر ہوگئی کہ اپنے اصحاب کے ساتھ آپ کا
معاملہ محض خیرخواہی اور خالص شفقت پر مبنی ہے اور ان باطل اشاعات کی کوئی گنجائش
رہی تو اُس وقت آپ کے مولے ومالک (خدا) نے اِن منافقوں اور دوزخی لوگوں کی
نصیحت۔ سرزنش ملامت کی اور اس امر کی آپ کو اجازت دیدی کہ آپ اپنے مخلص پیروی
نے والوں کو اُن سے اور اُن کے مکر سے ڈرایا کریں پھر اس کے بعد یہ لوگ منقسم ہوکر دو فرقے
ن گئے بعض نے تو جب اہل دین سے مخالطت کی اور اس پاک اور عادل شریعت کی حقیقت
طلع ہوئے اور اُنہوں نے اپنے باطل اعتقادات اور ادنےٰ درجہ کی عادات و رسوم کا
شریعت سے مقابلہ کیا تو اُن کی نیت خالص اور دل صادق ہوگیا اور گو پہلے منافقانہ ایمان
ئے تھے لیکن پھر حقیقی مومن بن گئے اور پھر اُن کا شمار بھی بہترین اتباع اور بڑے بڑے

انصار میں ہونے لگا، وہ محض خوف کی حالت میں عداوت کا گھونٹ پی پی کر اپنے نفاق پر جمے ہی رہے اور ان لوگوں نے اگر اپنی جانوں کو تلوار کی دھار سے بچا بھی لیا تو آخرت میں اُن کو دردناک عذاب اُٹھانا ہی پڑے گا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافق لوگوں کی یہ علامت قرار دی ہے جو اُن کے نفاق کا عنوان اور فرومایگی کی دلیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ منافق جب کوئی بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ خدا تعالیٰ سے ہم دین و دنیا و آخرت سب کی حفاظت اور سلامتی کی دعا مانگتے ہیں۔

دین اسلام کے مکمل ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم کا دار البقا کی جانب انتقال فرمانا اور اس کی حکمت

یہ تو ہو چکا اب سنئے کہ جب خدا تعالیٰ اپنے نازل کئے ہوئے قرآن کریم اور آپ کی استوار سنت سے جس کی اس نے اپنے رسول پاک کی جانب وحی کی تھی اپنے دین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر پورا کر چکا (خدا آپ کو آپ کی شان کے مناسب ہماری جانب سے جزائے خیر دے) تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا۔ خدائے سبحانہ نے اپنے دین کو پورا کر کے ہمارے اوپر بہت ہی بڑا احسان کیا اور ہم کو بہت بڑی بزرگی سے سرفراز کر دیا چنانچہ اُس نے اپنے باکمال رسول پر اس روز جو ہمارے لئے عید اکبر تھا اپنے اس قول کو نازل فرمایا (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً) یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اُوپر اپنی نعمت پوری کر چکا اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ یہ کیسی کامل نعمت ہے اور کتنا ذی فضل احسان ہے پس ہم اس کے عطا کرنے والے خدائے پاک کی حمد اور اس کا شکر کرتے ہیں جیسی حمد و شکر

اور مستحق ہے اور سارے محامد اللہ تعالیٰ ہی کے لیئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت کی گر اللہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پا سکتے تھے اور اس آیت کریمہ کا نازل ہونا بلاشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر دینا تھا جیسا کہ اس بات کو آپ کے صدیق اکبر اس آیت کو سُننے ہی سمجھ گئے اور رونے لگے کیونکہ نور بصیرت سے اُن کے لیئے یہ امر ظاہر ہو گیا تھا (اور مومن خدا کے نور سے دیکھا کرتا ہی ہے) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا جانا اور دنیا میں آپ کا وجود شریعت تبلیغ دین کی حکمت کے لیئے تھا۔ پس جب دین کامل ہو چکا تو بعد اسکے دار فنا سے دار بقا کی جانب کہ وہی دار قرار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے سوا اور کیا رہ گیا پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا سے خوشی خوشی تشریف لے گئے اور حال یہ ہے کہ آپ نے راہ راست دکھلادی جو کچھ خدا کے پاس سے لائے تھے سب اس کے بندوں کو آپ نے پہونچا دیا، برابر امت کی خیر خواہی میں رہے اُن کو ایسے روشن راستہ پر چھوڑ کر گئے جس کی رات بھی دن کے مانند ہے اُن کے دلوں میں اپنی ایسی محبت جگر میں کر گئے ہیں جس کو کبھی کہنگی عارض ہی نہ ہو اور ایسی الفت جو کبھی نہ جائے اُن لوگوں کی روحیں بھی آپ پر فدا ہیں ہر ہر زبان آپ کی حمد و شکر کی ثنا خواں ہے۔ پس خدا تعالے آپ کو تمام امت کی جانب سے جزائے خیر دے اور آپ کو وسیلہ اور درجہ رفیع دعالی دار البقاء میں عنایت فرمائے اور آپ کے مولیٰ سبحانہٗ کی جانب سے آپ پر اور آپ کے ذی کرامت کنبہ والوں پر جو کہ ہدایت کے انوار ہیں اور آپ کے ذی عظمت اصحاب پر جو کہ تاریکی کے چراغ ہیں اشرف صلوات اور ازکی تحیات جب تک رات و دن آتے جاتے رہیں اور لیل و نہار کا دورہ ہوتا رہے نازل ہوا کریں۔ اللہم آمین۔

خاتمہ | اور چونکہ یہاں پہ آکر ہمارا اصل کلام ختم ہوا اور خدا نے بقدر امکان دین اسلام کی

حقیقت اور حقانیت کے بیان کرنے میں ہم کو رسائی عنایت فرمائی اس لئے ہمیں مناسب ہے کہ ہم اپنے آخری کلام میں ایک خاتمہ اور ایک تنبیہ لکھیں خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔ خاتمہ تو اس کی تحقیق میں ہے کہ دین محمدی اپنے عقائد (کہ جن کو اصول کہتے ہیں) اور احکام عملیت (جن کا کہ نام فروع ہے) قرآن شریف اور ان احادیث نبویہ سے ماخوذ ہے جو ہمارے پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان اصول و فروع میں سے کوئی شے ان دونوں ماخذوں سے علیحدہ نہیں ہے اور یہ دونوں ماخذ بلا شک دین کے پورے پورے متکفل ہیں اور دلیل اس کی وہی آیت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دین محمدی کے کامل ہونے کی تصریح کرتی ہے اور عقائد اگرچہ شمار میں آسکتے ہیں کہ الفاظ سے اُن کا صراحتاً یا قریب قریب صراحت کے بیان کر دیا جائے لیکن فروع اس قدر ہیں کہ اگر صراحتاً یا قریب قریب صراحت کے الفاظ سے اُن کو بتا دینے کا ارادہ کیا جائے تو اس قدر الفاظ کی حاجت پڑے گی جس سے جلدیں کی جلدیں پُر ہو جائیں گی اور اُس کے ثبوت میں یہ کیا کم ہے کہ نئے نئے حوادثات زمانیہ کے آنے سے فروع بھی نئے نئے ہو جاتے ہیں پس قرآن شریف اور احادیث کریمہ نے بقدر کفایت عقائد اور بہتیری فروع کی تصریح کر دی ہے اور کچھ قواعد کلیہ و ضوابط بتلائے ہیں جو فروع و مسائل کے جم غفیر کو متشمل ہیں یا اُن میں سے بہتیرے امور پر اشارتاً یا کنایتاً دلالت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ دین محمدی میں جتنی چیزوں کی حاجت ہے قرآن اور احادیث میں صراحتاً یا کنایتاً اور اشارتاً سب کی سب موجود ہیں اور چونکہ ان سب کا سمجھ لینا امت میں سے ہر شخص کا کام نہیں اس لئے خدائے تعالیٰ نے ان دونوں عظیم اصلوں سے احکام کے نکال لینے اور عام امت کے لئے شائع کر دینے کے لئے دو اور طریقے مشروع کئے ہیں چنانچہ ان دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ امت محمدیہ کا کسی

امر پہ اجماع واتفاق کرلینا ہے یعنی ان لوگوں کا اجماع کرلینا جو دین کی کافی معرفت اور شناسائی رکھتے ہیں کیونکہ ان کا اجماع خطا سے محفوظ اور معصوم قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ وہ لوگ سوائے ایسے امر کے جس کو انھوں نے نصوص قرآن اور احادیث سے سمجھ لیا ہوگا اور کسی امر پہ ہرگز اجماع نہ کریں گے اگرچہ انھوں نے اپنے ماخذ کی تصریح نہ کی ہو اور دوسرا طریق ایسے شخص کا اجتہاد ہے جس کو خدا نے دین میں فہمید عطا کی ہو اور قرآن عظیم اور احادیث رسول کریم کے احکام کی سمجھ عطا فرمائی ہو پس خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو اجتہاد کی اجازت دی ہے جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا ہو اور یہ منصب اُن لوگوں کو عطا فرمایا ہے جن کا فضل امت میں ظاہر ہوچکا ہو۔ پس امت نے ان دونوں ماخذوں (قرآن اور احادیث) سے انہیں دونوں طریقوں کے ذریعہ سے احکام استنباط کرنا شروع کئے یہاں تک کہ احکام دین کی تصریح سے اُن کے لئے احکام اجتہادیہ ہی کافی ہوگئے۔ اور اُن کو اپنی عبادات۔ معاملات۔ آداب وحدود میں جتنی چیزیں لازم تھیں سب دستیاب ہوگئیں۔ پھر علماء امت نے اُن صفات سے بحث کی ہے جن کا وجود ایسے شخص (مجتہد) میں ضروری ہے اور جن کی وجہ سے وہ اجتہاد اور قرآن واحادیث سے احکام استنباط کرنے کے درجہ پہ پہونچ جاتا ہے پس اُنھوں نے اُن کو اُن شرائط میں منحصر پایا جن کا آگے بیان ہوتا ہے۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ یہ شخص قرآن شریف کے علم پر حاوی ہو اس طرح پر کہ اُسکے لغوی اور شرعی معانی سے واقف ہو لغوی معانی سے تو اس طرح پر کہ (الفاظ) مفردات اور مرکبات کے معانی اور اُن کی خصوصیتوں سے واقفیت رکھتا ہو جو اُن میں معانی کے سمجھنے کے اعتبار سے پائی جاتی ہوں اور اُس کے لئے کئی علموں کی حاجت ہوگی۔ اوّل تو علم لغت ہے جس سے وہ معانی معلوم ہوں گے جن کے لئے عربی لغت کے (جس میں کہ قرآن نازل ہوا ہے) الفاظ

مفردہ وضع کئے گئے ہیں۔

دوسرے علم صرف ہے جس سے عربی لغت کے الفاظ مفردہ کی بناوٹ اور اُن کے صیغوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔

تیسرے علم نحو جس سے عربی لغت کے الفاظ مفردہ کے وہ حالات جو مرکب ہونے کے وقت اُن کو لاحق ہوا کرتے ہیں اور نیز اس وقت اُن کے طبعی اور مرکب ہونے کی کیفیت اور اُن کے ایسے معانی پر دلالت کرنے کا حال جو ترکیب سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔

چوتھے علم معانی جس سے کلام عربی کے وہ حالات معلوم ہوتے ہیں جن سے وہ کلام مقتضائے حال (یعنی موقع و محل کے مقتضا) کے مطابق ہوتا ہے۔

پانچویں علم بیان جس سے ایک معنی کو مختلف طریقوں سے ادا کرنا معلوم ہوتا ہے لیکن اس امر میں یہ تعمیم ہے کہ ان علوم مذکورہ کو اُس نے پڑھ لکھ کر حاصل کیا ہو یا اپنے سلیقہ سے اُن سے واقفیت رکھتا ہو جیسا کہ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال تھا۔ دوم قرآن کے شرعی معانی کا جاننا سو اس طرح پر ہے کہ اُن معانی سے واقفیت ہو جو احکام شرعیہ میں مؤثر ہیں مثلاً خدا تعالے کے اس قول میں (او جاء احد منکم من الغائطؔ) میں یہ جانتا ہو کہ غائط سے مراد حدث ہے (یعنی بدن سے کسی نجاست کا نکلنا جو ناقض وضو ہے) اور یہ کہ حکم کی علت زندہ انسان کے بدن سے نجاست کا نکلنا ہے اور نیز وہ شخص و مجتہد قرآن شریف کے اقسام جو اصول فقہ میں مذکور ہوتے ہیں جانتا ہو یعنی خاص۔ عام۔

ؔ غائط لغت میں اس میدان کو کہتے ہیں جو پست ہو اور اس سے پاخانہ سے کنایہ کیا ہے اس لئے کہ اکثر پست زمین میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے ہیں۔ کذا فی منتہی الارب۔

ل ۔ مجمل ۔ مفسر ۔ محکم ۔ مطلق ۔ مقید ۔ صریح ۔ کنایہ ۔ ظاہر ۔ نص ۔ خفی ۔ مشکل ۔ متشابہ ۔
لعبارۃ ۔ دال باشارۃ ۔ دال باقتضاء ۔ دال بدلالۃ ۔ مفہوم معتبر ۔ امر و نہی کا مقتضا اور
کے علاوہ وہ امور جن کا علم اصول میں ذکر ہوتا ہے کہ جو علوم دینیہ میں سے بہت ہی عظیم
ار کیا جاتا ہے اور ان اقسام کا محض جاننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ فلاں
اص ہے اور فلاں عام ہے اور یہ ناسخ ہے اور وہ منسوخ ہے وغیرہ وغیرہ ۔ اور یہ اخیر
ناسخ و منسوخ کا جاننا) نصوص کے نزول کی تاریخ سے واقفیت رکھنے پر موقوف ہے
رح پر کہ فلاں نص پہلے نازل ہوئی پھر فلاں اس کے بعد نازل ہوئی اور یہ امور معانی کے
ے کے مغایر اور اُن کے علاوہ ہیں لیکن امور مذکورہ کے مواقع کا اس طور پر جان لینا
ہے کہ حکم کے طلب کرنے کے وقت اُن کی طرف رجوع کرنے پر قدرت ہو یعنی ان
میں اُسے خوب مہارت ہو یہ نہیں کہ زبانی یاد ہوں اور اس موقع پر قرآن سے مراد بھی
قدر ہے جس کو معرفت احکام سے تعلق ہے ۔ اجتہاد کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ علم
لم احادیث سے اس قدر واقف ہو جس قدر کہ احکام سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ بھی
رح پر کہ متن احادیث کو جانتا ہو یعنی اُن کے لغوی اور شرعی معنی سے واقفیت رکھتا
سا کہ قرآن کے بارہ میں گذرا اور اُن کے خاص و عام وغیرہ اقسام کو پہچانتا ہو جن
ر قرآن کے بیان میں بھی گذر چکی ہے —— اور اُن احادیث کی سند کا بھی علم رکھتا
۔ مراد اس سے احادیث کے ہم تک پہونچنے کا طریق ہے خواہ وہ تواتر ہو یا

اتر سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر ہوں
سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادتاً محال سمجھی ہو ۱۲

مشہوریت[عہ] ہو یا آحاد[عہ] ہو اور اس میں حدیث کے راویوں کے احوال کی معرفت بھی مندرج ہو جانا کہ وہ معدل ہیں یا مجروح ہیں اور یہ بہت ہی وسیع علم ہے اس میں صحیح تاریخ سے مطلع ہونے کی بڑی ضرورت ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجتہدین کے مابین ایک طویل زمانہ حائل ہو گیا اس لئے راویوں کے حالات سے بطور خود واقف ہونا تو بہت ہی مشکل ٹھہرے گا پس اُن ائمہ کی تعدیل اور تجریح پر اکتفا کیا جائے گا جو علم حدیث کے امام مانے گئے ہیں اور اُن پر اس بارہ میں وثوق کیا گیا ہے۔ اجتہاد کی تیسری شرط وجوہ قیاس کو جاننا یعنی اُن طریق کو جس کے ذریعہ سے مجتہد احکام کو مستنبط کرتا ہے ان سب طریقوں کے شرائط اُن کے احکام۔ اقسام اور یہ کہ اُن میں سے کونسی قسم مقبول ہے اور کونسی مردود ان سب کو جاننا ہو جیسا کہ کتب اصول میں بیان کیا گیا ہے۔ اجتہاد کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اُن مسائل کو جانتا ہو جن پر اُن علماء اسلام کا اجماع ہو گیا ہے۔ جن کا اجماع معتبر ہے تاکہ اپنے اجتہاد میں اُن کے اجماع کی مخالفت نہ کرے اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ مجتہد کا ایماندار ہو عادل ہونا شرائط میں سے ہونا چاہئے اس بارہ میں کلام کے طویل کرنے کی کوئی حاجت نہیں اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہی ہے پس جب کسی شخص میں یہ ساری شرطیں کامل طور سے پائی جائیں تو اُسے جائز ہے کہ قرآن اور حدیث سے شرعی احکام کا استنباط کرے اور دوسرے لوگوں

عہ مشہور سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیث حد تواتر کو تو نہ پہونچی ہو لیکن کسی مرتبہ میں راوی تین سے کم نہ ہوئے ہوں تین یا تین سے زائد ہی رہے ہوں۔ عہ آحاد سے مراد یہ ہے اُس حدیث کی سند میں تواتر کے شروط نہ پائے جاتے ہوں پھر خبر آحاد کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم مشہور ہے دوسری عزیز جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے راوی کسی مرتبہ میں دو سے کم نہ ہوئے ہوں تیسری قسم غریب ہے جس کا کسی مرتبہ میں ایک راوی رہ گیا ہو ۱۲ نخبۃ الفکر

اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے اس کی تقلید اور پیروی کرنا اور اُس کے استنباط کئے ہوئے
م پر عمل کرنا جائز ہے۔ پھر علمائے اہل سنت نے اس بات پر اعتماد کیا ہے کہ مسائل
ادیہ میں خدا کے نزدیک حق ایک ہی امر ہے اور بعد اس کے کہ مجتہد نے حق کے ظاہر
نے میں اپنی پوری کوشش صرف کرنی ہے اگر حق تک اُس کی رسائی ہو جائے تو اُسے
جر ملتے ہیں اور اگر پوری کوشش کرنے کے بعد بھی وہ حق سے چوک جائے تو وہ معذور
اور اُسے اپنی کوشش اور محنت کا اجر ملے گا اس لئے کہ اُس کے ذمہ صرف اپنی
شش کو صرف کرنا تھا سو وہ کر چکا اور چونکہ امر حق کی دلیل خفی تھی اس لئے وہاں تک
کی رسائی نہ ہو سکی۔ ہاں اگر امر صواب تک پہونچانیوالی دلیل ظاہر ہو لیکن مجتہد اپنی
ہی اور تقصیر اور اجتہاد میں کوشش و مبالغہ نہ کرنے کی وجہ سے امر صواب تک
پہنچ سکا تب البتہ مستحق عقاب ہے اور بعض سلف سے جو آپس میں ایک دوسرے
ئل اجتہادیہ میں طعن کرنا منقول ہے تو وہ اس بات پر مبنی ہے کہ طعن کرنے والے
ان میں طریق صواب ظاہر تھا اور یہ سب کچھ مسائل فرعیہ کے باب میں ہے اس
اُن میں غلبۂ ظن کافی ہوتا ہے اور عمل کرنے کے لئے اسی کا حاصل ہو جانا مقصود ہے
ول و عقائد میں اجتہاد کرنا تو اُس میں خطا کرنے والا یا تو سزا دیا جائے گا یا وہ گمراہ سمجھا
ا یا وہ کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ عقائد کے باب میں مطلوب ہوتا ہے کہ قطعی دلیلوں
سے علم حاصل ہو جائے نہ کہ صرف ظنی اور صحیح یہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو استدلال
ہو۔ اگرچہ وہ دلیل اجمالی ہی سے کیوں نہ استدلال کر سکتا ہو جب کسی عقیدہ میں
دوسرے کی تقلید کرے گا تو استدلال کے ترک کرنے کی وجہ سے ضرور گنہگار
رچہ یہ دوسرا شخص جس کی اُس نے عقیدہ میں تقلید کی ہے امام ابو حنیفہ نعمان

رحمۃ اللہ تشبیہ ہی کیوں نہ ہو یعنی اگر کسی شخص کے پاس کسی عقیدہ کا قطعی دلیل موافق
قواعد شرعیہ کے موجود ہے چاہے وہ اجمالی ہی دلیل کیوں نہ ہو تو اُس کو ہرگز جائز نہیں
کہ محض دوسروں کی تقلید میں اُس عقیدہ کے خلاف کہنے لگے اور اپنی قطعی دلیل کے
مقتضا کو چھوڑ دے پس اس تقریر سے آپ کو ان لوگوں سے نہایت تعجب معلوم ہوگا جو
بلا کسی یقینی دلیل کے بہت سی باتیں محض اس وجہ سے یقین کر لیتے ہیں کہ علم افلاک
کے فلاں جاننے والے نے یا جیالوجی کے فلاں جاننے والے نے یوں کہا ہے باوجودیکہ یہ
باتیں عقیدۂ اسلامیہ یا متواتر نص شرعی کے ظاہر کی مصادم و مخالف ہوتی ہے اپنے رسوا
کرنے والے جہل سے خدا کی پناہ ہاں جب اس مخالف کا قول ہمارے نزدیک قطعی دلیل سے
ثابت ہو جائے تو اس وقت بیشک ہمارے ذمہ تاویل کر کے دونوں میں تطبیق دینا ضروری ہے
جیسا کہ گذر چکا ہے (یہ جو کچھ گفتگو اجتہاد پر کی گئی یہ سب کی سب اجتہاد مطلق کے بارہ میں
ہے اور یہ مضمون تنقیح اور اُس کے حواشی سے ماخوذ ہے اور اس کے ساتھ بتعرض توضیح
کچھ میں نے بڑھایا ہے۔ رہی اجتہاد مقید یعنی کسی خاص مسئلہ میں اجتہاد کرنا سو اس میں یہ
گفتگو نہیں ہے)

چار مذہب کا بیان | اور اسی مقام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف
مذاہب[ع] کی کیا وجہ ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کچھ لوگ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا
اتباع کرتے ہیں کچھ لوگ امام مالک بن انس کا کچھ لوگ محمد بن ادریس شافعی کا کچھ لوگ

ع دین اس طریق کو کہتے ہیں جو اصول کے لحاظ سے قائم کیا جائے اور کسی دین میں جو فروع کے لحاظ
سے طریق قائم کر لیا جائے اُسے مذہب کہتے ہیں پس حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ ان سب کا دین ایک
ہی ہے یعنی اسلام اور مذہب مختلف ہیں اور کبھی لفظ مذہب دین کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے ۱۲

امام احمد بن حنبل تھا (رضی اللہ عنہم وارضاہم عــہ) اور وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ایسے درجہ پہ پہونچ گیا تھا کہ وہ مطلق اجتہاد کر سکے اور شریعت محمدیہ کی نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جہاں تک کہ اس کا اجتہاد پہونچے اور جہاں تک کہ اُس کے کمال علمی اور استعداد سے اُس کو رسائی حاصل ہو اُس کے موافق احکام استنباط کیا کرے اور ساتھ ہی اُس کے یہ بھی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ٹھیک طریقہ پر چلتا تھا اور امر صواب کے دریافت کرنے میں پوری کوشش سے کام لیتا تھا۔

پس ان ائمہ کے اتباع کرنے والے اُن مسائل پر عمل کرکے اُن کی تقلید کرتے ہیں جو ان ائمہ نے استنباط کئے اور شریعت سے سمجھے ہیں اور وہ اس تقلید میں خدا کے نزدیک ضرور نجات پانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مجتہدین کو اجتہاد کرنے کی اور مقلدین کو تقلید کرنے کی اجازت دی ہے چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے (فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون عــہ) اور مجتہدین ہی ایسے لوگ ہیں جن کی بات پختہ ہوتی ہے اور دین میں معرفت رکھتے ہیں پھر جب کسی مقلد سے اُس شخص کے بارہ میں دریافت کیا جائیگا جو اُس کے امام کے علاوہ کسی دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ خدا کے نزدیک اُس کو نجات ملے گی کیونکہ اُس نے ایسے مجتہد کی تقلید کی ہے جس میں اجتہاد کی پوری پوری شرطیں پائی جاتی ہیں اور ابتدائے اسلام میں ان چار مجتہدوں کے علاوہ جن کا ابھی ذکر ہوا صحابہ و تابعین اور اُسکے بعد کے لوگوں میں سے بہت سے مجتہد تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) لیکن اُن کے اسقدر پیروی کرنے والے نہ ہوئے جو اُن کے اقوال کو بطریق تواتر

عــہ خدا اُنسے خوش رہے اور انہیں بھی خوش کر دے ۱۲ عــہ اگر تم کو معلوم نہ ہو تو ایسے لوگوں سے پوچھ لو جن کی بات پختہ ہوتی ہے ۱۲

یا اور کسی صحیح طریق پر جس پر وثوق کیا جا سکے نقل کرتے۔ اس لئے اُن کے مذاہب صفحہ عالم سے
مٹ گئے باقی رہے یہ چاروں مجتہد سو بتوفیق خداوندی اُن کے پیروی کرنے والے علماء
اعلام ہوئے جنھوں نے اُن کے اقوال کو اس زمانہ تک بطریق تواتر یا ایسے طریق پر جس
پر وثوق ہو سکے نقل کیا اُن کو یاد رکھا اور کتابوں میں اُن کو مدون کر دیا گروہ کے گروہ نے
یکے بعد دیگرے بعض نے بعض سے بالمشافہ اور بذریعہ درس و تدریس کے اُن کے
مسائل کو حاصل کیا اسی وجہ سے اُن کے مذاہب باقی رہے اور آج تک اُنکے پیروی
کرنے والے پائے جاتے ہیں اور ان مقلدین میں سے ہر فریق دوسرے فریق کو طعن نہیں
کرتا اور نہ اُن کو گمراہ و فاسق کہتا ہے اور ہر شخص کو جائز ہے کہ ان اماموں میں سے جس
کی چاہے تقلید کرے اور کسی کی تقلید کرنے کے بعد بھی اُسے جائز ہے کہ ایک امام کی
تقلید چھوڑ کر انہیں میں سے کسی دوسرے امام کی تقلید کرنے لگے اور یہ امر اُسکے دین میں
معیوب نہ شمار کیا جائے گا جبکہ یہ انتقال اور ایک امام کو چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کرنے
لگنا کسی صحیح شرعی غرض سے ہو مسلمانوں کے احوال پر جو کہ ان اماموں کے پیرو ہیں اطلاع
رکھنے والا جن امور کا مشاہدہ کرتا ہے اُن سے یہ باتیں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں چونکہ وُہ
دیکھتا ہے کہ یہ سب آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں چنانچہ حنفی مذہب کا آدمی شافعی یا
مالکی یا حنبلی مذہب کی عورت لے آتا ہے یا اس کے بالعکس ہوتا ہے اُن سب کی مسجدیں
بھی ایک ہوتی ہیں اُن کا خلیفہ بھی ایک ہے ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اُن
میں باہم کوئی ایسی شئے نہیں معلوم ہوتی جس سے ذرا بھی عداوت یا طعن سمجھا جاتا ہو اور وہ
یہ دیکھتا ہے کہ حنفی شافعی بن جاتا ہے اور کبھی بالعکس بھی ہوتا ہے۔ غایت سے غایت یہ
ہے کہ ہر متبع اپنے امام کے مذہب کی رعایت کرتا ہے جس کی پیروی اُس نے اختیار کر لی

ہے اور اُسی پر عمل کرتا ہے اور دوسروں پر جو ان مذاہب میں سے اپنے امام کے مذہب پر
عمل کرتے ہیں انکار نہیں کرتا پس چاروں مذہب کے اعتبار سے جو مسلمانوں میں شائع ہیں
اُن کی مذکورہ حالت ہے اور یہ ایسی حالت ہے کہ اُن کے اصول شریعت پر پورے طور
سے منطبق ہو جاتی ہے جو اس بات کو نہ جانتا ہو وہ اب اسے خوب طرح جان لے ۔

چوتھی صدی کے بعد سے باب اجتہاد کا بند ہونا

پھر جب شرائط ما فوق الذکر میں غور کیا جاتا ہے جن کا موجود
ہونا کسی شخص کے مجتہد بننے اور مرتبہ اجتہاد پر پہونچ جانے
کے لئے ضروری ہے تا کہ وہ شرعی احکام کے استنباط کرنے کے لائق سمجھا جا سکے تو ہم کو یہ معلوم
ہوتا ہے کہ گو ان سب شرائط کا لوگوں میں مجتمع ہو کر پایا جانا آج تک عقلاً ممکن رہا اور
آیندہ زمانہ میں بھی رہے گا لیکن بعض علماء اعلام اس بات کے قائل ہو گئے ہیں جیسا کہ
علماء حنفیہ سے منقول ہے کہ چار سو ہجری (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) سے اجتہاد کا
(یعنی اجتہاد مطلق کا) دروازہ بند ہو گیا ۔ اور بسا اوقات بعض لوگوں کے خیال میں یہ آتا ہے
کہ ان علماء کا یہ حکم لگانا درست نہیں ہے کیونکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جب تک یہ بات
ہے کہ اجتہاد کی شرائط مذکورہ کا مجتمع ہو کر کسی شخص میں پایا جانا آج تک عقلاً ممکن رہا اور
آیندہ بھی رہے گا تو اس امر سے کونسا مانع ہو سکتا ہے کہ اُس زمانہ کے بعد بھی کوئی مجتہد
جامع شروط مذکورہ پایا جائے حتیٰ کہ زمانہ موجودہ میں بھی لیکن اگر تدقیق نظر سے دیکھا جائے
تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان علماء کا یہ کہنا بالکل صواب کے موافق عین حکمت اور مقتضائے
مصلحت دینی ہے اور یہ قول اُن علماء کی باریک بینی دقت نظری اور زمانہ اور انقلابات زمانہ
کے احوال کی معرفت اور اس امت محمدیہ کی شان میں جو خداوندی اسرار ہیں انکی واقفیت
پر مبنی اور اسی سے ناشی ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ یہ علماء جو چوتھی صدی ہجری سے باب اجتہاد

کے مسدود ہونے کے قائل ہیں انہوں نے قرون ثلثہ یعنی تینوں زمانوں کے لوگوں کے حالات
میں غور کیا اور وہ زمانہ صحابہ ۔ زمانۂ تابعین ۔ زمانۂ تبع تابعین کے لوگ ہیں ۔ پس انہوں نے
دیکھا کہ ازمنۂ ثلثہ کے لوگ بتوفیق خداوندی علوم شریعت کی تحصیل پہ پورے طور سے جھک
پڑے تھے اور مواد اجتہاد کے حاصل کرنے پہ بڑے حریص تھے ۔ قرآن کریم اور جو تفسیریں
ندرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اُن سے اور احادیث نبویہ آثار صحابہ اور فتاوی
صحابہ وغیرہ سے انہوں نے بخوبی واقفیت بہم پہنچائی تھی اور اُن سے احکام کے مستنبط کرنے
میں وہ جان توڑ کوشش کرتے تھے ۔ علاوہ بریں اسی قسم کے اور امور میں بھی انہوں نے اپنی
کوشش کو صرف کیا تھا جس کی وجہ سے اُس زمانہ کے علماء اس لائق ہو گئے کہ ان میں سے
بہتیرے مرتبہ اجتہاد پر پہونچ جائیں خصوصاً جبکہ ان کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
سے بھی قریب ہو یا آپ کے دیکھنے والوں کے یا آپ کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں
کے زمانہ کے قریب ہو اور یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت کا ظہور ہوا کہ اس نے اس زمانہ کے
لوگوں کو اس قابل بنا دیا کیونکہ دین کے بارہ میں جتنی چیزوں کی حاجت ہو سکتی تھی سب کی
سب اُسی زمانہ میں مکمل اور تمام ہو گئیں چنانچہ قرآن شریف جمع کر لیا گیا اُسے بہتیرے لوگوں
نے یاد کر لیا کسی قسم کی تبدیلی و تغیر کی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی تمام آفتوں سے حفاظت
کا پورا پورا سامان ہو گیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بڑی احتیاط سے جمع کی
گئیں اور کتابوں میں مدون کر دی گئیں اُن کی تحصیل میں دور دراز ممالک کے سفر اختیار
کئے گئے علمائے امت میں سے جن میں اجتہاد کی قابلیت تھی وہ ان دونوں عظیم اصلوں
(قرآن و حدیث) سے احکام استنباط کرنے پر ہمہ تن جھک پڑے ، یہاں تک کہ اس میں
انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی اور دینی احکام کے اعتبار سے امت کی ضروریات

ں سے سوائے ایک آدھ نادر امر کے جس کے وقوع کا اتفاق تو موں کی قوموں میں کہیں
باقی طور پر ہو سکتا ہے کوئی شے باقی نہیں رہی اور نہایت بہتر اور استوار طریق پر دین
کام پورا ہو گیا اور یہ ساری کارروائی قرون ثلثہ میں ہوئی ہیں اس کے بعد کے لوگوں کے
ۓ صرف یہ کام رہ گیا کہ وہ انہیں احکام کو مدون کریں ان کو شائع کریں۔ اور ساعت کو
ی احکام پہونچا دیں۔ پھر اس زمانہ کے بعد سے جو کچھ علوم دینیہ کی تحصیل کا ذوق وشوق اس
ے پہلے عام طور پر پایا جاتا تھا اس میں کمی شروع ہوئی اور اس بارہ میں لوگوں کی ہمتوں
ں فتور آنا شروع ہوا اور دن بدن اس فتور میں زیادتی ہی ہوتی گئی یہاں تک کہ پچھلے
انوں میں یہ فتور اپنی انتہا کو پہونچ گیا اور یہ ایسا امر ہے کہ جو اسلامی تاریخ سے ادنیٰ درجہ
بھی واقفیت رکھتا ہوگا۔ وہ اس سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا چنانچہ آج کل کے بڑے
ے بڑے علماء کو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ان علوم مذکورہ میں سے جو مجتہد کے لئے مشروط ہیں
ن کو بعض میں کمال حاصل ہوتا بھی ہے تو اور دوسرے علموں میں وہ قاصر رہتے ہیں اور اگر
ہیں تو پھر بتلائیے کہ وہ علماء میں سے کون شخص ہے جسے ہم ان ایام میں قرآن کے تمام
لوم پر حاوی خیال کر سکتے ہوں یعنی وہ قرآن کے معانی نحویہ اور شرعیہ کی معرفت بھی رکھتا ہو
علوم عربیہ نحو۔ صرف۔ معانی۔ بیان وغیرہ کا بھی ماہر ہو قرآن کے اقسام مذکورہ خاص عام وغیرہ
سے بھی واقف ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ قرآن شریف میں کونسا قول کونسی قسم میں داخل ہے اور
باہم ایک دوسرے میں کیا فرق ہے اور اس میں کون ناسخ کون منسوخ ہے اور وجوہ قیاس
بھی اسے معلوم ہوں اور جن مسائل پر کہ امت کا اجماع ہو چکا ہے ان کی بھی اسے خبر ہو
ور احادیث نبویہ کے متعلق متن اور سند کے اعتبار سے جو علوم ضروری ہیں ان کو بھی
جانتا ہو جیسا کہ مجتہد کی شرطوں کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اگر کوئی شخص ان

تمام شرطوں پر حاوی ہونے کا مدعی ہو تو اُسے دلیل سے ثابت کرنا چاہیے عہ

کل من یدعی بما لیس فیہ — کذبتہ شواہد الامتحان

اور میرا خیال ہے کہ جو شخص اس امر سے واقف ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے ابو یوسف۔ محمد۔ زفر۔ حسن۔ (رضی اللہ عنہم) کے ایسے لوگوں نے جب اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا تو وہ شخص ضرور اس مرتبہ کے دعوے کرنے سے شرمائے گا خصوصاً جبکہ وہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں قرآن و حدیث کی تفاسیر کی کتابیں اور اُن کی شروح اور کتب اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ اور ایسے ہی اور علوم کی کتابیں جو مرتبہ اجتہاد کے لئے رکن اعظم ہیں بکثرت ملتی ہیں پس اس سے کونسا امر مانع ہے کہ اس زمانہ میں بھی ان علوم سے جو مجتہد کے لئے مشروط ہیں کوئی ماہر ہو جائے اور انہیں کتب مذکورہ پر اعتماد کرے اور یہی علوم جو مرتبۂ اجتہاد کے رکن اعظم ہیں اُن کے لئے یہ کتابیں پوری کفیل ہیں اور اس بنا پر تو ظاہرا یہی معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام کی بہ نسبت جبکہ یہ کتابیں مدون نہیں ہوئی تھیں اس زمانہ میں اجتہاد بہت آسان ہے تو میں کہوں گا کہ ہاں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے لیکن در سفینہ نہ در سینہ اور مجتہد کے لئے اگرچہ یہ شرط نہیں ہے کہ ان علوم پر اتنا حاوی ہو کہ سب کچھ اُس کے سینہ ہی میں موجود ہو لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ اُن میں سے ہر شے کے مرجع اور اصل میں سے اتنا ماہر ہو کہ کسی حکم کا مرجع اور اُسکی اصل اُس کے نزدیک مخفی نہ رہے یہاں تک کہ حاجت کے وقت بلا تکلف اُس کی جانب مراجعت کر سکے اور اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو اس زمانہ میں کوئی شخص ایسا بھی نہیں پایا جاتا

عہ ترجمہ ہر وہ شخص جو اپنی نسبت کسی ایسے وصف کا دعوےٰ کرے جو اس میں نہ ہو تو شواہد امتحان اُس کی تکذیب کریں گے ۱۲ مترجم

جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہو بھلا بتائیے وہ کون شخص ہے جو اس زمانہ میں
ساری شرطوں کو پورے طور سے حاصل کرکے ہر ہر حکم کے استنباط کرنے کے لئے
مستعد ہو اور ان کتابوں میں سے ہر ہر حکم کے مرجع کی جانب مراجعت کرنے پہ قدرت
رکھتا ہو اس طرح پہ کہ اس کے ذریعہ سے ہر ناسخ و منسوخ آیت اور ہر ناسخ و منسوخ
حدیث کی جو کسی آیت یا حدیث سے منسوخ ہوئی ہو معرفت تک رسائی حاصل ہو اور
تواتر مشہوریت اور آحاد وغیرہ مراتب حدیث سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور تمام
اجماعی مسائل کو بھی جانتا ہو اور اس کے علاوہ ان امور سے بھی واقف ہو جو پہلے گذر چکے
خلاصہ یہ کہ جو لوگ چوتھی صدی ہجری سے باب اجتہاد کے مسدود ہو جانے کے قائل ہیں
ان کے قول کی صحت پر براہین قائم کرنا تو طوالت طلب ہے اس کے لئے اس باب میں
ایک خاص تالیف کرنے کی ضرورت ہے ۔

علامہ ابن الحاج کے کلام سے تائید

لیکن میں اس موقع پر علامہ ابن الحاج کا کلام جو میں نے مدخل
میں دیکھا ہے نقل کرونگا جس سے اس مقام کی توضیح ہو جائیگی
منصف شخص کو جو عناد سے بری ہو تسکین حاصل ہو گی میں نے ان کی طویل تقریر
رفع تشویش کی غرض سے کچھ مختصر کر لیا ہے ۔ علامہ موصوف رحمہ اللہ تعالےٰ
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم
الذین یلونہم الحدیث) پر گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا کلام تینوں مذکورہ زمانے کے لوگوں کے بارہ میں ہے یعنی ان کے غالب حالات
کے لحاظ سے کہا گیا ہے ورنہ ان میں ایسے فرقہ کے لوگ بھی تھے جن کی پیروی نہیں

تمام زمانوں کے لوگوں سے میرے زمانہ کے لوگ بہتر ہیں پھر انکے بعد والے پھر انکے بعد والے ۱۲

کی جا سکتی اور آپ نے عترت اہل علم مراد لئے ہیں پھر خاص کر حضرت نے کہاں
اور شارع علیہ السلام کی حکمت کو دیکھو کہ اوروں کو نہیں عترت انہیں تین زمانوں کے
لوگوں کو کیسے اپنے قول میں فضیلت کے ساتھ خاص کیا ہے اگرچہ اور زمانہ کے
لوگوں میں سے بھی بہتروں میں خیر و برکت پائی جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ ان زمانوں کے
لوگوں میں ایسی فضیلت موجود ہے کہ اس میں اور زمانہ کے لوگ ان کی برابری نہیں
کر سکتے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اُن کو اعلاء کلمۃ اللہ اور حق دین کی اقامت کے
ساتھ خاص کیا ہے پس اول قرن یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے
لوگوں کے علم کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس کے علاوہ بھی خدا نے انہیں ایسی خصوصیت
بخشی ہے اور ایسی فضیلت عنایت کی ہے کہ کوئی شخص اُن کی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی
گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتا کیونکہ اللہ تعالے نے اُن کو یہ خصوصیت بخشی تھی کہ وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے تھے آپ کے حالات اور آپ کے اوپر
قرآن شریف کے تازہ بتازہ نازل ہونے کو مشاہدہ کرتے تھے اور یہ کہ قرآن کی آیتیں
جو تھوڑی تھوڑی نازل ہوا کرتی تھیں اُن کو برابر یاد کرتے جاتے تھے اس طور پر خدا
نے اُن کو اس قابل کر دیا تھا کہ انہوں نے قرآن کو پورا پورا یاد کر لیا۔ ایک حرف بھی
اس سے ضائع نہیں ہونے پایا نیز انہوں نے قرآن کو یکجا کر دیا اور اپنے بعد
والوں کے لئے آسانی کر گئے اور یہ کہ انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور جیسا کہ چاہیئے تھا انہوں نے اُن کو
خطا غلطی۔ سہو اور غفلت وغیرہ سے بچائے رکھا اور احادیث کی حفاظت میں یہاں تک
کوشش کی گئی کہ امام مالک رح کو جب کسی حدیث میں شک ہو جاتا تھا تو وہ اُس کو قطعاً

ک کر دیتے تھے اور پھر کبھی بیان بھی کرتے تھے حالانکہ وہ قرن اوّل سے نہیں ہیں یعنی
صحابی نہیں بلکہ تبع تابعی ہیں پھر جب اُن کی یہ حالت تھی تو قرن اوّل کے لوگوں (صحابہ)
کی نسبت آپ کیا خیال کریں گے حالانکہ دین میں سب سے بہتر وہی لوگ پائے جاتے
ہیں اور ضبط وحفظ کے لحاظ سے تو اُن کی تعریف کا احاطہ ہی ممکن نہیں اُن کو کوئی پہونچ
نہیں سکتا خدا اپنے نبی کی امت کی جانب سے اُن کو جزائے خیر دے اس میں کوئی شبہ
نہیں کہ انھوں نے خلوص کے ساتھ دعوت اسلام کی اور دین میں جو نقص نکالے گئے،
ان کو دلیل سے دفع کیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص
کسی کی پیروی کرنا چاہے اُسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اصحاب کی پیروی
اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ اس امت کے لوگوں میں اُن کا دل سب سے زیادہ پاک تھا
ان کا علم سب سے زیادہ عمیق تھا اُن میں تکلف سب سے کم تھا اُن کی خصلتیں نہایت
ہموار تھیں اُن کا حال سب سے بہتر تھا خدا نے اُن کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے انتخاب کیا ہے اُن کے فضل کو پہچانو اور
ان کے قدم بقدم چلو۔ کیونکہ وہ راہ راست پر تھے انتہی پس جب یہ پاک نفس لوگ
اپنی راہ چلے گئے تو اُن کے جانشین تابعین (رضی اللہ عنہم) ہوئے اور جو حدیثیں
متفرق تھیں ان کو انھوں نے جمع کیا اور بعض بعض نے ایک ایک حدیث اور ایک ایک
مسئلہ کی طلب وتحقیق میں مہینہ دو مہینہ کی راہ طے کی اور امر شریعت کو نہایت کامل طور
پر منضبط کر دیا احکام اور تفاسیر کو حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ

---

۵ صحابی اُن مسلمانوں کا لقب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے ہیں اور
صحابی کے دیکھنے والے مسلمان تابعی کہلاتے ہیں اور تابعی کے دیکھنے والے مسلمان تبع تابعی کہلاتے ہیں ۱۲

عنہا کے ایسے صحابہ سے حاصل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ
جب تک کہ میں تم لوگوں میں ہوں مجھ سے پوچھ لو اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ یہ ترجمان قرآن
ہیں۔ پس جو شخص ایسے ایسے لوگوں سے ملے اور سمجھے کہ اس کا علم و فضل کیسا کچھ
ہوگا اس کی حالت کیسی ہوگی پس اس دین کی اقامت اور نیز اس علم سے ترویج ثانی درجہ
کو بھی فضیلت کا وافر حصہ ملا کیونکہ انہوں نے صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے
والوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا چنانچہ اسی لئے وہ اپنے زمانہ والوں سے بہتر تھے
پھر ان کے جانشین ان کے اتباع کرنے والے ہوئے اور وہ تبع تابعین (رضی اللہ
عنہم) کہلاتے ہیں ان میں بڑے بڑے فقہاء پیدا ہوئے جن کی لوگ تقلید کیا کرتے
تھے اور واقعات میں انہیں کی جانب رجوع کرتے اور وہ تمام مشکلوں کو حل کر دیتے
تھے پس انہوں نے قرآن کو بحمد اللہ مجتمع پایا جس سے ہر طرح کی سہولت تھی اور
حدیثیں بھی ان کو منضبط اور محفوظ ملیں۔ پھر انہوں نے جو حدیثیں متفرق تھیں ان کو
جمع کیا اور قواعد شرعیہ کے موافق قرآن اور احادیث میں احکام کی جستجو اور دیکھ بھال
کرنے لگے قرآن و احادیث کے قواعد انہوں نے استخراج کئے اور ان سے قواعد اور احکام
کو مستنبط کیا ان کو عقلی اور نقلی طور پر بیان کیا انہیں کتابوں میں مدون کر کے لوگوں کے
لئے سہولت کر دی۔ فروع کو اصول سے استخراج کر کے اور فرع کو اس کی اصل کی طرف
راجع کر کے تمام مشکلات کو بیان کر دیا اور اصل کو فرع سے متمیز کر دکھایا۔ پس دین کی
حالت نہایت منتظم اور باقاعدہ ہوگئی اور ان کے سبب سے امت محمدیہ کے لئے دین
میں خیر عظیم نے قرار پکڑا پس ان لوگوں کو بھی اقامت دین کی حیثیت سے یہ خصوصیت

حاصل ہو گئیں کہ وہ صاحب شریعت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیکھنے والوں کے
دیکھنے والوں سے ملاقی ہوتے اور باوجود اس کے ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اپنے
بعد والوں کے لئے ہم نے کوئی ایسی شے نہیں چھوڑی جس میں کسی کی اصلاح کی
ضرورت ہو یا وہ کسی کی تکمیل میں مشغول ہو۔ پس جتنے لوگ اُن کے بعد آتے گئے وہ
تقلیدی سبب سے انہیں کے مقلد اور تابع رہے اگر ان کے بعد والے لوگوں کے لئے
کوئی فقہی امر یا کوئی نئی بات ان کے خلاف ظاہر ہوا ہو تو وہ سب کا سب قابل رد ہے
اس سے میری مراد یہ ہے کہ جو احکام پہلے مقرر ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی میں
کمی بیشی کریں تو وہ بالاتفاق قابل رد ہے باقی رہے وہ فوائد جو اُن کے بعد والوں
نے استخراج کئے ہیں اور وہ احکام کے متعلق نہیں ہیں تو وہ سب مقبول ہیں کیونکہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے بارہ میں فرمایا ہے (اس کے
عجائب ختم نہ ہوں گے اور وہ بکثرت پھیر پھیر کرنے پر بھی پرانا نہ ہوگا) یعنی بار بار
پڑھنے سے اس کا لطف جاتا رہے گا نہیں بلکہ ہر بار نیا لطف آئے گا پس قرآن اور حدیث
کے عجائب قیامت تک ختم نہ ہوں گے ہر زمانہ کے لوگ ضرور اس سے اُن فوائد کثیرہ کو
حاصل کرتے رہیں گے جو خداوند تعالے نے ان میں مخصوص کر دیئے ہیں اور جن پر کہ
ان کو مشتمل کر دیا ہے تاکہ اس امت کی برکت قیامت تک مستمر رہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (میری امت بارش کے مثل ہے یہ نہیں معلوم ہو
سکتا کہ اس میں سے کون زیادہ نافع ہے پہلی یا پچھلی) یعنی خیر و برکت دعوت

---

۵ لا تنقضی عجائبہ ولا یخلق علی کثرۃ الرد ۱۲۔ ۶ امتی مثل المطر لا یدری ایہ النفع اولہ
آخرہ۔ حدیث کے الفاظ یہی یا اس کے قریب ہیں ۱۲۔

الیٰ اللہ اور احکام کے بیان کرنے کے اعتبار سے خود کہہ دیا کہ ہم ان میں سے کوئی
نیا حکم نکالیں گے ہاں اگر کوئی نادر الوقوع واقعہ جو ان کے یا ان کے پیشروں کے زمانہ
میں قول وفعل۔ بیان کسی اعتبار سے کبھی پیش نہ آیا ہو اس وقت یہ
واجب ہوگا کہ ان کے طریق بیان کردہ [illegible] کے موافق [illegible] سے ثابت ہیں
اور حقیقت میں کہ انہوں نے احکام میں جزئی [illegible] واقعے [illegible] غور کیا گیا
نہیں اگر یہ حکم ان کے مقرر کردہ اصول کے موافق ہوگا تو [illegible] ہے مقبول شمار کیا
جائے گا پھر جب وہ لوگ پاک نفسی کے ساتھ اپنے رستے چلے گئے تو ان کے بعد وہ لوگ آئے
جو انہیں دین میں کوئی [illegible] کلام [illegible] جس کی درستی میں وہ مشغول ہوتے اور اس کو اس کے ساتھ
استدلال ہوتا بلکہ انھوں نے دین کے کام کو نہایت ہی کامل حالت پر پایا جس سے
اس کے اور کوئی امر باقی نہ رہا کہ جس کو پہلے لوگ [illegible] مستنبط اور مستخرج کر گئے تھے۔ اور یہ
وہ فوائد بتلا گئے تھے اسی کی حفاظت کی [illegible] بس اسی وجہ سے دین کی اقامت انھیں
قرون ثلثہ کے ساتھ مختص کی گئی جن کا کہ حدیث میں ذکر ہے۔ [illegible] اس کے اور کوئی وجہ
نہیں معلوم ہوتی چنانچہ اسی واسطے قرون ثلثہ کے لوگ اپنے بعد والوں سے بہتر تھے
اور ان کے بعد والوں کو دینی بھلائی اور بہتری اس وقت تک کبھی نہیں حاصل ہو سکتی
جب تک کہ وہ انہیں قرون ثلثہ کا اتباع نہ کریں جن کے لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے بہتری کی شہادت دی ہے اسی باعث سے ان کے بعد والے ان کے
ہم پلہ نہیں ہو سکتے اور نہ ان کی نیکیاں اس پایہ کی ہو سکتی ہیں۔ پس آپ کے قول
(خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم) کا مطلب ظاہر ہوگیا۔ علامہ ابن حاج
کا کلام جو انہوں نے اپنی کتاب المدخل میں لکھا تھا یہاں تک ختم ہوگیا۔

اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس جلیل القدر عالم کے کلام میں غور کرے گا اور نظر
انصاف سے دیکھے گا اُس کے نزدیک اس قول کی صحت جو علمائے حنفیہ سے منقول ہے
کہ اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی ہجری سے بند ہوگیا ہے ظاہر ہو جائے گی اور اس کے
راز اور خداوندی حکمت کو وہ سمجھ جائے گا۔ خدا کا اس بات پر ہزار ہزار شکر ہے کہ ان
علمائے اعلام نے اس قول کی تصریح کر دی جس کی نہایت کافی و وافی بیان سے تائید ہوتی
ہے اور یہ کہ سلاطین آل عثمان کو خدا نے اپنی پسندیدہ شے کی توفیق دی کہ اُنہوں نے
اپنی مسلمان رعایا میں اس قول کو نافذ کر دیا ورنہ اس زمانہ میں جس میں کہ ورع و پرہیزگاری
کی کمی اور باطل دعووں کی کثرت ہے آپ بہتیرے بیباک لوگوں کو دیکھتے جو اجتہاد کے
بعض مواد کے حاصل ہو جانے سے اپنے دل میں مغرور ہو رہے ہیں حالانکہ وہ بہت
ہی کم اور اس درجہ پر پہونچنے کے لئے بالکل ناکافی ہے کہ وہ لوگ اس جلیل الشان مذہب
کے مدعی بنے ہوتے اور بعض سیدھے سادھے اُن کے پیرو بھی بن جاتے اور وہ دین میں
احکام کے نام سے بہت کچھ ایجادیں کرتے اور یہ سب بجز بدعتوں اور گمراہیوں کے اور
کچھ نہ ہوتا اور جس طریق پر کہ سلف صالحین تھے جنہوں نے کہ امر دین کا نہایت کامل طور
پر استیفاء اور احاطہ کر لیا تھا یہ سب امور اُن کے مخالف ہوتے اور آپ دیکھتے کہ تھوڑے
تھوڑے زمانہ میں دین کا حال متغیر ہوا کرتا اور ہمیشہ ردو بدل لگا رہتا جیسا کہ سیاسات
اور ملکی قوانین میں زمانہ کے اقتضاء کے موافق ردو بدل ہوا کرتا ہے (حالانکہ خدا تعالیٰ
نے اسلامی دین کو ایسا بنایا ہے جس کے احکام تمام قیامت تک ثابت رہنے والے ہیں)
پس نتیجہ اُس کا یہ ہوتا کہ ایسی حالت تک نوبت جا پہونچتی کہ امت اسلامیہ اُس طریقہ
سے جس پر کہ اُن کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین بھی گمراہ ہو جاتے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ پس حق تعالیٰ مصنف علامہ کو اسکی
جزائے خیر دے کہ اُنہوں نے اس امر کو نہایت صحیح طور پر بیان کر دیا اور حق تعالیٰ و سبحانہٗ
دولت عالیہ عثمانیہ کو دائم و قائم رکھے جیسے اس دین کو گمراہ کرنے والے دشمنوں سے
حفاظت کرنے کی خدا کی جانب سے توفیق عنایت ہوئی۔ آمین اللہم آمین

بعض نااہل شیعوں کا ذکر

یہ تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بہت سے بعض لوگوں کو جو نظر کے قاصر
اور کم فہم ہیں اور اپنے آپ کو علما محققین کے زمرہ میں شمار کرنے
پر راضی ہوتے تھے۔ ہم بھی ان پانچوں سواروں میں تحریر کرتے ہیں جو کہتے ہوئے سنتے
ہے کہ ہمارے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم اس شے کو لیں جس کی قرآن شریف میں تصریح
موجود ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اشیاء احادیث نبویہ میں واقع ہوئی ہیں۔
وہ اُن کو نہیں لیتے اور نہیں مانتے اور یہ رائے محض فاسد اور اہل امت کے علماء
اعلام کی نظر میں بالکل باطل ہے کیونکہ نص قرآنی اور اُن احادیث میں جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جس طرح کہ ہم کو یعنی امت محمدیہ کے لوگوں کو یہ حکم ہے
کہ قرآن شریف میں جو کچھ وارد ہوا ہے اُس کے ساتھ تمسک کریں اسی طرح یہ بھی حکم ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ثابت ہیں اُن میں جو اوامر وارد ہوئے
ہوں اُن کو بھی اپنا متمسک ٹھہرائیں اور اس بات پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے اور
سنت مطہرہ کے تمسک کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی
پیروی کرنے پر دلالت کرنے والی بکثرت آیات قرآنی موجود ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ نے
قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے ؏ اور میری رحمت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔

؏ ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبہا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ہم بآیاتنا یؤمنون

اب میں اُس کو اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور
ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی اُن کا اتباع کرتے ہیں جسے وہ
توریت اور انجیل میں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم کرتا ہے اور
برے کاموں سے منع کرتا ہے اور اُن کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور اُن
ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور اُن کا بوجھ اور وہ بیڑیاں جو اُن کے اوپر تھیں اُن
سے اُتار دیتا ہے پس جو لوگ کہ اُس پر ایمان لاتے اور انہوں نے کہ اُس کا ساتھ دیا
اور اس کی مدد کی اور نور کی پیروی اختیار کی جو اُس کے ساتھ اتارا گیا ہے صرف وہی لوگ
فلاح پانے والے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں
موجود ہے (وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی) پس اگر ان کے علاوہ اور آیتیں قرآن
شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے اتباع کے واجب ہونے پر
دلالت کرنے والی نہیں بھی ہوں تو یہ کیا کم ہیں یہی کافی وافی ہیں اچھا اور سب جانے دیجئے
یہ بتائیے کہ کیا ہم قرآن شریف کو سوائے احادیث کی مدد کے اور کسی طرح پر بھی کامل
طور سے سمجھ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور نیز آیات کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُن احادیث میں جو آپ سے صحیح طور پر ثابت ہیں اس امر کی تصریح
کی ہے کہ ہمارے ذمہ جو احادیث آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں اُن کا لینا

بر صفحہ ۵۵ ھ) الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندہم فی التوراۃ والانجیل
یامرہم بالمعروف وینہاہم عن المنکر ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث ویضع عنہم اصرہم والاغلال
التی کانت علیہم فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ہم
المفلحون ۱۲ ع وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ تو صرف وحی بتایا کرتا ہے) جو اس پر ہوا کرتی

بھی ضروری ہے اور صرف قرآن پر اقتصار کرنا اس بات کا سبب ہوگا کہ تم اپنے نبی کے
احکام سے قاصر ہوجاؤ کیونکہ تمام احکام کو تنہا قرآن شریف سے جیسے کہ چاہئے ثابت
کرنا ممکن نہیں ہوسکتا چنانچہ جو احادیث اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ثابت ہیں ان میں سے بعض یہاں ذکر ہوتی ہیں ابو داؤد نے عرباض بن ساریہ سے
روایت کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ہم لوگوں کو نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہم کو ایسی بلیغ نصیحت
فرمائی کہ آنسو آنکھوں سے بہہ پڑے اور ہم لوگوں کے دل ڈر گئے پھر ایک شخص نے
کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت تو ایسی ہے جیسے کوئی رخصت کرنے والا
نصیحت کرتا ہے۔ پس آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں
خدا سے ڈرنے اور اپنے حاکم کے حکم سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں چاہے
وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ عنقریب اکثر بڑے
خلاف دیکھے گا پس تم لوگ میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے کو جنہیں کہ خدا
نے راہ راست دکھائی ہے اپنے اوپر لازم کرو اسی کے ساتھ تمسک کرتے رہو اور اس
کو نہایت مضبوطی سے اپنی داڑھوں سے پکڑ لو اور نئے نئے امور سے بچتے رہو
کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے

؎ فی ابی داؤد عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجہہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منہا العیون ووجلت منہا القلوب
فقال رجل یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کان ہذہ الموعظۃ موعظۃ مودع فما تعہد الینا
قال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم باقی دیکھیں صفحہ ۵۸۸

ہے۔ اور ابوداؤد عٹ اور ترمذی میں بروایت مقداد رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنتے ہو مجھے (خدا کی جانب) سے کتاب قرآن شریف دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل (اور کچھ بھی ہے) سنتے ہو عنقریب کوئی شکم سیر شخص (مغرور اور غافل سے کنایہ ہے جو اپنی خواہش نفسانی میں منہمک ہو لیکن شکم سیری کے ساتھ اس کا مقید کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس قول مردود کا بھی باعث ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ شکم سیر ہو کر کھانا حماقت اور غفلت کا سبب ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم سیر ہو کر نہیں کھایا چنانچہ شفا میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک کبھی پر نہ ہوا) اپنی مسند پر بیٹھے کہے گا کہ اس قرآن کو لو پس جو کچھ اس میں تمہیں حلال ملے اس کو حلال جانو اور جو کچھ اس میں تم حرام پاؤ اسے حرام سمجھو اور بلا شک اللہ کے رسول کا حرام کرنا ویسا ہی

(بقیہ بر صفحہ ۵۸۷) فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ عہ فی ابی داؤد والترمذی عن المقداد رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کما حرم اللہ الحدیث ۱۲) عہ فی الشفاء عن عائشۃ (رضی اللہ عنہا) وعن ابیہا (رضی اللہ عنہ) لم یمتلئ جوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم قط ۱۲

ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کرنا الحدیث اور ابوداؤدؔ میں روایت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے پھر فرمانے لگے کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پہ تکیہ لگا کر یہ سمجھتا ہے۔ یہ گمان کرتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے سوائے اس کے اللہ نے کچھ حرام نہیں کیا۔ سن لو کہ بیشک میں نے داچھی باتوں کا حکم کیا۔ و نصیحت کی اور بہت سی اشیاء پہ آگاہ کردیا کہ وہ قرآن کے مثل ہیں یا ان سے بھی زائد ہیں اور بلاشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ بلا اذن اہل کتاب کے گھر میں داخل ہو جاؤ اور نہ یہ کہ اُن کی عورتوں کو مارو اور نہ یہ کہ تم اُن کے پھل کھا جاؤ جبکہ وہ ادا کیا جو اُن کے ذمہ واجب ہے دیتے رہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اگر ہم اُن سب کو نقل کریں تو بہت طوالت ہو جائے اور جس قدر ہم نے نقل کردی ہیں (منصف کے لئے) اتنی ہی کافی ہیں اور اگر ان قاصرین کو اس باطل حکم کے لگانے اور اس فاسد رائے کے دینے میں کہ امت محمدیہ کو جو کچھ قرآن سے سمجھا جائے صرف اسی پہ اقتصار کرنا لازم ہے اور جو کچھ احادیث سے مفہوم ہو اُسے ترک کر دینا ضروری ہے۔ یہ شبہ ہو کہ جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کی گئی ہیں اُن میں بعض ضعیف حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہونے کا اس مرتبہ

عہ فی ابی داؤد عن العرباض بن ساریۃ رضہ قام فینا رسول اللہ صلعم فقال یحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ تعالیٰ لم یحرم شئا الا ما فی ہذا القرآن الا وانی قد امرت و عظت و نہیت عن اشیاء انہا مثل القرآن او اکثر وان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اہل الکتٰب الا باذن ولا ضرب نسائہم ولا اکل ثمارہم اذا اعطوکم الذی علیہم ۱۲

ثبوت نہیں ہے جو اثبات احکام کے لئے معتبر ہو اسی طرح ان میں بعض موضوع حدیثیں بھی ہیں

نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ان کی نسبت سچی نہیں ہے اور اس امر

سے ان لوگوں کے گمان کے موافق مطلقاً احادیث سے اعتماد اٹھ جاتا ہے تو اس کے

جواب میں ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ کا یہ شبہ بالکل ساقط الاعتبار ہے اس لئے

یہ بات مخفی نہیں کہ دین محمدی کے محققین اور محققین علماء اسلام نے جن پر کہ احادیث

روایت اور ان کے راویوں کی سوانحعمریاں اور حالات سے واقفیت رکھنے کے بارہ

بھروسا کیا جا سکتا ہے انہوں نے ان احادیث میں سے کوئی ایسی حدیث نہیں

چھوڑی جس کی نسبت یہ نہ بیان کر دیا ہو کہ اس حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے وارد ہونے کا کس مرتبہ کا ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح جملہ احادیث کی صفات اقسام

اور ان کے راویوں کے احوال پر تمام اور کامل طور پر انہوں نے احاطہ کر لیا ہے یہاں تک

اس کے لئے علیحدہ انہوں نے ایک خاص فن مقرر کیا ہے جس کا نام فن مصطلح الحدیث

ہے اور اس میں بہتیری کتابیں اور رسالے تالیف کئے ہیں۔ متعدد قصائد نظم کئے ہیں۔

اسی طرح انہوں نے احادیث کے راویوں کی سوانح عمریوں کے بارہ میں کیا ہے چنانچہ

اس کے لئے بھی ایک جدا فن مقرر کیا ہے جس کا نام فن تعدیل و تجریح ہے بعد اس کے

انہوں نے ہر حدیث کے مرتبہ سے آگاہ کر دیا ہے۔ جس کا کتب احادیث میں برابر ذکر

کیا جاتا ہے اور نیز اس امر پر کہ احکام کے بارہ میں اس کا کیا حکم ہے یعنی اس پر اعتماد

کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اس کا بیان کر دیا ہے کہ فلاں فلاں

حدیث متواتر اور مشہور ہیں جن پر کہ اعتقادات اسلامیہ اور احکام شرعیہ کے بارہ

میں اعتماد کیا جا سکتا ہے اور فلاں فلاں آحادی صحیح و حسن حدیثیں ہیں جن پر کہ صرف

حکام کے بارہ میں اعتماد ہو سکتا ہے اور یہ کہ فلاں فلاں ضعیف حدیثیں ہیں۔ جن پر کہ
مور مذکورہ میں سے کسی کے بارہ میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں فضائل اعمال
یں ان کو لے سکتے ہیں یعنی اگر ان میں کسی عمل کا بیان ہے اور شریعت کے خلاف
س میں کوئی امر نہیں پایا جاتا تو اس پر عمل کے کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کا ثواب
مل جاتا ہے۔ اسی طرح موضوع احادیث کی جن کی انہوں نے تصریح کر دی ہے ان پر کسی چیز
یں بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کے پڑھنے والے پر یہ بیان کر دینا واجب ہے
ہ یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کی جانب
سے جھوٹ کہہ دی گئی ہے اس کو ہرگز نہ لینا چاہیئے اور جو کتابیں روایات کی تمیز
ضعیفہ اور حدیث کے مرتبہ کے تعین کرنے کے بارہ میں تالیف کی گئی ہیں وہ علماء امت
میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان بیان حقائق میں سے کوئی شے بھی مخفی نہیں۔ پس
نادان سب باتوں کے کیا نقصان اگر احادیث پر یہ بھی اعتماد کیا جائے جیسے کہ قرآن
کیا جاتا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا ثبوت کے اعتبار سے جو مرتبہ ہو اس کو کوئی
رکھا جائے علاوہ ازیں یہ خیال فرمائیے کہ لوگوں کی خبروں اور باتوں میں جھوٹی اور سچی
دونوں طرح کی خبریں ہوتی ہیں تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں میں چونکہ جھوٹی خبریں بھی موجود
ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ کسی خبر کی بھی تصدیق نہ کریں واللہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔
ایسی بات کا سوائے نادان کے اور کوئی قائل نہیں ہو سکتا بلکہ امر صواب یہ ہے کہ ہم
اس کے جواب میں کہیں کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم جھوٹی خبروں سے بحث کریں تاکہ ہم انہیں
پہچان کر رد کریں اور ان پر اعتماد نہ کریں اور اسی طرح سچی خبروں سے بھی بحث کریں یہاں
تک کہ ہم ان کی شناخت کر کے انہیں لے لیں اور ان پر اعتماد کر لیں چنانچہ اسی طرح علماء

نے بھی اُن احادیث کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ب منسوب ہیں اُن سے بحث و تدقیق کی یہاں تک کہ اُنہیں اُن احادیث پر
بت حاصل ہوگئی جن کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل صحیح ہے
نہوں نے اُن کے ثابت ہونے سے لوگوں کو بھی آگاہ کر دیا اور خود بھی اُن پر اعتماد
اور اسی طرح جو احادیث اس کے خلاف تھیں اُن سے بھی واقف ہو گئے اور
سے بھی اُنہوں نے لوگوں کو آگاہ کر دیا اور جس مرتبہ کی وہ تھیں اُن کو اُسی مرتبہ پر
بھی اُن میں سے بعض کی نسبت تو یہ حکم لگایا کہ اُن پر احکام کے بارہ میں ہرگز
ر نہ کیا جائے (جیسا کہ حدیث ضعیف کا حکم ہے) اور بعض کی نسبت مطلقاً ترک
ینے کا حکم کیا (جیسا کہ حدیث موضوع کا حکم ہے) اور اگر یہ قاصرین کہیں کہ ہمیں
طرح احادیث کے مراتب پر کہاں واقفیت ہو سکتی ہے اور ہم کیونکر پہچان سکتے ہیں
ہیں سے کونسی اعتماد کے قابل ہیں اور کون ناقابل۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ
وقت دینی حیثیت سے آپ کا عام لوگوں میں شمار ہوگا کیونکہ جو دین کے علماء ہیں
ں کو بخوبی جانتے ہیں اور اُن پر اُس میں سے کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے اس لئے
لوگوں کو لازم ہے کہ ایسی ہرگز جرأت نہ کریں اور اپنے دینی امور میں ایسے علماء
ت رجوع کریں جو اہل ذکر و معرفت ہیں۔ اور ان امور سے ایسے ہی واقف
جیسا کہ ان کی واقفیت کا حق ہے اور اگر ان قاصرین کا یہ شبہ ہو کہ جو حدیثیں رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں اُن میں ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جن کا
قانون عقلی اور اُن امور کے خلاف ہے جن پر کہ عقلی قطعی دلیل قائم ہے اور جن کا پتہ
بر حال کے فنون کی تحقیقات و اکتشافات سے لگا ہے اور اس سے اُن کے

گمان کے موافق خلاصی کی صرف یہ صورت ہے کہ قرآن پر اقتصار کیا جائے اور تمام احادیث نبویہ کو چھوڑ دیا جائے پس ہم کہتے ہوں کہ اُن کا یہ شبہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا اور بالکل ہی لچر ہے اور اُن کا اس شبہ سے تمسک کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دین محمدی کی حقیقت کے سمجھنے سے بالکل ہی قاصر ہیں اور یہ اس لئے کہ شریعت محمدیہ کا قاعدہ ہے جیسا کہ علماء اعلام سے نقل کر کے ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ قرآن اور حدیثوں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ظاہری ہی معنی لیں جب تک کہ کوئی عقلی قطعی دلیل اُن کے ظاہر کے خلاف نہ ہو اور اگر عقلی قطعی دلیل ایسی قایم ہو جائے جو ظاہر آیت یا حدیث کے منافی معلوم ہو تو ہمیں اس ظاہر آیت یا حدیث کی تاویل کرنا چاہیئے اور اس کو کسی ایسے معنی کی طرف راجع کرنا چاہیئے جس کا اس عبارت سے احتمال ہو سکتا ہو چاہے وہ معنی بعید ہی کیوں نہ ہوں تاکہ اس نص شرعی اور اس قطعی عقلی دلیل میں تطبیق ہو جائے اور جو شخص قرآن شریف اور تمام احادیث نبویہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تلاش کرے گا تو اسے اُن میں کوئی ایسی شے نہ ملے گی جس کا ظاہر قطعی عقلی دلیل کے مخالف ہو اور اس کے مناسب تاویل ممکن نہ ہو اور اس میں اور اس دلیل میں تطبیق نہ دی جا سکے ۔ باقی رہیں وہ نصوص جن میں تاویل کی گنجائش نہیں اور اُن کے معانی متعین ہیں تو اُن میں سے کوئی شے بھی قطعی عقلی دلیل کے مخالف نہیں پائی جاتی اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی قطعی عقلی دلیل اُس کے مخالف قایم کی جا سکے اور جس کا گمان اس کے خلاف ہو اُسے بیان کرنا چاہیئے خلاصہ یہ کہ ان قاصرین کے لئے امر صواب تو یہ تھا کہ اس شبہ کی وجہ سے احادیث نبویہ کو ترک کرنے کی عوض علماء

سے ہر حدیث کی تطبیق پوچھتے جس کا ظاہر اُنہیں کسی عقلی قطعی دلیل کے خلاف معلوم
ہا۔ اور وہ اُس کی نہایت استوار طریقہ پر تطبیق بیان کر دیتے اور اُس وقت اُن پر
ظاہر ہو جاتی کہ دین اسلامی کی نصوص میں سے حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے
ئے بھی عقل کے مخالف نہیں اور بعض نصوص میں جو بظاہر مخالفت کا خیال گذرتا ہے
وجہ یا تو فہم کا قصور ہے یا علم کی کمی سے یا کسی حکمت الٰہی کی وجہ سے وہ نص ہی
ج متشابہات) ایسے طرز پر وارد کی گئی ہے جس سے بظاہر مخالفت معلوم ہوتی ہے
حکمت یا تو یہ کہیے کہ شرعی نصوص کے سمجھنے میں علماء کی آزمائش اور امتحان کرنا
ریہ دیکھنا ہے کہ حق کی تلاش اور امر صواب تک رسائی کے لئے وہ کہاں تک
ش و اجتہاد کرتے ہیں اور یا اس کے سوا کوئی اور حکمت ہو۔ اور میں ایک
اب کی تالیف شروع کرنیوالا ہوں جس میں میرا ارادہ ہے کہ تمام آیات قرآنی اور
ث نبویہ کا جن کا ظاہر دلیل عقلی اور اکتشافات وتحقیقات جدیدہ یقینیہ کے خلاف
تا ہے بتوفیق خداوندی ذکر کروں اور قاعدہ متقدمہ کی بنا پر قانون عقلی کے
ُن میں سے ہر ایک کی مناسب تاویل کرکے تطبیق دوں۔ خدائے تعالیٰ وسبحانہ
ِی یہ دعا ہے کہ مجھ پر اپنا احسان کرے اور اُس کے تمام کرنے کی توفیق دیکر اپنے
مجھ سے یہ خدمت لے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی شئے کی جس میں حق
ہو ہدایت کرے اور ہمارے دلوں کو ایمان اور زبانوں کو صدق پر قائم ودائم

ں طرح کہ اس قسم کی آیات میں وہ لوگ بھی تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، سو
ہیں قرآن وحدیث دونوں مشترک و مساوی ہیں پھر ایک کو قبول کرکے دوسرے
کردینا محض زبردستی ہے ۱۲ مترجم

رکھے اور جس امر میں اُس کی رضامندی اور اُسکے برگزیدہ رسول کی خوشی ہو اُس کی ہمیں
توفیق دے اور بطفیل ہمارے سردار سرور عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارا خاتمہ
بالخیر کرے اور ہم کو سعادت ابدی عنایت کرے ۔ اللّٰھم آمین

تنبیہ | باقی رہی تنبیہ اُس کا بیان یہ ہے کہ میں اِس رسالہ کے ناظرین سے امید
کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بادی النظر میں اُن کی سمجھ میں یہ آوے کہ میں نے خطا کی ہے
اور میں چوک گیا ہوں تو جس مقام کی میں تقریر کر رہا ہوں اُس کے پورے طور پر سمجھ
لینے سے پہلے میرے مخطی ٹھہرانے میں جلدی نہ کریں بلکہ سیاق و سباق یعنی اس کے
ماقبل و مابعد کو خوب دیکھ بھال لیں اور یہ بھی مدنظر رکھیں کہ میں نے اس رسالہ کو کس غرض
سے تالیف کیا ہے اور اُس میں کیا ڈھنگ اختیار کیا ہے اور کس کیفیت پر اُس کی
ترتیب دی ہے پھر جو حق بات اُن کے نزدیک ظاہر ہو اُس کا حکم لگائیں کیونکہ جب تک
میرا اُن آدمیوں میں شمار ہے جو خطا سے معصوم و محفوظ نہیں اُس وقت تک میں بھلا
اپنے لئے خطا سے محفوظ و معصوم رہنے کا کیونکر دعوےٰ کر سکتا ہوں حالانکہ خدا تعالےٰ نے
بجز اپنے اور اپنے پیغمبر کے کلام کے کسی شخص کے کلام کے لئے خطا و لغزش سے محفوظ و
معصوم رہنا تجویز نہیں فرمایا غایت سے غایت میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بقدر اپنی
کوشش اور طاقت کے امر صواب کی جستجو میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا پس اب
جو کچھ اس میں حق ہو تو اُس کی جانب بتوفیق خداوندی اور بہ برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم جن کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کے خدام میں ایک میں بھی ہوں میری رہنمائی ہوئی
ہے اور جو کچھ اس میں بھول چوک ہوئی ہو وہ میری فہم کی کوتاہی میری کم علمی اور میرے
ضعیف کے باعث سے ہے اور میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں

پہ مواخذہ نہ کرے گا اور جس کا قصد میرے کلام کی جانچ پڑتال کرنے اور میری غلطیاں نکالنے کا ہو اُسے اختیار ہے لیکن اُسے اتنا لازم ہے کہ نیت کو خالص کرکے اس پہ پیشقدمی کرے کیونکہ میرا تالیف کرنا محض اسلامی دین کی خدمت بجا لانا ہے اس لئے اگر جانچ پڑتال کرنے اور غلطیاں نکالنے والا اسی دین کا پیرو ہے تو اُسے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ خدا و رسول کی خوشنودی اور رضا کس شئے میں ہے اور پھر اُس کے بعد جو کچھ اُسے کرنا ہو کرے۔ پھر میں اس رسالے میں اگرچہ بعض فلسفی مباحث میں گھس پڑا ہوں لیکن اس سے میرا یہ قصد ہرگز نہیں ہے کہ دین میں فلسفیت کو دخل دوں بلکہ یہ میں نے یہ طرز اس لئے اختیار کیا ہے کہ فلاسفروں کی عقلوں کو تسکین حاصل ہو اور یہ امر ظاہر ہو جائے کہ اسلامی دین نے اپنے متبعین کو محض ایسے ہی عقائد حقہ کے یقین کرنے کی تکلیف دی ہے جو قانون عقلی صحیح پر بالکل منطبق ہیں اور صرف ایسے ہی احکام کی بجاآوری کا مکلف بنایا ہے جن کا ثمرہ سراسر دین و دنیا کی بہتری ہی بہتری ہے۔ علماء کلام ہی کو دیکھئے کہ اسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے فلاسفہ کے ساتھ مباحث فلسفیہ کی تشریح کرنے کے کیسے کچھ درپے ہوئے ہیں۔ پس میں کوئی ایسی نئی راہ نہیں چلا ہوں جس پہ کہ اسلامی امت کے علماء نہ چلے ہوں اور جو شخص اس بات سے واقف ہوگا کہ فنون فلسفۂ جدیدہ کی کتابیں اور خود یہ علوم اس زمانہ کے لوگوں میں کس قدر شائع ہو رہے ہیں خصوصاً ان لوگوں میں جو دین اسلامی کی حقیقت پہ آگاہی حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے وہ جدید فلسفہ کے شوائب اور آلودگیوں سے جس میں کہ نئی نئی تحقیقاتیں موجود ہیں اسلامی عقائد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اس طریق کے اختیار کرنے اور اُس پہ چلنے کو ضرور مستحسن سمجھیگا اور یہ وہ فلسفہ اور تحقیقات جدیدہ

ہیں جن کا پتہ اُن علماء متقدمین کے زمانہ میں نہ لگا تھا جنہوں نے کہ فلسفۂ قدیمہ کے
شوائب اور آلودگیوں سے اسلامی عقائد کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

پھر میں بعض بعض مباحث میں اپنے مقابل کے ساتھ ارخاے عنان سے
پیش آیا ہوں اور اُسے میں نے یہ اختیار دیا ہے کہ جمہور نہ سہی اس امت کے بعض
علماء کے اقوال ہی پر وہ اعتماد کرلے اور اس سے میری صرف یہ غرض ہے کہ میرے
مقابل کو آسانی ہو اور وہ بسہولت دین میں داخل ہوسکے کیونکہ اس کا دین میں داخل
ہوجانا گو وہ علماء اسلام میں سے بعض ہی کے قول پر کیوں نہ ہو اُس کے لئے اہل اسلام
کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے لئے کافی ہوگا اور صفت ایمان سے وہ محروم نہ رہیگا
پس یہ امر اس کے لئے اُس مہلک مخالفت سے جس پر کہ وہ پہلے تھا نجات کا
باعث ہوجائے گا۔ امام غزالی ہی کو دیکھئے اُنہوں نے اپنی کتاب تہافت الفلاسفہ
میں مخالفین کے لئے بعض معتزلیوں ہی کے قول پر کیوں نہ ہو الزام حجت کو کافی
سمجھا ہے اور اُسی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ معتزلہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں مسلمانوں کی
شمار سے تو خارج نہیں ہیں اُن کا کلام قانون اسلام پر ہوتا ہے جیساکہ مواقف
میں ہے اور قول معتمد کی بنا پر اُن کا مآل کار بھی نجات ہے۔ اور سب کو جانے
دیجئے یہ دیکھئے کہ خداتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اُن سے اس قول کے ساتھ خطاب کریں (وانا او ایاکم
لعلیٰ ہدی او فی ضلٰل مبین) حالانکہ جس طریق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے
اُس کے ہدایت ہونے میں آپ کو ذرا بھی شک نہ تھا اور یہ تو صرف مباحثہ اور دلیل

ع اور بیشک ہم یا تم یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ۱۲

کی سماعت کی جانب اپنے مقابل کو مائل کرنے کا ایک خطابی طرز ہے اس سے
یہ ہوتا ہے کہ دلیل اُس کے سامنے بسہولت بیان کر دی جاتی ہے پھر وہ اُسے سمجھ
لیتا ہے اور اسی طرح وہ دلیل حق بیہ اُس کو تسکین دلانے کا باعث ہو جاتی ہے اور
مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ رہا اسلامی دین میرا اعتقاد جس کو اپنے دل میں لے کر خدا
کے حضور میں حاضر ہوتا ہوں اور جس کی نسبت میری یہ دعا ہے کہ خدا اسی پر میرا
انجام بخیر کرے وہ یہ ہے کہ جتنی چیزیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُن سب
کا جس طرح کہ سلف صالحین یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ اعتقاد کرتے تھے اُسی کے موافق
اعتقاد جازم کے ساتھ میں بھی معتقد ہوں جو طریقہ کہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ اور
نصوص شرعیہ کے اعتقاد میں تفویض ۵ کی بابت بھی اُنہیں کے مذہب پر ہوں چنانچہ
میرا اعتقاد ہے کہ نصوص شرعیہ میں سے ہر نص حق ہے عقل صحیح کے مخالف نہیں
ہو سکتی اور نہ کوئی اُس سے محال لازم آسکتا ہے اور جو کچھ خدا نے اُس سے ارادہ کیا
اُس پر میں ایمان لاتا ہوں اور متشابہات کے معانی میں سے کسی خاص معنی کی تعیین کا
علم خدا کے حوالہ کرتا ہوں لیکن جس وقت میری گفتگو اور میرا مقابلہ ایسے شخصوں سے
ہو جو ان نصوص شرعیہ میں سے کسی پر معترض ہوں یا اُن سے ایسے معانی کا اعتقاد
رکھتے ہوں جو اصول دین کے خلاف ہیں اُس وقت میں خلفاء رضی اللہ عنہم کا طریقہ

---

۵ تفویض سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نص کی مراد نہ معلوم ہو جیسے کہ حروف مقطعات یا کسی
اصل مراد تو معلوم ہو لیکن اُس کی کوئی خاص کیفیت صاحب شریعت کی جانب سے بیان
کی گئی ہو جیسے قیامت میں خدا کی رویت پر دلالت کرنے والی نصوص تو ایسی صورت
میں اپنی طرف سے کچھ تعیین نہ کرنا اور تعیین خدا کے حوالہ کر کے اُس کا اجمالی اعتقاد کر لینا جیسا
اُن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ مترجم

انتقاد کرتا ہوں اور اُن نصوص کی جن کا ظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہو ایسی تاویل کر
دیتا ہوں جس سے اُن کے معنی عقل سے موافقت ہو جائے جیسا کہ اس قاعدہ کا
بیان پیشتر ہو چکا ہے اور یہ بات صرف اس لئے کی جاتی ہے تا کہ مخالفت کی
تسکین ہو جائے اور اس کو یہ الزام دے دیا جائے کہ نص کو تاویل سے سمجھ لینا
ممکن ہے۔ اور ہلاک کرنے والی مخالفت کو وہ اس طرح پر ترک کر سکتا ہے اور حقیقی
اعتقاد ایسی نصوص میں یہ ہے کہ اس نص کے ضرور کوئی صحیح معنی عقل کے موافق
ہیں اور اس معنی کو یقینی طور پر معین کر کے ہم نہیں بتا سکتے بلکہ اس کی تعیین کا علم خدا
کے حوالہ کرتے ہیں جیسا کہ پیشتر گذر چکا ہے یہی میرا مذہب ہے جس کا میں التزام کرتا
ہوں اور یہی میرا اعتقاد ہے پس ہر مقام پر میرے کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہیئے اور خدا
توفیق دینے والا ہے۔ پھر میں نے اس رسالہ کے تحریر کرنے میں حتی الامکان ایسے
طریقہ کا التزام کیا ہے جو عام لوگوں کی فہموں کے مناسب ہو اور جس کو وہ بھی سمجھ لیں
حتی کہ بعض بعض مواقع پر جب مرتبہ دور ہو گیا ہے یا کسی قسم کا اس میں خفا آ گیا
میں نے عبارت کو بغرض آسانی مکرر کر دیا ہے اور بعض عام لوگوں کے
الفاظ بھی میں نے استعمال کئے ہیں اور علاوہ بریں بعض اور امور ایسے ہیں جن سے
کہ اُن علماء کی تالیفات جو نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے تالیف کرتے ہیں خالی
ملیں گی۔ اور یہ سب کچھ میں نے صرف اس لئے اختیار کیا ہے تا کہ سمجھنے میں آسانی
ہو اور مقام کی توضیح ہو جائے۔ شاید خدا تعالیٰ میرے دینی سرشت میں شریک بھائیو
کو اس رسالہ سے نفع بخشے میں اپنے انکسار ضعف اور عجز کے ساتھ خدا کے
سامنے زاری کرتا ہوں اور صاحب شریعت مطہرہ و ملت منورہ مولانا و سید

ہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کرتا ہوں کہ خدا میرے عمل کو قبول فرما دے
ر اپنے بندوں کو اس سے نفع دے اور میری نیت کو لوجہ اللہ خالص کر دے
رہمارے مولیٰ امیر المومنین اور خلیفۂ رب العالمین (سلطان بن السلطان سلطان
الحمید خاں) کی دولت کی تائید اور نصرت کرے اور انھیں (نافع فایق) امور کی
یق دے اور عین عنایت۔ اور اپنی محافظت کے حرز سے اُن کی حفاظت کرے
ہی سے خیر وجود کا فیضان ہے ۔ آمین یارب العالمین ۔

ترجمہ خاتمۂ کتاب مصنّف علّام

خدا تعالےٰ نے مجھے یوم مبارک جمعہ کی صبح کو آفتاب نکلنے سے پہلے اس رسالہ کے
م کرنے کی توفیق دی، اور یہ یوم سعید ایک ہزار تین سو چھ ہجری کے ماہ شوال کی پہلی تاریخ
یعید الفطر کا مبارک دن تھا جسے خدا نے فریضۂ صیام کے ادا کرنے کے بعد اپنے مسلمان
وں کے لیے باعث راحت و فرحت گردانا ہے اور جیسے کہ سال حج کے مبارک عبادت
مہینوں کی آمد پر سبب بہجت و مسرت قرار دیا ہے اُس خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جس کے
ل و احسان کی بدولت نیک کام انجام کو پہونچتے ہیں اور اُس کے تمام انبیاء اور مرسلین
وصًا افضل رسل محمد مصطفےٰ النبی امی پر جن کی بدولت ہمیں راہ ہدایت دیکھنا نصیب
ی اور ان سب کے آل و اصحاب پر ہزاروں درود اور لاکھوں سلام نازل ہوں و آخر
نا ان الحمد للہ رب العالمین فقط

خاتمۂ از مترجم

شکر صد شکر ٹھکانے لگی محنت میری — طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری

۲۰ رجادی الثانی ۱۳۱۵ھ یوم سہ شنبہ وقت ظہر مدرسۂ جامع العلوم کانپور میں احقر خدام علماء کرام و فضلاء عظام عاجز اسحاق علی عفی عنہ مدرس سوم عربی مدرسۂ مذکور کے ہاتھوں یہ ترجمہ بتائید خداوندی اور بتوجہ مربی و مولائی و استاذی معتمدی و سندی جناب حافظ قاری شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی ختم ہوا خدا اسکو قبول فرما دے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع بخشے اور عاجز مترجم کو ریا و سمعہ سے محفوظ اور اس کی نیت کو شوائب نفسانی سے خالص رکھے آمین ثم آمین ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آخر میں مؤلف رسالۂ حمیدیہ کا تعدد ازدواج ۔ عورتوں کے پردہ اور طلاق کے بارہ میں چھوٹا سا رسالہ تھا تتمیم فائدہ کے لئے اس کا ترجمہ بھی اس کے ساتھ کر دیا گیا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔ بعد حمد وصلوۃ کے خدا
ت کا محتاج حسین الجسر طرابلسی ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اسلام کے
سائل میں سے تعدد ازدواج ۔ عورتوں کے پردہ اور طلاق کا مسئلہ ہے اور چونکہ اس
ین کسی غیر مسلم کی کتاب ان مسائل پر نکتہ چینی کے بارہ میں میری نظر سے گذری
ور اس شخص نے اس میں پہلے کے دونوں مسئلوں سے تعرض کیا ہے چنانچہ خاص
لے کی نسبت اس نے یہ کہا ہے "کہ تمام ممالک میں مردم شماری کے اعتبار سے
ں کی تعداد عورتوں سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ ہوتی ہے اور عجب نہیں کہ عنایت
اور حکمت الٰہی نے جو یہ رعایت مد نظر رکھی ہے اس کی یہ وجہ ہو کہ مرد بہ نسبت
ں کے زیادہ ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ ان کے موت کے اسباب عادتاً کچھ زائد ہیں
کہ سفر کی مشقتیں اٹھانا بحری خطروں کو جھیلنا ۔ لڑائیوں کی مصیبتیں برداشت کرنا
وغیرہ ۔ اور (مرد وعورت کی) اس نسبت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خداوندی

حکمت نے مرد کے لیئے ایک زوجہ سے زیادہ جائز نہیں رکھی ہیں اس لیئے زوجات
تعدد امر طبعی کے مخالف ہے الخ" اور اس میں مرد کی ایک سے زیادہ شادیاں کرنے
پر جیسا کہ یہ ہماری پاک شریعت کا حکم ہے اور اس بات پر کہ یہ حکم نظام طبعی کے خ
ہے اس پر لعنت سے چھونک (تعریض) کی ہے اور اس کتاب میں اس مؤلف نے
گہ دوسرے مقصد کی نسبت یہ کہنا ہے کہ حق اور انصاف کی بات نہیں ہے کہ عورت
کی غارت کی جائے یا اس پر ظلم روا رکھا جائے یا اس کو نکما بیٹھا رکھا جائے یا اس
ساتھ بدگمانی کرکے اس کو گھر میں بند کر دیا جائے جیسے کہ قیدی بند کیئے جاتے ہیں
مردوں کا گناہ میں پھنس جانا بہت قریب ہے۔ اور یہ سب سنگدلی کی راہیں ہیں اور
میں عورتوں کے پردہ اور ان کے گھروں کے اندر رہنے کے بارہ میں ہماری عادل شریعت
کے حکم پر چھونک (تعریض) کی ہے اس لیئے ہم نے چاہا کہ اس معاملہ میں جو حق بات
ہے اس کو عقلی قانون کے موافق ہم بیان کر دیں کیونکہ مؤلف مذکور کو شرعی احکام تسکین نہیں
دلا سکتے اس لیئے کہ وہ شریعت کے ماننے والوں میں سے نہیں ہے سو ہم نے بیان
ایسا طرز اختیار کیا ہے جس سے ہر عاقل کو تسکین ہو سکے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ مؤلف مذکور
ایک چیز تو یاد رکھی اور بہت سی چیزوں سے قطع نظر کر لی ان کا خیال نہ کیا اور بیان ا
یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ مردوں اور عورتوں کی تعداد قریب قریب ہے اس کے
بھی یہ امر مخفی نہیں کہ خداوندی حکمت کا مقتضا ہے کہ مرد و عورت کے مابین نوع انسان
کا توالد و تناسل ہوتا ہے اس کے افراد بڑھتے رہیں اور اس طرح پر یہ نوع جیسا
خدا کو منظور ہو باقی رہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی تنقیص ثابت ہوگی اور ہمارا
ذمہ واجب ہوگا کہ مختلف ذریعوں سے توالد و تناسل کی تقلیل اور انسان کے نسبت

ہیں کوشش کریں حالانکہ یہ بات واقع کے خلاف ہے اب یہ دیکھئے کہ توالد و تناسل
لیے حاملہ کرنے اور عورت کے تخم سے انجام پاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرد میں
رنے کی ہمیشہ صلاحیت باقی رہتی ہے اگرچہ سو برس کا کیوں نہ ہو جائے اور اس عمر
پنچ جانا ممکن بلکہ موجود ہے کوئی نادر بات نہیں یہاں تک کہ بعض حکماء اس کے قائل
ہ اگر انسان کو موت جلدی نہ آگھیرے تو اُس کی خلقت اور قدرتی ساخت کا مقتضا
ے کہ سو برس تک زندہ رہے (بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ انسان کی عمر طبعی ایک سو بیس
کی ہے) رہی عورت پس چونکہ جنین کا بار اٹھانے۔ وضع حمل کی مصیبت برداشت
اور دودھ پلانے سے اُس کی قوت ضائع ہو جاتی ہے اور ان سب باتوں کی وہ
قت متحمل ہو سکتی ہے جبکہ اُس کا جسم اس قدر قوت کو پہونچ جاتے۔ لہذا خداوندی
ا اس بات کو مقتضی ہوئی کہ عورت میں بچہ جننے کی استعداد سن احتلام (سن بلوغ)
لے کر پچاس برس کے سن تک رہے (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور اوروں کی رائے
پچپن برس کی عمر تک اُس میں بچہ جننے کی قابلیت رہ سکتی ہے) اور یہاں سے
اس کی طبعی قوت زائل ہونا شروع ہوتی ہے اس لئے باری تعالیٰ حمل کو اُس سے
دیتا ہے اور اُس کا خون حیض منقطع کر دیتا ہے جو کہ جنین کی غذا ہے اور بمقتضائے
واحسان تخم سے جس سے بچہ بنتا ہے اُس کو محروم کر دیتا ہے پس عورت میں بچہ
لی قابلیت کل پینتیس ۳۵ برس رہتی ہے اس لئے کہ اکثر وہ پندرہ برس میں بالغ
ہے اور جب یہ بات ٹھہر چکی تو اب ہم کہتے ہیں کہ عورت اپنے بچہ جننے کی قابلیت
ت میں جب بالغ مرد کے پاس رہے گی خواہ اُس کی عمر کا کوئی زمانہ کیوں نہ ہو تو مرد
برابر حاملہ کرنے کی استعداد پائے گی اور وہ اس امر سے قاصر نہ رہے گا۔ ہاں اگر کوئی

غیر طبعی و عارضی سبب ہو جائے تو بات ہی دوسری ہے رہا مرد اُس کی یہ حالت ہے
کہ جب وہ عورت کے پاس دونوں کے بالغ ہو جانے کے بعد رہے اور ایک ہی عورت
کا ہو رہے تو بسا اوقات اُسے اپنی عمر کی کچھ مدت نسل سے معطل رہنا پڑے گا۔ اپنی
تخم ریزی کا کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکے گا بیان اس کا یہ ہے کہ اگر دونوں کا ایک دوسرے
کے پاس رہنا دونوں کے ابتدائے بلوغ سے فرض کیا جائے تو عورت کے سن ایاس تک
دونوں سے توالد و تناسل ہونا ممکن ہے اور اس کے سن یاس کو پہونچنے کی مدت پچاس
برس ہیں پس اگر دونوں ساٹھ برس تک زندہ رہیں گے تو مرد پر عورت دس برس معطل
رہے گی یعنی عورت کی وجہ سے مرد کو دس برس تک نسل سے معطل رہنا پڑے گا اور اگر
دونوں ستر برس جئیں گے تو مرد پر بیس برس معطل رہے گی اسی طرح یہاں تک کہا جا سکتا
ہے کہ اگر دونوں سو برس زندہ رہیں گے تو مرد پر اُسے پچاس برس تک معطل رہنا پڑے گا
اور ایسا ہی اُس وقت بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ مرد و عورت دونوں ہم سن ہوں اور عورت
سن ایاس کو پہونچ گئی ہو اور اُس وقت کسی وجہ سے دونوں میں مقارنت ہوتی ہو۔ اور جب یہ
صورت مان لی جائے کہ سن کے اعتبار سے دونوں میں مخالفت ہو تو مرد کو عورت سے بڑا فرض
کرنے کی بناء پر غالب یہ ہے کہ عورت اُس وقت بھی مرد پر معطل ہی رہے گی حتیٰ کہ اگر یہ
بھی فرض کر لیا جائے کہ جس وقت عورت اور مرد میں مقارنت ہوتی ہے اُس وقت مرد
پچاس کا اور عورت پندرہ برس کی تھی اور پھر دونوں کی عمر سو برس کی ہوئی تب بھی عورت
مرد پر پندرہ برس تک معطل رہے گی۔ لیکن اگر عورت عمر میں مرد سے بڑی فرض کی جائے
تو اب مرد کا بہت بڑا نقصان ہوگا اور اس وقت معطل رہنے کا زمانہ مرد و عورت کے
سن کے فرض کرنے کے اعتبار سے متفاوت نکلے گا اور زیادہ سے زیادہ جو یہاں

ر ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے اُس وقت مرد و عورت میں مقارنت
ہو جبکہ مرد پندرہ برس کا اور عورت کا سن سنِ ایاس سے کچھ پہلے ہو پس اگر یہ عورت
مرد سے ایک بچہ جن کر آئسہ ہو جائے گی تو مرد کی سو برس کی عمر فرض کرنے کی
ورت پچاسی برس تک اُس پر معطل رہے گی پس اگر مرد کے لئے ایک سے زیادہ
ں کے ساتھ مقارنت کے مباح کرنے کے سوائے اس تفاوت کے اور کوئی
ب مقتضی نہ بھی ہوتا تب بھی یہ بالکل کافی تھا اس لیے کہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مرد
لید کی قابلیت کے زمانہ میں عورت پر ایک دن بھی معطل نہیں ہوتا اور وہ بہتیرے برسوں
س پر معطل رہتی ہے پس مرد کے لئے ایک سے زیادہ مقارنت مباح کر دینے
سے جو معطل رہنے کا احتمال تھا اُس کا تدارک کرنا ممکن ہوگا۔ اور یہ بات سب
ہ ہیں کہ بنظر اس کے کہ خدا نے بخلاف عورت کے مرد ہی کو کمانے کی قوت اور اُس
مدائد کے تحمل کی طاقت عنایت کی ہے اس لئے مرد ہی اہل و عیال کا خبر گیراں قرار
ہے اور عورت کے نان و نفقہ کا سامان بھی اُسی کے ذمہ ہے اور اُس کے مقابل میں عورت
ملق یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ خانہ داری کا انتظام اور اولاد کی پرورش کرے اور یہ بات
ن کے لئے ایک طبعی امر کی طرح ہو رہی ہے اور بعض جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ
خداوندی اور اُس طریق کے خلاف چلتے ہیں جس کے ساتھ عام طور پر طبیعتیں مالوف
، ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ محتاج اور ایسے لوگ جو زوجہ کے نان و نفقہ کے بار اُٹھانے
اصر ہیں بہ نسبت مالداروں کے جو اس کی قدرت رکھتے ہیں اکثر ممالک میں بکثرت
رچہ بعض بعض ممالک میں سب قریب قریب درجہ کے مالدار بھی موجود ہیں۔ پس
لک پہلی قسم کے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں کے بہتیرے محتاج آدمی

عورت کے نان و نفقہ کے بار اٹھانے کے خوف سے شادی نہیں کرتے بلکہ عادل شریعت
جب وہ اپنی نسبت یہ جانتے ہوں کہ نان و نفقہ سے عاجز ہونے کے باعث سے
وہ عورت کی حق تلفی کریں گے تو اُن کو شادی کرنے سے روکتی اور منع کرتی ہے اور
بعض ائمہ کے نزدیک تو جبکہ خاوند عورت کے نان و نفقہ سے عاجز ہو تو اُس ظلم کے
دفع کرنے کے لئے جس کو بعض ناگوار سمجھتے ہیں حاکم کو یہاں تک حق حاصل ہے کہ
ان دونوں میں تفریق کردے۔ اور ان ایام میں ہم ایسے عاجز مردوں کی زیادہ تعداد دیکھتے
ہیں اور اگر ان کے ساتھ فوجی آدمیوں کو بھی ہم ملالیں تو مجرد مردوں کی تعداد میں اور اضافہ
ہو جاتا ہے کیونکہ فوج میں نوکری کرنے والے اس خوف سے شادی کرنے سے باز رہا کرتے
ہیں کہ فوجی کام کی انجام دہی کے زمانہ میں انہیں اپنی زوجہ کو بلا کسی خبر گیر ان کے چھوڑنا
پڑے گا پس جب مرد کے لئے ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہ رکھا جائیگا
تو وہ عورتیں جو ان مجرد مردوں کے مقابلہ میں بچیں گی توالد و تناسل سے معطل رہیں گی اور جو خداوندی
حکمت نوع انسانی کی زیادتی اور اس کے ازدیاد کے باقی رکھنے کے بارہ میں تھی وہ باطل ہو جائیگی
لیکن جب مرد کے لئے یہ بات مباح کردی جائے کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی
کر سکے تو جو لوگ نان و نفقہ پر قدرت رکھتے ہوں گے تو وہ عورتوں کی اس تعداد میں سے
جو نسل سے معطل ہونے کو تھیں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکیں گے اور
اس وقت ان بیچاریوں میں جو توالد و تناسل کی استعداد پائی جاتی تھی وہ ضائع نہ جائیگی
اور نظام خداوندی مختل ہونے سے محفوظ رہے گا اور بغیر اس کے ان مصیبت زدہ عورتوں
کی اسی طرح عمر گذر جائے گی اور نوع انسانی کو اُن سے ثمرہ حاصل نہ ہو سکے گا جو کہ یادگار
رہ سکے۔

رہے دوسری قسم کے ممالک یعنی جہاں کے رہنے والے قریب برابر درجہ
ے مالدار ہیں ممکن ہے کہ وہاں ہر مرد ایک ہی عورت سے شادی کرے اور وہاں کی
رتوں میں سے کوئی معطل نہ رہنے پائے اور ایسے مقامات میں مرد خود ہی ایک سے
یادہ شادی نہ کرسکے گا اس لئے کہ جب وہ شادی کرنا چاہے گا تو اُسے فاضل عورت
ے ہی گی نہیں کیونکہ حساب کی رو سے تعداد ختم ہوچکی اور اگر کوئی کہے کہ اس تفصیل کا تو یہ
مقتضا ہے کہ صرف پہلی قسم کے ممالک کے رہنے والوں کے لئے ایک سے زیادہ عورتیں
باح کردی جائیں نہ کہ دوسری قسم کے تو ہم کہیں گے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ممالک محتاجی اور
لداری کے اعتبار سے ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتے بلکہ زمانہ کے دوران میں ہر مملکت
ر دونوں قسم کے حال آتے جاتے رہتے ہیں اور اس کا منضبط کرنا اور اس کے لئے زمانہ
ی کوئی حد مقرر کردینا ممکن نہیں اور بالفرض اگر اس کا انضباط ممکن ہو اور اس کی کوئی حد
مقرر بھی کی جاسکے تو جب اس معترض کے کہنے کے موافق حکم دیا جائے گا تو نتیجہ اس کا
یہ ہوگا کہ ہمیشہ اختلاف رہے اور زمانہ کی ہر مدت میں حکم اپنی ضد سے بدلتا رہے
اور بسا اوقات یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی کہ ایک سال تو مرد کے لئے بہتیری عورتوں
سے شادی کرنا جائز کردیا جائے اور اُس کے بعد والے سال میں اس سے روکنا پڑے
یا اس کے بالعکس معاملہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مملکت ایک ہی سال میں مالدار ہوجائے
اور پھر محتاج بھی بن جائے یا اس کا اُلٹا معاملہ ہو اور خداوندی احکام اس مرتبہ کے نہیں
ہوسکتے کہ آئے دن بدلا کریں اور ان میں تبدیل و تغییر کے ایسے ابواب نہیں کھل سکتے
جس سے خودغرض اور شہوت ران انسان اُن احکام و کھیل بنا سکیں پس تقریر سابق
سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مؤلف مذکور کے قول کے خلاف متعدد زوجات کا جائز ہونا ہی

امر طبعی اور عقل سلیم کے موافق ہے ۔ رہا ازدواج کا چار ہی میں منحصر کر دینا اُس سے مؤلف مذکور نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے لیکن اب ہم اسی تقریب میں اُس کی حکمت بھی ذکر کئے دیتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ اس حکم میں ایک شرعی حکمت بھی ہے مگر اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں کیونکہ مؤلف مذکور ہماری شریعت کے ماننے والوں میں سے نہیں ہے یہاں تک کہ شرعی حکمتوں سے اُس کے خیالات کو تسکین حاصل ہو سکے ہاں اُس کی عقلی حکمت ایسی ہے جو اُس کے امور مالوفہ کے طرز پر ہے اور اُس سے مؤلف مذکور کی تسکین ہو سکتی ہے ۔ بیان اس کا یہ ہے کہ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ نان ونفقہ سے عاجز آدمی شادی کرنے سے باز رہا کرتا ہے اور جو اس پر قادر ہوتا ہے وہ اس پر پیشقدمی کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلاش واستقراء سے کسب معاش کے چار ہی قسم کے عادی ذریعے نکلتے ہیں ۔ حکومت ۔ تجارت ۔ صناعت ۔ زراعت ۔ پس گویا باری تعالیٰ نے ہر ہر سبب کے مقابلہ میں ایک ایک زوجہ جائز رکھی پس جب کسی مرد کو سارے اسباب میسر آجائیں گے تو وہ چار عورتوں کو رکھ سکے گا اور جب ان ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اُس سے مفقود ہو جائے تو وہ تین ہی عورتوں پر اقتصار کریگا علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ جب کسی سے سارے ذرائع مفقود ہو جائیں تو وہ شادی نہ کرے اور یہ امر مالداروں کے حوالہ کرے اور جب کسی کو ایک ہی ذریعہ سے اس قدر فراغت نصیب ہو جائے کہ دوسرے ذریعہ کے قائم مقام ہو سکے بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بقدر اپنی وسعت کے شادیاں کر سکے گا ۔ اب

ب تقریر گذشتہ اور اس تقریر کو سمجھ گئے ہوں گے تو آپ پر اس کا راز بھی
ں جائے گا کہ مرد کو لونڈیوں میں سے چار سے زیادہ عورتوں کو سریہ بنانا
ی اُن کو جماع کے لئے متعین کر لینا) کیوں جائز کیا گیا اس لئے کہ ایسی عورتیں
، مملکت میں کہ لائی جاتی ہیں وہاں اُن کے مقابلہ میں مردوں کی تعداد نہیں پائی
ی۔ پس جس حالت میں کہ نادار لوگ اُن کے مالک بننے کی قدرت نہیں رکھتے
مالداروں کے لئے بھی اُن میں سے کئی عورتیں جائز نہ ہوتیں تو وہ نسل سے معطل
جاتیں پس مالداروں کے لئے لونڈیوں میں سے کئی عورتیں جائز کر دینا عین حکمت ہے
اس قدر بیان سوچنے سمجھنے والے آدمی کے لئے بالکل کافی معلوم ہوتا ہے۔ رہا
ہ کہ مؤلف مذکور نے خاص کر دوسرے مسئلہ کے بارہ میں اپنی کتاب میں بیان کیا
اور مراد اُس سے عورتوں کا پردہ ہے تو اس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ عورتوں کا
ں مردوں سے پردہ کرنا تو ایک ایسی بات ہے جسے عقل سلیم ضروری سمجھتی ہے
جو کہ انسانیت۔ نظام خداوندی اور قانون طبعی سب کے نزدیک مستحسن ہے اور
ن اس کا یہ ہے کہ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ نان و نفقہ کے سامان کی
یت طبعی طور پر مرد ہی کو دی گئی ہے۔ رہی عورت وہ صرف انتظام خانہ داری اور
دکی پرورش کی مکلف ہے اور یہی علی العموم مالوف طریقہ ہے اور اسی کو عقلیں
ستحسن شمار کرتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط
بے حیائی کے ارتکاب کرنے کے بہت سے سبب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ
ول طرف سے اس کا پورا مقتضے موجود ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ دیکھنے
لینے کو اس امر قبیح کے ارتکاب میں بڑا دخل ہوتا ہے جس کو کہ تمام شریعتیں

حرام بتاتی ہیں اور عقلیں برا سمجھتی ہیں کیونکہ اس سے نسب مختلط ہوجاتے ہیں اور باہمی
ہمدردی کا ضعف لاحق ہوتا ہے اور اس کی برائی اس قدر ہے کہ جس کی کوئی حد
نہیں اور اس کے ثبوت میں اتنا ہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی امتوں
کو اس فعل شنیع کے ارتکاب کے باعث سے ہلاک کرڈالا ہے۔ پس جس قانون
سے کہ اس کی کثرت رک سکتی ہے وہ صرف یہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں
کو باہمی اختلاط سے روکا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بغیر اس کے کہ دونوں فریق میں
سے ایک کو گھر کے اندر رہنے کا پابند کردیا جائے انجام نہیں پاسکتا اور جب ہم
مردوں کو دیکھتے ہیں کہ اُن کو گھر کے باہر تمام مصارف خانہ داری حاصل کرنے کے
لئے کوشش کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے اس لئے وہ تو گھر میں رہنے کے پابند کئے
نہیں جاسکتے البتہ بنظر اس کے کہ عورتیں خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی مکلف
ہیں تو گھروں کے اندر رہنے کا پابند ہونا اُنہیں کے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ
جس کام کی کہ عورتیں مکلف ہیں یہ اُس کے موافق ہے پس عورتوں کا گھر کے اندر ہی
رکھنا عین حکمت ہے اور اگر کہا جائے کہ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی رکھنے سے اُن
کو ضرر پہونچے گا تو ہم کہیں گے کہ اس سے کیسا کچھ ضرر کیوں نہ فرض کرلیا جائے
لیکن مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے جو ضرر ہوگا وہ ضرر اس سے کہیں بڑھ کر
اور نہایت شدید ہوگا اور دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کے ضرر کا ارتکاب کرلینا معقول
بات ہے اور شرع کے بھی موافق ہے اس لئے شریعت نے عورتوں پر پردہ کا حکم
لگایا ہے اور یہ حکم عورتوں کی مصلحت کے جس کی کہ وہ مکلف ہیں اور نیز نوع انسان
کی مصلحت یعنی حفاظت نسب کے بالکل موافق ہے علاوہ بریں جو عورتیں اپنے

ہن سے پردہ ہی میں پڑی ہوئی ہیں اُن پر تو اس ضرر کا نام ونشان بھی نہ پایا جائیگا
یہ اس لیئے کہ یہ امر اُن کی عادت مالوفہ میں داخل ہوجائیگا اور یہ مخفی نہیں کہ
رت سے ایسی ایسی چیزیں قبول کرلینے کی انسان میں قابلیت آجاتی ہے جن
ے کہ عادت نہ ہونے کی صورت میں وہ بالکل عاجز ہوتا چنانچہ مؤلف مذکور نے
ذ اپنی اُس ہی کتاب میں کہا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان بہت سی اشیاء
عادی بن سکتا ہے چاہے وہ زہریلی ہی کیوں نہ ہوں اس طرح پر کہ وہ ایسی مقدار
ں میں سے کھا سکتا ہے کہ اگر ایسا شخص جس کو عادت نہ ہو اس قدر کھائے تو اُسے
نت ضرر پہونچے پس ہم عورتوں کو جو پردہ کی عادی ہورہی ہیں دیکھتے ہیں کہ وہ پردہ
ں رہنے پر فخر کرتی ہیں اور اُس کو اپنی آبرو کی حفاظت کا بہت بڑا سبب شمار کرتی
ے اور بے پردہ عورتوں کو جو پردہ کا خیال نہیں کرتیں وہ اُن کو بیحیائی اور اپنی
رو کی حفاظت نہ کرنے کی جانب منسوب کرتی ہیں اور اس کی وجہ سوائے اس کے
ر کچھ نہیں کہ وہ پردہ کی عادی ہورہی ہیں اور اُس کے ساتھ مالوف ہوگئی ہیں اور
بے پردگی کے ساتھ پھرنے سے پردہ کو اُنہوں نے اپنے حق میں بہتر پایا ہے ۔
س جب یہ بات ٹھہری تو ظاہر ہوگیا کہ عورتوں پر پردہ کا حکم اُن کے حقوق کو تلف
ہیں کرتا اور نہ ظلم وسنگدلی شمار کیا جا سکتا ہے ۔ اور اس مؤلف مذکور کا قول اس
کے خلاف ہے جیسے کہ عادل شریعت کے اسرار سے ذرا بھی واقفیت نہیں اُس نے
جو چاہا اٹکل پچو ہانک دیا ۔ رہا مؤلف مذکور نے جو عورتوں کی تحقیر اور اُن پر ظلم کرنے
ور اُن کو نوشت خواند سے محروم رکھنے کے بارہ میں کہا ہے تو یہ خود ایک ایسا
مر ہے جس کو ہماری روشن شریعت جائز نہیں رکھتی اور اس کے خلاف کا حکم کرتی

ہے اور اس تحقیر یا ظلم کے ارتکاب کو شرع کے مقدس احکام کی مخالفت شمار کرتی ہے۔
پس مولف مذکور نے اس امر کا جو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو ہمارے خیالات کو
اس سے کوئی واسطہ اور لگاؤ نہیں اور نہ اس بارہ میں ہمیں اس سے گفتگو کرنے کی
کوئی ضرورت ہے کیونکہ ایسی تحقیر و ستم سے خود ہماری شریعت منع کرتی ہے۔
رہا طلاق کا مسئلہ سو مجھے اب خبر پہنچی ہے کہ ایسے ہی لوگوں میں سے کسی شخص
نے ایک کتاب کی تالیف شروع کی ہے جس کا نام اس نے "الطلاق" رکھا ہے
بظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ پر جن کے مذہب میں طلاق جائز ہے اسے رد کرنا مقصود
ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس میں وہ کیا دلیل پیش کرے گا لیکن اب ہم ایسی تقریر
بیان کرتے ہیں جس سے یہ امر مدلل اور مبرہن ہو جائے کہ طلاق کا جائز ہونا عقل کے
موافق ہے اور اس سے منع کرنا نظام خداوندی اور ترتیب طبعی کے منافی ہے سوائے
اپنی بڑائی کے زعم میں ہٹ دھرمی کرنے والے کے اس کا کوئی مخالف نہیں ہو سکتا،
پس ہم کہتے ہیں کہ اس رسالہ کے شروع میں پیشتر یہ بات بیان ہو چکی ہے
کہ حکمت الٰہی اس امر کو مقتضی ہے کہ نوع انسانی میں توالد و تناسل جاری رہے اور
اس کی کثرت ہوتی رہے اور یہ کہ مرد میں سن احتلام سے لے کر مرتے دم تک تولید
کی استعداد و قابلیت رہتی ہے اور عورت میں سن احتلام سے لیکر صرف سن ایاس ہی
تک تولید کی قابلیت پائی جاتی ہے اس کے بعد نہیں رہتی اور اس مدت کی کل مقدار
پینتیس ۳۵ سال ہوتے ہیں۔ پس خاوند و زوجہ میں مقارنت ہو اور ان دونوں میں توالد
تناسل نہ پایا جائے اور یہ بہت ہوتا ہے تو اس صورت میں اتنے احتمال ہوں گے
کہ اس کا مانع یا تو خاوند کی جانب سے ہے۔ پس جس حالت میں کہ طلاق ممنوع ہو تو

ن دونوں کی ساری عمر بلا نسل کے گذر جائے گی اور اگر ان دونوں میں سے کسی میں تولید
کی استعداد موجود ہوگی تو اُسے نسل سے ناحق معطل رہنا پڑے گا اور کبھی کبھی اس معطل
رہنے کی مدت پچاسی برس تک متصور ہو سکتی ہے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو وہ کچھ
دن صبر کرنے کے بعد اُس عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے مقارنت کر سکے
اور اُس عورت کو بھی دوسرے مرد سے مقارنت کرنا ممکن ہوگا۔

پس اُن دونوں میں سے جس میں تولید کی استعداد ہوگی اُس وقت وہ نسل سے
کامیاب ہو سکے گا اور معطل نہ رہے گا۔ اور جس میں استعداد نہ ہوگی اُس پر اپنی حقیقت
حال کے ظاہر ہو جانے سے اُس کے دل کو راحت نصیب ہو جائے گی اور کبھی ایسا
بھی ہوتا ہے کہ اُن دونوں میں تولید نسل کی استعداد موجود ہوتی ہے لیکن اُن دونوں
کے آلۂ تناسل متوافق نہیں ہوتے پس جب دونوں میں مفارقت ہو جائے گی تو اُن
میں سے ہر ایک کو ممکن ہوگا کہ کسی دوسرے سے مقارنت کر کے نسل حاصل کر
سکے اور اپنی تولید کی استعداد کے ثمرہ سے محروم نہ رہے اور یہاں پھر ہم اُس امر
کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس کی بحث ہم پہلے کر رہے تھے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ
ایسی صورت میں جب مرد اُس عورت کو طلاق دینے میں توقف کرنا چاہے جو کہ اُس
سے حاملہ نہیں ہوئی تو اُسے (تعدد ازواج کی بنا پر) ممکن ہوگا کہ اس بات کے
ظاہر کرنے کی غرض سے کہ حمل کا مانع کس کی جانب سے ہے کسی دوسری عورت سے
مقارنت کرے۔ پس اگر وہ مانع زوجہ کی جانب سے ظاہر ہو تو اس صورت میں اگر
وہ چاہے گا۔ تو اُسے بدستور عقد میں باقی رہنے دے اور اُس فضل و احسان کو جو
اُس کے اور زوجہ کے مابین ہے نہ بھولے اس لئے کہ اب اُس کے طلاق دینے سے

کیا فائدہ (کیونکہ وہ دوسرے سے مقارنت کرکے نسل تو حاصل کر ہی نہیں سکتی اس لئے کہ اُس میں سبب مانع حمل موجود ہے اب اُس کے حق میں یہ خاوند اور دوسرا شخص دونوں برابر ہیں اس لئے اگر خاوند چاہے تو اُسے اپنے پاس رہنے دے) اور اگر یہ ظاہر ہو کہ حمل کا مانع خود اُسی خاوند ہی کی جانب سے ہے تو اُسے اس عورت کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے اور ہم قانون سابق کے مقتضا کے موافق یہ نہیں کہتے کہ اُسے اس وقت طلاق دینا واجب ہے تاکہ وہ عورت دوسرے سے مقارنت کر سکے کیونکہ اُس عورت میں استعداد تولید کا پایا جانا ہی متیقن نہیں ہے بلکہ اس میں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عورت میں بھی استعداد تولید موجود نہ ہو اور احکام شک پر مبنی نہیں ہوا کرتے۔

پھر کبھی طلاق کے جائز کئے جانے کا ایک اور بڑا اہم اور ضروری سبب پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاوند و زوجہ میں نفرت پیدا ہو جائے اور اُس کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً یہ کہ کسی مزمن مرض کا لاحق ہونا۔ بدصورت ہو جانا۔ آلہ تناسل کا معطل ہونا عورت کا اپنے خاوند کی اولاد کے نسب محفوظ رکھنے کے بارہ میں اس طرح اُس سے خیانت کرنا کہ اُس کو خاوند ظاہر نہ کر سکتا ہو اور حاکم کے روبرو ثابت کرنا اُسے ممکن نہ ہو پس اگر طلاق ممنوع ہوگی تو اس حالت میں دونوں کی زندگی تلخ ہو جائیگی اور دونوں کے دونوں اپنی تمام عمر اس تلخی کا مزہ چکھتے رہیں گے اور اُن دونوں کی آنکھوں میں فساد اور بے حیائی کے دروازے کھل جائیں گے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو دونوں اس تنگی اور اس بے لطفی سے چھٹکارا پانے کا قصد کریں گے اور بے حیائی کے ارتکاب سے اور نیز دیوث بننے سے محفوظ اور پاک وصاف رہ سکیں گے۔

باقی رہا یہ امر کہ طلاق صرف خاوند ہی کے ہاتھ میں کیوں رکھی گئی عورت کے اختیار میں کیوں نہ ہوئی اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی عقل عورت سے زیادہ درست اور ثابت ہوا کرتی ہے اور عورت کے خیالات ذرا سی بات میں اکثر بدل جایا کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ امر علی العموم مسلم ہے اور پہلے یہ مذکور ہو چکا ہے کہ عورت کے نان و نفقہ کی مرد ہی کو تکلیف دی گئی ہے پس جب عورت سے اُسے کسی قسم کی نفرت پیدا ہو جائے گی تو مرد کے نزدیک راجح یہی امر ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے اس کو برداشت کرے اس نظر سے کہ اُس کی عقل ثابت اور قوی ہے اور نیز اُسے یہ خوف بھی لگا ہوگا کہ جو کچھ اُس نے عورت پر خرچ کیا ہے کہیں ضائع اور برباد نہ ہو جائے پس اس وجہ سے اُسے طلاق دینے اور اس کی مفارقت اختیار کرنے سے حتی المقدور باز رہے گا۔

رہی عورت چونکہ وہ ان دونوں باتوں سے (یعنی قوت عقل اور خوف ہلاک نفقہ) خالی ہے نہایت قریب ہے کہ جب ذرا بھی کوئی نفرت کا باعث پایا جائے گا تو وہ بلا تامل طلاق دینے اور اُس کی مفارقت اختیار کر لینے پر آمادہ ہو جاوے گی اور اُس کو چھوڑ دوسرے کو جا ڈھونڈھے گی۔ پس اسی واسطے خداوندی حکمت کا یہ مقتضا ہوا کہ طلاق مرد ہی کے ہاتھ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں اور یہی عین حکمت ہے۔ پس سمجھدار سوائے اُس حالت کے کہ وہ بالکل مضطر ہو جائے طلاق دینے پر کبھی پیش قدمی نہ کرے گا۔ رہا بعض بیوقوفوں کا ذرا سی بات میں طلاق دینے پر پیشقدمی کرنا سو یہ بات حکم شرعی اور نظام عقلی کے خلاف ہے اور خدا اس کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ ائمہ اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔

منصف کے لئے اس قدر بیان بالکل کافی ہے اب ہم اس زمانہ کے متمدن دنیا
فرقوں کے کچھ حالات جس سے کہ ہماری تقریر کی تائید ہوتی ہے ذکر کرکے اپنے کلام کو ختم
کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ فرقے جو اشیاء ہماری شریعت نے مباح کی ہیں اُن کو
مستحق شمار کرنے لگے ہیں چنانچہ ان فرقوں میں سے بعض نے دو شادیاں جائز کردی
ہیں۔ لیکن دوسری زوجہ اور اس کی اولاد کی بڑی بدنصیبی ہے کیونکہ نہ اُس کو یہ لوگ
نا مذہبی زوجہ شمار کرتے ہیں اور نہ اُس کی اولاد مذہبی اولاد سمجھی جاتی ہے پس میں نہیں
سمجھ سکتا کہ یہ متعصب مؤلف عورتوں کے لئے بیان کیا کہے گا اور بعض ممالک میں طلاق
بھی جائز کردی گئی ہے۔ جیسا کہ اخباروں میں یہ بات شائع وذائع ہوچکی ہے۔ حمد
توصیف وثنا کا خدا ہی مستحق ہے جس نے ہماری شریعت کو ایسا بنایا کہ عقلیں اس کے
احکام کو اچھا سمجھتی ہیں اور اس کے نظام معقول کی پیروی کرتی ہیں ہم ان مؤلف صاحب
اور انہیں کے ایسے اور صاحبوں سے امید کرتے ہیں کہ اپنی کتابوں میں ایسی باتوں
سے تعرض نہ کیا کریں جن کو ان کے پڑوسیوں (اہل اسلام) کے خیالات سے تعلق
ہو بلکہ اس کے علاوہ اپنے علوم کو شوق سے بیان کریں اور فخر کریں ورنہ یہ یاد
رکھیں کہ مقدس شریعت کے احکام خداوندی حکمت اور نظامات عقلیہ پر مبنی ہیں
اُن کی ضعیف رائیں ان میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتیں اور اس کے اس کثرت
سے حامی کار لوگ موجود ہیں جو اُس پر سے اعتراضات دفع کرسکتے ہیں اور قیامت
تک دفع کرتے رہیں گے۔ الحمد للہ رب العالمین فقط۔ ۴ رجب ۱۳۱۵ھ کو
بعد ظہر یہ ترجمہ مترجم صاحب سے ختم ہوا۔ نقلہ خاکسار محمد انعام اللہ عفی عنہ

تقریظ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی

مبسملاً و حامداً و مصلیاً

للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست	آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

مدت سے یوں دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب جمع کی جاوے جس سے
خیالات کی اصلاح ہو جو بوجہ ناواقفیت علوم دینیہ کے بعض نوجوانوں کو تعلیم
فۂ جدیدہ سے اسلامی فروع و اصول میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی اثنا میں اتفاقاً
ب کتاب حمیدیہ نام نظر سے گذری جو اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی و وافی ثابت
ئی چونکہ وہ عربی زبان میں تھی اس لئے اپنے ہموطن بھائیوں کے لئے اردو میں اس
رجمہ ہونا مناسب معلوم ہوا چنانچہ بفضل خداوندی عزیزی حبیبی مولوی سید اسحاق علی
دری سلمہ اللہ تعالیٰ بالفیض الخفی والجلی کے ہاتھوں یہ کام بخیر و خوبی اتمام کو پہنچا
۔ اول سے آخر تک میری نظر سے گذرا۔ اصل و ترجمہ کی خوبی کا بیان کرنا شاید مبالغہ
اعرانہ پر محمول ہو اس لئے اہل انصاف و فہم کے ملاحظہ اور اصل و ترجمہ کی
بیق پر اس کو حوالہ کیا جاتا ہے اتنا البتہ کہنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے
مصنف و مترجم نے اپنے ہم چشموں میں گویا خرق عادت کر دکھلایا جزاہم اللہ
لٰی عن جمیع المسلمین خیر الجزاء وجعل عقباہما خیراً من الابتداء اب خدا تعالیٰ
ے یہ دعا ہے کہ یہ ترجمہ چھپ جاوے اور طالب علم عربی و انگریزی مدارس
اس سے منتفع ہوں اور ان سب کے لئے یہ سرمایہ ہدایت و اہتداء ہو۔ آمین یا۔

رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ⁂

کاتب الحروف

ناچیز اشرف علی تھانوی عفی عنہ و لوالدیہ

۲۸ رجب سنہ ۱۳۱۵ ہجری

حل الاشتباہات

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ
ے ایک مختصر رسالہ "الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ" تصنیف
ایا تھا جس میں جدید تعلیم کی وجہ سے نوجوانوں کو جو اشکالات اور اعتراضات
سلام پر نظر آتے ہیں۔ ان کے جواب اس انداز سے دیے گئے تھے
کچھ اصول ایسے بیان فرمائے گئے تھے کہ وہ عقلی طور پر ساری
یا کو مسلم ہیں۔ اور ان اصول کے تحت میں مختلف شبہات کا جواب
یا تھا۔ بحمد اللہ یہ چند اصول ایسے الہامی اور عجیب ہیں کہ ہمیشہ
ے پیش آنے والے اشکالات کا جواب انہی اصول کی مدد
ے دیا جا سکتا ہے۔

یہ رسالہ بہت مختصر اور بہت علمی طرز کا مشکل تھا۔ اس لئے
ضرورت تھی کہ اس کی عام فہم شرح کی جائے چنانچہ حضرت حکیم الامت رح
کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحب رح نے حضرت رح کی
یہ ہدایت و نگرانی اس کام کو ایسے احسن طریقہ اور خوش اسلوبی سے

انجام دیا کہ درحقیقت ان مشکل مضامین کو عام فہم کرکے سمجھا دیا۔ جزا
اللہ تعالیٰ۔

اب یہ گوہر بے بہا نوتعلیمیافتہ حضرات کے لئے تریاق سے بڑھ
کر اور حرز جان بنانے کے قابل ہے۔

حصّہ اوّل	قیمت -/۶
حصّہ دوم	قیمت -/۴

حبیب خدا

یعنی

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ
کی تالیف فرمودہ، سیرت نبوی پر اپنی نوعیت کی واحد کتاب۔ نہایت
مستند، جامع، مختصر اور دلچسپ۔ ضخامت ۲۷۴ صفحات۔

قیمت ۴ روپے ۸ آنے

حیوۃ المسلمین

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ب ہزار سے زائد تصانیف میں سے یہی وہ کتاب ہے جس کے متعلق
زت مصنف رح نے فرمایا تھا کہ "مجھے اپنے اعمال میں یہی کتاب ایسی
ر آتی ہے کہ شاید اس کی وجہ سے میری بخشش ہو جائے"
"مسلمان" صحیح معنوں میں کس طرح مسلمان بنتا ہے اور اسلام کی
ح کے حاصل کرنے کا طریقہ اس کتاب میں عجیب انداز سے بیان
ایا ہے۔

قیمت چار روپے آٹھ آنے

اصلاح الرسوم

تصنیف حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی
س سرہٗ — مسلمانوں نے محض آبائی تقلید کے ماتحت، شادی
غمی وغیرہ میں جو خلاف شرع لغو اور فضول رسمیں اختیار کر رکھی
، ۔ ان کو ایک ایک کو گنوا کر اُن کی بُرائی بتائی گئی ہے۔ اور
ی وغیرہ صحیح اسلام کے طرز پر کرنے کا طریقہ۔ مولود کا صحیح طریقہ
رہ بتایا گیا ہے۔

قیمت دو روپے